

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَلَّوْا وَفُتِنُوا مِنْهُمْ قُلْ هِيَ سَيِّئَةُ مَا كَفَرْتُمْ فَتَنِي فِي شَيْءٍ

# آخِرَةُ آدَمِ

رَدِّ رَوَافِضِ

شیعہ کے چالیس سوالات کے جوابات

حضرت مولانا محمد تاسم نانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ

بانی دارالعلوم دیوبند

مقدمہ

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی مدظلہ العالی

بانی مدرسہ نصرة العلوم گوجرانوالہ

ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرة العلوم

گوجرانوالہ © پاکستان



إِنَّ الدِّينَ فَرَقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا لَسْتُ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ (انعام)

# اجوبہ العین

ردّ روا فض

حصہ اوّل

از: حجتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی

— واز —

حضرت مولانا عبد اللہ انصاری سابق ناظم شعبہ دینیات علی گڑھ کالج

— مقدمہ —

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید صاحب <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup> سواتی بانی مدرسہ نصرة العلوم کوہرانوالہ



ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرة العلوم نزد گھنٹہ گھر کوہرانوالہ



(محقق طبع مع اضافات و حواشی بکن اداره محفوظ ہیں)

نام کتاب	اجوبہ دار الجلیلین
مصنف	حجتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی
مقدمہ	حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی
مصحح	حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی مولانا حافظ امجد علی صاحب مولانا مفتی محمد علی صاحب مولوی محمد اشرف صاحب
مطبع	فائن بکس پرنٹرز لاہور
تاریخ طباعت اول	صفر المظفر ۱۴۰۲ھ بمطابق دسمبر ۱۹۸۱ء
سرورق	سید انور حسین شاہ صاحب نفیس رقم لاہور
ناشر	ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
تعداد	۵۰۰
قیمت	
تاریخ طبع ثانی	جمادی الثانی ۱۴۱۳ھ، بمطابق دسمبر ۱۹۹۲ء

ملنے کے متے  
مکتبہ دوس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ  
ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ





# فرس اجوبہ اربعین حصہ اول

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۰	الدلیل المحکم	۱۹	تقریظہ از مولانا محمد ناظر حسن
۴۰	لطائف قاسمی	۲۰	مقدمہ -۱- از مولانا عبد الحمید صاحب سواتی مظاہر
۴۰	جمال قاسمی	۲۴	حکمت قاسمیہ
۴۱	فیوض قاسمیہ	۲۵	اجوبہ اربعین
۴۱	مصباح التراویح	۳۰	حضرت نازتویؑ کی کتابوں کا اجمالی تذکرہ
۴۲	الحق الصریح فی اثبات التراویح	۳۰	حجۃ الاسلام
۴۲	اسرار الطہارۃ	۳۱	تقریر دلیلیہ
۴۲	قصائد قاسمی	۳۱	انتصار الاسلام
۴۳	حاشیہ بخاری شریف	۳۲	قبلہ نما
۴۳	فتویٰ متعلقہ اجرت تعلیم	۳۳	آب حیات
۴۳	جواب ترکی ترکی	۳۶	تحدیر الناس من انکار اثر ابن عباسؓ
۴۳	ہدیۃ الشیخہ	۳۶	مناظرہ عجیبہ
۴۴	اجوبہ اربعین	۳۷	مکاتیب حضرت نازتویؑ
۴۴	اجوبہ الکاملۃ فی الاسولۃ الخاملۃ	۳۸	تصفیۃ العقائد
۴۵	مکاتیب قاسمی	۳۸	اسرار قرآنی
۴۵	الخط المقسوم من قاسم العلوم	۳۸	تحفہ نجیبہ
۴۶	دیباچہ طبع اول	۳۹	اقتبہ المؤمنین
۴۷	مقدمہ طبع اول - (سبب تالیف کتاب)	۳۹	میلہ خدائشی
۴۸	استاذ زاوہ کی تعظیم اور فرمانبرداری	۳۹	مباحثہ شہنشاہ پور
۴۸	ضدی بہت دھرم کی اصلاح نہیں ہوتی -	۴۰	توثیق الکلام فی الانصاف خلف الامیہ



۶۲	۴۹	تیسری حدیث	اہل تشیع اور بنی اسرائیل میں مشابہت تمامہ
۶۳	۴۹	چوتھی حدیث	اٹھائیس سوال دراصل ایک ہی سوال ہے
۶۳	۵۰	پانچویں حدیث	سب کا اجمالی جواب
۶۴	۵۱	چھٹی حدیث (۵ روایتیں)	صحابہ کرام کی تعریف میں چار واضح ترین آیات
۶۵	۵۱	ساتویں حدیث	پہلی آیت
۶۵	۵۱	آٹھویں حدیث	دوسری آیت
۶۵	۵۲	نویں حدیث	تیسری آیت
۶۶	۵۲	دسویں حدیث	چوتھی آیت
۶۷	۵۳	گیارہویں حدیث	صحابہ کرام کو نہ ماننے سے تمام دین ختم ہو جاتا ہے۔
۶۷	۵۴	بارہویں حدیث	حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے واقعہ میں
۶۷	۵۴	تیرھویں حدیث	مشاجرات صحابہ کے طعن کا ازالہ یقینی ہے
۶۸	۵۵	چودھویں حدیث	صحابہ کرام کی تعریف خدا نے قرآن میں بار بار کی
۶۸	۵۶	پندرھویں حدیث	صحابہ و اہلبیت رضی اللہ عنہم دونوں کی تعظیم فرض ہے
۶۹	۵۷	سولہویں حدیث	سوال اول از جانب شیخ
۶۹		سترھویں حدیث	جواب
۷۱	۵۷	سیچھتھویں حدیث	افضلیت صدیق اکبرؓ پر دو قرآنی دلیلیں
۷۱	۵۹	اٹھارویں حدیث	حدیث سے صدیق اکبرؓ کی افضلیت پر تین دلیلیں
۷۲		سوال دوم از جانب شیخ	پہلی دلیل
۷۲	۶۰	جواب سوال دوم	دوسری دلیل
۷۲	۶۱	اہل حل و عقد کی تعریف	تیسری دلیل
۷۳	۶۱	حضرت ام حسینؓ وزین العابدینؓ کا مقام	جواب مولوی عبداللہ صاحب
۷۳	۶۱	دوستوں میں شکر رنجی آنی جانی چیز ہے۔	پہلی حدیث
۷۴	۶۲	ایک مثال	دوسری حدیث



۸۶	حضرت علی رضی کے مخصوص فضائل	۷۵	مذہب شیعہ کے اصول پر جواب
۸۷	حضرت عمر رضی کے مخصوص فضائل	۷۵	تقیہ کے عذر لنگ کا ازالہ
۸۸	حضرت عثمان رضی کی فضیلت میں احادیث	۷۵	شیعوں کا تقیہ قرآن کے مخالف ہے
۸۹	سوال ہفتم از جانب شیعہ	۷۶	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب
۸۹	جواب سوال ہفتم۔ ردّ جس کی روایت شیعہ کے لیے مفید نہیں	۷۷	سوال سوم از جانب شیعہ
۹۱	دعائے نبوی سے ہونے والا کام معجزہ رسول ہے۔	۷۷	جواب سوال سوم
۹۱	محضور کی ابو بکر رضی کی احسان شناسی	۷۸	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب
۹۲	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب	۷۹	سوال چہارم از جانب شیعہ
۹۳	سوال ہشتم از جانب شیعہ	۷۹	جواب سوال چہارم
۹۳	جواب سوال ہشتم	۷۹	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب
۹۴	خوارج بدعتی تھے۔	۸۰	حمایت رسول میں ابو بکر رضی کی بہادری اور قتال
۹۵	شیعہ خارجیوں سے بدتر ہیں	۸۱	ابو بکر صدیق رضی کی غیرت ایمانی۔ دیگر حدیث محبوب سبحانی مع قرآن
۹۵	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب حضرت ابو بکر صدیق رضی کا جہاد و انفاق	۸۲	بعد از رسول ابو بکر رضی ہی کفار کے دل میں کانٹا تھے۔
۹۷	سوال نہم از جانب شیعہ	۸۲	سوال پنجم از جانب شیعہ
۹۷	جواب سوال نہم صحابہ کرام افضل ترین امت محمدی ہیں۔	۸۲	جواب سوال پنجم
۹۸	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب	۸۳	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب
۹۸	عشرہ مبشرہ کا ذکر خیر	۸۳	سفر ہجرت میں حضرت ابو بکر رضی کا ایثار ضرب المثل ہے۔
۹۹	ہر مسلمان امت نبی میں داخل ہے۔	۸۴	ابو بکر صدیق رضی سے بڑے عاشق رسول تھے
۱۰۰	سوال دہم از جانب شیعہ	۸۴	حضرت ابو بکر رضی خدا و رسول کی شہادت سے صدیق نہیں۔
۱۰۰	جواب سوال دہم و یازدہم	۸۵	کتب شیعہ سے صدیق ہونے کا ثبوت
۱۰۱	اللہ تعالیٰ نے تو معاف کر دیا پر شیعہ نے نہ کیا۔	۸۶	سوال ششم از جانب شیعہ
۱۰۲	جواب ثانی از جانب مولوی عبداللہ صاحب جنین میں ثلثہ قسم صحابہ رضی	۸۶	جواب سوال ششم
۱۰۳	سوال یازدہم از جانب شیعہ	۸۶	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب



۱۱۸	۱۰۴	حدیث ۱	جواب از جانب مولوی عبداللہ صاحب
۱۱۸	۱۰۴	حدیث ۲	ثابت قدمی کی فضیلت سنی مذہب میں ہے شیعہ مذہب میں نہیں
۱۱۹	۱۰۴	حدیث ۳	ایک شبہ کا ازالہ
۱۱۹	۱۰۵	حدیث ۴	سوال دوازدہم و سیزدہم از جانب شیعہ - بحث فدرک
۱۱۹	۱۰۵	حدیث ۵	جواب سوال دوازدہم و سیزدہم
۱۱۹	۱۰۵	فائدہ در موازنہ	حضرت صدیق حدیث صدقہ ترکہ کی وجہ سے مخدور تھے
۱۲۰	۱۰۶	سوال پانزدہم از جانب شیعہ	مسئہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۱۲۰	۱۰۷	جواب سوال پانزدہم	حضرت فاطمہؓ کا سوال بے خبری سے تھا
۱۲۱	۱۰۷	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب - وصی ہونے کا دعویٰ حضرت علیؓ نے نہیں کیا۔	حدیث من اغضبنا کا شان درود حضرت علیؓ کے حق میں ہے
۱۲۲	۱۰۸	سوال شانزدہم از جانب شیعہ	جواب سوال سیزدہم
۱۲۲	۱۰۹	جواب سوال شانزدہم - خلافت کے لیے تین اہم اوصاف	قصہ قرطاس میں حکم عدولی نہیں دوبارہ نہ کھولنے کے مصالح
۱۲۳	۱۱۱	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب - فقہ کی روشنی میں امامت کے شرائط	جب کتاب اللہ سے حضرت عمرؓ کا قصہ تکلیف بت چکانا تھا
۱۲۳	۱۱۲	لا ینال عہدی الظالمین سے شیعوں کے استدلال عصمت کا رد۔	جواب سوال سیزدہم
۱۲۳	۱۱۳	سوال ہفدہم از جانب شیعہ	جواب ثانی از طرف مولوی عبداللہ صاحب اٹا حکم کی کئی صورتیں ہیں
۱۲۳	۱۱۳	جواب سوال ہفدہم	حضرت علیؓ سے بظاہر کئی دفعہ عدول حکمی ہوئی۔
۱۲۳	۱۱۴	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب	سوال چہار دہم از جانب شیعہ
۱۲۵	۱۱۵	سوال ہشزدہم از جانب شیعہ	جواب سوال چہار دہم شیخین کو خلیفہ ماننے پر نبوی ہدایت
۱۲۵	۱۱۶	جواب	حضرت علیؓ سے شیعہ کی محبت نصاریٰ جیسی ہے۔
۱۲۵	۱۱۶	جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب	حضرت علیؓ کی صفات بعقاد شیعہ قرآن سنت میں نہیں
۱۲۵	۱۱۷	حدیث ثعلبیین میں تمک عترت سے مراد ان کی محبت ہے	حضرت علیؓ کی وصایت و خلافت کا مطلب
۱۲۶	۱۱۸	سوال نوزدہم از جانب شیعہ	جواب ثانی از جانب مولوی عبداللہ صاحب
			حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی مؤید خلافت احادیث



۱۲۷	جواب سوالی نوردہم	۱۲۷	سوال بست وچہارم از جانب شیخ
۱۲۸	جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب	۱۲۸	جواب سوال بست وچہارم
۱۲۹	صحابہ اہل سنت متمک بالقرآن اور محب اہل بیت ہیں	۱۲۹	جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب
۱۳۰	شیعہ عملاً ثقلین سے منحرف ہیں۔	۱۳۰	حسن و علیہ السلام کی مسترد کردہ اشیاء
۱۳۱	سوال بست از جانب شیخ	۱۳۱	حضرت علیؑ کے لیے خلافت کی وصیت بالکل نہیں کی۔
۱۳۲	جواب سوال بست۔ ارادہ قتل پیغمبرؐ کا صحابہ پر بہتان ہے	۱۳۲	سوال بست وپنجم از جانب شیخ
۱۳۳	جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب	۱۳۳	جواب سوال بست وپنجم۔ عدم تحریر سے اسلام میں
۱۳۴	اس اتمام میں بصیرت نبویؐ پر حملہ اور	۱۳۴	رخنہ نہ پڑا۔ فلان مذہب شیعہ مردود ثابت ہوا۔
۱۳۵	آیت اطہار دین کا انکار ہے۔	۱۳۵	جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب
۱۳۶	سوال بست ویکم و بست دوم از جانب حاشیہ	۱۳۶	سوال بست و ششم از جانب شیخ
۱۳۷	جواب سوال بست ویکم	۱۳۷	جواب سوال بست و ششم
۱۳۸	جواب سوال بست دوم۔ علما اور کاہن انجم سے خائف ہیں	۱۳۸	حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نے اجازت لی
۱۳۹	جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب قصہ عقبہ اور حضرت خذیفہؓ	۱۳۹	دوسرا جواب
۱۴۰	حضرت خذیفہؓ کو منافقین کے نام اور علامہ کلید بتلانی تھیں	۱۴۰	جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب جیش اسامہ کا اصل واقعہ
۱۴۱	سوال بست سوم از جانب شیخ۔ بسلسلہ حدیث قرطاس	۱۴۱	حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سے طعن تحلف کا ازالہ
۱۴۲	جواب سوال بست و سوم	۱۴۲	سوال بست و ہفتم از جانب شیخ
۱۴۳	حسن و علیؑ و سلم و حضرت علیؑ کی رائے	۱۴۳	سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب
۱۴۴	حضرت عمرؓ کے موافق ہو گئی۔	۱۴۴	جواب سوال بست و ہفتم
۱۴۵	تقیہ کے عذر رنگ کا ازالہ	۱۴۵	خلافت کا بوجہ اٹھانا کار نبوت کی تعمیل تھی۔
۱۴۶	حضرت عمرؓ نے حضورؐ کے ادب و آرام کی خاطر یہ کہا	۱۴۶	شیخین کا جانا ہی حضرت علیؑ و قریش
۱۴۷	قلم و دوات لانا گھر والوں کا کام تھا۔	۱۴۷	اور حبشہ جہین کے لیے سود مند ہوا۔
۱۴۸	جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب	۱۴۸	جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب
۱۴۹	قرآن و سنت اور اہلبیت سے شیعہ کی محرومی	۱۴۹	مسلمانوں کے لیے والی ناگزیر تھا



۱۵۳	۴۲ سوال از جانب اکمل الکمل افضل الفضل نجف الاکرام	اگر انتخاب خلیفہ صحیح نہ ہوتا تو امت کا بڑا المیہ ہوتا
۱۵۴	جناب مولانا مولوی محمد قاسم صاحب بخدمت علی اہل تشیع	سوال بہشت و شہم از جانب شیعوہ
۱۵۴	پندرہ سوالات از جانب مولوی عبد اللہ صاحب	جواب سوال بہشت و شہم - اجماع کے لیے
۱۵۴	خط شکایت امیر غشی شیخ احمد صاحب مع عالی صفائی	بروقت تمام اہل حل و عقد کی حاضری ضروری نہیں
۱۵۵	مقتیدہ خود بجانب مولوی عبد اللہ صاحب -	کلامت کو اصولی ماننے سے سب دنیا کافر ٹھہرتی ہے
۱۵۶	خط مولوی عبد اللہ صاحب بجاوب خط غشی شیخ احمد صاحب	کچھ دن بعد صحت کر کے حضرت علیؑ نے تمام شبائے کازالہ کر دیا
۱۵۸	شیعہ تبرہ باز کا حکم	اعتذار و دفعائے مؤلف
۱۵۸	عام آدمی کو غیر مذہب کی کتابیں نہ پڑھنی چاہئیں -	اتماس بخدمت غشی شیخ احمد صاحب
۱۵۹	اشعار طبع زرارہ مولوی عبد الطیف صاحب سنپوری	جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب
۱۵۹	طالب علم مدرسہ عربیہ دیوبند ضلع سہارنپور	حضرت علیؑ کا ملال و عتاب و دستاورد تھا
۱۶۱		مادہ تاریخ از مولوی عبد اللہ صاحب

## فہرست اجوبہ اربعین حصہ دوم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۸۰	حضرت امیر معاویہؓ و حضرت امیرؓ کا معاملہ	۱۸۰	پیش لفظ - از مولانا عبد الحمید سواتی بانی مدرسہ نصرۃ العلوم
۱۸۱	حضرت ہارون و موسیٰ علیہم السلام جیسا تھا	۱۸۱	عرض ناشر قدیم
۱۸۱	شیعہ کے متافی اسلام خصائص	۱۸۱	مولانا ناتوئیؒ کا تجربہ علمی
۱۸۲	شیعہ اکثر اہل بیت کے منکر ہیں	۱۸۲	سوال اول از جانب شیعوہ
۱۸۳	شیعہ ائمہ کی اولاد کو بدترین جانتے ہیں	۱۸۳	جواب سوال اول - ہندوستان میں شیعیت ایران کی بدولت پہنچی
۱۸۳	مذہب شیعہ کا بانی سیوری تھا	۱۸۳	شیعہ کی بدعہدی و مظالم
۱۸۵	سوال دوم از جانب شیعہ - شیعہ کے نزدیک	۱۸۵	اہل سنت حق چار یار کے قابل ہیں
۱۸۶	خلافت اجماع سے ثابت نہیں ہو سکتی -	۱۸۶	ملک اور ملک کا لفظ قرآن میں اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی آیا ہے



۲۰۸	وقت واحد میں ایک سورت کے لیے زیادہ غاونہ نہ کرینی وجہ	۱۹۳	جواب سوال دوم۔ اہمیت معذرت کا نبوت پر قیاس مع الفارق ہے
۲۰۹	کائنات انسان کے لیے بنی اور ان عباد الہی کیلئے بنایا گیا	۱۹۴	تقریر اہم نص کی بجائے شری سے بھی ہوتا ہے۔
۲۱۰	کثرت اولاد سے کثرت امت پر حضور علیہ السلام فخر کریں گے	۱۹۴	خلیفہ خاص کا تقریر نص نہیں ہونا چاہیے محفل نقل کا یہی تقاضا ہے
۲۱۰	عورت کیلئے بیک وقت تعدد نکاح کی ممانعت کی عقلی دلیل	۱۹۵	خلفائے ساتھ ولیعہد کا برتاؤ حضور نے فرمایا
۲۱۱	والدین خصوصاً ماں کا طبعی اثر بچے کے مزاج و اخلاق پر پڑتا ہے	۱۹۶	لائیاں محمدی الظالمین کا مطلب
۲۱۲	حضرت مریم کے پاس بشر بن کر جبریل کے آنے کی وجہ	۱۹۷	جاءک للناس امام سے مراد پیشوائی نبوت ہے
۲۱۳	نسب و عمل میں اختلاط بھی تعدد زوج سے مانع ہے	۱۹۷	آیت امامت کا بالمثل معارضہ
۲۱۳	والمحصنات من النساء احسان کا فائدہ	۱۹۸	حضرت ابو بکر صدیقؓ ثبت پرستی سے پاک تھے۔
۲۱۴	عدت بیوہ اور عدت مطلقہ میں فرق کی وجہ		
۲۱۵	وفات کی عدت میں انتظار سے مقصود فقط ظہور حمل ہے	۱۹۹	حضرت ابو بکر صدیقؓ ان تمام صفتوں میں انبیاء کے بعد افضل الناس تھے
۲۱۶	طلاق کی عدت میں مقصود غاونہ کی رضا بھی ہے	۲۰۰	صدیقؓ کی افضلیت پر خدا کی گواہی
۲۱۷	عدت میں حفاظت نسب کی کیفیت	۲۰۱	حضرت علیؓ کی گواہی
۲۱۷	طلاق مغلطہ میں عدم انتظار رضا زوج کے شہرہ کا ازالہ	۲۰۱	حضرت صدیق اکبرؓ میں یہ اوصاف کمال بدرجہ اتم پائے جاتے تھے
۲۱۷	طلاق مغلطہ میں عدت کا فائدہ غاونہ کو ناشکری	۲۰۲	ایک شہرہ کا ازالہ
۲۱۷	کی سزا میں ذمہ کی گرفت میں مبتلا کرنا بھی ہے	۲۰۲	مشورہ میں خلعت کی طرف رجوع علیحدہ کیلئے عیب نہیں
۲۱۸	علت احسان سے متعہ حرام ہے۔	۲۰۳	خلافت راشدہ کیلئے فتوح و مکین موجودہ اور ضروری تھیں
۲۱۹	وضع حمل سے پہلے حرمت نکاح کی حسی مثال	۲۰۴	سوال سوم از جانب شیخہ۔ بحث متعہ
۲۲۱	حرمت متعہ کی وجہ شہوت رانی ہے	۲۰۴	اہل سنت کا استدلال
۲۲۱	از روئے عقل متعہ عدت کا متقاضی نہیں	۲۰۵	شیعہ کی طرف سے جواب
۲۲۲	استبراء کا عذر لنگ مفید نہیں	۲۰۶	جواب از اہل سنت والجماعت
۲۲۲	زن متعہ کو باندی پر قیاس کرنا باطل ہے۔	۲۰۷	حرمت متعہ کی عقلی وجہ
۲۲۳	باندی میں طلاق کی تجزی نہ ہونے کی وجہ	۲۰۷	نکاح کا اولین مقصد اولاد کی پیداوار ہے۔
۲۲۳	جنس و طہر بذات خود قابل انقام نہیں	۲۰۸	ولد صلح باقیات صالحات میں سے ہے



معنی قر میں جنفی شافعی اختلاف اور علم ریاضی سے  
اس کی وضاحت

استبراء بیک حیض اور عدتِ کامل کا فرق

استماع کا معنوم و مطلب

شیعہ کے نزدیک متہ نکاح سے افضل ہے۔

انہ سے متہ کے فضائل دراصل متہ حج کے لیے ہیں

آیت تمتع حج کی طرح آیت فحاشا تمتع سے بھی متہ  
مرد لینا باطل ہے۔

قرأت شاذہ ابن مسعود کا عمل

لفظ اجھڑنے کے تعیین مدت کے بارے میں واقع ہونے  
و اسے شبہ کا جواب

نکاح اور ملک میں اصل ہے متہ اور عاریت  
میں صرف اخذ منافع

متہ میں طلاق اور اعتاق نہیں ہوتا

متہ و نکاح میں بیع کا شبہ بھی باطل ہے

منکوحہ میں بیع و شرا بہرہ اور عاریت کے اختیار کیوں نہیں؟

مقدمہ لطیفہ تمام اشیاء میں قبضہ ہی ملک حاصل ہوتا ہے

اسباب معروفہ بیع و شرا وغیرہ انتقال ملک کا سبب  
ہیں نہ کہ حدوث ملک کا

حرمت ربائی وجہ یہ ہے کہ رب میں ایک

طرف سے عوض ملک نہیں پایا جاتا۔

بیوع فاسدہ میں بھی رہا ہے

اجارہ عاریت، میراث اور وصیت میں بھی قبضہ پایا ہے

مال غنیمت میں بھی قبضہ علت ملک ہے

بدن کے واسطے سے اموال پر روح کا قبضہ

ہوتا ہے اور مرنے سے بوجہ اٹھ جانے قبضہ کے ملک چلی جاتی ہے

بدن کے مملوک ہونے کی پہلی دلیل

دوسری دلیل

عمر و خنزیر اور میتہ وغیرہ ناپاک اشیاء غیر نافع ہونے کی وجہ

سے مسلمان کی ملکیت نہیں بن سکتے

بدن اور روح کے تعلق کی مثال

روح کفار پر بوجہ جائز ہونے جبر کے غلام

اور باندی میں ملک آجاتا ہے۔

کتابت میں مملوک اپنے آپ کو خرید لیتا ہے

احرام کے اجسام کی بیع بوجہ تنذیل جائز نہیں

خدا کے تمام قوتوں کو مخلوق کے لیے صرف کرنے

کا حکم دیا لیکن عزت کو اپنے لیے محفوظ کر دیا

عورتیں مردوں کے لیے پیدا کی گئیں ہیں

نکاح میں منافع کا ماخذ ملک میں آجاتا ہے

ان قابل احترام منافع میں اجرت خود بخود

ثابت اور لازم ہو جاتی ہے

عورت کا تمام جسم حق شوہر میں پابند ہونے کی

وجہ سے نان و نفقہ واجب ہے۔

مکرر منافع کے عوض ہونے کی وجہ سے

اجورھن فرمایا اِنَّ اَشْدَّ مِنْ نَدْرِ اَيَّا



۲۵۸	حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی فتاویٰ کی حیثیت	۲۴۴	نکاح میں منافع بالقوة بیع اعیان کی
۲۵۹	حرمت متعہ پر امت کا اجماع ہے		طرح پر سے موجود ہوتے ہیں۔
۲۶۱	سوال چہارم۔ بحث فدرک و درشت انبیاء علیہم السلام	۲۴۵	منکوحہ میں حق حبس ہوتا ہے اور باندی میں حق ملک
۲۶۲	جواب۔ میراث کی بنائیں شرطوں پر ہے		اس لیے منکوحہ میں بیع وہبہ کا اختیار نہیں
۲۶۲	شرط اول:- مورت کی روح کا اس کے جسم سے علاوہ حیات باقی نہ ہے	۲۴۵	منکوحہ میں حق ملک کا منفقود ہونا اور احصائی کا ضروری ہونا
۲۶۲	شرط دوم۔ مورت کا ایسی حکم اللہ کے خطاب میں شمول		بیع و شرا سے مانع ہیں اور حق حبس کا تقاضا کرتے ہیں
۲۶۲	شرط سوم، مورت کا ترکہ اس کی ملکیت ہو	۲۴۶	حسن بالذات اور قبیح بالذات کے اوامر و نواہی
۲۶۲	مورت مسئلہ میں تینوں شرطیں مفقود ہیں		قابل تیغ ہیں
۲۶۳	حدیث لانورث اخبار کے قبیل سے ہے اور اقرار	۲۴۸	نسخ و تغیر میں پہچان آسان نہیں
	ناسخ و منسوخ نہیں ہوتیں	۲۴۸	علت حکم کبھی ظاہر ہوتی ہے کبھی مخفی
۲۶۳	بنام میراث کی شرط اول کا فقدان احادیث لانورث کی	۲۴۹	احکام کو منسوخ کرنا قادر مطلق کی شان ہے
	مورت سے حیات انبیاء علیہم السلام ہی مانع میراث ہے	۲۴۹	نسخ احکام طبعی کے نسخہ بدلتے کی مانند ہیں
۲۶۴	دواہم سوال	۲۵۰	اجازت متعہ از قسم رخصت ہتی از قسم نسخ نہیں ہتی
۲۶۴	جواب سوال اول۔ مورت کی نفی کا سبب حیات ہے	۲۵۰	عارض خارجیہ کے نیچے احکام اصدیہ مستور ہو
۲۶۴	جواب سوال دوم۔ موت و حیات کے باب میں خبر واحد بھی معتبر ہے		الجبائے ہیں زائل اور منسوخ نہیں ہوتے
۲۶۵	ایک اور سوال۔ موت و حیات کا اجتماع ممکن ہے۔؟	۲۵۱	متعہ کے عارضی طور پر مباح ہونے کی علت
۲۶۵	دلیل نقلی	۲۵۲	اباحت متعہ کی وقتی ضرورت اور وجوہ
۲۶۵	ایک حدیث	۲۵۳	بالفرض متعہ جائز ہوتا تو اہلسنت کے لیے جائز ہوتا
۲۶۶	جواب حدیث	۲۵۴	اجازت متعہ ایسی ہی ہتی جیسے حالت اضطراری میں مارت کھالے کی اجازت ہے
۲۶۶	شہداء اور انبیاء علیہم السلام میں موت کے بعد	۲۵۵	اکل میتہ حالت اضطراری میں اب بھی جائز ہے، اور متعہ کو
	دوبارہ حیات کی دو قسمیں۔ مسلسل اور منقطع		یوم ارتفاع علت ہمیشہ کیلئے منسوخ کر دیا گیا ہے
۲۶۶	منقطع کی دو قسمیں۔ متصل اور منفصل	۲۵۶	روایات مذکورہ شیعہ کہنے بھی ہر امت و ارشاد کا باعث ہیں
۲۶۷	دلیل عقلی	۲۵۷	حاصل کلام



۲۸۱	عدت و قات چار ماہ اور دس دن مقرر کرینی حکمت	۲۶۸	عالم اسباب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ذاتی ہے اور اور دنیا کی حیات آپ کے فیض سے عرضی ہے
۲۸۲	عدت و قات ظہور حمل کے لیے ہے اور بصورت حمل وضع حمل	۲۶۹	آیت وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ اُمُّهُ سے وراثت علمی اور خلافت مراد ہے۔
۲۸۳	مطلقہ میں تین حیض تک انتظار کی وجہ	۲۷۰	آیت یٰۤاَيُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَرِثُوْا مِمَّا کَسَبْتُمْ مِنْ اٰمَالِكُمْ لَیْسَ لَکُمْ مِنْ اٰمَالِكُمْ شَیْءٌ وَّارِثُوْا مِنْ اٰمَالِکُمْ
۲۸۴	خاوند کی رضا اور اس کا رجوع ہے	۲۷۱	قرآن مجید میں وراثت کا استعمال قائم مقام میں بکثرت آیا ہے
۲۸۵	حاصل کلام	۲۷۲	کتب شیعہ میں مادہ وراثت کا میراث علمی میں استعمال وراثت علمی اور وراثت مالی میں
۲۸۶	دلیل ملی سے حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت	۲۷۳	کوئی تلامذہ نہیں کہ ایک دوسرے ضرور دلائل کریں
۲۸۷	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مومن کیلئے انکی جانوں سے اقرب اور محبوب	۲۷۴	حاصل بحث۔ آیت یٰۤاَيُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَرِثُوْا مِمَّا کَسَبْتُمْ مِنْ اٰمَالِكُمْ لَیْسَ لَکُمْ مِنْ اٰمَالِكُمْ شَیْءٌ وَّارِثُوْا مِنْ اٰمَالِکُمْ
۲۸۸	روح پر فتوح صلی اللہ علیہ وسلم ارواح مومنین کی نسبت ذات اور فضا انتراع ہے اور ارواح مومنین اوصاف ذاتیہ اور انتراعی ہیں	۲۷۵	ہے اور حدیث لا اُورثُ میں حیات کا اثبات اور کی عقلی مثال
۲۸۹	ذہن میں حاصل شدہ مصنفوں کی خبر	۲۷۶	مسکحیات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم
۲۹۰	میں بھی محکی عنہ یعنی علت پائی جاتی ہے	۲۷۷	دلیل انی
۲۹۱	نور شمس سے علم۔ مبداء علم اور عالم کی مثال	۲۷۸	سوا حیات کے موجبات تحریم میں سے کوئی وجہ
۲۹۲	مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں ذہن میں	۲۷۹	ایسی نہیں کہ تمام امت کچھ حق میں عام ہو۔
۲۹۳	حاصل شدہ صورت ہی سے علم حاصل ہوتا ہے	۲۸۰	آیت تو فی میں منکم کا خطاب امت کو ہے اور تعدد موجب حرمت ہے اور ازواج مطہرات میں امتنا ہونا موجب حرمت ہے
۲۹۴	بصورت تقابل عکس (پر تو) کی صورت کے وقت	۲۸۱	عدت کی اصل وجہ نساء کو کو حدث لکم
۲۹۵	اصل شئی یعنی علت کی صورت ذہن میں موجود ہوتی ہے	۲۸۲	کی آیت سے ماخوذ ہے۔
۲۹۶	حصول معلول فی الذہن حصول علت پر	۲۸۳	ایک وقت میں ایک محدث کے لیے
۲۹۷	موقوف ہے اور انکے مابین کوئی واسطہ نہیں	۲۸۴	متعدد خاوندوں کے نہ ہونے کی وجہ
۲۹۸	روح مخبری کا ارواح مومنین کے لیے علت ہونا اسکا متقاضی	۲۸۵	متعدد خاوندوں کی صورت میں خیریاں
۲۹۹	ہے کہ آپ کی روحانیت اور حیات اصلی اور امت کی عارضی ہے	۲۸۶	
۳۰۰	تقریر مذکور بالا کا آیت النبیؐ اُولٰٓئِکَ	۲۸۷	
۳۰۱	النُّبُوۡۤہِ مِنْ بَیۡنِہُمْ	۲۸۸	



آیت مذکورہ میں تصرف اور اجبیت کے  
معنی علت اور اقربیت میں لازماً پائے جاتے ہیں

نفی میراث کے بارے میں حیات جسمانی کے اثبات کی ضرورت

آپ کا وجود یا وجود بواسطہ جسم المرصود حیات ہے  
جس سے روحانیت کے آثار علم و عمل صادر ہوتے ہیں

جسم انسانی سے افعال کا ظہور دراصل  
فاعلیت حیات کے سبب سے ہے

روح و جسم کے درمیان علاقہ فعلی ہے درمیان میں حائل  
کے وجود سے آثار حیات سمٹ جاتے ہیں ٹھٹھے نہیں

روح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بدن  
میں تعلق اتصال ممکن نہیں

جو غواض خارجیہ بواسطہ حیات کے لاحق  
نہیں ہوتے وہ اغراض اصلیہ میں سے نہیں

اگر افعال مقاصد اصلیہ میں شمار ہو تو بھی حائل کے وجود سے  
فاعل منفعل تک نہیں پہنچ سکتا لیکن علاقہ مابین قائم رہتا ہے

لازم وجود حیات کا ملزوم (وجود خارجی) منفعل ہوتا ہے  
حائل کی ایک مثال

حائل کی صورت میں تبدیل و تغیر منفعل میں  
پایا جائے گا نہ کہ فاعل میں

کائنات کے حق میں ارادہ خداوندی ہی مشار  
فیض ہے اس صورت میں حائل کا وجود ممتنع ہے

نور آفتاب کی مانند آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات منع ہرگز  
خاتم النبیین کے معنی مشار اور فیض نبوت کے ہیں

اور خالقیت زمانی بھی اس سے خود بخود ثابت ہو جاتی ہے

خاتم النبیین کے معنی سے ثابت ہوا کہ آپ کی نبوت کی

طرح تمام انبیاء کی ارواح بھی آپ کی روح پاک سے مستفید ہیں

نبوت سے پہلے انبیاء علیہم السلام میں بارہ روحانیت موجود تھا

تصرف پر قادر نہ ہونا نکاح اور ملک کے منافی نہیں

حیات شہداء اور انبیاء علیہم السلام میں فرق

حدیث اَنَّ اللہَ حَدَّثَ عَلٰی الْاَرْضِ الْاٰلِیٰیں حرمت کی تمام

انبیاء علیہم السلام میں حرمت کی پہلی قسم تمام انبیاء علیہم السلام پر ہوگی

انبیاء علیہم السلام کے اجداد کی سلامتی کو کسی دوا کی طرف فرسب کرنا بے دلیل

احتمال ناشی عن غیر دلیل مفید ہو تو پھر ضرورتاً دین سے اعتقاد ٹھٹھا جائیگا

حیات انبیاء علیہم السلام میں تعلق روح مع الجسد اور اسکے آثار

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر کو  
وکیل بنایا۔

ابن ابی شیبہ کتب فریقین ترکہ نبوی کے میراث  
نہ ہونے پر اہل بیت متفق ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ۔ وارث ہونے کے لیے صرف تعلق روح

کافی نہیں اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد از موت کی وارث نہیں ہوئے

ایک سوال۔ کیا موت کے بعد وال قبض سے ملک باقی رہتا ہے؟

جواب :- اپنی زندگی میں لا نورث فرما بغرض ترکہ کی تھا

لہذا قبضہ بدر لیر وکیل باقی رہا۔

جواب ۲۔ ملک اصلی خدا تعالیٰ ہی۔ ہماری

ملک احتیاج کی وجہ سے ہے۔



ملک بید کیلئے حاجتمندی ضروری ہے لیکن  
بقائے ملک بغير احتیاج کے بھی ہو سکتا ہے

۳۰۴

بنائے میراث کی دوسری شرط کا فقدان

۳۰۵

فَإِنْ كُنْ حُومًا طَابَ لَكُمْ كَيْطَرُكُمْ يُؤْصِيكُمْ اللَّهُ  
کا خطاب بھی صرف امتیوں کو ہے۔

۳۰۵

بروایت علامہ حلی (شیخ) حضرت صدیق اکبرؓ نے  
فدک حضرت فاطمہؓ کو دیدادہ راضی ہو گئیں

۳۰۷

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں  
بیک وقت چار سے زائد بیویاں تھیں

۳۰۸

سورۃ نسا کا اول رکوع سورت فاتحہ کی طرح  
گرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوا گیا

۳۰۹

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک اور معراج امت  
میں متعدد وجوہ تغاؤ کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان احکام  
کے مخاطب نہیں

۳۱۱

یا اعتبار لغت بھی زوجیت طرفین کے تساوی کو چاہتا ہے  
نکاح میں مطلوب حسن معاشرت ہے جو کمال علمی اور عملی کا نتیجہ ہے

۳۱۲

کھالات علمی و عملی مردوں میں بدرجہ اتم اور  
عورتوں میں اسکا نصف پائے جاتے ہیں

۳۱۲

آیت میں مرد و عورت کے جسم کی مقدار سے  
بحث نہیں بلکہ ان کے حصص سے بحث ہے اور

۳۱۳

ذکر و انثیٰ کا اطلاق روح و جسم دونوں پر ہوتا ہے  
افعال اختیار یہ علم و عقل سے پیدا ہوتے ہیں

۳۱۴

تناصف عقل تناصف عمل کو لازم ہے

۳۱۵

بعض عورتوں کا بعض مردوں پر علم و عمل  
میں فرقیٹ رکھنا اسباب خارجہ کی بنا پر ہوتا ہے

۳۱۵

چار عورتوں کا ایک مرد کے حق میں زوج کامل قرار پانے کی حکمت

۳۱۶

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امت کی عورتوں کی  
نسبت مقدار علم و عمل میں بمنزلہ مصدر اور

۳۱۶

صادر، منشار اور وصفت استزاعی کے ہیں۔  
حاصل کلام

۳۱۷

بنا میراث کی تیسری شرط کا فقدان  
فدک مال فے تھا بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص ملک ز تھا

۳۱۷

فدک مال فے ہے اہل سنت سے اس کا ثبوت  
بوجہ کمال عقل انبیاء علیہم السلام نے مقبوضہ اموال کو مال متعار

۳۲۰

سمجھتے ہیں اور مال متعار میں میراث جاری نہیں ہوتی  
فدک مال فے ہے شیعہ سے اس کا ثبوت

۳۲۱

راضی فے کسی کی محکوم نہیں بلکہ حسب ارشاد  
خداوندی اس کی آمدنی قابل ملک ہے

۳۲۳

مَا أَفَلَا اللَّهُ فِي كَلِمَةٍ سَ جَابِدًا غَيْرَ مَنقُولٍ مَراد ہے  
مال غنیمت اور مال فے میں فرق

۳۲۴

فے میں مصارف کی تفصیل  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مال فے میں درجہ متوسط

۳۲۵

حاصل ہے یعنی آپ متولی بھی ہیں اور مصرف بھی  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تولیت کی مثال

۳۲۶

آیت اطاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت  
اور علم میں نہایت و خلافت پر دلالت کرتی ہے

۳۲۷



اس امت کے لیے سجدہ تعظیمی ممنوع ہو نیکی حکمت

خلافت کے ساتھ تولیت ایک لازم شعبہ ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رسالت ہی کے کام میں ضرور

و مقید رہنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مال فے کے

ذریعہ آپ کے مصارف کا انتظام فرمایا

آخر کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قربت دار آپ کے تابع

قرار پائے ایسے انکو دیگر اصناف سے مقدم کیا گیا۔

ذوالقربیٰ میں القربیٰ کو بغیر اصناف ذکر کر نیکی وجہ

اقر بار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم فریضہ رسالت میں محین و

مدوگار تھے اس لیے ایسے فہم سے ان کا وظیفہ مقرر

کیا ہے جس میں غائبین کی سعی و عمل کا دخل نہیں

سوال: وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ

سے معلوم ہوتا ہے کہ فے تسلط سے حاصل ہوا اور

پیغمبر کا تسلط خلیفہ کا تسلط ہے اور بالفتح لشکر کا

جواب: یہ تسلط ذات نبوی کا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ

کی طرف سے نیابت کا تسلط ہے

جملہ اصناف مصارف از قسم استحقاق مصارف

میں نہ کہ استحقاق ملک استحقاق مصارف میں مستحق

داد و فریاد نہیں کر سکتے اس لیے تعدد فقر آفرینی نہیں

لرسول میں لام ملکیت کے تسلیم سے تمام اصناف

میں ملک کے لزوم کے علاوہ دو خرابیاں لازم آئیں گی

حضور علیہ السلام نے بلا وجہ ایک جہان کا مال دبا کر رکھا

اور یہ کہ تمام اصناف کے افراد کی ملک محدود متعین ہو

۳۲۸

ہر صورت میں اہل تشیع مال فے سے ہمیشہ محروم رہیں گے

۳۲۸

کیونکہ جملہ اہل مصارف کا صحابہ کے حق میں معاف ہو تا ضروری ہے

اغنیاء میں گمراہ مال کی ممانعت ملکیت غلطی کی نفی کرتی ہے

اموال منقولہ میں انتفاع بغیر قبض تام ممکن نہیں

اموال غیر منقولہ میں غیر کی تولیت سے بھی انتفاع ہو سکتا ہے

مال فے پر آنحضرت صلی اللہ وسلم کا قبضہ بطور متولی تھا

اراضی فے کے لیے متولی کا ہونا لازمی ہے مصرف کے

کسی ایک فرد یا ایک سے زائد افراد پر پیداوار تقسیم کرنا کافی ہے

حاصل بحث

فدک کی بعض آبادیوں کی نسبت حضرت عمرؓ کا فرمان

كانت لرسول الله صلى الله عليه وسلم ارض مصر

پر دلالت کرتا ہے۔ اگر حق ملکیت ہوتا تو وارثوں کو

اور حق منہ نشینی ہوتا تو آپ کے بعد خلفاء کو منتقل ہوتا

خلفاء راشدین بھی مال فے پر تسلط متولی

کے قابض تھے ورنہ خود استعمال کرتے

افاضہ وجود و کمالات کا خزانہ اگرچہ خداوند کریم ہی ہے

لیکن یہ بواسطہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوتا ہے

استحقاق کی تین قسمیں اور قوی کا ضعیف کو منتقم ہونا

ملک خداوندی تمام استحقاقات ملک تولیت اور

ملک مصرف کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے لیکن

مرتبہ تولیت ملک مصرف کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا

مخرقی یہودی کے ہبہ کے شبہ کے جوابات

۳۲۳

۳۲۵

۳۲۶

۳۲۷

۳۲۸

۳۲۹

۳۳۰

۳۳۱

۳۳۲

۳۳۳

۳۳۴

۳۳۵

۳۳۶

۳۳۷

۳۳۸

۳۳۹

۳۴۰

۳۴۱

۳۴۲



۳۵۰	سوال اول	۳۴۲	اشیائے محبوبہ باعتبار رسالت تحقیق اور منصب رسالت وہی منصب خلافت و نیابت ہے
۳۵۰	جواب سوال اول	۳۴۲	خلیفہ کا منصب سرکاری ملک ہوتا ہے
۳۵۱	بعثت کی تمثیل	۳۴۲	خصوصاً انبیاء علیہم السلام اپنی ملک کو ملک مستعار سمجھتے ہیں اس لیے ان کے مال میں میراث تئیں
۳۵۲	حضرت ابو بکرؓ پر طعن کا جواب	۳۴۳	حضرت فاطمہ الزہراءؓ پر خوارج کی طرف اعتراض خوارج کے اعتراضات کے جوابات
۳۵۳	صدیق اکبرؓ پر حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے واقعہ سے اعتراض کا التزامی جواب	۳۴۳	اعتراض ۲: حدیث لَا تُخْفُفُ سُنَّةَیْ کے بعد حضرت سیدہ کے غم و غصہ کے کیا معنی ؟
۳۵۵	حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے نزاع کی حقیقت	۳۴۴	جواب ۱: بخاری کی اس روایت کا ردی گوسچا ہے لیکن اصل معاملے کو سمجھنے میں اس سے غلطی ہو گئی عدم کلام کو ناراضگی پر حمل کر لیا
۳۵۶	حضرت ابو بکرؓ کی غلط فہمی اہل سنت کو مقرر نہیں	۳۴۵	فدک وغیرہ اموال نے کہ حضرت سیدہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبض تام اور اختیار عام کے پیش نظر ملک نبوی سمجھ لیا ہو تو کیا بعید ہے جیسے خضر علیہ السلام کے اموال میں موسیٰ علیہ السلام کو دھوکہ ہوا اچھے ہی حضرت سیدہ کو اموال نے میں ملک خاص کا دھوکہ ہو گیا تو کیا تعجب ہے
۳۵۷	شیطان کا دوسرا کا ملین کی شان میں عیب نہیں اور منور شیطانی سے آدم کی طرف دوسرا شیطانی کی نسبت زیادہ شدید ہے	۳۴۵	جواب اعتراض ۱: اگر حضرت سیدہ پر متاع قلیل کی طلب کا شبہ ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ رزق حلال کی طلب تارکان دنیا ہی متصور ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب کہ حضرت سیدہ کے لیے نشانی اور تسکین خاطر کا باعث تھا
۳۵۸	سوال دوم	۳۴۶	جواب سوال دوم: شیعہ کی پیش کردہ حدیث کا کوئی پایہ نہیں
۳۵۹	اہل سنت کی کتب حدیث کے چار درجے	۳۴۷	حضرت ابو بکر صدیقؓ کا تمام صحابہ اور امت میں افضل ہیں صدیق اکبرؓ حضرت علیؓ کو خلافت نہ دیکر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی ہے
۳۵۹	حضرت ابو بکر صدیقؓ کا کوئی پایہ نہیں	۳۴۸	وقت وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدیق اکبرؓ کو ام بنانا ان کو خلیفہ بنانے کے مترادف ہے
۳۶۰	اہل سنت کی کتب حدیث کے چار درجے	۳۴۸	خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ان کا حق نہ دیا جب خدا کے ذمہ عدل واجب ہے تو خدا نے حضرت علیؓ کا حق ان کو کیوں نہ پہنچایا
۳۶۱	حضرت ابو بکر صدیقؓ کا تمام صحابہ اور امت میں افضل ہیں	۳۴۸	
۳۶۲	صدیق اکبرؓ حضرت علیؓ کو خلافت نہ دیکر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی ہے	۳۴۸	
۳۶۱	وقت وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدیق اکبرؓ کو ام بنانا ان کو خلیفہ بنانے کے مترادف ہے	۳۴۸	
۳۶۲	خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ان کا حق نہ دیا	۳۴۸	
۳۶۲	جب خدا کے ذمہ عدل واجب ہے تو خدا نے حضرت علیؓ کا حق ان کو کیوں نہ پہنچایا	۳۴۸	



درحقیقت صدیق اکبرؓ کی خلافت بوجہ  
آپ کی افضلیت کے عدل کے عین مطابق ہے  
کیا شیخین از خود خلیفہ بن گئے اور معاذ اللہ  
خدا تعالیٰ ان سے مغلوب ہو گیا

سوال سوم

جواب سوال سوم

واقعی معتبر مورخ نہیں

حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ کی  
صحابت و زوجیت کا خیال کیوں نہ کیا

اہل سنت حضرت علیؓ کی خلافت حق کے اس طرح  
قائل ہیں جیسے خلفاء ثلاثہؓ کی خلافت کے

تحقیقی جواب جنگ جمل خطا اجتہادی کی بنا پر  
ہوئی اور خطا اجتہادی قابل مواخذہ نہیں

حضرت علیؓ کی قصاص لینے میں تاخیر  
کی وجہ بلوائیوں کا غلبہ اور زور تھا

حضرت معاویہؓ و محمد بن ابی بکر کو قاتلین  
عثمانؓ میں سمجھ کر مارا

جنگ جمل میں بلوائیوں کا ہاتھ تھا

اس طرح کی خطا کا صدور قصہ موسیٰ  
اور خضر علیہما السلام میں موجود ہے

مشاجرات صحابہؓ میں کت لسانی واجب ہے

جملہ حدیث حنیفیہ کے مفہوم پر مفصل بحث

الزامی جواب : ازواج مطہرات تمام مومنوں کی مائیں ہیں  
تو پھر حضرت علیؓ نے اپنی والدہ عائشہؓ سے مقابلہ کیوں کیا

آیت تطہیر کا شان نزول

آل عبا کو اہل بیت کہنے کا مطلب

آیت تطہیر ازواج کی شان میں ہے

بیچ تن کے اہل بیت میں داخل ہونے کی وجہ

سوال چہارم

جواب سوال چہارم۔ اہل سنت ائمہ مجتہدین  
کو معصوم نہیں سمجھتے۔

شیعہ کے ائمہ معصومین کے نزدیک عاریت فرج حلال ہے۔

شیعہ کے نزدیک متعہ بہت ہی بڑا کار ثواب ہے

سورۃ مومنوں اور سورۃ معارج کی آیات میں صرف منکوحہ اور

نکاحی حلال ہیں لیکن متعہ والی عورت کسی قسم میں داخل نہیں

شاید متعہ کسی بھی مذہب و ملت میں جائز نہ ہوا ہو

نکاح معاملات کے قبیل سے ہے اور متعہ عبادت

سے اس بے متعہ میں تعدد و محدود نہیں

متعہ کو نکاح پر قیاس کرنا باطل ہے کیونکہ عورتیں

بمنزلہ کھیتی کے ہیں اور متعہ کی صورت میں تقسیم اولاد ممکن نہیں

خاندن والی عورت کے متعہ میں اشتباہ اولاد

متصور نہیں کیونکہ الْوَلَدُ لِلْفَرَّاشِ

امام عظیم ابوحنیفہؒ نے شراب کو حلال نہیں کہا

امام شافعیؒ کی طرف سے حرمت مصاہرہ کا جواب

شیعہ مذہب کے اصول بھی قرآن پاک سے نکلتے ہیں



۳۸۷	سوال پنجم	۳۸۲	شیعوں کے اصل پیشوا کون ہیں	۳۸۷
۳۸۸	جواب سوال پنجم	۳۸۳	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت علیؓ کی	۳۸۸
	دعوئے ودیل میں مطابقت نہیں	۳۸۴	مشابہت اور دو گمراہ فرقوں کا ظہور	۳۸۸
۳۸۸	گریر زاری ولیل ایمان و محبت نہیں	۳۸۵	شیعہ فرقہ کی حضرت امام حسینؓ سے محبت عیسائی فرقہ	۳۸۸
	بدعتاورداری کی قرآن کی طرح احادیث میں بھی آئی نہیں	۳۸۶	کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ محبت کے مشابہ	۳۸۸
۳۸۸	بدعت کی تعریف اور اسلئے اس کی تفہیم	۳۸۷	جلال الدین سیوطیؒ پر طعن کا جواب	۳۸۸
۳۹۰	بدعت کی مسمی مثال	۳۸۸	فقہ جعفریہ کے فحش مسائل	۳۹۰
	پاس خلفا عباسیہ سید پرشی پر استدلال صحیح نہیں	۳۸۹		

۴۵۶	جواب سوال پنجم	۴۵۶	شیعوں کے اصل پیشوا کون ہیں	۴۵۶
۴۵۶	جواب سوال پنجم	۴۵۶	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت علیؓ کی	۴۵۶
۵۵۶	دعوئے ودیل میں مطابقت نہیں	۵۵۶	مشابہت اور دو گمراہ فرقوں کا ظہور	۵۵۶
۴۵۶	گریر زاری ولیل ایمان و محبت نہیں	۴۵۶	شیعہ فرقہ کی حضرت امام حسینؓ سے محبت عیسائی فرقہ	۴۵۶
	بدعتاورداری کی قرآن کی طرح احادیث میں بھی آئی نہیں	۴۵۶	کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ محبت کے مشابہ	۴۵۶
۴۵۶	بدعت کی تعریف اور اسلئے اس کی تفہیم	۴۵۶	جلال الدین سیوطیؒ پر طعن کا جواب	۴۵۶
۴۵۶	بدعت کی مسمی مثال	۴۵۶	فقہ جعفریہ کے فحش مسائل	۴۵۶
	پاس خلفا عباسیہ سید پرشی پر استدلال صحیح نہیں	۴۵۶		



# تقریظ مولوی محمد ناطق حسن مدرس اوّل مدرسہ عربیہ میرٹھ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ہزار حمد و سپاس اس خدائے لایزال کو جس نے اپنے دین متین کو آیات محکمات سے محکم فرمایا۔ اور کافر  
اہم خصوص اہل اسلام کو ان آیات کی اتباع کا حکم فرمایا اور درودنا محمد و اس جناب رسالت مآب پر جس نے  
مجموع گشتانِ صلاحیت کو راہِ ہدایت پر چلایا اور اس کی آل و اصحاب پر جنہوں نے اسی کے دین متین کو اطراف  
بلاد میں پھیلایا۔ آمین !

جملہ متبعین سنت و جماعت کو مشرودہ ہو اور تمام اہل تشیع کو تنبیہ کہ وہ اٹھائیس سوالات جو بعض اہل تشیع  
نے گھڑ کر جناب فاضل اہل عالم باعمل مرجع علماء شرع متین مظہر علوم مرسلین کشف و قائل و ضاح صفت ائق  
سالک مسالک شریعت عارف معارف طریقت عمدۃ الافاضل والا عظم جناب مولانا مولوی محمد قاسم نانوتوی  
مرحوم و معذور کی خدمت میں پیش کئے تھے جناب مولوی نے بسبب اس کے کہ یہ وہی سوالات ہیں کہ جن کے  
علماء اہلسنت نے بار بار جواب دیے ہیں۔ فقط ان کا رنگ و روپ بدل دیا ہے۔ اپنے اوقاتِ عزیز کو تحریک  
جوابات میں ضائع کرنے سے انکار فرمایا۔ مگر بعض بزرگوارانِ دین کا تقاضا اور نیز احباب کا اصرار بدرجہ  
غایت پہنچا۔ تو اس پر مولانا مرحوم نے قلم نبھالا نہایت عجلت کے ساتھ ایک شب و روز میں ان کے  
جوابات پورے فرمائے۔ حسب مشورہ ارباب شوریٰ بغرض تعمیم افادہ ان کے مچھوانے کی تجویز ہوئی اس  
کے دو حصے کئے گئے۔ اول حصہ میں مولانا مرحوم کے جوابات دندان شکن تحریر ہیں علاوہ بریں مولوی عبداللہ  
انیٹھوی قلعہ مولوی انصار علی کے جوابات بھی جو کتب احادیث و قرآن مجید سے لکھے گئے ہیں اور اہل  
نقل کے لیے باعث تسکین قلب ہیں اس میں بعد جوابات مولانا مرحوم کے لکھے گئے ہیں دوسرے حصے  
میں فقط مولانا مرحوم ہی کی تحریرات ہیں۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## مقدمہ

(از: محترم عبدالحمید سواتی خادم مدرسہ نصرۃ العلوم گوہر نوالہ)

الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی رسولہ سیدنا محمد  
والآلہ وصحابہ واتباعہ اجمعین

امابعد !

انیسوی صدی عیسوی (تیرویں صدی ہجری) میں امام ولی اللہ دہلویؒ کی جماعت کے  
پسماندہ لوگوں میں برصغیر (ہندوپاک) میں ایک حکیم عالم پیدا ہوا جن کا نام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ  
تھا یہ عالم مجددین و مجدد علوم و فنون تھا۔ یہی عالم دارالعلوم دیوبند کا بانی مبنی اور علوم اسلامیہ  
کی از سر نو اشاعت کرنے والا عظیم المرتبت عالم دین اور کامل درجہ کا ولی اور خدا پرست  
تھا۔ آج کے برصغیر میں دینی۔ مذہبی۔ اخلاقی اور علمی قوت کا سب سے اچھا سرمایہ وہی لوگ ہیں  
جو مولانا محمد قاسمؒ اور انکی جماعت کے توسط سے امام ولی اللہؒ سے مربوط ہیں۔ اگر یہ کہا جائے  
کہ گذشتہ پوری صدی میں اس پایہ کا کوئی حکیم عالم پیدا نہیں ہوا تو یقیناً مبالغہ نہ ہوگا۔ مولانا محمد قاسم  
نانوتویؒ کس پایہ کے علم تھے یہ بات ان کی تصنیفات سے ظاہر ہوتی ہے اور ان کے  
ملازمہ اور مدارس و مکاتب کا علمی نظام اور وہ تحریکات اور اصلاحات جو برصغیر کے کونے کونے  
پر پھیلے ہوئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے۔ جب طرح ہم امام ولی اللہؒ کے تجدیدی اور تحقیقی  
کارنامے ان کی کتابوں سے معلوم کر سکتے ہیں۔ اور ان وسیع و عریض اثرات سے جو برصغیر



میں بالخصوص اور تمام عالم میں بالعموم پھیلے ہوئے ہیں اُن سے دریافت کر سکتے ہیں۔ اسی طرح حضرت نانوتویؒ کی کتب و رسائل کا مطالعہ کرنے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مٹلی اور ذہنی طور پر کتنے بلند مرتبہ عالم دین تھے۔

آپ کے رفیق حضرت مولانا محمد یعقوبؒ نے جو آپ کی ایک مختصر سی سوانح عمری لکھی ہے اسی میں درج بعض واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا نانوتویؒ کو ابتداء سے ہی غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ مثلاً حضرت نانوتویؒ نے ایام طفلی میں ایک خواب دیکھا کہ ”گویا میں اللہ جل شانہ کی گود میں بیٹھا ہوں“۔ حضرت نانوتویؒ کے دادا نے اس خواب کی یہ تعبیر بیان کی کہ تم کو اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائے گا۔ اور تم بہت بڑے عالم ہو گے۔

اسی طرح ایام طالب علمی میں حضرت نانوتویؒ نے خواب میں دیکھا کہ ”میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور مجھ سے نکل کر ہزاروں نہریں جاری ہو رہی ہیں“۔ حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کے والد گرامی اور حضرت نانوتویؒ کے اساتذہ مکرم مولانا مملوک علیؒ سے جب اس خواب کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ”تم سے علم دین کا فیض بکثرت جاری ہوگا“۔

حضرت نانوتویؒ جب سفر حج پر گئے تھے تو آپ کے پیروم شدہ حضرت مولانا حاجی محمد امجد اللہ مساجر مکیؒ نے مولانا محمد قاسمؒ کے متعلق فرمایا تھا کہ ”ایسے لوگ کبھی پہلے زمانہ میں ہوا کرتے تھے اب مدتوں سے نہیں ہوئے“ (سوانح مذکورہ) اور پھر حضرت حاجی صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ مولوی صاحب کی تحریر و تقریر کو محفوظ رکھا کرو۔ اور غنیمت جانو“ (سوانح مذکورہ)

اور حضرت حاجی صاحبؒ نے مولانا نانوتویؒ کے والد جناب اسد علی صدیقیؒ سے بھی فرمایا تھا کہ بھائی اسد علی مبارک ہو خدا تعالیٰ نے تمہیں ایسا فرزند عطا فرمایا ہے جو ولی کامل ہے مولانا نانوتویؒ کے کمال حافظہ کا حال یہ تھا کہ تراویح میں قرآن کریم سننے کے بعد فرمایا کہ ”فقط دو سال صرف رمضان کے مہینے میں قرآن کریم یاد کیا ہے“۔

عبادت کا حال یہ تھا کہ اکثر تمام رات تنہا نوافل میں قرآن کریم پڑھتے رہتے تھے ایک رات ایک رکعت میں ستائیس پائے پڑھے تھے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ماہ شعبان (یا رمضان) ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ء) میں پیدا



ہوئے تھے۔ تاریخی نام خورشید حسین ہے۔ اور آپ کی وفات ۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ  
 ۱۵ اپریل ۱۸۸۰ء بعد نماز ظہر بروز جمعرات واقع ہوئی۔ حضرت مولانا سید فخر الحسن گنگوہیؒ نے  
 انتصار الاسلام کے مقدمہ میں جو کلمات تحریر فرمائے ہیں ان کا نقل کرنا شاید حضرت کے  
 متعلقین و معتقدین کے لیے باعث تسلی بن سکے، مولانا سید فخر الحسنؒ فرماتے ہیں: ”حیف صد  
 ہزار حیف کہ زمانہ ایسے عالم ربانی سے جو اپنے زمانے میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا خالی ہو گیا۔  
 افسوس صد ہزار افسوس کہ حامی شریعت جو نہ فقط اپنی جان بلکہ پڑوسیوں کی بھی جانیں  
 شریعت کی حمایت میں جھونک دئے۔ اس وقت دنیا سے اٹھ جائے، اٹھائے وہ  
 باغ اسلام کا باغبان کہاں گیا جو اس باغ کی حفاظت کرتا تھا، جس سے اس کو رونق تھی  
 مائے اب اس باغ کی خدمت کون کرے گا، اس کی روشیں کون درست کرے گا۔ خس و  
 خاشاک سے صحن عین دین کس طرح صاف ہوگا۔ مائے وہ نخل بند گلستان اسلام کہ ہر  
 گیا جو سرو اسلام یعنی صراطِ مستقیم کی درستی و موافقت کی فکر رکھتا تھا۔ مائے وہ جاروب  
 کش باغ دین کہاں گیا۔ جس کی تقریریں و خاشاک و دھام کے لیے جاروب تھی۔ اب  
 سوائے حسرت و افسوس کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نہ  
 کوئی رہا ہے نہ کوئی ہے گا البتہ ایک ذات وحدہ لا شریک جو ہمیشہ سے ہے اور  
 ہمیشہ رہے گی۔

جناب مولانا مرحوم نے شاگرد و معتقد بہت چھوڑے اب ان کو چاہیے کہ جناب  
 مولانا مرحوم کی طرح جان و مال و عزت و آبرو کا کچھ خیال نہ کریں۔ آپس کے جھگڑاؤں میں نہ  
 پڑیں۔ خدا و رسول کے دشمنوں سے لڑیں۔ حتیٰ الوسع دین اسلام کی حمایت کریں۔  
 حضرت کے سوانح حیات اور تاریخی حالات مکمل طور پر مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے  
 سوانح قاسمی کے تین مجلدات میں مدون کئے ہیں جن کے ساتھ ان کے حالات کے لیے مزید  
 وقائع اور استشادات، حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم  
 اور شیخ المعقول و المنقول استاذ العلماء و سابق صدر مدرس دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا  
 محمد ابراہیم بلیاویؒ اور مولانا اشتیاق احمد دیوبندیؒ کا تے بھی حصہ لیا ہے۔ ان کے علاوہ



مولانا انوار الحسن شیرکوٹی ایم اے فاضل دیوبند نے بھی انوار قاسمی میں حضرت کی سیرت کا بڑا حصہ مدون کر دیا ہے۔ اور حضرت مولانا محمد سر فراز خان صفدر صاحب شیخ الحدیث و صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ نے بھی ایک عمدہ رسالہ بانی دارالعلوم مرتب کیا ہے جو اپنی زبان اور استناد کے اعتبار سے معیاری ہے۔ اسی رسالہ کا ایک حصہ مکمل طور پر ”بیس بڑے مسلمان“ کے مصنف نے اپنی کتاب میں نقل کر لیا ہے، ان کے علاوہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی مختصر سوانح حیات بھی بہت عمدہ کتاب ہے جس میں حضرت نانوتوی کی زندگی کے تمام اہم واقعات کی طرف اشارت ملتی ہیں۔ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب نے بھی شاندار ماضی میں بھی ایک بڑا حصہ ذکر کر دیا ہے۔ طبقات الخفیہ کے مصنف مولانا فقیر محمد جھلمی نے بھی حضرت کی تاریخ ذکر کی ہے۔ اور مولوی رحمان علی صاحب نے بھی تاریخ علماء ہند فارسی میں بھی حضرت کا ذکر کیا ہے۔ موج کوثر کے مصنف شیخ اکرام مرحوم نے بھی حضرت نانوتوی کا ذکر کسی قدر تفصیل سے کیا ہے مولانا کے شاگرد رشید مولانا منصور علی خان صاحب نے اپنی کتاب مذہب منصور میں حضرت کی زندگی کے کئی حیرت انگیز واقعات ذکر کئے ہیں۔ حضرت نانوتوی کی سب سے بڑی مفصل سوانح حیات اور آپ کے ملفوظات و حکایات و لطائف حیات اور علمی تقریبات وغیرہ آپ کے قدیم شاگرد و خادم مولانا سید فخر الحسن گنگوہی (محشی ابی داؤد و ابن ماجہ) نے مرتب کی تھی جس کی ضمیمہ مت ایک ہزار سے زیادہ صفحات پر مشتمل تھی مگر افسوس کہ وہ کتاب طبع نہ ہو سکی اور زمانہ کے دست برد سے ضائع ہو گئی۔

حضرت نانوتوی کے ایک خادم مولانا امیر شاہ خان نے بھی اپنی حکایات کی کتاب ”امیر الروایات“ میں حضرت نانوتوی کے بہت سے واقعات ذکر کیے ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ حضرت نانوتوی کے علوم و معارف کی تسہیل اور آپ کی کتابوں کی تیویجٹ مولانا مناظر احسن صاحب کرنا چاہتے تھے اس پر کوئی کام نہ ہو سکا۔ مولانا اس سے قبل ہی رحلت فرما گئے۔ اور اسی طرح مولانا انوار الحسن شیرکوٹی کا بھی خیال تھا کہ انوار قاسمی کی دوسری جلد میں علوم قاسم سے بحث کی جائے



گی۔ غالباً وہ بھی یہ کام نہیں کر سکے۔ مولانا نانوتویؒ کے علوم و معارف کی تحقیق و تشریح و تسہیل و تفہیم کی اشد ضرورت ہے۔ خدا کرے کہ کوئی عالم اس کو انجام دے جو اس کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ کیونکہ عام اہل علم بلکہ بہت سے خواص کے بس کا بھی یہ کام نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ جس کو خاص توفیق عنایت فرمائے۔ اور اس کام کو اس کے لیے آسان کر دے۔

**حکمت قاسمیہ**

احکام اسلام کی عقلی و نقلی تائید قدیم و جدید فلاسفہ کی تردید اور شرائع اسلامیہ کے غامض اسرار و حکم۔ دلائل کا عجیب و غریب سلسلہ، قدیم و جدید فلسفہ کے اٹھائے ہوئے اعتراضات کا کافی شافی رد۔ نظام اسلام کو مربوط شکل میں پیش کرنا یہ سب حکمت قاسمیہ کے اہم مقاصد میں شامل ہیں۔ لیکن حضرت نانوتویؒ کی کتابوں کا صحیح معنوں میں وہی شخص مطالعہ کر سکتا ہے اور ان سے استفادہ ہو سکتا ہے جو علوم عقلیہ میں کافی بصیرت رکھتا ہو۔ دین کی اعانت کے لیے عقلیات کا حصول بھی اسی طرح باعث اجر و ثواب ہوگا جس طرح نقلیات کا۔ بلکہ بعض اوقات دین پر قائم رہنا معقولات حاصل کئے بغیر بہت دشوار ہوتا ہے۔ اسی لیے عقلیات دیوبندی نظام تعلیم کا ہمیشہ ایک اہم حصہ رہا ہے۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے لکھا ہے کہ ”علما کو چاہیے کہ عقلیات کے حصہ کو اسی طرح ذوق و شوق سے حاصل کریں جس طرح نقلیات کو حاصل کرتے ہیں۔ اس کے بغیر وہ حجۃ اللہ البالغہ جیسی کتابوں کے سمجھنے سے عاری رہیں گے اور اگر ایسا ہوا تو انہیں آسانی سے بہرکانے والے بہرکاتے رہیں گے۔ کیونکہ جس کا اپنا کوئی فلسفہ نہ ہو اس کو اسی طرح دوسرے لوگ گمراہ کرتے رہتے ہیں“

حضرت نانوتویؒ کے حکیمانہ ارادہ و افکار اور خاص نظریات، اور دین کی محققانہ اور عارفانہ تشریحات کو جاننا اشد ضروری ہے۔ حضرت نانوتویؒ کو اللہ تعالیٰ نے کمال درجہ کا حافظہ اور ذہانت عطا فرمائی تھی۔ جب کوئی بات یا اشکال آپ کے سامنے پیش کیا جاتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام دلائل آپ کے ذہن میں بیک وقت مجتمع ہیں۔ اور ان میں سے آپ مخاطب کے حالات کی مناسبت سے دلیل منتخب فرما کر بیان کرتے ہیں، کمال درجہ کا تجربہ علمی قدرت نے عطا فرمایا تھا۔



حقیقت یہ ہے کہ مولانا نانوتوی نقیاتی و عقلیات کے بہت بڑے ماہر امام تھے۔ علم عقائد میں آپ نے حجۃ الاسلام اور تقریر و پذیر جیسی ادق، لیکن بہت گراں قدر کتابیں تصنیف فرمائیں ہیں مابعد الطبیعیات اور ملکوت، جبروت عالم مثال لاہوت برزخ اور امور آخرت کو بالکل عقلی براہین کے انداز میں افہام کے قریب کر دیا ہے۔ مولانا سندھی کا قول بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ”حضرت امام ولی اللہ دہلوی حقائق و معارف اپنے لوگوں کو یعنی اہل اسلام کو سمجھا دیتے ہیں۔ لیکن مولانا محمد قاسم نانوتوی اسلام کے حقائق غامضہ غیر مسلموں عیسائی یہود ہنود بدھ مجوس وغیرہ کو اسی طرح سمجھا سکتے ہیں جس طرح اہل اسلام کو؟ چونکہ حضرت نانوتوی زیادہ تر علم منطق فلسفہ اور ریاضی اور طبعی فلسفہ وغیرہ سے کام لیتے ہیں۔ ذرائع تفہیم میں بالکل عقل عامہ سے بات کرتے ہیں اور مشاہداتی دلائل جو موجودہ دور میں ہر اہل خرد و تمیز اور اصحاب عقول کے ذہن میں فٹ بیٹھ جاتے ہیں، ان سے کام لیتے ہیں۔ زبان اردو آپ کی نہایت دقیق ہوتی ہے۔ کچھ تو اس لیے کہ حضرت کے زمانہ تک بھی اردو زبان نے اتنی ترقی نہیں کی تھی۔ جتنی آج ہے۔ اور کچھ اصطلاحات وغیرہ کی دقت کی وجہ سے مشکل پیدا ہو جاتی ہے لیکن علمی ذوق والے حضرات محنت سے اس کو حاصل کر سکتے ہیں۔ جس طرح امام ولی اللہ کا کلام ہر ایک صاحب علم کے بس کا لوگ نہیں کہ وہ اس کو آسانی سے سمجھ سکے اس کے لیے کافی محنت کی ضرورت ہے۔ اسی طرح مولانا نانوتوی کے کلام کے لیے بھی کافی محنت کی ضرورت ہے۔ حضرت مولانا شیخ الہند کا مقولہ ہے کہ ”جب تک حضرت نانوتوی ہم میں موجود تھے ہم منطق کو تازہ کرتے رہتے تھے تاکہ حضرت کے کلام کو آسانی سے سمجھ سکیں ان کی وفات کے بعد اس سے دل سرد ہو گیا ہے“

اجوبہ اربعین

کے بارہ میں عرض ہے کہ احقر عبدالحمید سواتی تقریباً پینتیس سال سے اس کتاب کا تلاشی تھا، حضرت نانوتوی کی باقی کتب و رسائل نظر سے گزرے تھے اور کچھ بقدر فہم ان سے استفادہ بھی کیا، لیکن اجوبہ اربعین کہیں سے دستیاب نہ ہو سکی، اس کے مطالعہ کا انتہائی شوق تھا۔ اس کی تلاش جاری تھی۔ ایک دفع اتفاق سے سید الخا طین حضرت سید الوری حسین شاہ صاحب



نفیس رقم (جنکو اللہ تعالیٰ نے کمال ظاہر و باطن عطا فرمایا ہے آپ صاحب نسبت اور بلند  
 روحانیت کے مالک بزرگ ہیں) کسی کتاب کی تلاش میں مدرسہ نصرۃ العلوم کو حیرانوالہ تشریف  
 لائے تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس ابوہریرہ عین ہے۔ تو شاہ صاحب نے  
 فرمایا "ہے" میں نے عرض کیا کہ مطالعہ کے لیے عنایت فرمائیں، انہوں نے ازراہ عنایت  
 بڑی خوشی سے کتاب مطالعہ کے لیے عنایت فرمائی۔ کتاب کے مطالعہ کے دوران یہ بات ظاہر  
 ہوئی کہ موضوع کے لحاظ سے اس کتاب کی اشاعت ضروری ہے۔ لیکن کتاب غالباً صرف  
 ایک مرتبہ ہی طبع ہوئی ہے، دوبارہ اس کی طباعت کی نوبت نہیں آئی۔ اور ابتدائی طباعت  
 بھی غالباً بڑی عجلت سے ہوئی ہے۔ اس میں کتابت کی بہت سی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ ان  
 کی اصلاح ضروری ہے عربی عبارات بھی بہت سی غلط ہی طبع ہوئی ہیں۔ احقر کے پاس اتنا  
 وقت و فرصت نہ تھی۔ چنانچہ اس کام کے لیے فاضل نوجوان مولانا حافظ مہر محمد صاحب  
 فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم اور فاضل تخصص فی علوم الحدیث جامعہ اسلامیہ نوری ٹاؤن کراچی، جو بڑے  
 صاحب استعداد نوجوان ہیں اور کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ مذہب رفض و تشیع سے  
 انہیں خصوصی مناسبت ہے، احقر نے ان کو اس کام کی طرف متوجہ کیا انہوں نے اس کو  
 قبول کیا اور کتاب کی تصحیح شروع کر دی، اور ساتھ ہی ساتھ بعض عنوانات کا اضافہ بھی  
 کیا، اور کہیں کہیں کچھ حواشی بھی لکھے تاکہ کتاب کی افادیت میں اضافہ اور آسانی بھی ہو۔ کتاب  
 کی جلد اول کی تصحیح کے بعد اس کی خواندگی کے لیے احقر نے مولانا مفتی حافظ محمد عیسیٰ خان صاحب  
 گورمانی جو کئی سال سے مدرسہ نصرۃ العلوم میں افتاء کا کام کرتے ہیں ساتھ تدریس بھی،  
 موصوف خود بھی مدرسہ نصرۃ العلوم کے قدیم فضلا میں سے ہیں اور انکو فتویٰ نویسی میں کافی وسیع  
 تجربہ اور درک ہے۔ اور دوسرے صاحب مولوی محمد اشرف صاحب فاضل نصرۃ العلوم  
 کو اس کام کے لیے مقرر کیا جو محنتی اور مستعد نوجوان ہیں۔ ان حضرات نے اس کی خواندگی  
 مکمل کی۔ چنانچہ جلد اول اس قابل ہو سکی کہ اس کی کتابت کا سلسلہ شروع کیا جائے۔  
 کتاب کی طباعت ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم کی طرف سے ہو رہی ہے۔ عنوانات  
 کا اضافہ، بعض احادیث کے الفاظ، اور صفات کتب، ان سب کو قوسین کے اندر



رکھا گیا ہے۔ تاکہ اصل کتاب کے ساتھ امتیاز قائم رہے، اکثر حواشی اور عنوانات مولانا حافظ مہر محمد صاحب نے کئے ہیں اور حوالجات اور صفحات کی تلاش میں مولانا حافظ مفتی محمد عیسیٰ صاحب اور مولوی محمد شرف صاحب شریک ہیں۔ اور بعض مقامات میں اہقر عبد الحمید سواتی بھی ان کے ساتھ شریک رہا ہے۔ کتاب کے لیے حجتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا نام نامی اس بات کی ضمانت کیلئے کافی ہے کہ کتاب علوم و معارف حقائق و دقائق کا مجموعہ ہے۔

اجوبہ اربعین بھی ان کتب میں سے ہے جن میں حضرت نانوتویؒ کے علوم و فیوض مناظرانہ و تنقیدانہ مضامین کا واقع سرمایہ موجود ہے، یہ کتاب اہل رفض و تشیع کے رد میں ہے برصغیر پاک و ہند، میں نویں اور دسویں صدی ہجری سے تشیع و رفض کا فتنہ بڑے پیمانے پر پھیل چکا ہے قدیم ادوار میں بھی علماء اہل سنت و الجماعت کے جید اور محقق حضرات اس فتنہ کا اپنے اپنے دور میں رد کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ امام ابن تیمیہؒ نے اس فرقہ ضالہ کا اپنی معروف و مشہور کتاب منہاج السنۃ میں بڑی قوت و شدت کے ساتھ رد کیا ہے۔ امام مجدد الف ثانیؒ نے بھی اس سلسلہ میں عظیم کام کیا ہے۔ اور پھر ان کے بعد امام ولی اللہؒ نے اس فتنہ کی بہت سرکوبی کی ہے، پھر آپ کے فرزند امام عبدالعزیزؒ نے ایک ایسی عمدہ کتاب فارسی زبان میں لکھی ہے، جس کے بارہ میں ہمارے استاذ محترم امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ فرماتے تھے کہ ”تھنہ اثنا عشریہ کا جواب اہل تشیع قیامت تک نہیں دے سکتے“ ہمارے اکابر میں سے حضرت نانوتویؒ نے بھی اس فتنہ کے رد میں متعدد کتابیں ارسال اور مکاتیب لکھے ہیں۔ چنانچہ ہدیۃ الشیعہ جیسی گر الفدر کتاب جو عمدہ اور سہل عام فہم زبان میں تحریر فرمائی ہے۔ پھر اجوبہ اربعین کا نمبر ہے۔ اس کے علاوہ انتباہ المؤمنین بزبان فارسی اور فیوضات قاسمیہ کے کئی مکاتیب اور دیگر متعدد مکاتیب میں اس فتنہ کا پورا تعاقب کیا گیا ہے۔ کتاب آب حیات کا ایک بڑا حصہ بھی اس فتنہ کے رد پر مشتمل ہے، وراثت نبوی اور حیات نبوی کی دقیق بحث بھی کی گئی ہے۔ اجوبہ اربعین کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ اس کتاب میں اہل رفض و تشیع کی طرف سے چالیس اعتراضات اہل سنت و الجماعت پر کئے گئے ہیں، ان کے دندان شکن اور مسکت جوابات دے گئے ہیں۔ اس کا پہلا حصہ حضرت نانوتویؒ نے



ایک دن رات میں مکمل کیا ہے اور اس میں ۲۸ اعتراضات کے جوابات دیے گئے ہیں۔ اور حضرت نانوتویؒ کے ساتھ مولانا عبداللہ انصاریؒ (سابق ناظم دینیات مدرسہ علی گڑھ) بھی شریک تھے۔ یہ مولانا عبداللہ صاحب حضرت نانوتویؒ کے داماد تھے اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ کے چچا زاد بھائی دیوبند کے قدیم فضلا میں سے تھے، بڑے نیک و صالح انسان تھے، یہ مولانا محمد میاں انصاریؒ عرف منصور انصاریؒ کے والد محترم تھے۔ منصور انصاریؒ مولانا شیخ الہندؒ کے شاگرد اور مولانا سندھیؒ کے رفیق اور برصغیر ہندوپاک کی آزادی کے عظیم رہنما تھے، یہ بڑے عرصہ تک جلاوطن رہے اور جلا وطنی کی حالت میں کابل میں ۱۹۴۶ء کو وفات پائی۔ ان کے فرزند مولانا حامد انصاریؒ غازی ہیں جو فاضل دیوبند اور بہت سی کتابوں کے مصنف اور ہندوستان کے مشہور صحافی ہیں۔

حضرت نانوتویؒ کے ساتھ ہر ایک اعتراض کا ایک ایک جواب مولانا عبداللہ انصاریؒ نے بھی تحریر فرمایا ہے۔ پہلا جواب حضرت نانوتویؒ کا اور دوسرا جواب مولانا عبداللہ انصاریؒ کا ہے، بعض جوابات نہایت مختصر ہیں اور بعض کافی طویل ہیں۔ زبان اردو قدیم ہے علم عمیق اور فہم دقیق ہے۔ جوابات لا جواب ہیں، جن کے پڑھنے اور ان میں غور و فکر اور تدبر کرنے کی ضرورت ہے اور انصاف شرط ہے۔ پہلے حصہ میں زیادہ تر بحث مسئلہ خلافت کے بارہ میں تحقیقات پر مشتمل ہے۔ یہ مسئلہ ایک اہم اور اصولی مسئلہ ہے اور خلفاء راشدین اربعہ کی خلافت علی منہاج النبوة ہے۔ اور علی الترتیب ان کے مراتب بھی اسی طرح ہیں جب تک اس اصولی مسئلہ پر یقین نہ ہو۔ دیگر شرائع اور احکام کا ثبوت بڑا مشکل ہے۔ چنانچہ امام ولی اللہؒ ازالۃ الخفاء کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

”واکثر اہل ایس اقلیم در اثبات خلافت  
خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین  
شکوہ بہم رسانیدند لاجرم نور تو رفیق الہی در  
دل ایس بندہ ضعیف علمے را مشروح و مبسوط  
اس زمانہ میں بدعت تشیع آشکار ہو گئی۔ اور عام  
لوگوں کے دل ان کے شکوک و شبہات سے متاثر  
ہونے لگے اور اس ملک کے اکثر لوگ خلفائے راشدین  
رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خلافت کے ثبوت



گردانید۔ تا آنکہ بعلم الیقین دانستہ شد کہ اثبات خلافتِ ایں بزرگواراں اصلے است از اصولِ دین تا وقتے کہ ایں اصل را محکم نگیرد، هیچ مسد از مسائلِ شریعت محکم نشود زیرا کہ اکثر احکامے کہ در قرآن عظیم مذکور شدہ مجمل است بدون تفسیر سلف صالح بحال آن نتواں رسید، و اکثر احادیث خبر واحد محتاج بیان بغیر روایت جماعت از سلف آں را، و استنباط مجتہدان ازال متمسک بہ نکرود، و تطبیق احادیث متعارضہ بدون سعی ایں بزرگواراں صورت نگیرد، و ہم چنین جمیع فنون دینیہ مثل علم قرآن و تفسیر و عقائد و علم سلوک بغیر آثار ایں بزرگواراں متاصل نشود، و قد وہ سلف دریں امور خلفاء راشدین است تمسک ایشان باذیال خلفاء جمیع قرآن و معرفت قرآن متواترہ از شاذہ مبتنی بر سعی خلفاء است و قضایا و حدود و احکام فقہ و غیر آن ہمہ مترتب بر تحقیق ایشان، ہر کہ در شکستن ایں اصل سعی می کند بحقیقت ہمہ جمیع فنون دینیہ می خوابد

(ص ۱۱)

میں شک کرنے لگے لہذا توفیق الہی کے نور نے اس منہ ضعیف (امام ولی اللہ) کے دل میں ایک علم پیدا کیا جس سے یقین کے ساتھ معلوم ہوا کہ خلافت ان بزرگوں (خلفاء اربعہ) کی ایک اصل ہے اصول دین سے جب تک لوگ اس اصل کو مضبوط نہ پکڑیں گے تو کوئی مسد مسائلِ شریعت میں سے مضبوط نہ ہوگا، کیونکہ اکثر احکام جو قرآن عظیم میں مذکور ہیں وہ مجمل ہیں بغیر سلف صالحین کی تفسیر کے ان احکام کا حل نہیں ہو سکتا اور اکثر حدیثیں خبر واحد ہیں شرح کی محتاج ہیں۔ نیز اس کے کہ سلف کی ایک جماعت ان کو روایت کرے۔ اور مجتہدین ان سے استنباط کریں، قابل تمسک نہیں ہو سکتیں، اور نہ بدون ان بزرگوں کی کوشش کے متعارض احادیث میں تطبیق کی کوئی صورت پیدا ہو سکتی ہے، اسی طرح تمام فنون دینیہ مثل علم قرأت و تفسیر و عقائد و سلوک بغیر ان بزرگوں کے اقوال کے کسی اصل پر قائم نہیں رہ سکتے، اور سلف صالحین نے ان امور میں خلفائے راشدین ہی کی پیروی کی ہے اور انہیں کے دامن کو مضبوط پکڑا ہے۔ قرآن کا جمع ہونا اور قرأت شاذہ سے قرآن متواترہ کا امتیاز پانا خلفائے راشدین ہی کی کوشش پر مبنی ہے اور اسی طرح قضائے فرائض اور حدود و احکام فقہ وغیرہ انہی خلفاء کی تحقیق پر مترتب ہیں لہذا جو شخص اس اصل کے تظہر کی کوشش کرتا ہے وہ فی الحقیقت



تمام فنون دینیہ کو مٹانا چاہتا ہے :

اجو بہ اربعین کا دوسرا حصہ جو بارہ اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے اور یہ صرف حضرت نانوتویؒ کے قلم حق رقم کا مرہون منت ہے۔ اس میں دقت نظر، زیر کی، عمیق حقائق، و معارف لطائف و ظرائف کا گنج گراں مایہ موجود ہے۔ حضرت نانوتویؒ نے اس میں متعہ کا مسئلہ فذک وراثت جیسے اہم مسائل کے علاوہ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ یہ حصہ زیادہ دقیق صعب اور بہت سے اہم علمی نکات پر مشتمل ہے۔

## حضرت نانوتویؒ کی کتابوں کا اجمالی تذکرہ

مناسب معلوم ہوتا ہے حضرت کی تمام کتابیں جو اس وقت تک طبع ہو چکی ہیں ان کا اجمالی تعارف کرادیا جائے۔ بعض کتابیں نایاب بھی ہیں بعض صرف ایک دفعہ یا دو دفعہ ہی طبع ہوئی ہیں۔ حضرت کی تحریرات کے بعض حصے ابھی تک طبع بھی نہ ہو سکے۔ اور وہ دستیاب بھی نہیں، حضرت کی تمام کتب و رسائل و مکاتیب کی جدید طباعت کی اشد ضرورت ہے۔

۱۔ حجۃ الاسلام

یہ بڑے سائز کے ۵۰ صفحات پر مشتمل رسالہ ہے۔ اردو زبان میں اس میں اسلام کے تمام ضروری عقائد حضرت نانوتویؒ نے اپنے حکیمانہ طرز بیان میں ذکر کئے ہیں۔ اور اس انداز میں ان کی تبیین و تشریح کی ہے کہ عقل سلیم رکھنے والے حضرات اس کو پڑھ کر اسلام کے عقائد کے بارہ میں اطمینان حاصل کر سکتے ہیں۔ اور غیر مسلم حضرات بھی ان کو سمجھ سکتے ہیں۔ یہ رسالہ بار بار طبع ہوا ہے اور بہت سے خوش بخت لوگوں نے اس سے استفادہ کیا ہے، اس کے عنوانات حضرت شیخ الہندؒ نے قائم کئے ہیں، یہ رسالہ بھی حضرت نانوتویؒ نے ایک دن رات میں لکھا ہے۔ اس رسالہ کا نام حجۃ الاسلام حضرت مولانا سید فخر الحسن گنگوہیؒ نے تجویز فرمایا ہے۔ یہ رسالہ حکمت قاسمہ کا ایک اہم جزو ہے، حضرت مولانا عبد اللہ ندویؒ نے لکھا ہے کہ ”میں نے مولانا محمد قاسمؒ کا رسالہ حجۃ الاسلام مولانا شیخ الہندؒ سے سبقاً سبقاً پڑھا۔“



یہ کتاب حضرت نانوتویؒ کی بے مثال اور عجیب و غریب کتاب ہے، افسوس کہ یہ کتاب حضرت مکمل نہیں کر سکے، یہ اردو زبان میں ہے۔ تمام عقائد دینیہ اصولیہ و فروعیہ کو عقلی استدلال سے قریب الفہم کر دیا ہے اس طرح کہ اگر کوئی غیر متعصب غیر مسلم بھی اس کو پڑھے گا تو اسلام کے نظام عقائد کو بہ حق ہی سمجھے گا۔ اور اس کو بھی بہت کم اشکالات واقع ہوں گے۔ یہ کتاب بھی بارہا طبع ہو کر خراج عقیدت وصول کر چکی ہے۔ اس کتاب کی ترویج غالباً مولانا سید محمد سیال صاحب دیوبندی نے کی ہے۔ کتاب کے دیباچہ یا حواشی میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ نیز کہیں کہیں مختصر حواشی بھی تحریر کئے گئے ہیں اس میں بعض حواشی حضرت مولانا سید فخر الحسنؒ کے ہیں اس کتاب کی ابتداء میں حضرت نانوتویؒ بنظر خیر خواہی خلالت سب اہل مذاہب خواہ وہ مسلمان ہوں یا ہندو، یہود، نصاریٰ، مجوس آتش پرست، وغیرہ سب کی خدمت میں دین اسلام کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اور عقل سلیم رکھنے والے سب حضرات سے درخواست کی ہے کہ تعصب کو ہر طرف بکھتے ہوئے ایک بار اس کتاب کو اوّل سے آخر تک پڑھیں۔ اگر حق و باطل کی تمیز ہو جائے تو اس کو قبول کریں انہیں تو اصلاح کریں۔ پھر وجود صانع، توحید، صفات سے لے کر تمام اعتقادی مسائل کا عقلی ثبوت اور عمدہ تمثیلات سے بیان فرمایا ہے۔ اور عقلیات کے اماموں کے باطل نظریات کی پندور تردید فرمائی ہے۔

## ۱۔ انتصار الاسلام

اس رسالہ مبارکہ میں آریہ سماجیوں کے دس سوالات کے جوابات لکھے ہیں۔ ہر اعتراض کے دو دو جواب حضرت نانوتویؒ نے دیے ہیں۔ ایک جواب الزامی ہے جس سے معترض کو خاموش کر دیا ہے اور دوسرا جواب حقیقی، آریہ سماجیوں اور اس قسم کے دیگر معترضین حضرات کو ایسے دندان شکن جوابات دیے ہیں کہ ہمیشہ ان لوگوں کو اس قسم کے اعتراضات پر جواب دینا نہ ہو سکے۔ کمال درجہ کی تحقیقات پر مشتمل ہے اس رسالہ کی ترویج اور عنوانات کا قلم کرنا اور بعض جگہ مختصر حواشی تحریر کرنے کا کام مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ



نے کیا ہے۔ رسالہ بار ہا طبع ہوا ہے اور ہزار ہا لوگوں نے اس سے استفادہ کیا ہے۔  
اس رسالہ کا مقدمہ حضرت نانوتویؒ کے تلمیذ حضرت مولانا سید فخر الحسن گنگوہیؒ نے تحریر فرمایا ہے  
۴۔ قبلہ نما

یہ حضرت نانوتویؒ کی ایک اہم اور معرکہ الادب کتاب ہے۔ یہ دراصل انصار الاسلام کا  
کا دوسرا حصہ ہے۔ یہ کتاب اسیہ سماج کے پنڈت دیانند سرسوتی کے ایک اعتراض کے  
جواب میں لکھی گئی ہے۔ دیانند سرسوتی نے ۱۲۹۵ھ میں مسلمانوں پر اعتراض کیا تھا کہ  
مسلمان اہل ہنود پر بت پرستی کا الزام لگاتے ہیں حالانکہ وہ خود بھی ایک مکان کعبہ کی طرف  
سجدہ کرتے ہیں جو بہت سے پتھروں کا بنا ہوا ہے۔ حضرت نانوتویؒ نے اس اعتراض کے  
اولاً سات جوابات دیے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک جواب کافی شافی ہے۔ پھر اس کے  
بعد آٹھواں جواب دیا ہے جس کی دو تقریریں کی ہیں ایک مجل دوسری مفصل، یہ کتاب  
نہایت باریک صروف کی کتاب ہے ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے، اکثر حصہ اس کتاب کا  
مفصل جواب پر حاوی ہے۔ اس میں حقیقت کعبہ حقیقت صلوٰۃ سجدہ کی حقیقت استقبال  
کی شرح عابدیت و معبودیت اور تجلی الہی اور خانہ کعبہ کا مورد و محیط تجلی ہونا۔ اور یہ کہ جسم  
کی مسامتت مکان (کعبہ) کی طرف ہوتی ہے اور روح کی تجلی الہی کی طرف، اور یہ کہ مسلمان  
اس تجلی الہی کی طرف ہی سجدہ کرتے ہیں، اور وہ تجلی الہی گویا عین معبود ہوتی ہے۔ تجلی کا ورود  
خانہ کعبہ پر کس طرح ہوتا ہے اس کی حقیقت واضح فرمائی ہے اور اس کے ساتھ نہایت ہی  
غامض حقائق کا ذکر کیا ہے اور ایسی عجیب علمی بحث فرمائی ہے کہ بلا مبالغہ نہ کسی کان نے سنی ہو  
گی اور نہ کسی آنکھ نے کسی کتاب میں دیکھی پڑھی ہوگی۔ حقیقت کعبہ حقیقت محمدیہ حقیقت صلوٰۃ  
وغیرہ جیسے دقیق اور غیر الفہم مسائل کا تذکرہ کمال متانت و زانت اور عقلی انداز میں کر دیا ہے عباد  
کی حقیقت اور تجلی الہی کے ساتھ مصلیٰ کی توجہ اور مسامتت کی دقیق و عمیق بحث، پھر آخر میں بعد مجرّد  
(بعد مہوم) پر بڑا دقیق تبصرہ کیا ہے۔ اس کتاب کی تبویب و تلبین مضامین بھی نہیں کی گئی  
حالانکہ یہ بار ہا طبع ہوئی ہے۔ لیکن دقیق ہونے کی وجہ سے اہل علم نے ادھر توجہ نہیں فرمائی؛  
لیکن علوم قاسمیہ کا ایک بڑا حصہ اس کتاب میں آگیا ہے، سنا تھا کہ حضرت مولانا سید احمد رضا



بجنوری صاحب (النوار الباری شرح بخاری کے مصنف) نے قبلہ نما کی ایک ہزار عنوانات سے تبویب و تسہیل کی ہے۔ لیکن ابھی تک وہ منظر عام پر نہیں آیا۔ یہ رسالہ نادر تحقیقات کا عجیب و غریب مجموعہ ہے اور اس میں جس طرح عقلی استدلال کئے گئے ہیں ان سے حضرت نانوتویؒ کی بلندی مرتبت نمایاں ہے۔

مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری توفیق الکلام کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ ”حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحبؒ نے اس کی قابل قدر خدمت کی ہے مگر اس کا حلقہ کتاب حل نہیں ہوگی۔ حضرت الاستاذ مولانا محمد طیب صاحب مدظلہؒ نے بھی ایک خاص نسخہ پر اس کی شرح تحریر فرمائی تھی مگر وہ ضائع ہو گئی۔“

## ۵۔ آب حیات

حضرت نانوتویؒ کی معرکہ الارکار کتاب ایسی دقیق عمیق اور صعب بلکہ اصعب کتاب ہے حالانکہ اردو زبان میں ہے اپنی وقت کی بنا پر شاید ہی کوئی کتاب اس کی مثال ہو ہم نے اپنے استاذ و شیخ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کے ترمذی اور بخاری شریف کے درس کے دوران بار بار سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ حضرت نانوتویؒ نے یہ کتاب علماء کے امتحان کے لیے لکھی ہے۔ اس کو دیکھنا اور اس کے مطالب کا حل کرنا اور اس کو پوری طرح سمجھنا معرکہ کی چیز ہے ہر ایک عالم کے بس کا روگ نہیں ہے اس کتاب کو کا حلقہ سمجھنا بہت مشکل ہے۔ اس کتاب کے دیباچے میں حضرت نانوتویؒ نے خود لکھا ہے کہ جس طرح ہدیتہ الشیعہ کی تصنیف کا محرک حضرت مولانا گنگوہیؒ تھے اسی طرح آب حیات کی تصنیف کا محرک حضرت پیر و مرشد مولانا حاجی امداد اللہ صاحبؒ تھے ان کے ایمار پر مسئلہ حیات النبیؐ پر اس کتاب کو ہدیتہ الشیعہ سے الگ مستقل کتاب کی شکل میں تصنیف کیا ہے اور اس کتاب کے وجہ انی اور الہامی حقائق کی تصدیق حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمائی ہے، اس کتاب میں نقیبات یعنی قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کا بھی ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ بعض حضرات یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ کتاب صرف منطق پر مشتمل ہے۔ ان کا خیال غلط ہے یہ صحیح ہے کہ نقیبات کے ساتھ عقلیات کا ایک معتد بہ حصہ اس میں پایا جاتا ہے جو شخص عقائد سے پوری طرح باخبر ہو اور ان دلائل



سے بھی آگاہ ہو جن سے ان عقائد کی توثیق کے لیے استدلال کیا جاتا ہے۔ اور مذہب شیعہ سے اچھی طرح آگاہ ہو پھر عام علوم و فنون کے علاوہ عقلیات بالخصوص علم منطق اور فلسفہ اور ریاضی اور علم کلام وغیرہ میں کمال درجہ کا درک رکھتا ہو اور اس کے ساتھ مستقل مزاج بھی ہو جو مطالعہ کرنے کا عادی ہو اور ذہن بھی وقاد طبع فکی اور مزاج سیال رکھتا ہو اور اس میں کسی حد تک لٹریٹ و روحانیت بھی پائی جاتی ہو۔ اور کشف سے بھی فی الجملہ مناسبت رکھتا ہو وہ اس کتاب کو سمجھنے کا اہل ہو گا اس کتاب کے دو تین صفحات مطالعہ کرنے کے بعد ذہن در ماندہ ہو جاتا ہے اور اس پر بے حد تھکاوٹ اور بوجھ پڑتا ہے اور اس وقت اس کو ترک کر دینا پڑتا ہے تاکہ پھر کسی دوسرے وقت تازہ دم ہو کر اس کا مطالعہ کیا جاسکے، امام ولی اللہ کی کتابوں کا حال بھی قریب قریب ایسا ہی ہوتا ہے بہر حال یہ کتاب حضرت نانوتویؒ نے ۱۲۸۶ھ میں لکھی ہے اور پھر حج کے موقع پر حضرت حاجی ابو اللہؒ نے اس کو پڑھ کر اس کی تصدیق و تصویب فرمائی ہے اور اس کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی حضرت خود مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

”اس لیے یہ پیچیدہ ترین گنگا دان زبان و دل سے اس بات کا معترف ہے کہ میرے کلام پریشان میں اگر کوئی سخن دل نشین اہل دل اور کوئی تحقیق لائق تصدیق اہل حق ہے تو وہ حضرت مرشد برحق ادام اللہ فیوضہ کے انتساب و توسل کا پھل ہے اور اگر اختلاط اغلاط اور آمیزش خرافات ہو تو یہ تیرہ دروں خود قائل ہے کہ اپنی عقل نارسا ہے اور اپنے دماغ میں خلل ہے یہی وجہ ہوئی حضرت پیر و مرشد ادام اللہ فیوضہ کے سنانے کی ضرورت ہوئی۔ مگر جب زبان فیض تر جہان سے آفرین و تحسین سن لی تو اصل مضامین کی حقیقت تو اپنے نزدیک محقق ہو گئی یوں کوئی منکر زمانے تو وہ جانے منکروں کا کام ہی ہے۔“

اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں لیکن اب تک کسی صاحب علم نے اس کتاب کی تبویب و تسیل کی طرف توجہ نہیں فرمائی میرے پیش نظر مطبع مجتہبی دہلی کا طبع شدہ نسخہ ہے جو ۱۹۰۵ھ کا مطبوعہ ہے اور بڑے سائز کے دو صد ساٹھ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اس کتاب میں حضرت نانوتویؒ کی مسد حیات النبی پر نہایت نفیس بحث کی ہے کتاب کے جملہ مضامین اور علوم معارف پر بحث کرنا مجھ جیسے کم فہم طالب علم کا کام نہیں ہے۔



مولوی سعید احمد صاحب پالن پوری توفیق الکلام کے مقدمہ میں لکھتے ہیں "آپ حیات" اثبات حیات انبیاء علیہم السلام اس کتاب کا موضوع ہے آپ کی تمام کتابوں میں یہ سب سے زیادہ مشکل کتاب سمجھی گئی ہے اگرچہ اس میں سے ایک محتذب حصہ جس کے بارے میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب ناتوئی (اولین صدر مدرس دارالعلوم دیوبند) کی رائے یہ تھی کہ اسے کوئی نہیں سمجھ سکتا اس کو نکال دیا گیا ہے۔ اور یہ "اوراق متخرجہ آب حیات" پھلا وہ (بجارت میں ایک مقام کا نام ہے) میں ہیں غرض اس کی شرح کی بھی خاص ضرورت ہے۔ ولعل اللہ سبحانہ و تعالیٰ یوفیٰ فی ذلک وما ذلک علیہ بعزیز۔

احقر عبد الحمید سواتی عرض کرتا ہے کہ اولاً یہ روایت جو حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی طرف منسوب کی گئی ہے منکر معلوم ہوتی ہے کہ کچھ حصہ کتاب کا محض اس لیے نکال دیا جائے کہ وہ اوق، صعب یا غیر الفہم ہے یہ حق صرف مصنف کا ہے کہ وہ خود اپنی کتاب میں سے نکال دے دوں کے حضرات یا ناشرین وغیرہ کو اس کا حق حاصل نہیں اگر خود مصنف نے ان اوراق کے استخراج کی اجازت دی ہے تو اس کا ثبوت قطعی ہونا چاہیے۔ اگر یہ اوراق مصنف کی اجازت کے بغیر نکالے گئے ہیں تو ان کو دوبارہ کتاب کے ساتھ شامل کرنا از حد ضروری ہے ورنہ یہ علمی دیانت کے خلاف ہے۔

ثانیاً عرض ہے کہ اگر کتاب کے اوق ہونے کی وجہ سے اس کے حصوں کو الگ کرنا عام ناشرین یا شارحین کے لیے جائز ہوتا تو پھر تمام اوق قسم کی کتابوں میں وہ حصے جو عام فہم نہیں ہیں وہ نکال دیے جاتے لیکن ایسا کمرہ ناروا نہیں۔

ثالثاً عرض ہے کہ حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ کی بہت سی کتابیں اسی قسم کی ہیں مثلاً حجۃ اللہ البالغہ کے بعض مقامات الخیر الکثیر، تفسیحات الیہ کے بہت سے حصے بدور بازغہ کے کئی مقامات الوامع کے کچھ حصے سعطات کے بعض سطحات لمحات کے کئی مقامات الفوز البکیر کے بعض مقامات بلکہ شاہ ولی اللہؒ کی بہت سی کتابوں کے کئی مقامات ایسے ہیں لیکن ان کو کسی شارح یا ناشر نے کتاب سے نکال دینے کی جرأت نہیں کی۔ اور نہ یہ مشورہ دیا ہے کہ ان کو غیر الفہم ہونے کی وجہ سے نکال دیا جائے۔



## ۶۔ تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباسؓ

یہ مختصر رسالہ حضرت نانوتویؒ کا ایک محرکہ الاراء اور علمی رسالہ ہے۔ ایک استفتاء کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا ہے رسالہ اپنے استدلال اور علمی نکات کی دقت کی وجہ سے مشکل ہے، بعض لوگوں نے کم فہمی یا اپنی شقاوت کی وجہ سے عبارتوں میں قطع برید و تقدیم و تاخیر کر کے کچھ کا کچھ بنا کر حضرت نانوتویؒ پر تکفیر بازی بھی کی ہے۔ دراصل رسالہ میں حضرت نے آیت ختم نبوت (خاتم النبیین) کی ایسی عالی تحقیق فرمائی ہے جس کی مثال علمی لٹریچر میں نہیں مل سکتی۔ ختم نبوت زمانی، مکانی اور ربی ہر طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہے۔ آخر میں استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنویؒ اور دیگر علماء کرام کی تصویب و تصدیق بھی شامل ہے۔

## ۷۔ مناظرہ عجیبہ

یہ کتاب بھی حضرت نانوتویؒ کے مکتوبات کے سلسلے کی کتاب ہے۔ اس کے دو حصے ہیں حصہ اول میں محذورات عشرہ جو تحذیر الناس کی عبارتوں پر کئے گئے ہیں۔ اور ان کے جوابات ہیں۔ اور دوسرے حصہ میں وہ خط و کتابت ہے جو حضرت نانوتویؒ کے ایک ہم عصر عالم مولانا عبد العزیز صاحب نے تحذیر الناس پر جو اعتراضات کئے تھے اور جاہلین سے چار چار خطوط میں مولانا عبد العزیز صاحب اعتراضات لکھتے رہے حضرت نانوتویؒ ان کے جوابات تحریر فرماتے رہے بالآخر مولانا عبد العزیز صاحب نے حضرت نانوتویؒ کے موقف کو تسلیم کر لیا۔ جو اہل حق کا شیوہ ہوتا ہے۔

اس کتاب کے مکتوب ثالث میں حضرت نانوتویؒ لکھتے ہیں ”اپنا دین و ایمان ہے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں جو اس میں تامل کرے اس کو کافر سمجھتا ہوں“ (ص ۱۰۳ طبع قدیم)

اتنی واضح بات کے بعد بھی جو لوگ حضرتؒ کی طرف غلط بات منسوب کرتے ہیں ان کے بارہ میں اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ ایسے بد نیتوں کے لیے خدا تعالیٰ کے ہاں روز قیامت میں روٹا ہی کے سوا کیا ہوگا۔



## ۸۔ مکاتیب حضرت نانوتویؒ

حدید طباعت میں اس مجموعہ کا نام قاسم العلوم مع اردو ترجمہ انوار النجوم ہے۔ یہ فارسی زبان میں دس مکاتبات کا مجموعہ ہے اس کی ترتیب و تبویب و تسہیل و تخریج و ترجمہ حضرت مولانا پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹیؒ فاضل دیوبند، فیصل آبادی نے کیا ہے اور لاہور سے طبع ہوا ہے۔ یہ مجموعہ پہلی طباعتوں میں چار حصوں پر مشتمل تھا لیکن اب اس کی ایک ہی جگہ مترجم شکل میں جمع کر کے طباعت کرائی گئی ہے۔

اس میں بعض مکاتبات بہت اہم ہیں مثلاً مکتوب شرح حدیث ابی زرینؓ بہت مشکل اور اہم مکتوب ہے۔ اس کا ترجمہ اور تفہیم ابھی بہت کچھ ناکافی ہے یہ حدیث محدثین کے نزدیک بھی بہت مشکل حدیث مانی جاتی ہے۔ محققین نے اس حدیث کی شرح اپنے اپنے انداز سے لکھی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ امام عبدالکریم جلیجؒ نے الانسان الکامل میں اور امام ولی اللہ دہلویؒ نے فیوض الحرمین، الدر الثمین اور تفہیمات الیہ وغیرہ کتب میں اس کو بیان کیا ہے۔ امام بیہقیؒ نے کتاب الاسماء والصفات میں الشیخ ابن عربیؒ نے فتوحات مکیہ میں اس حدیث پر بحث کی ہے۔ اس میں عمار کا مفہوم متعین کرنا اور نیز فوقیت تحقیق مکان ظرفیت وغیرہ کی وجہ سے اشکالات پیدا ہوتے ہیں اور مسئلہ بھی اہم ہے اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، اور تجلیات کی بحث، یہ مکتوب بھی فارسی زبان میں ہے۔ علوم قاسم کی وقت اس میں نمایاں ہے۔ مکتوب صعب بلکہ اصعب ہے۔ اس پر بہت زیادہ وقت اور محنت کی ضرورت ہے اور اسکی تبویب و تسہیل و تبایب حکمت قاسم کے لیے اہم مقاصد میں سے ہے۔

اسی طرح عصمت انبیاء کا مکتوب بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اسے عمدہ طریق پر عصمت انبیاء کا مسئلہ حضرت نانوتویؒ نے بیان فرمایا ہے، اختصار و جامعیت کے ساتھ ہزاروں صفحات سے بے نیاز کرنے والا ہے۔ جن جن حضرات نے اس مسئلہ پر کلام کیا ہے ان سب کے دلائل کی قوت کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے۔ مشکلیں کی عام کتابوں میں ایسی عمدہ بحث اس مسئلہ پر کہیں نظر نہیں آئی۔ اسی طرح ما اہل لغیر اللہ کے موضوع پر جو مکتوب ہے وہ بھی اپنی نظیر آپس میں اس مکتوب کا اردو ترجمہ اور تبویب و تسہیل حضرت مولانا مفتی محمد علیؒ



خان صاحب گورمانی مفتی مدرسہ نصرۃ العلوم نے کی ہے، جو بہت عمدہ ہے اگر طبع ہو جائے تو بہت مفید ہوگی امید ہے کہ عنقریب یہ بھی طبع ہو جائے گی۔

باقی مکاتیب بھی علمی نکات سے لبریز ہیں اور ہر ایک مکتوب اپنی جگہ بڑی اہمیت رکھتا ہے، اسلام کے بہت سے شرائع و قوانین، احکام کی علل و مصالح اسباب خفیہ اور حکم غامضہ جس طرح ان مکاتیب سے سمجھ میں آتی ہیں از حد اہم اور لاجواب ہیں۔

## ۹. تصفیۃ العقائد

اس رسالہ میں جو اردو زبان میں ہے سر سید احمد خان بانی علی گڑھ کالج کے پندرہ سوالوں کے جوابات ہیں۔ جن میں حضرت نانوتویؒ نے سر سید احمد خان صاحب اور ان کے ہم خیال حضرات کی نیچریت کا نہایت لطیف انداز میں رد فرمایا ہے، اور سب کو لاجواب کر دیا ہے۔ اور ضمناً علم و حکمت کے بے شمار حقائق آگے ہیں۔ آخر میں حضرت نانوتویؒ کا ایک مکتوب ہے سر سید احمد خان صاحب کے نام جو ناصحانہ اور مبلغانہ انداز میں احقاق حق کے لیے لکھا گیا ہے۔

## ۱۰۔ السراہ قرآنی

یہ مختصر سا رسالہ ہے فارسی زبان میں ہے جس میں مختلف آیات قرآنیہ کے بارہ میں مولانا محمد صدیق صاحب مراد آبادی نے سوالات حضرت نانوتویؒ کی خدمت میں لکھ کر بھیجے تھے۔ جن کے جوابات حضرت نے تحریر فرمائے ہیں اور بہت سے اشکالات کو رفع کیا ہے آخر میں معوذتین کی حکیمانہ تفسیر ہے۔ اور مثنوی رومی کے ایک مشکل شعر کی شرح ہے۔ درحقیقت یہ بھی مکاتیب کے سلسلہ میں شامل ہے۔

## ۱۱۔ تحفہ لمحیہ

یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں حضرت نانوتویؒ نے ہنود کے اس وہم باطل کا رد لکھا ہے کہ جانوروں کا ذبح کرنا ظلم ہے اور ان کا گوشت کھانا تعدی ہے۔ حضرت نانوتویؒ نے یہ ثابت کیا ہے کہ حلال جانوروں کا گوشت کھانا اور ان کا ذبح کرنا بالکل فطرت کے مطابق ہے عقل سلیم بھی اس کو تسلیم کرتی ہے۔ عقلی دلائل سے اس مسئلہ کو حضرت نے بین طور پر ثابت کر دیا ہے۔ اگر ان کا گوشت کھانا ظلم ہے تو ان کی کھال کا جوتا پہننا اور ان کی ہڈیاں اور دیگر



اجزاء کا استعمال کرنا اور ان سے سواری وغیرہ کی خدمت لینا کونسا انصاف ہے۔

۱۲۔ انتباہ المؤمنین

یہ مختصر سالہ فارسی زبان میں ہے۔ اور ترمذی شریف کی اس حدیث کی شرح ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء راشدین کا ذکر فرمایا ہے اور ہر ایک کی ایک فضیلت کی خاص وجہ بیان فرمائی ہے۔ بے مثال تحقیق پر مشتمل ہے۔ رسالہ کے آخر میں مولانا شاہ اسماعیل شہید کا ایک مکتوب عربی زبان میں ہے جو انہوں نے شیخ عبد اللہ بغدادیؒ کے نام لکھا تھا اور تقویت الایمان کے بارہ میں اٹھائے گئے اعتراضات کے جوابات ہیں۔

۱۳۔ میلہ خدائشناسی

اس رسالہ میں اس مذہبی مناظرہ اور بحث و مباحثہ کی روئیداد مذکور ہے جو ۱۲۹۳ھ میں شاہجہانپور میں ہوئی تھی۔ جس میں مختلف مذاہب کے پیروکاروں نے حصہ لیا تھا۔ ہندو، عیسائی اور مسلمان سب ہی اس میں شریک ہوئے تھے۔ اور اہل اسلام کو اس میں فتح حاصل ہوئی تھی۔ اس بحث میں حضرت نانوتویؒ نے سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ حضرت کی تقاریر اور جوابات اس میں درج ہیں۔

۱۴۔ مباحثہ شاہجہانپور

اس مجموعہ میں حضرت نانوتویؒ کی وہ تقاریر ہیں جو آپ نے ۱۲۹۵ھ میں مختلف عیسائی پادریوں اور ہندو پنڈتوں کے اعتراضات کے جوابات میں کی تھیں۔ پنڈت دیانند سرسوتی۔ پنڈت اندرسن۔ پادری اسکاٹ جو انجیل کا مفسر مانا جاتا تھا اور پادری نولس وغیرہ معترضین نے جو مختلف اعتراضات اٹھائے تھے کہ خدا تعالیٰ نے دنیا کو کس چیز سے پیدا کیا ہے اور ذات باری تعالیٰ محیط کل کس طرح ہے؟ اور خدا تعالیٰ اگر عادل ہے تو پھر رحیم کس طرح ہو سکتا ہے؟ قرآن کریم کے کلام الہی ہونے کی کیا دلیل ہے؟ اور بائبل کیوں الہامی نہیں اور وید کے الہامی ہونے میں کیا چیز مانع ہے؟ نجات کس چیز میں حاصل ہو سکتی ہے؟ وغیرہ۔ حضرت نانوتویؒ نے اپنی تقاریر میں ان سب اعتراضات کے جوابات باحسن طریق ذکر کئے ہیں۔ اور اسلام کی حقانیت کے عقلی و نقلی قوی دلائل بیان فرمائے ہیں جو تمام



اہل عقل و خرد کے لیے سامان طمانینت پیدا کرتے ہیں اور اہل اسلام کے ہاتھ مخالفین کے رو کے لیے بے مثال قوی دلائل کا ذخیرہ آتا ہے۔

## ۱۵۔ توثیق الکلام فی الانصاف تحلف الامام

یہ اردو زبان کا ایک مختصر رسالہ ہے جس میں حضرت نانوتویؒ نے یہ ثابت کیا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قرأت کرنی ممنوع ہے نقلی دلائل کے ساتھ زیادہ تر عقلی انداز میں میسند سمجھا دیا ہے۔ انصاف شرط ہے۔

## ۱۶۔ الدلیل المحکم

اس رسالہ میں بھی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے کی تحقیق بیان فرمائی۔ (توثیق الکلام اور الدلیل المحکم در حقیقت ایک ہی کتاب کے دو نام ہیں البتہ توثیق الکلام میں چند سطریں زائد ہیں) ان دونوں کی شرح و تفسیل و اضافہ عنوانات تمہید مقدمات وغیرہ دارالعلوم دیوبند کے استاذ مولانا سعید احمد پالن پوری نے کی ہے۔ اور اس کا نام ”کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟“ تجویز کیا ہے اور مکتبہ وحید یہ دیوبند سے شائع ہوئی ہے۔

## ۱۷۔ لطائف قاسمی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور ترویج کا مسئلہ اس میں ذکر کیا گیا ہے۔

## ۱۸۔ جمال قاسمی

اس رسالہ میں حضرت نانوتویؒ کے دو مکتوب ہیں۔ جو حضرت مولانا سید جمال الدین دہلویؒ کے خطوط کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمائے ہیں۔ ایک مکتوب میں محدثین کی تشریح ہے اور دوسرے میں سماع موتی کا مسئلہ ذکر کیا گیا ہے۔

مولانا سید جمال الدین دہلویؒ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے اپنی بعض تحریروں میں لکھا کہ حضرت نانوتویؒ سے ہم نے ”سؤسائل ہندسہ۔ مینت۔ فلاحیت طبعی، جبر و مقابلہ جبر ثقیل وغیرہا علوم میں، ایک ایک ورق لکھنے کی فرمائش کی تھی۔ واللہ اعلم کہ حضرت نانوتویؒ کو ان سائل کے لکھنے کا موقع پیش آیا یا نہیں، اور یہ کہ یہ رسائل کس کے پاس ہیں۔ اسی طرح حضرت مولانا سید فخر الحسن گنگوہیؒ انصار الاسلام کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”اور جناب مولانا کی



وہ تحریریں جو زیر طبع اب تک نہیں آئیں۔ اور وہ کوئی سوچا ہوا ہوں گے ان کے شائع کرنے پر بندہ نے کمر ہمت باندھی تو ہے۔ خداوند کریم مدد کرے۔ آمین۔

## ۱۹۔ فیوض قاسمیہ

یہ مجموعہ حضرت نانوتویؒ کے کچھ مکاتیب پر مشتمل ہے جو مختلف حضرات نے آپ سے دریافت کئے تھے۔ بعض میں شیعہ حضرات کے اعتراضات کے جوابات ہیں، اور کچھ اعتراضات وہ ہیں جو حضرت کی کتاب ہدیۃ الشیعہ پر اٹھائے گئے تھے ان کے جوابات دیے ہیں ایک مکتوب مجمعہ کی تحقیق پر مشتمل ہے مزید کے ایمان اور عدم ایمان کی بحث۔ نذر لغیر اللہ کی تحقیق۔ علم غیب مختص ذات باری تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ سری و جہری قرآن کی حکمت بدعت و سنت کی تحقیق۔ تصویر شیخ کا مسئلہ۔ اور نفس کی تحقیق وغیرہ پر مشتمل ہے۔

## ۲۰۔ مصابیح التراویح

بزبان فارسی۔ بڑے سائز کے ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ہے اس میں مسئلہ تراویح کی وضاحت ہے اور احادیث جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں ان کی تشریح اور سینکڑوں عدد رکعات تراویح کا ثبوت شرعی و عقلی دلائل سے، اور یہ کہ بیس تراویح پڑھنا سنت کی فرد ہے یہ بدعت نہیں اسکو بدعت شمار کرنے والے حضرات غلو و تعدی کا شکار ہیں اور زیادتی کے مرتکب ہیں۔ اور حدیث علیکم بسنتی و سنتہ الخلفاء الراشدین کی تشریح بیان کی گئی ہے۔ ہمارے پیش نظر جو نسخہ ہے یہ غیر مترجم ہے، اس کو ادارہ نشر و اشاعت دارالعلوم دیوبند نے طبع کرایا ہے۔ یہ کتاب حضرت نانوتویؒ نے اپنے تلمیذ رشید مولانا سید احمد حسن امروہیؒ جو دارالعلوم دیوبند کے قدیم فضلا میں تھے۔ ان کے ایک استفادہ پر جو انہوں نے حضرت نانوتویؒ کی خدمت میں بھیجا تھا اس کے جواب میں لکھی ہے نہایت اعلیٰ تحقیقات پر مشتمل ہے مولانا سعید احمد پالن پوری لکھتے ہیں کہ۔

”اس کتاب کا ترجمہ مولانا اشتیاق احمد صاحب دیوبند نے کیا ہے جو دارالمصباح کے نام سے شائع ہوا ہے مگر اس سے کتاب کما حقہ حل نہیں ہوتی ہے۔ ابھی مزید کام کی ضرورت ہے۔“



## ۲۱۔ الحق الصریح فی اثبات التراویح

یہ رسالہ بھی فارسی زبان میں مصباح التراویح کی طرح سینس تراویح کے اثبات میں لکھا گیا ہے یہ بھی ایک صاحب جناب عبدالرحیم خان صاحب کے مکتوب کے جواب میں حضرت نانوتویؒ نے لکھا ہے۔ اور اس میں سینس رکعات کی مخالفت کرنے والے حضرات کے تعصب و ہٹ دھرمی کو ظاہر کیا ہے اور اس سلسلہ میں حضرت سائب بن یزیدؒ کی روایت پر جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے اس کا جواب حضرت نانوتویؒ نے دیا ہے اور متعصبین کی افسوسناک حالت کو خوب اشکارا فرمایا ہے۔

## ۲۲۔ اسرار الطہارۃ

یہ بھی مختصر سا رسالہ ہے اور اس کو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے حضرت نانوتویؒ کی تحریرات حاصل کر کے ان سے مرتب کیا ہے اس میں طہارۃ کے اسرار و حکم اور عجیب و غریب نکات بیان کئے گئے ہیں۔ قہقہہ اور خروج ریح کیسے ناقض وضو ہوتے ہیں اس کی حیرت انگیز تشریح بیان فرمائی ہے۔ اور ایسے حکیمانہ افکار بیان کئے ہیں جن میں حضرت منفرد معلوم ہوتے ہیں۔

## ۲۳۔ قصائد قاسمی

اس رسالہ میں حضرت نانوتویؒ کے چند قصائد ہیں ایک قصیدہ بہاریہ جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں زبان اردو میں ہے جس کے ایک ایک شعر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت لگاؤ و تعظیم ظاہر ہوتی ہے۔ ایک قصیدہ عربی زبان میں ہے جو عمر کی خلافت کے خلیفہ وقت سلطان عبدالحمید کے بارہ میں لکھا ہے بڑا معیاری قصیدہ ہے زبان کے اعتبار سے کسی مقدم شاعر کی فصاحت و بلاغت سے کم نہیں۔ اس طرح ایک قصیدہ فارسی زبان میں ترکی خلافت کے متعلق ہے۔ اس دور میں علماء دیوبند کا ایک بنیادی نظریہ خلافت اسلامیہ کے ساتھ اتصال تھا جس کے نمائندہ ترکی تھے۔ ایک قصیدہ میں اپنے رفیق شہید حضرت حافظ صامن کا مرثیہ لکھا ہے اور شجرہ منظلومہ بھی فارسی زبان میں ہے۔ اس مجموعہ میں کچھ قصائد دوسرے کا رباعی بھی ہیں مثلاً مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ، مولانا فیض الحسنؒ



مولانا محمد یعقوب صاحب کا بھی ایک ایک قصیدہ اس مجموعہ میں شامل ہے۔

## ۲۴. حاشیہ بخاری شریف

آخری پانچ پاروں کا حاشیہ حضرت نانوتویؒ نے اپنے استاذ محترم مولانا احمد علی سہانپوریؒ کے حکم سے بالکل اسی انداز میں جس طرح حضرت سہانپوریؒ نے لکھا ہے۔ تحریر کیا ہے اور آخری حصہ کے مشکل مسائل کا خوب حل کیا ہے۔

## ۲۵. فتویٰ متعلقہ اجرت تعلیم

جس میں حضرت نانوتویؒ نے دینی تعلیم پر اجرت لینے کے مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر محققانہ طریق پر بحث کی ہے۔

## ۲۶. جواب ترم کی بتری

یہ رسالہ دراصل حضرت نانوتویؒ کا لکھا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ یہ آپ کے اشارہ اور حکم سے آپ کے تلمیذ حضرت مولانا عبد العلیؒ نے حضرت نانوتویؒ کے افادات سے اور آپ کے طرز استدلال سے آریہ سماجیوں کے ایک رسالہ کے دو میں لکھا ہے۔ رسالہ آریہ سماچار بابت ماہ اساتھ ۱۹۳۶ء بمقامی ۱۲۹۶ھ میں لالہ انند لال آریہ سماجی نے اسلام کے متعلق بعض غلط قسم کے اعتراضات کئے تھے۔ انکا جواب اسی کی زبان اور محاورہ میں دیا گیا ہے یہ قدیم طباحت میں ۶۰ صفحات پر مشتمل ہے یہ رسالہ بھی بہت سے علمی افادات پر مشتمل ہے۔ اور اس کے عنوانات وغیرہ کا اضافہ اور تیسریل مولانا اشفاق احمد دیوبندی مدرس دارالعلوم نے کی ہے۔ اور براہین قاسمیکہ کے نام سے مجلس معارف القرآن کی طرف سے عمدہ کاغذ و کتابت کے ساتھ دیوبند سے طبع ہوئی ہے۔

## ۲۶. ہدیۃ الشیعہ

۱۲۸۳ھ میں شیعہ کے کچھ اعتراضات کے بارہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے ایک خط حضرت نانوتویؒ کی طرف لکھا تھا کہ ان اعتراضات کے جوابات لکھ کر روانہ فرمائیں۔ حضرت مولانا نانوتویؒ نے متفرق اوقات میں ان اعتراضات کے جوابات لکھ کر ماہ صفر ۱۲۸۴ھ یعنی چند ماہ میں اس کو مکمل کیا اور اس کا نام ہدیۃ الشیعہ رکھا اس کتاب



میں شیعہ حضرات کے تمام اور ماہر الاقنایہ مسائل کا ذکر آگیا ہے۔ خلافت، صحابہ کرامؓ کا ایمان و مقام شیعوں کا عقیدہ و تفسیر، مباحث فذک، وراثت وغیرہ۔ حضرت نانوتویؒ نے قرآن کریم اور وہ احادیث جو اہل سنت والجماعت کی مسلمہ ہیں اور پھر ان روایات سے بھی جو مسلم عند الشیعہ ہیں، تمام اعتراضات کے لیے مسکت جوابات دیے ہیں کہ ان کے جواب سے ان شار اللہ شیعہ ہمیشہ عاجز رہیں گے۔ کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ عام فہم اردو زبان میں لکھی گئی ہے۔ اور اس میں منطقی اصطلاحات وغیرہ کا ذکر بھی کم ہے۔ اس سے عام تعلیم یافتہ حضرات بخوبی استفادہ کر سکتے ہیں۔ اور اس کتاب میں ضمنائے عجیب و غریب علمی نکات بیان کئے گئے ہیں جن سے اہل علم کو ایقان و اذعان نصیب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عالم برحق کو دین قیم کے بارے میں کتنی عظیم سمجھ عطا فرمائی تھی، یہ کتاب اس پر دلیل بین ہے، یہ کتاب پاکستان میں دوبار طبع ہوئی ہے۔ پہلی دفعہ کراچی میں۔ پہلی طباعت کے وقت حضرت مولانا محمد اسلم صاحب (سابق خطیب مسجد میٹرو کوآپریٹرز کراچی) نے کتاب میں جا بجا عمدہ مفید عنوانات قائم کئے ہیں جس سے کتاب کی اچھی ترویج و ترویج سے اس کتاب کے مضامین و مسائل زیادہ قریب الفہم ہو گئے ہیں ساتھ کتاب کی فہرست بھی مرتب کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کی دوسری طباعت لاہور میں مکتبہ نعمانیہ والوں نے کرائی ہے۔ بہر حال جو حضرات فرقہ شیعہ کے ساتھ مبتلا ہوتے ہیں ان کے لیے بالخصوص اور عام اہل علم کے لیے بالعموم اس کتاب کا مطالعہ از حد ضروری ہے اور غایت درجہ کا مفید۔

۲۸۔ اجوبہ اربعین

یہ اردو زبان میں پہلی طباعت سے دو حصوں میں تقریباً ڈھائی صد صفحات پر مشتمل ہے اور اس کتاب میں شیعہ حضرات کے چالیس اعتراضات کے جوابات ہیں۔

مولانا سعید احمد صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند نے توثیق الکلام کے مقدمہ میں حضرت نانوتویؒ کی کتابوں کا تعارف بھی مختصر طور پر کرایا ہے، اسی ضمن میں حضرت نانوتویؒ کی چند مزید کتابوں کا ذکر بھی کیا ہے۔

۲۹۔ اجوبۃ الکاملۃ فی الاسولۃ الخاملۃ (اردو) کسی شیعہ کے پانچ لغو قسم کے



اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے۔

۳۔ مکاتیب قائمی (فارسی)

یہ مسائل سلوک پر چند مکاتیب ہیں۔

۴۔ الحظ المقسوم من قاسم العلوم (عربی)

یہ جنرل الذی لا یتجزئی کاشیات اور سماع و غناء کی تحقیق پر مشتمل ہے۔ حضرت نانوتویؒ کے تلمیذ مولانا محمد رحیم اللہ بجنوری کے نام یہ دو مکتوب ہیں۔ جو فصیح عربی زبان میں ہیں۔

واللہ اعلم

احقر عبد الحمید سواتی

خادم مدرّسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

ماہ شعبان ۱۴۰۱ھ

www.jmmpak.net



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## دیباچہ

(طبع اول ۱۲۹۱ھ از ناشر)

بعد حمد خداوند متعال و صلوٰۃ و سلام بر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و جمیع اصحاب و آلؓ بندہ اہقر  
و بے ثبات محمد حیات عرض کرتا ہے کہ ان دنوں بعض عقل کے کچے مذہب کے متزلزل لوگوں نے  
چند سوال شیعوں کی جانب سے پیش کیے، ہر چند کہ یہ مضامین قدیمی اور پرانے تھے جن کے جواب  
بارہا علما اہل سنت و جماعت نے دیئے اور لکھے مگر عادت ان مذہب والوں کی ہے کہ انہی  
باتوں کو رنگ بدل کر پیش کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ اٹھائیس سوال اسی قبیل کے تھے، جواب  
ان سوالوں کے مشفق و مکرم مولوی عبداللہ صاحب انبٹھوی فرزند رشید مولوی انصار علی صاحب نے  
لکھے تھے زال بعد وہی سوال جناب فخر الاماثل مرجع الافاضل جناب مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کی  
کی خدمت میں پیش ہوئے، تو جناب موصوف نے بھی باصرہ احباب قلم برداشتہ ایک روز و شب  
میں اس کے جواب تحریر فرمائے۔ یہ دونوں تحریریں بندہ کو ہاتھ آئیں اور مناسب زمانہ یوں معلوم ہوا کہ یہ گوہر  
بے بہایوں ہی چھپے نہ رہیں بلکہ چھپکے مشترک ہو جائیں اس لیے اس کی طرز مناسب یوں تجویز ہوئی کہ اول  
سوال لکھا جائے بعد اس کے جواب جناب مولوی محمد قاسم صاحب کا، اس کے بعد جواب مولوی عبداللہ  
صاحب کا اور ان جوابوں کا ایک حصہ قرار دیا جائے چنانچہ یہ حصہ اول ٹھہرا اور ان جوابوں کے اخیر میں دونوں جواب  
نے چند سوال علماء شیعہ سے کئے ہیں اگر کوئی صاحب اس رسالہ پر کچھ تحریر فرمائیں تو ان سوالوں کے جواب  
لکھنے کی بھی ہمت کریں اور بعد اس کے چند مسائل اور کہ مذہب شیعہ کے اصول فہم سے ہیں اس پر کچھ تحریریں مہلانا  
مولوی محمد قاسم صاحب کی ہمارے ہاتھ آئی ہیں اس کو جب اگر کے دوسرے حصہ قرار دیا اب یہ کل جوابات چالینگی ہو گئے اور  
اس مناسبت سے نام اس مجموعہ کا اجوبہ باربعین رکھا گیا، اللہ جل شانہ سعی اہقر کی مقبول فرمائے۔



## (مقدمہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی  
رسوله سید المرسلین وآله وصحبہ وازواجه اجمعین

## (سبب تالیف کتاب)

بعد حمد و صلوة کے یہ خادم خاص محمد قاسم اپنے مخدوم و مکرم مولانا محمد یعقوب صاحب کی خدمت میں عرض سلام و نیاز کے بعد عرض پر داز ہے کہ آج بروز چار شنبہ معلوم نہیں تاریخ ۱۶ ہے یا ۱۷ آپ کا والانا مہ لاوڑ سے میرے پاس آیا دیکھا تو ایک طوار کا طور تھا شیطان کے وسوسوں کو بھی مات کیا، دیکھ کر دل بہت گھبرایا۔ جی میں کتنا تھا میرا گہانی بلا اوقات کھونے کے لیے کہاں سے سر پہ آپڑتی، پھر تسیر حاصل نہ وصول، شیعوں کی راہ پر آنے کی امید نہیں ادھر دل کاہل کا یہ خیال تھا کہ مولوی محمد یعقوب صاحب ہی نے ان سوالوں کی اپنی لا حول سے کیوں نہ خبر لی، میں کجا اور دیوبند کجا، مگر کچھ آپ کا خوف کچھ حاجی صاحب کا لحاظ چارو ناچار قہر و ریش بر جان درویش۔ جب اور وقت فرصت نہ ملی تو اس وقت بعد مغرب لے کر بیٹھا اور اپنے اوقات کے غم پر کمر باندھی، مولانا! میری کم فرصتی کا کچھ حال نہ پوچھئے، صبح کو ۱۲ بجے، شام کو

مہ دار العلوم دیوبند کے اول صدر مدرس اور حضرت نانوتویؒ کے استاذ زادہ اور حضرت کے شاگرد بھی۔

مولانا مملوک علی صاحب کے فرزند۔ اس سے مراد حاجی ظہور الدین صاحب میں جو سوا حضرت مولانا نانوتویؒ کی خدمت میں لائے تھے ۱۲۔ مہر محمد



دن چھپے پر کیا چھوٹتا ہوں نہ عقل ٹھکانے نہ ہوش بجا میں کہیں، دل کہیں، تپس عقل کی نارسائی اور اوپر کی بے سرو سامانی، اور ادھر نامہ بر یعنی حاجی ظہور الدین کو گھڑ کا یہ شوق کہ کل کے جاتے آج ہی جانے کو تیار۔

(استاذ زادہ کی تعظیم و فرمانبرداری۔)

بہر حال یہ آپ ہی کا ارشاد ہے کہ مجھ سا کاہل باوجود هجوم موال اور گم گشتی سامان کتب اس ناامیدی پر کہ سائل کو خدا ہی راہ پر لائے تو آئے، قلم اٹھاتا ہوں اور بنام خدا جو کچھ خیال نارسا میں گذرتا ہے لکھتا ہوں۔ پر یہ ڈر ہے کہ قلم کی باگ چھوڑ دیجئے تو پھر دیکھئے کب انتہا آتی ہے، اور روکئے تو کہاں تک روکئے۔ اس شش و پنج میں بارہا یوں خیال آتا ہے کہ مولانا اس ناکارہ کو مٹانا رکھتے تو بہت مناسب تھا اور انصاف سے دیکھئے تو میری دشمنی بجا بھی ہے آپ کے ہوتے میری کیا ضرورت؟ اور اگر آپ کو فرصت نہ تھی تو مولوی عبدالحق مولوی عبداللہ مولوی محمود حسن مولوی فخر الحسن مولوی خلیل احمد مجھ سے کس بات میں کم تھے، پھر آپ کی (طرف) اصلاح ہو جاتی تو چاندی کا سونا بن جاتا، (ان علماء کے سامنے) قاسم کیا بکنے لگا۔ مولانا آپ کا ارشاد برسر یہ اپنی کیفیت بے اختیاری کا بیان تھا، امتثال امر میں بندہ نے چوں تک نہیں کی ریگٹ تافعی نہیں آپ کے اخلاق پر ناز تھا۔

(ضدی ہٹ و صرم کی اصلاح نہیں ہوتی۔)

دیکھئے یہ آپ کا خادم سرزیر بانیاز رکھ کر بسم اللہ کرتا ہے، مخدوم من! مجھ کو امید نہیں کہ سائل راہ پر آئے، انداز سوال کہے دیتے ہیں کہ یہ اوپر کی بات نہیں اس میں تہ دل کا ملاؤ ہے ہاں خدا کو سب قدرت ہے ورنہ اپنا تجربہ اور پُرانے افسانے سنا امسی بات پر شاہد ہیں کہ جیسے کنواں تو ایک پیشاب کے قطرہ سے ناپاک ہو جاتا ہے، اور قطرہ پیشاب بہت سے پانی مثل دریا سے ملے تو پاک ہو، ایسا ہی اہل اسلام کے بگڑ جانے کے لیے تو ایک قطرہ بھی کافی ہے، اور اہل خطرہ بہت سے لالچلوں سے بھی درست نہیں ہوتے۔



(اہل تشیع اور بنی اسرائیل میں مشابہت تامہ)

بنی اسرائیل کو دیکھتے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا کیا احسان کیے۔ راہ اسلام تعلیم کیا سو کیا! فرعون کے کس عذاب سے بچایا، تسبیح تسلیم احکام میں کس قدر تین پانچ کرتے تھے پہاڑوں کو اٹھا اٹھا کر ان کے سر پر معلق کر دکھایا، اور گرنے سے ڈرایا تب کہیں انہوں نے احکام کو تسلیم کیا۔ مخدوم من! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کیسے کیسے معجزے دیکھتے تھے، اور باخبر نہ ہوتے تھے، ہاں سامری نے ایک کرشمہ دکھایا اور سب کو گمراہ کر دیا۔ اس کرشمہ اور ان معجزوں کو کیا نسبت؟ غور سے دیکھئے تو یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طفیل تھا۔ نہ حضرت جبریل علیہ السلام گھوڑے پر سوار ہو کے ان کی مدد اور حفاظت کے لیے آتے، نہ اُن کے گھوڑے کی خاک پا سبز ہوتی، نہ یہ تاثیر دیکھ کر سامری اٹھا کر لاتا، نہ یہ کرشمہ دکھاتا، غرض حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وہ معجزات عظیمہ کہ کسی نبی کے ہوئے ہوں گے، کجا، اور یہ کرشمہ ظاہری کجا، کہ دھوکہ ہی دھوکہ تھا، اور وہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طفیل، پھر تسبیح ان معجزات کا کچھ اثر نہ ہوا، پر اس کرشمہ پر سارے بنی اسرائیل باوجودیکہ بنی زاوے تھے، قدیم کے مسلمان تھے، نیک بد، بھلے بُرے کو پہچانتے تھے، لٹو ہو گئے اور ایمان کھو بیٹھے!

مولانا یہاں بظاہر یہی نظر آتا ہے سامریان شیعہ کی یہ دھوکہ بازی جتنا کام کر گئی ہے، میرے جوابات دندان شکن سے وہ امید نہیں۔ ہاں یہ بھی امید نہیں کہ علماء شیعہ میں اگر کچھ حیا ہو تو پھر اس طرف کو منہ بھی کریں۔

(اٹھائیسواں سوال دراصل ایک ہی سوال ہے)

مولانا! ہر چند سوالات مسئلہ دیکھنے میں اٹھائیس ہیں، پر اہل فہم جانتے ہیں کہ وہ حقیقت میں ایک سوال ہے، مطلب سب کا فقط اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی مذمت، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بڑائی ہے اور اس کی ویسی مثل ہے جیسے کسی حجام نے کہا تھا: استاد حجام نائی میں اور میرا بھائی گھوڑا اور گھوڑے کا پھیرا غلام کو آپ جانتے ہیں: سو جیسے اہل فہم کے نزدیک حجام کی یہ جھلسا جی ایسی نہیں کہ اس پر کان نہ کھئے، ایسے ہی اہل عقل کے نزدیک شیعوں کی یہ دھوکہ بازی اس قابل نہیں کہ فریب کھائے، پر کیا کیسے عقل پرستوں نے اٹھ گئی، کوئی کوئی صاحب عقل نظر



آگے ہے۔ ناچار بیپاس خاطر اپنا روزگار اول ایک جواب اجمالی معروض ہے بعد ازاں تفصیل وار ہر سوال کا جواب عرض کروں گا آپ تو سمجھ ہی گئے ہوں گے، کہ جواب اجمالی کس کے لیے ہے اور جواب تفصیلی کس کے لیے، یہ میں بھی اوروں کو جتانے کے لیے بتاتے جاتا ہوں، مخدوم من! جواب اجمالی تو فقط اہل عقل اور انصاف کے لیے ہے، جن کی بصیرت و دانش تیز اور سینہ صاف ان کے حق میں ان اٹھائیس سناروں کی کھٹ کھٹ کے سامنے وہ اجمال ایسا ہوگا کہ انشاء اللہ جیسے لوہار کی ایک، اور جوابات تفصیلی ان کے لیے ہیں جن کو عقل سے بہرہ، نہ فہم سے مطلب اب قلم کو بہت تھام تھام کر مختصر مختصر عرض پر داز ہوں۔

(سب کا اجمالی جواب: ہم اول جواب اجمالی ہے حاصل ان سب سوالوں کا اگرچہ بادی النظر میں جداجدا معلوم ہوتا ہے بلکہ ساوہ لوح تو یوں سمجھتے ہوں گے کہ یونہی اتفاقی باتیں ہیں، لیکن موافق مصرعہ مشہور ہے یہ

ہم خوب سمجھتے ہیں تیرے بھید کی باتیں

سوالات مذکورہ کا مطلب ہم سے پوچھتے، سائل کو نہ حکم پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مطلب ہے نہ کسی کے اجماع سے غرض، اس کو اپنے مطلب سے مطلب ہے، غرض اصلی اس کی فقط یہ ہے کہ مستحق خلافت فقط حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، اور لوگ زبردستی خلیفہ بن بیٹھے، ان پر ظلم کیا، اور اس ظلم کا بار اپنی گردن پر لیا، بایں ہمہ وہ لوگ خطاوار، گندگار، منافق، بے دین، بدآئین، بے وفا، سراپادغا، دل کے نامور، نیتوں کے خراب تھے (معاذ اللہ) اگر بالفرض والتقدیر، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہوتے، اور کسی کا خلیفہ ہونا جائز بھی ہوتا، تو ایسے اوصاف والوں کا خلیفہ ہونا تو پھر بھی جائز نہ ہوتا۔ جس نے ان سوالات کو لکھا ہے اس کی غرض اس کو تو معلوم ہی ہے یہ جس نے غور سے دیکھا ہوگا وہ بھی سمجھ جائے گا۔ کہ مطلب اصلی یہی ہے، اور سب باتیں ہیں۔ اب ہماری بھی سنئے، سائل نے کچھ صراحتہ کچھ کنایتہ اصحاب کرام حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً اصحاب ثلثہؓ پر اعتراض کئے، اور پھر ان میں کوئی دلیل ایسی نہیں، کہ جو کلام اللہ سے ماخوذ ہو، بلکہ فقط چند شبہ ہیں، جن کا جواب عاقل کو تو بے تامل اور کم عقل کو پھڑپھڑے سے تامل کے بعد معلوم ہو جاتا ہے۔



(صحابہ کرامؓ کی تعریف میں چار واضح ترین آیات)

پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریفیں عموماً اور خصوصاً کلام اللہ میں اتنی ہیں کہ گنیے  
تو اٹھائیس سو سوالوں سے (کئی گن) زیادہ ہوں گی، سب کی تو گنجائش نہیں، پر بمقدار عدد چار  
یار چار آیتیں شائقوں کے لیے منقول ہیں۔ اول (پہلی آیت)

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ دِإِحْسَانٍ رَضِيَ  
اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا  
ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (پ ۲۷) حاصل اس آیت کا یہ ہے کہ اول، ہجرت میں سبقت  
کرنے والے اور انصار، اور جن لوگوں نے ان کی خوبی اور احسان سے پیروی کی، اللہ ان سے  
راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے اور ابھی سے تیار کر رکھی ہیں ان کے لیے جنتیں جن کے  
نیچے سے بہتی ہیں نہیں ہمیشہ ہمیشہ وہ اس میں رہیں گے۔ یہ بڑی مراد ہے؟

اب دیکھئے اللہ تو بشارت آیت مسطورہ ان سے ایسا راضی ہوا کہ خدا اس کا ہزاروں  
حصہ ہی اوروں کے نصیب کرے۔ یہ سائل اور حضرات شیعہ تپس راضی نہیں کہیے یہ وہی مرغی کی  
ایک ٹانگہ ہے کہ نہیں؟

دوسری آیت

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَكْظَمُ  
دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ  
وَجَنَّاتٍ لَّهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ۝  
خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ  
عَظِيمٌ ۝ (پ ۲۷) (پ ۲۷)

اس آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے  
اور گھر بار چھوڑ کر ہجرت کر گئے، اور جان و مال سے خدا کی  
راہ میں جہاد کیا، وہ لوگ سب میں بڑے درجے والے ہیں۔  
اللہ کے نزدیک اور اصل مراد کو وہی پہنچے ہیں، بشارت  
دیتا ہے انکو ان کا رب اپنی رحمت کی اور اپنی ضمانتی  
کی اور ایسی جنتوں کی جن میں ان کے لیے ہمیشہ کی راحت  
اور نعمت ہے اور پھر وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے بیشک  
اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔

اس آیت سے صاف رہش ہے کہ مہاجرین اولین کے برابر اس امت میں کسی کا



رتبہ نہیں، اس میں کوئی ہول امام ہوں یا امام زدے پھر پس شیعہ بارہ کے بارہ اماموں کو اوروں سے افضل بتاتے جاتے ہیں اور اس پر بھی بس نہیں کرتے فوارہ لعنت بن کمر اپنی عاقبت رہی سہی بھی خراب کر لیتے ہیں۔

## تیسری آیت

اُذِنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَالِمُونَ  
إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ  
أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ  
يَقُولُوا رَبَّنَا اللَّهُ

ترجمہ اس کا یہ ہے، ہماری طرف سے ان لوگوں کو بھی اجازت ہوئی، جن سے کفار قتال کیا کرتے تھے کیونکہ وہ مظلوم تھے اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے وہ کون لوگ ہیں جن کو بے قصور ان کے گھروں سے نکال دیا گیا، فقط

(پہا ج ع ۵)

اتنی بات پر کہ وہ یوں کیوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ پھر اس کے بعد انہیں لوگوں کی تعریف میں فرماتے ہیں۔

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا  
الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَنُوا بِمَا نُعَلِّمُ  
وَنَهَوُا عَنِ الْمُنْكَرِ (ایضاً)

یعنی وہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین کا بادشاہ بنائیں تو وہ اوروں کی طرح عیش و عشرت میں نہ گزاریں گے بلکہ نماز کو قائم کریں گے زکوٰۃ دیں گے، نیک باتوں کا حکم کریں گے بُری باتوں سے منع کریں گے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ کامل، مکمل اور مادی مادی ہیں بذاتِ خود تو ایسے کہ عبادِ برنی اور مالی دونوں میں پورے، اور ان کے لیے مادی ایسے کہ بھلے کام سے چوکنے نہ دیں، اور بڑے کام کے پاس پھٹکنے نہ دیں، دیکھئے خدا تو مہاجرین کی نسبت علی العموم لیاقت خلافت کی گواہی دے، پر حضراتِ شیعہ کی کچھری میں خدا کی بھی نہیں سنتے یہ بھی اندھیر نہیں تو پھر کب ہوگا، خلافت اور امامت میں سوا اس بات کے کہ آپ بذاتِ خود خلیفہ اچھا ہو اور رعیت کا مادی ہو اور کیا ہوتا ہے نبی کا یہی کام ہے، خلیفہ اور امام کا کام کیوں نہ ہوگا۔ ورنہ پھر نیابت کا کیا معنی؟

## چوتھی آیت

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ  
لِلدِّينِ

اس کا اصل یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں



عَلَى الْكُفَّارِ رَحْمًا بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا  
سُجَّدًا يَسْتَغِيثُونَ فَضَلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا

اور ان کے ساتھی اور ساتھ والے کافروں پر سخت، آپس میں  
رجل جب بیٹھے رکوع میں جھکے ہوئے سجد میں پڑے ہوئے گاہے گاہے  
اللہ کا فضل اور اس کی رضا کی طلب رکھتے ہیں۔

(پہلی فتح آخری آیت)

اس آیت کو دیکھئے تو صحابہؓ کے ایمان کی جدی تعریف، نعمتوں کی جدی تعریف، اعمال  
کی جدی تعریف کرتے ہیں بشہادت احادیث ایمان تو اس سے زیادہ نہیں کہ خدا کے دوست  
اپنے دوست ہو جائیں اور خدا کے دشمن اپنے دشمن۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔  
مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَالْبَغْضَ لِلَّهِ وَأَعْطَى لِلَّهِ وَ  
مَنْعَ لِلَّهِ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ إِيْمَانَهُ۔  
یعنی جس نے کسی سے خدا واسطے محبت کی اور خدا  
ہی کے واسطے بغض رکھا، اور خدا ہی واسطے دیا، اور خدا  
ہی واسطے ہاتھ کھینچ لیا اس نے بیشک اپنا ایمان کامل کر لیا۔

(ازالۃ الخفاء ص ۲۸)

سو کوئی صاحب انصاف کر کے فرمائیں کہ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رَحْمًا بَيْنَهُمْ کا  
یہی خلاصہ ہے یا نہیں، پھر نیت اس سے بڑھ کر متصور نہیں کہ طالب رضا ہو عمل اس سے  
زیادہ کیا ہوگا کہ شب و روز نماز ہی سے مطلب ہے، اس پر بھی حضرات شیعہ کو پسند نہ آئیں تو  
یہ معنی ہوتے کہ (معاذ اللہ) جو سب میں بڑا کافر اور بڑا کاکار زہری باز شراب خوار ہو۔ وہ قابل  
خلافت اور امامت ہے۔

(صحابہ کرامؓ کو نہ ملنے سے تمام دین ختم ہو جاتا ہے۔)  
ان آیتوں کے بعد یہ عرض ہے کہ صحابہؓ نے جو کچھ کیا بجا کیا یا بیجا؟ ابو بکر صدیقؓ کو  
خلیفہ بنایا پھر حضرت عمرؓ کو پھر حضرت عثمانؓ کو پھر حضرت علیؓ کو اگر یہ ترتیب حسب مرضی  
شیعہ ہے تو فہماور نہ یہ معنی ہوتے کہ صحابہؓ نے ظلم کیا، دین محمدی میں رخنہ ڈالا جن سے ہدایت  
متصور تھی ان کو دم نہ مارنے دیا، جنہوں نے نیا دین نیا آئین کر دیا، وہ مسند خلافت دبا بیٹھے،  
باقی ان کے معین اور مددگار ہو گئے اور چھوٹے سے لے کر بڑے تک عاقل سے لے کر  
دیوانہ تک یہ بات جانتے ہیں کہ جیسے ہدایت کے برابر کوئی عبادت نہیں اسی وجہ سے  
انبیاءؑ سب میں بڑھ کر ہے ایسے ہی گمراہ کر دینے کے برابر کوئی گناہ نہیں اس لیے شیطان کو  
یہ منصب سپرد ہوا، سو در صورتیکہ (نہ عم شیعہ) ترتیب معلوم غلط اور خلفاء ثلاثہ ظالم اور بدین



اور باقی صحابہؓ ان کے مددگار، تو یہ معنی ہوں کہ نعوذ باللہ خدا نے اخوان الشیاطین کی اتنی تعریف کی جو اولیاء کو بھی نصیب نہیں۔

اب حضرات شیعہ کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ خدا کے قول و قرار کا اعتبار ہے، یا بھول چوک اور تفتیش کا احتمال ہے، اگر خدا کو خدا اور کلام اللہ کو کلام اللہ سمجھتے ہو تو ایمان لاؤ اور شیطان کے وسوسوں پر نہ جاؤ ورنہ اپنا کہیں اور ٹھکانا بناؤ۔

صاحبو! بندہ نے کلام اللہ کا حوالہ دیا ہے کسی پنڈت کی پوچھتی کا اشلوک، نہیں پڑھا ہے، تیسرا اگر بوجہ وساوس معلومہ تردد ہے، تو ہم جانیں کہ خدا کا بھی اعتبار نہیں، پر یوں ہے تو ہمیں بھی شکایت نہیں، الغرض سائل کے اعتراض ہم پر نہیں خدا پر ہیں آگے تیچھے وہی جواب دے دیں گے، ہاں اگر یہ مطلب ہے کہ کلام اللہ پر ایمان اور صحابہؓ کے اعتقاد سے سرسے پاتک معمور ہیں پر بطور تحقیق غرض سوالات ہے یہ عرض نہیں کہ دل کے پھپھو لے پھوڑے اور سوال کے پردہ میں طعن توڑے، بہت سے سوال لکھ بھیجے کسی سنی کو کیا غرض پڑی ہے کہ اپنے اوقات کو خراب کرے گانے سوالوں کے جواب میں کتاب کی کتاب لکھیں گے تو آپ کی تسکین دو باتوں میں ہوئی جاتی ہے۔

(حضرت موسیٰ و خضر کے واقعہ میں مشائخ اصحابہؓ کے طعن کا ازالہ لفظی ہے)

سورہ کہف میں سولہویں پارہ کے شروع میں دیکھئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضرؑ کا سفر نامہ مہ طور ہے۔ دیکھئے حضرت خضرؑ نے کشتی کو توڑ ڈالا پھر کشتی بھی کس کی، جنہوں نے بے لے دیے سواریا، دریا سے پار کیا۔ کیا یہ بھی کوئی قصور ہے کہ بے وجہ ان کی کشتی توڑ ڈالی؟ اب آگے چلیے۔ آگے بڑھے تو کیا کیا۔ ایک بیگناہ نابالغ لڑکے کو ذبح کر ڈالا گناہ نہیں قصور نہیں؟ کسی کا خوبصورت بچہ یا کھیل ہی رہا تھا یا سر کہیں ہے، دھڑکیں ہیں۔ دیکھئے یہ افعال حضرت خضر جن میں سر مو شاہ گناہ نہ تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے نبی کی سمجھ میں نہ آئے عقل کیسی، کچھ، نور نبوت کس قدر تیسرا حضرت خضر کے پاس گئے، تو خدا کی تعریف کے بعد گئے، مگر بائیں ہمہ صواب کو خطا اور فعل نیک کو گناہ ہی سمجھے، جب خضر نے بتلایا تو جانا کہ کشتی کا توڑ ڈالنا ہی کشتی والوں کے حق میں اچھا تھا، ورنہ تیچھے سے کشتیوں کی بکڑ تھی۔ اگر صحیح سالم دیکھتے تو حاکم کے پیادے کھینچ لیجاتے



بیچائے ملاح اپنی روزی سے ہاتھ دھو بیٹھے، ایسے ہی طفل مقتول اگر جوان ہوتا، تو جیسے شیر بھیڑیے سانپ کا بچہ بعد جوانی اپنے ہی اطوار کیھتا ہے، یہ بھی اطوار کھڑ اختیار کرتا، اور ماں باپ کو بھی کافر بنا ڈالتا، سو جیسے سانپ، شیر بھیڑیے کے بچوں کا قبل جوانی ہی مار ڈالنا مناسب ہے، ایسے ہی اس اس لڑکے کا مار ڈالنا بھی مناسب تھا اس صورت میں گو کسی قدر اس کے ماں باپ کو رنج و فراق کا صدمہ ہوا ہو پر ان کے حق میں یہ رنج ایسا ہو گیا جیسے پھوٹے میں نشتر مار کر جراح جب پیپ نکالتا ہے تو تکلیف تو ہوتی ہے، پر ہمیشہ ہمیشہ کی تکلیف کے عوض اول تو اس تھوڑی تکلیف پر ٹپکتی ہے، پھر جب مادہ فاسد نکلتا ہے، تو اس کی جگہ اچھا مادہ پیدا ہوتا ہے، اور تولد مادہ فاسد موقوف ہو جاتا ہے، ہاں تا دم بقار مادہ فاسد البتہ امید تولد مادہ صالحہ نہیں، سو یہاں بھی بعد مقتول ہو جانے طفل مذکور کے اس کے ماں باپ کو ایک دختر صالحہ ملی جس سے ایک بنی پیدا ہوا، ہاں اگر طفل مذکور نہ مارا جاتا تو پھر تولد نبی کی کوئی صورت نہ تھتی، (صحابہ کرامؓ کی تعریف خدا نے قرآن میں بار بار کی ہے)۔

بالجملہ حضرات شیعہ کو اگر کلام اللہ کا اعتبار اور خدا کے قول و قرار پر اعتماد ہے۔ تو حضرات صحابہؓ کے اسی طرح معتقد ہو جائیں، جیسے خدا کے کہنے سے اپنی سمجھ کو ایک طرف طاق میں دھر، حضرت خضر کے معتقد ہوئے۔

تمہیں کہو اگر خداوند کریم حضرت خضر کی ان باتوں کی ہندی کی چندی نہ بتلا دیتا، تو پھر حضرت خضر سے زیادہ بُرا کون تھا، پھر جب خدا کا اتنا اعتقاد ہے، کہ حضرت خضر کے ایسے ایسے فعلوں کے معتقد ہوئے، تو صحابہ محمدی کے تو اس سے زیادہ ہی ہونا چاہیے۔ اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ علیہ وسلم کی اس میں تعریف کہ ان کی خوبی حضرت ہی کا فیض صحبت سمجھا جائے گا، ورنہ تم ہی کہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو کوئی کیا کہے گا، عجب صاحب تاثیر تھے جن سے ساری عمر پانچ چار سے زیادہ مسلمان نہ ہومئے اور ہوئے بھی تو ایسے دنیا دار کہ خدا پناہ میں رکھے، دوسرے خدا کی بابت بھی بنی ہے گی، ورنہ آپ کی ان عیب چینوں سے خدا کا بھی اعتبار نعوذ باللہ نہ ہے گا، اور کیا رہا ہے، خدا نے خضر کی تعریف میں فقط اتنا فرمایا ہے۔

عَبْدَ امْنٍ عِبَادِنَا اَتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّنَا لَقَدْ عَلِمْنَا مَا تَنَالُواْ



یہ ہے کہ ایک بندہ تھا ہمارے بندوں میں سے، جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت عطا کی تھی، اور اپنے یہاں سے علم تعلیم کیا تھا؛

سو انصاف کر کے تم ہی فرماؤ کہ صحابہؓ کی ان تعریفوں سے جو اوپر، مذکور ہوئیں، ان دو باتوں کو کیا نسبت، پھر اگر اپنی غلط فہمی سے عار لگتی ہے، تو اول تو تم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ نہیں، وہ کچھ کا کچھ سمجھ گئے، اگر تم الٹا سمجھ گئے ہو تو کیا قیامت ہے تیسرا اگر تسکین نہ ہو، تو خدا کے اعتبار کے بھروسہ انہی روایات کی تکذیب کریے، جن سے خطائے صحابہؓ سمجھ میں آتی ہے، اور ان روایات کے بھروسہ سے خدا کی تکذیب تو کچھ ثواب کا کام نہیں، یہاں تک تو جواب اجمالی تھا اور اہل انصاف کو اس کے بعد انشاء اللہ اور کسی بات کی جانب سے پھر شک نہ ہوگا۔

ہاں کج فہمان نا انصاف کا جواب، جن کی بات وہی مرغی کی ایک ٹانگ ہو، ہم سے نہیں دیا جاتا، موافق مثل مشورہ گوہ کی دار و موت "خارج سے اپنی تسکین فرمائیں، ہم کس کو بھلا کہیں کس کو بُرا۔

(صحابہ اہل بیت رضی اللہ عنہم دونوں کی تعظیم فرض ہے)

اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرامؓ ہمارے حواری ہیں تو دونوں مثل چشم و گوش قابلِ اتباع ہیں، ان کی محبت ان کا اعتقاد ایمان کے لیے ایسے ہیں جیسے (اڑنے والے) جانور کے دو پر اڑے تو دونوں سے اڑے اور ایک بھی نہ ہو تو گر پڑے، صاحبو! حضرات شیعہ اور اہل سنت کا مقابلہ ایسا ہے، جیسے، نصاریٰ اور اہل اسلام کا مقابلہ، ہم تو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے معتقد ایسے ہی حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰؑ کی نبوت کے مقرر انہیں برا کہہ سکیں نہ ان کو، پر نصاریٰ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت گستاخیاں کر کے اپنے اعمال ناموں کی درستی کر لیتے ہیں، ایسے ہی اہل سنت کو تو ایک سے ایک زیادہ، سبھی کے غلام، سبھی کے ثنا خواں، پر شیعہ حضرات صحابہؓ کی نسبت وہی عمل کرتے ہیں جو یہود و نصاریٰ بہ نسبت حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتے ہیں، اب یہاں سے جوابات تفصیلی بہ ترتیب



## سوال اول از جانب شیعہ

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے کوئی حکم پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوا یا نہیں؟  
جواب: حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت کے لیے حکم خدائے تعالیٰ اور حکم پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہونے پر فہم کی ضرورت ہے، ورنہ کج فہمی ہے تو اس کے جواب کے لیے یہ شعر پیشگی مرقوم ہے۔

چوں بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است سخن شناس نہ دلبر خطا اینجا است

(حکم) خدا کا حوالہ مطلوب ہے تو لیجئے، خلافت کے لیے افضل ہونا افضل ہے، میا بخیو کا خلیفہ بھی وہی ہوتا ہے جو اس کا شاگرد رشید ہوتا ہے، نبی کے خلیفہ میں یہ بات بدرجہ اولیٰ چاہیے، اور میا بخیو اور لڑکوں کی مثال کی اس لیے ضرورت ہوئی کہ حضرات شیعہ کی عقل لڑکوں سے کچھ کم نہیں، شاید اگر سمجھیں تو مکتب کی بات سمجھ جائیں، بہر حال خلیفہ کا افضل ہونا افضل ہے، سو حضرت ابو بکر صدیق کا افضل ہونا، دو طرح سے ثابت ہے، اور تنگی وقت اور جواب کا تقاضا نہ ہوتا تو شاید ہم اور بھی عرض کرتے، پر اب دوہی باتوں پر مائل ہیں۔

(افضلیت صدیق اکبر پر دو قرآنی دلیلیں)

ایک یہ کہ بشهادة آیت اِنْ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَى سَبْمِیْنِ اَفْضَلُ وَهُوَ  
جو سب میں زیادہ متقی ہو، پھر سورہ والیل میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں  
آپ ہی ارشاد فرماتے ہیں وَسَيَجْنِبُهَا الَّذِي يُوْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى۔ جس کے  
یہ معنی ہیں کہ بچایا جائے گا بھڑکتی ہوئی آگ سے وہ شخص جو سب میں زیادہ متقی ہے کون؟ جو  
اپنے مال کو پاک ہونے کے لیے دیتا ہے، کسی کے احسان کا بدلہ نہیں، یعنی حضرت بلالؓ  
کا آزاد کرنا محض اللہ کے لیے ہے۔ خدا کے لیے ہے، حضرت بلال کے کسی احسان کا بدلہ نہیں،



تطویل سے ڈرتا ہوں، ورنہ میں بہت کچھ اس میں انشاء اللہ آپ کی خدمت میں عرض کرتا، پھر کیا کروں،  
 اور موانع، اور صراحت، فقط اتنا ہی پوچھتے ہیں کہ کوئی حدیث ہو تو بتلاؤ، سو میں نے آیت بتلائی،  
 ہاں یہ بات باقی رہی کہ یہ آیت ان کی شان میں ہے کہ نہیں؟ سو اس کی تصدیق کے لیے ساری  
 تفسیریں موجود ہیں اور بھی نہیں، تو بیضاوی یا تفسیر عزیزی منگا دیکھئے، باقی آپ نے یہ تخصیص ہی  
 نہیں کی کہ حدیث ہو تو کن کی ہو، اور ظاہر بھی ہے، آپ ایسے دیوانے نہ تھے جو تخصیص کرتے  
 حضرت صدیق ثقیل کے فضائل اگر ہوں گے تو سنیوں ہی کی کتابوں میں ہوں گے اور یہ نہیں تو پھر  
 آپ ہی فرمائیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل، ہندوؤں کی پوہتیوں اور یہود و نصاریٰ  
 کی کتابوں سے کیونکر نکالے گا یہ بسط و تفصیل کہاں ہے علیٰ ہذا القیاس فضائل مرتضوی  
 سنیوں اور شیعہوں کے اور کس کے پاس ہیں۔

دوسری آیت جو صدیق اکبرؓ کی افضلیت پر دلالت کرے وہ یہ ہے۔

إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذَا أَخْرَجَهُ  
 الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ  
 إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا  
 فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ  
 لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا  
 السُّفْلَى وَكَلِمَةَ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللَّهُ  
 عَزِيزٌ حَكِيمٌ (سورہ توبہ ع ۶)

حاصل یہ ہے اگر تم ہمارے رسول کی مدد نہ کرو گے تو  
 کیا ہوگا اللہ نے ایسے وقت اس کی مدد کی ہے جس وقت  
 اس کو کافروں نے نکال دیا تھا جس حال میں کہ ایک وہ تھا  
 اور ایک اس کے ساتھ میں فقط اور تھا جب کہ دونوں غار  
 میں تھے، جب کہ وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا تو غلین  
 مت ہو، اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے، پھر اللہ نے اپنی  
 تسلی اس پر نازل فرمائی اور ایسے لشکروں سے تائید کی جو تم نے

نہیں دیکھے اور اللہ نے کافروں کی بات نیچی کر دی اور اللہ کا بول بالا ہے۔

اس میں دیکھئے حقائق و دقائق تو بہت ہیں، پر عرض مختصر یہ ہے کہ اللہ نے ان اللہ معنا  
 فرمایا۔ اللہ معی و معن نہیں فرمایا، اس سے صاف ظاہر ہے، پر آنکھیں نہ ہوں تو کیا کیجئے  
 کہ جس طرح کی معیت خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ

کے شیعہ تفسیر مجمع البیان ص ۳۳ میں ہے ومعناه فقد نصره الله منفرداً من كل شيء الا من ابى بصر۔ یعنی اللہ

تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی مدد بجز ابوبکر کے ہر چیز سے کر لی۔ حافظ مہر محمد۔



کے ساتھ تھی ہاں اگر دونوں لفظ ہوتے تو یہ بھی احتمال تھا کہ یہ اور قسم ہے وہ اور قسم اس صورت میں بجز اس کے ممکن نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کا مقام برابر برابر ہو یا اوپر نیچے بہر حال فاصلہ کی گنجائش نہیں سو برابر ہی تو ممکن نہیں یہی ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرحد اسفل اور صدیق اکبرؓ کی سرحد اعلیٰ دونوں ملے ہوئے ہوں سو ظاہر ہے کہ اس صورت میں حضرت ابو بکرؓ کا رتبہ اور تینوں سے بلند ہو گا۔ یہ دو آیتیں تھیں۔ اب حدیث سن لیجئے۔

(حدیث سے صدیق اکبرؓ کی افضلیت پر تین دلیلیں)

پہلی دلیل (پہلے سن لیجئے کہ کلام اللہ و حدیث میں یہ کہیں نہیں کہ ماں باپ کے جوتیاں مت مارو وہاں یہ ہے کہ فَلَا تَقُلْ لَهُمَا آفٌ وَلَا تَنْهَرُهُمَا۔ یعنی ماں باپ کے رو برو آف بھی مت کر، اور جھڑک بھی مت، مگر عاقل اتنی بات سمجھ جاتا ہے کہ جوتیاں مارنا بدرجہ اولیٰ منع ہے، ہاں دینداران شیعہ بوجہ عقلی کچھ متامل ہوں تو ہوں، مگر ہم جانتے ہیں وہ بھی نہ ہوں گے، ایسا بھی عقل کا قحط پڑ گیا، بہر حال ایسا ہی صدیق اکبرؓ کی خلافت کو بھی سمجھئے، یعنی قریب وفات حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبرؓ کو امام نماز بنایا، ہر عاقل نے پہچان لیا کہ جو دین کا امام ہو یعنی نماز پڑھائے وہی دنیا کا امام یعنی خلیفہ وقت بھی وہی ہو گا۔ کیوں کہ شیعوں کے طور پر تو سوائے اشرف و افضل کسی اور کا امام بنانا جائز نہیں اور سنیوں کے نزدیک گوجائز ہے پر افضل یہ ہے کہ افضل ہو تو سپراس اہتمام سے کہ اور لوگ اوروں کے لیے کہیں، اور آپ باصرار تمام صدیق ہی کو نماز پڑھانے کو فرمائیں، اب حضرات شیعہ انصاف فرمائیں، مرتے وقت تو عام لوگ بھی خوف خدا کرتے ہیں، کسی کا بار اپنی گردن پر نہیں لیجاتے اگر (امامت) حضرت علیؓ کا حق ہوتا تو اور کوئی دلاتا یا نہ دلاتا، پر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ بھی ایسے وقت میں ضرور ان کا حق دلا کر جاتے۔

حضرات شیعہ کچھ تو انصاف فرمائیں، جیسے جوتیوں کی نسبت صاف ممانعت سے یہ زیادہ ہے کہ آف کرنی اور جھڑکنے سے منع فرمایا ایسے صاف خلیفہ بنانے سے یہ زیادہ ہے کہ ان کو امام عام مقرر کر دیا۔ یہی وجہ ہوئی کہ حضرت علیؓ ہمیشہ ان ہی کے پیچھے نماز پڑھتے رہے، اور اگر بالفرض یہ آیتیں اور یہ حدیث نہ بھی ہوتی تو کیا تھا، خلافت کے لیے وحی کی



ضرورت نہیں، فقط اتنی بات دیکھ لینی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگردوں اور مریدوں میں کون زیادہ لائق ہے کہ یہ بات توہ معاملات سے اسی طرح معلوم ہو جاتی ہے، جیسے کسی کا بڑا عالم ہونا یا بڑا حکیم ہونا، یا بڑا سادہ ہونا، علیٰ ہذا القیاس چونکہ یہ بحث جو بات سوالات اربعہ میں کسی قدر بسط سے لکھ چکا ہوں، اور وہ بھی ساتھ ہی مرسل ہیں تو یہاں اتنے ہی پر اکتفا لازم ہے۔ غرض ایک جواب تو فقط جواب ہی ہوتا ہے، اور ایک جواب با صواب، جس کے ہر پہلو سے اطمینان ہو، سو امام بنادینا خلیفہ بنائے سے زیادہ ہے، علیٰ ہذا القیاس ایک حکم تو فقط حکم ہی ہوتا ہے، اور ایک اصل مطلب بڑھا کر کہا کرتے ہیں جیسے لَا تَقْلُ لَّهُمَا أَفٍّ سو یہ نماز کا امام بنادینا بھی ایسا ہی ہے۔

(دوسری دلیل)

علاوہ ازیں بخاری شریف میں ایک حدیث ہے اس کو سب کو نہیں لکھتا پر بقدر ضرورت اس میں سے ایک جملہ منقول ہے۔

لَقَدْ هَمَمْتُ إِذَا أَرَدْتُ أَنْ أُرْسِلَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ وَأَبْنِدُ وَأَعْهَدَ أَنْ يَقُولَ الْقَابِلُونَ أَوْ يَتَمَنَّى الْمُتَمَنِّونَ ثُمَّ قُلْتُ يَا أَلِلَّهِ وَيَدْفَعُ الْمُؤْمِنُونَ أَوْ يَدْفَعُ اللَّهُ وَيَا أَلِلَّهِ وَيَدْفَعُ الْمُؤْمِنُونَ۔

حاصل معنی یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں تمہیں ارادہ کیا تھا میں نے اس بات کا کہ ابو بکر صدیق اور ان کے بیٹے کو بلاؤں اور عہد و پیمان کر دوں تاکہ کل کو بولنے والوں کو کچھ گنجائش نہ رہے اور کسی تمنا والے کو تمنا نہ ہو، پھر میں نے کہا اللہ اور اہل ایمان دونوں سوائے ابو بکر کے اور کسی کے روادار ہی نہ ہوں گے۔

(بخاری ج ۱ ص ۸۴۶)

اور بخاری اور مسلم میں اس حدیث کی دوسری روایت میں بجائے لفظ اعہد الخ اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمن ویقول قائل اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت ابو بکر صدیقؓ کا لکھوانا منظور تھا، پر یوں سمجھ کر کہ نہ خدا کو اور کوئی پسند آئے گا نہ مسلمانوں کو، آپ چپ ہوئے، اس صورت میں ظاہر ہے کہ جس روز آپ نے قلم دواست منگایا، اور بزعم شیعہ حضرت عمرؓ مانع ہوئے، کتابت خلافت صدیقی منظور تھی، پھر نہ جانے شیعہ کیوں بڑا ملتے ہیں اگر شکایت ہو تو سنیاں صدیقی کو، شعور کو حضرت عمرؓ کی داد دینی چاہیے کہ دامادی سے پہلے

www.jmmpak.tk



ہی حق مقرر ہو ادا کیا۔

باقی اس کا جواب کہ حضرت نے منع کیا ہے یا نہیں، اور بجا کیا یا بجا آگے آتا ہے۔ یہاں فقط اس قدر قابل عرض ہے کہ یہ فرمانا کہ میں لکھ دیتا پر کچھ حاجت نہ دیکھی خلیفہ مکر دنیا ہے یا نہیں؟ (تیسری دلیل)

دوسری حدیث بھی بخاری اور مسلم ہی کی لیجئے۔

عن جبیر بن مطعم قال أتت رسول الله صلى الله عليه وسلم امرأة فكلمته في شئ فامرها أن ترجع إليه قالت يا رسول الله أدت إن جئت ولم أجدك قال إني كاذباً تعني الموت قال فإن لم تجديني فإني أبابك۔

حاصل معنی یہ ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور کسی بات میں آپ سے کچھ عرض کی آپ نے فرمایا پھر آنا اس نے عرض کیا اگر آپ کو نہ پاؤں یعنی آپ کا انتقال ہو جائے آپ نے فرمایا ابو بکر کے پاس آنا۔

(مسلم ص ۲۴۳ بخاری ص ۵۱۶ ترمذی ص ۲۰۸)

اب آپ ہی فرمائیے یہ خلیفہ بنائے سے زیادہ ہے یا نہیں؟۔ غرض اس قسم کے امور بہت ہیں، جو آپ کی خلافت پر دلالت کرتے ہیں، اور وقت استخلاف صدیق اکبر، صحابہ کو ملحوظ ہے، شوق ہو تو کتاب ازالۃ الخفا کو ملاحظہ فرمائیں۔

## جواب مولوی عبد اللہ صاحب

بہت سی احادیث صحیحہ وارد ہیں کہ جن سے صراحتاً اور کنایۃً خلافت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی واضح اظہار من الشمس ہے، اس کا انکار بعینہ دوپہر کے وقت آفتاب کا انکار ہے چنانچہ ان میں سے چند احادیث مذکور ہوتی ہیں۔ حالانکہ بعض خاص امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں، بہ نظر منصفانہ دیکھ کر تصدیق خلافت حضرت صدیقؓ کیجئے۔ (پہلی حدیث)

اخرج ابن سعد عن الحسن قال قال علي بن ابي طالب ما كنت اريد ان اكون خليفة رسول الله صلى الله عليه وسلم الا اني كنت اريد ان اكون خليفة ابوبكر رضي الله عنه۔

ترجمہ: نہ تخیل کی ہے یہ حدیث ابن سعد نے حسنؓ



رضی اللہ عنہ لَمَّا قُبِضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَظَرْنَا فِي أَمْرِنَا فَوَجَدْنَا  
النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ قَدَّمَ  
أَبَا بَكْرٍ فِي الصَّلَاةِ فَرَضِينَا لِدُنْيَانَا  
عَنْ مَنْ رَضِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ عَنْهُ لِدُنْيَانَا فَقَدَّ مَنَا أَبَا بَكْرٍ لَهُ  
(ازالة الخفاء ص ۶۸ بحوالہ استیعاب)

(دوسری حدیث)

اور کہا بخاری نے اپنی تاریخ میں کہ روایت کی ابن  
جرمان نے سفینہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
ابوبکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے واسطے کہ یہ  
خلفے ہیں میرے پیچھے)

وقال البخاری فی تاریخہ روی ابن جرمان  
عن سفینۃ ان النبی صلی اللہ علیہ و  
سلم قال لابی بکر وعمر وعثمان  
هو اول الخلفاء بعدی

(تیسری حدیث)

اور حدیث مذکور کمالی ہے ابن حبان نے اس نے کہا حدیث  
بیان کی ابویعلیٰ نے اس نے کہا حدیث بیان کی یحییٰ الحمائی

الحديث المذكور اخرجه ابن حبان  
قال حدثنا ابو يعلى حدثنا يحيى الحماني

۱۰ حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے اپنی کتاب ماثبت بالسنۃ میں ابن اشیر جزری اسد الغابۃ  
سے حسن بصری کی روایت حضرت علیؑ کا مذکور قول ان الفاظ سے روایت کیا ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم  
نے ابوبکر کو امام بنایا اور اسنوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی  
میں بے شک موجود تھا غائب نہیں تھا۔ میں بھلا چکا  
تھا یہاں نہیں تھا اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے (امامت کے لیے آگے)

قَالَ قَدَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
أَبَا بَكْرٍ وَإِنِّي صَيِّحٌ وَغَيْرُ مَرِيضٍ وَإِنِّي شَاهِدٌ  
غَيْرُ غَائِبٍ وَلَوْ شَاءَ أَنْ يُقَدِّمَنِي رَضِينَا  
لِدُنْيَانَا مَنْ رَضِيَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ لِدُنْيَانَا.

کہنا چاہتے تو آگے کر دیتے پس ہم نے اپنی دنیا کے لیے اسی کو بلند کر لیا جو اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے دین کیلئے پسند فرمایا (مضامین رئیس الاحرار ص ۳)  
۱۲ سواتی۔



حدثنا حُجْرٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جَهْمَانَ عَنْ  
سَفِينَةَ لَمَّا بَنَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ الْمَسْجِدَ وَضَعَ فِي الْبِنَاءِ حَجَرًا  
وَقَالَ لَبَّى بِكَرْضِ حَجْرِكَ إِلَى جَنْبِ  
حَجْرِي ثُمَّ قَالَ لِعِمْرَضِ حَجْرِكَ إِلَى  
جَنْبِ حَجْرِي بَكَرْتُ ثُمَّ قَالَ لِعُثْمَانَ وَضَعَ  
حَجْرَكَ إِلَى جَنْبِ حَجْرِ عِمْرَئِثَ قَالَ  
هُؤُلَاءِ الْخُلَفَاءُ بَعْدِي -

نے اس نے کہا حدیث بیان کی سعد بن جہمان نے  
اس نے روایت کی ہے سفینہ سے، ہر گاہ مسجد بنائی  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے رکھا ایک پتھر اس کی بنیاد  
میں اور حضرت ابو بکر سے کہا کہ میرے پتھر کے برابر  
میں تم پتھر رکھو۔ حضرت عمرؓ سے کہا ابو بکر کے پتھر  
کے برابر تم اپنا پتھر رکھو، پھر عثمان رضی اللہ عنہ، کو  
فرمایا کہ تم عمر کے پتھر کے برابر اپنا پتھر رکھو، پھر  
فرمایا کہ یہ میرے پیچھے خلیفہ ہیں۔

( )

(چوتھی حدیث)

قَالَ ابُو زُرْعَةَ اسْنَادُهُ لَوْ بَأْسٌ بِهِ وَقَدْ اخْرَجَهُ  
الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ وَصَحَّحَهُ ابُو يَحْيَى فِي  
الدَّلَالِ وَغَيْرَهَا عَلَيْكُمْ بُسْنَتِي وَسُنَّةُ  
الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمُهَدِّيِّينَ مِنْ بَعْدِي  
اَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ مِنْ حَدِيثِ عَرَبَاضِ بْنِ  
سَارِيَةَ (ترمذی ص ۹۲) باب الاخذ بالسنة واجتناب البدع

کہا ابو زرعة نے اس حدیث کی اسناد میں کچھ نقصان نہیں  
اور لایا ہے اس کو حاکم مستدرک میں اور صحیح کہا ہے اس کو  
یہ بھی نے دلائل وغیرہ میں۔ کہ لازم پکڑو طریقے میرے  
کو اور طریقہ خلفاء راشدین مہدیین کو میرے بعد۔  
تخریج کی ہے حاکم نے حدیث عرباض بن ساریہ  
سے۔

فائدہ اس میں سوچنا چاہیے کہ حضرت نے بلا تعین کسی شخص کے خلفاء من بعد کی اتباع  
کا حکم فرمایا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو خلفاء بعد وفات ہوں گے راشدین اور مہدیین  
ہوں گے، من اتبع فاهتدی ومن خالف فغوی۔

پانچویں حدیث :-

اخْبِجِ التَّمْذِيَّ وَالْحَاكِمَ مِنْ حَدِيثِ  
سَلَمَةَ بْنِ كَهِيلٍ عَنْ ابِي الزُّعْرَاءِ عَنْ عَبْدِ  
بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتباع کرو تم  
ان کا جو میرے بعد ہیں یعنی ابو بکرؓ اور عمرؓ کا حضرت  
عمرؓ کی عادت اپناؤ اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے



عليه وسلم اَقْتَدُوا بِالَّذِينَ مِنْ بَعْدِي  
مِنْ اصْحَابِي اِلَى بَكْرٍ وَعُمَرُ وَاهْتَدُوا  
بِهَدْيِ عَمَّارٍ وَتَسَكُّوا بِعَهْدِ ابْنِ مَعُودٍ  
(ترمذی ص ۲۲۱ مناقب عبد اللہ بن مععود)

(چھٹی حدیث - ۵ روایتیں -)

۱۔ رَوَى الْبُخَارِيُّ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا نَخِيرُ بَيْنَ  
النَّاسِ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ، فَخُيِّرُ أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ بْنُ  
الْخَطَّابِ ثُمَّ عَثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ (بخاری ص ۵۱۶)  
باب فضل أبي بكر بعد النبي صلى الله عليه  
وسلم) وَزَادَ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ فَيَعْلَمُ  
بِذَلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
وَلَا يُنْكِرُهُ ۚ وَآخَرَجَ ابْنُ عَسَاكَرٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ  
قَالَ كُنَّا وَفِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ نُفَضِّلُ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعَثْمَانَ  
ۚ وَآخَرَجَ ابْنُ عَسَاكَرٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ  
كُنَّا مَعَ أَشْرَاصِ اصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ مُتَوَافِرُونَ -  
نَقُولُ أَفْضَلُ هَذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ  
نَبِيِّهَا أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عَثْمَانُ  
ثُمَّ نَسُكُتُ ۚ وَآخَرَجَ التِّرْمِذِيُّ  
عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ عُمَرُ  
لَا بِي بَكْرٍ يَا خَيْرَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُولِ

عمر و پیمان کو مضبوط پکڑو۔

ترجمہ: بخاری نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے  
کہ حضرت کے زمانے میں ہم آدمیوں میں اسے چھانتے  
تھے سو چھانتے تھے ابو بکرؓ کو پھر عمرؓ کو پھر عثمانؓ کو اور  
زیادہ کیا طبرانی نے کہیں کہ جانتے تھے اس بات  
کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور انکار نہیں فرماتے تھے  
۲۔ اور روایت بیان کی ابن عساکر نے ابن عمرؓ سے  
کہا کہ جس زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
ہم میں موجود تھے ہم فضیلت بیان کرتے تھے  
ابو بکرؓ اور عمرؓ اور عثمان رضی اللہ عنہم کی ۔  
۳۔ اور روایت کی ابن عساکر نے ابی ہریرہؓ سے  
کہا ہم لوگ جماعت اصحاب رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم جس وقت میں کہتے تھے افضل امت  
کے بعد نبی اس امت کے ابو بکرؓ میں پھر عمرؓ پھر عثمانؓ  
پھر سکوت کرتے تھے۔

۴۔ اور روایت کی ترمذی نے جابر بن عبد اللہ سے کہا  
کہ عمرؓ نے ابو بکرؓ کے لیے بہتر آدمیوں کے بعد  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پر ابو بکرؓ نے  
کہا، سنو اگر تم یہ کہتے ہو تو میں نے بھی حضرت سے



اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال أبو بكر  
أَمَا إِنَّكَ إِنْ قُلْتَ ذَلِكَ فَخَلَقْتُ سَمْعَهُ  
يَقُولُ مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ عَلَى رَجُلٍ خَيْرَ  
مَنْ عُمَرَ - (ترمذی ص ۲۹۹ مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب)  
وَأَخْرَجَ الْبُخَارِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ قُلْتُ  
لِأَبِي أُمِّ النَّاسِ خَيْرٌ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ  
أَبُو بَكْرٍ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ عُمَرُ وَخَشِيتُ أَنْ يَقُولَ عُمَانُ  
قُلْتُ ثُمَّ أَنْتَ قَالَ مَا أَنَا إِلَّا رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ (بخاری ص ۱۸۵)

(ساتویں حدیث)

وَأَخْرَجَ أَحْمَدُ وَغَيْرُهُ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ خَيْرُ  
هَذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا أَبُو بَكْرٍ وَالثَّانِي  
عمر رضی اللہ عنہ قال الذَّاهِبِي هَذَا  
مُتَوَاتِرٌ هَذَا مُتَوَاتِرٌ عَنْ عَلِيٍّ فَلَعَنَ اللَّهُ  
الرَّوَافِضَ الْجَهْلِيَّةَ - (مسند احمد ص ۱۶۱)

(اکٹھویں حدیث)

أَخْرَجَ التِّرْمِذِيُّ وَالْحَاكِمُ عَنْ ابْنِ الْخَطَّابِ  
قَالَ أَبُو بَكْرٍ سَيِّدُنَا وَخَيْرُنَا وَأَحَبُّنَا  
إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
(ترمذی ص ۲۶۶)

فائدہ :- غور کی جگہ ہے کہ ان کی تعریف ان کے ہم چشم و ہم عصر کیسی کرتے ہیں۔

(نویں حدیث)

وَأَخْرَجَ ابْنُ عَسَاكَرٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ  
بْنِ أَبِي لَيْلَى أَنَّ عُمَرَ صَعِدَ الْمِنْبَرَ ثُمَّ

مناسب ہے کہ فرماتے تھے طلوع نہیں ہوا آفتاب  
کسی شخص پر کہ عمر سے بہتر ہو۔ ۵۰۔ اور روایت کی بخاری نے  
محمد بن علی بن ابی طالب کے کا محمد بن علی کے کہ میں نے اپنے  
باپ کے یہ کہا کون آدمی بہتر ہے بعد رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم کے کہا ابوبکر میں نے کہا پھر کون کہا  
عمر اور میں اس سے ڈرا کہ یوں کہیں پھر عثمان رضی  
میں نے کہا پھر تم کہا میں تو ایسا ہی ہوں جیسے ایک  
اور شخص مسلمانوں میں سے ہو۔

ترجمہ

اور روایت کی احمد وغیرہ نے حضرت علیؑ سے  
کہا حضرت علیؑ نے بہتر اس امت کا بعد نبی  
کے ابوبکر ہے اور عمر ہے۔ ذہبی نے کہا کہ یہ روایت  
حضرت علیؑ سے متواتر ہے مواتر ہے اسوال اللہ ورفض  
کو لعنت کر کے جاہل ہیں۔

اور روایت کی ترمذی نے اور حاکم نے عمر بن الخطابؓ سے  
کہا انہوں نے ابوبکرؓ کو سارے جہاں میں اور بہتر کہا ہے میں،  
اور ہم سب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے  
زیادہ محبوب ہیں۔

اور روایت کی ابن عساکر نے عبد الرحمن بن  
ابی لیلیٰ سے کہ عمرؓ منبر پر چڑھے، پھر فرمایا اے لوگو



قَالَ اَلَا اِنَّ اَفْضَلَ هَذِهِ الْاُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا  
اَبُو بَكْرٍ فَمَنْ قَالَ غَيْرَ هَذَا فَهُوَ مُفْتَرٍ  
عَلَيْهِ مَا عَلَى الْمُفْتَرِي

(دسویں حدیث)

اخرج ابوالقاسم الطلحي في كتاب  
السنة له من طريق سعيد بن عروبة  
عن منصور عن ابراهيم عن علقمة  
قال بلغ عليا ان اقواما يفضّلونه على  
ابي بكر وعمر فصعد المنبر فحمد الله  
واثنى عليه ثم قال ايها الناس  
انه بلغني ان قومًا يفضّلوني على  
ابي بكر وعمر ولو كنت قد دمت  
فيه لعاقبت فيه فمن سمعته  
بعده هذا اليوم يقول هذا فهو  
مفتري عليه حد المفتري وقال  
ان خير هذه الامة بعد نبيها  
ابوبكر ثم عمر ثم الله اعلم  
بالخير بعد قال في المجلس الحسن  
بن علي فقال والله لو سئى الثالث  
سئى عثمان (ازالة التحف بآثار كتاب السنة ص ۶۸)

سنو بیشک افضل اس امت کے بعد حضرت کے  
ابوبکر میں سو جو شخص اس بات کے برخلاف کہے، اس کی  
وہی سزا ہے جو بہتان باندھنے والے کی سزا ہو۔

ترجمہ: ابوالقاسم طلحی کتاب السنۃ میں ابن مسعود  
بن عروبة از منصور از ابراہیم از علقمة روایت لاتے  
ہیں کہ حضرت علی کو یہ خبر ملی کہ کچھ لوگ ان کو حضرت  
ابوبکر و عمر پر فضیلت دیتے ہیں تو آپ منبر پر چڑھ  
گئے تو اللہ کی تعریف و ثنا کے بعد فرمایا اے لوگو!  
مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ کچھ لوگ مجھے حضرت ابوبکر  
و عمر پر فضیلت دیتے ہیں اگر میں نے اس کے متعلق  
پہلے (سزا کا) اعلان کیا ہوتا تو ضرور سزا دیتا پس  
آج کے دن کے بعد جس کسی سے میں نے سنا  
کہ وہ یہ کہتا ہے تو وہ بہتان باندھنے والا ہے  
بہتان تراش کی حد اسے ملے گی۔ اور فرمایا اس امت  
کے سب سے بہتر شخص حضرت ابوبکر ہیں پھر عمر ہیں  
پھر اللہ بہتر جانتا ہے۔ راوی کہتے ہیں اس  
مجلس میں حسن بن علی بھی تھے فرمانے لگے اللہ کی  
قسم اگر تم میرے نمبر پر افضل کا نام لیتے تو  
عثمان کا لیتے۔

فائدہ :- افسوس کی بات ہے کہ حضرات شیعہ حضرت امیر المومنین کے زمانہ میں نہ ہوئے

جو انہی کے ہاتھ سے سو اذابی شیخین کا مذہب پاس



(گیارہویں حدیث)

واخرج عبد الرحمن بن حميد في مسند  
ابو نعيم وغيرهما من طرق ابى الدرداء ان  
رسول الله صلى الله عليه وسلم قال  
مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلَا غَرَبَتْ عَلَى أَحَدٍ  
أَفْضَلَ مِنْ إِيَّيْكَ إِلَّا أَنْ يَكُونَ نَبِيًّا  
وَفِي لَفْظٍ عَلَى أَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ بَعْدَ النَّبِيِّينَ  
وَالْمُرْسَلِينَ أَفْضَلَ مِنْ إِيَّيْكَ

اور روایت کی عبد الرحمن بن حمید نے اپنی مسند  
میں اور ابو نعیم وغیرہ نے ابوالدرداء سے کہ بیشک  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آفتاب  
نہ طلوع ہو نہ غروب ہو کسی شخص پر جو بہتر البکر  
سے ہو مگر یہ کہ نبی ہو، (اور ایک روایت میں یہ  
لفظ ہے کہ نبیوں اور رسولوں کے بعد کسی بھی  
مسلمان پر سورج طلوع و غروب ہو جو البکر سے افضل ہو۔

فائدہ :- اس حدیث سے فضیلت خلیفہ اولؓ کی ماسواہ بنی و رسول کے تمام بنی آدم پر ثابت ہوتی ہے۔

(بارہویں حدیث)

فِي الْاَوْسَطِ عَنْ سَعْدِ بْنِ زَادَةَ قَالَ قَالَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ  
رُوحَ الْقُدُسِ جِبْرِيلَ أَخْبَرَنِي أَنَّ  
خَيْرَ أُمَّتِكَ بَعْدَكَ الْبُؤْبُكِرُ۔

طبرانی کی اوسط میں حضرت سعد بن زرارہ سے  
روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
فرمایا روح القدس جبریلؑ نے مجھے بتلایا کہ آپ کے  
بعد آپ کی امت کا سب سے بہتر شخص البکر ہے

فائدہ :- سنت جماعت کے نزدیک خلیفہ اولؓ کی اس حدیث سے کتنی فضیلت ثابت ہوئی کہ روح القدس جبریلؑ ہی انکو بہتر و افضل  
تمام امت کا فرمائے پر شعبہ اس کو بھی روح القدس کی غلطی پر محمول کریں گے۔ نفوذ باللہ من هذا الفرقۃ الطاغیۃ

(تیرہویں حدیث)

اخرج الشيخان عن عمرو بن العاص  
قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ النَّاسِ أَحَبُّ  
إِلَيْكَ قَالَ عَائِشَةُ قُلْتُ مِنَ الرِّجَالِ  
قَالَ أَبُو هَاشِمٍ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ عُمَرُ

ترجمہ :- بخاری اور مسلم نے عمرو بن العاص سے روایت  
کی ہے کہ عمار بن العاص نے کہا میں نے عرض  
کی یا رسول اللہ کون شخص آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہے  
آپ نے فرمایا عائشہ میں نے عرض کی مردوں میں سب سے زیادہ کون ہے

بن الخطاب (مسلم ص ۳۳۲ بخاری ص ۱۱۵ ترمذی ص ۲۲۲ فضل عائشہ)

فائدہ :- سؤد اللہ وجہ الروافض، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت عائشہؓ اور ان کے باپ کو

سب آدمیوں سے زیادہ چاہیں اور ان کی شان میں کہا کہ چنانچہ درازیاں کریں۔



(پچوڑھویں حدیث)

اخرج الترمذی و غیرہ عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يبي بكم عن هذان سيدا كهول اهل الجنة من الاولين والاخرين (ترمذی ص ۵۲)

اور ترمذی وغیرہ نے حضرت انس سے روایت کی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کے لیے یہ دونوں سردار ہیں بڑی عمر کے جنتیوں میں اولین اور آخرین کے۔

فائدہ ۱- اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روافض کی مطلقاً سچ کنی کر دی ہے۔ کیونکہ شیخین کو سردار کھول جنت فرمایا معلوم ہوا کہ تا دم واپس مومن کامل رہیں گے اور بعد انتقال کھول جنت کے سردار بنیں گے پر یہ فرقہ باغیہ پھر بھی نہیں شرما تا۔ کیا ڈر ہے، المرء لقیس علی نفسه اگر کوئی بے وقوف اندھا دن کو رات بتلائے، تو اس کا کیا علاج ہے۔

(پندرھویں حدیث)

اخرج ابن عساکر عن ربيعة بن كعب قال كان اسلام ابی بکر الصديق سببه بالوحى من السماء وذلك انّه كان تاجرا باثما فرأى رؤيا فقصها على جديرا الرأهب فقال له من اين انت قال من مكة قال من ايها قال من قریش قال امي شئ انت قال تاجير قال صدق الله رؤياك فإنه يبعث نبي من قومك تكون وزيره في حياته وخليفته بعد موته فاسرها ابو بكر حتى ابلغت النبي صلى الله عليه وسلم فجاءه فاقال يا محمد ما الدليل على ما تدعي قال الرؤيا التي ريت بالشام فعانقه وقبل بين عينيه و

ابن عساکر نے ربیعہ بن کعب سے روایت کی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے اسلام کا باعث وحی آسمانی تھی اور قصہ سلام یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ شام کے ملک میں سوداگری کرتے تھے، اپنے ایک خواب دیکھا، اس کو بحیرا راہب سے بیان کیا، اس نے کہا تو کہاں کا رہنے والا ہے، انہوں نے جواب دیا مکہ کا اس نے کہا کون سے قبیلہ سے ہے، انہوں نے کہا قریش میں سے اس نے پوچھا کیا کام کرتا ہے، انہوں نے کہا کہ سوداگر ہوں، اس راہب نے کہا اللہ تعالیٰ تیرا خواب سچا کرے، اللہ تعالیٰ تیری قوم میں ایک نبی بھیجے گا تو اس کا اس کی زندگی میں وزیر ہوگا اور بعد اس کی وفات کے خلیفہ ہوگا، اس بات کو حضرت ابو بکرؓ نے پوشیدہ رکھا، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی



قَالَ أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ

(الرياض النضره ص ۱۱ بحوالہ فضائل)

اللہ علیہ وسلم مجھ کو نبوت پہنچا دیا ہے سو حضرت کی خدمت میں آئے اور یہ کہائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے دعویٰ پر کیا دلیل ہے فرمایا وہی خواب جو ملک شام میں لوہے کی دیوار تھی اسے دیکھتا ہوں ہی حضرت کو گلے لگایا اور آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں۔

فائدہ: خیال کرنے کی جگہ ہے کہ کتنی پیشتر حضرت کی تبلیغ رسالت کی، حضرت ابوبکر کو بشارت وزارت و خلافت کی مل گئی۔

(سولہویں حدیث)

وَاخْرَجَ الْحَاكِمُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ بَعَثَنِي بَنُو الْمُصْطَلِقِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى مَنْ نَدَفَعُ زَكَاةَنَا إِذْ حَدَّثَ لَكَ حَدَّثٌ فَقَالَ إِذْ فَعَوْهَا إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقُلْتُ ذَلِكَ لَهُمْ قَالَ قَالُوا اسْأَلْهُ إِنْ حَدَّثَ بِأَبِي بَكْرٍ حَدَّثَ الْمَوْتَ فَإِلَى مَنْ نَدَفَعُ زَكَاةَنَا فَقُلْتُ لَهُ قَالَ إِذْ فَعَوْهَا إِلَى عُمَرَ قَالَوْا فَإِلَى مَنْ نَدَفَعُهَا بَعْدَ عُمَرَ فَقُلْتُ لَهُ قَالَ إِذْ فَعَوْهَا إِلَى عُثْمَانَ، (ازالۃ الخفا ص ۱۶)

اور روایت کی حاکم نے حضرت انس بن مالک سے کہا بھیجا مجھ کو بنی المصطلق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کہ ہم زکوٰۃ کس کو دیں جب آپ کو کوئی حادثہ پیش آئے، آپ نے فرمایا ابوبکرؓ کو دو سو میں نے یہی جا کر بنی مصطلق سے کہہ دیا انہیں کہتے ہیں انہوں نے کہا کہ یہ حضرت پوچھو کہ اگر ابوبکرؓ کو حادثہ موت پیش آئے تو کس کو زکوٰۃ دیں سو میں نے حضرت سے جا کر عرض کیا آپ نے فرمایا عمرؓ کو دو سو میں نے کہا بعد حضرت عمرؓ کے کس کو دیں میں نے حضرت سے یہ جا کر کہا آپ نے فرمایا عثمانؓ کو دو سو۔

(سترہویں حدیث)

عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَظْمَةَ قَالَ بَلَغَ إِبْرَاهِيمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَلَى لِدَاعِي إِمْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ

سہل بن حزمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معاملہ (بیع کا) کیا حضرت علیؓ کریم اللہ وجہہ نے اعرابی سے کہا کہ حضرت کے پاس



عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْأَلُهُ إِنْ أَتَى عَلَى  
أَجَلِهِ مَنْ يَقْضِيهِ فَإِنِّي إِذْ عُرِئْتُ النَّبِيَّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ  
يَقْضِيكَ أَبُو بَكْرٍ فَخَرَجَ إِلَى عَلِيٍّ فَلَخِبَهُ  
فَقَالَ ارْجِعْ وَاسْأَلْهُ إِنْ أَتَى عَلَى أَبِي بَكْرٍ  
أَجَلُهُ مَنْ يَقْضِيهِ فَإِنِّي إِذْ عُرِئْتُ النَّبِيَّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ  
يَقْضِيكَ عُمَرُ فَخَرَجَ إِلَى عَلِيٍّ فَلَخِبَهُ  
فَقَالَ ارْجِعْ فَاسْأَلْهُ مِنْ بَعْدِ عُمَرَ  
فَقَالَ يَقْضِيكَ عُثْمَانُ فَقَالَ عَلَى لِإِعْرَائِي  
إِنِّي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
فَاسْأَلْهُ إِنْ أَتَى عَلَى عُثْمَانَ أَجَلُهُ مَنْ  
يَقْضِيهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى عَلَى أَبِي بَكْرٍ أَجَلُهُ وَ  
عُمَرُ أَجَلُهُ وَعُثْمَانُ أَجَلُهُ فَإِنْ اسْطَعْتُ  
أَنْ تَمُوتَ فَمَتُّ -

(ازالۃ الخفاء ص ۲۹ بحوالہ امام علی)

تو تو بھی مر رہا۔

جا اور یہ پوچھ کر اگر آپ کی وفات شریف ہو جائے  
تو ادا کون کرے گا اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے  
کے پاس آیا اور پوچھا آپ نے فرمایا ادا تجھ کو ابو بکر  
کریں گے وہ اعرابی حضرت علیؓ کے پاس آیا اور  
ان کو خبر دی آپ نے فرمایا پھر جا اور پوچھ کہ ابو بکرؓ  
کا بھی انتقال ہو جائے تو کون ادا کرے گا۔۔۔  
اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور پوچھا  
آپ نے فرمایا ادا تجھ کو عمر کرے گا۔ پھر حضرت علیؓ  
کے پاس آیا اور ان کو خبر دی حضرت علیؓ نے کہا  
پھر جا اور پوچھ کہ بعد حضرت عمرؓ کے کون ہے  
آپ نے فرمایا عثمان ادا کرے گا، حضرت علیؓ نے اعرابی  
سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا  
اور پوچھ کہ اگر عثمانؓ کی وفات ہو جائے تو کون ادا  
کرے گا اس پر حضرت نے فرمایا کہ جب ابو بکرؓ کی موت  
اور عمرؓ کا انتقال ہو جائے اور عثمانؓ دنیا سے  
رحلت کر جائے اگر تو مر نیکی طاقت رکھتا ہے

فائدہ :- حضرات شیعوں خواہ مخواہ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے اپنی  
جان کیوں تباہ کرتے ہیں اور خلفاء ثلاثہ کی خلافت کے منکر ہو کر کیوں روسیہ بنتے ہیں حضرت  
امیر المومنین کرم اللہ وجہہ کو خود ان سے پہلے اپنی خلافت کا خیال تھا جو اس دیہاتی کو بار بار  
بھیج کر خلفاء ثلاثہ کی خلافت ثابت کرائی اور خیال خلافت حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کو کس  
واسطے نہ ہو۔ کیونکہ ایسی قرابت قریبہ اور خصوصیت خاصہ یعنی از دواج حضرت فاطمہؓ  
کا اور دوسرے کو کب حاصل تھا یا اس لئے جو خلفاء ثلاثہ کے وقت میں دعویٰ خلافت



نہ کیا تو کچھ تو سوچا ہی ہوگا۔

(شیعہ تقیہ کا ازالہ)

اور حید تقیہ حسب ظنون شیعہ کے ہم گوزشتہ جانتے ہیں،

اول۔ تو اس حدیث کے خلاف ہے، دوسرے بمقابلہ حضرت امیر معاویہؓ اور خوارج کے کیوں تقیہ نہ کیا، حتیٰ کہ شہید ہو گئے، اور کونسا وقت تقیہ کا ہوگا، اور جن لوگوں نے بمقابلہ امیر معاویہؓ کے امیر المومنینؓ کا ساتھ دیا وہ ہی بمقابلہ خلفاء ثلاثہ کے بھی ساتھ دیتے، اور یہ تقیہ کی بات ایسی مرضیات ہے کہ ذرا بھی پاؤں نہیں چلتے، حضرت حسینؓ کے مقابلہ میں کیا کہیں گے، نعوذ باللہ منھا کیا دونوں سے ترک فرض عین ہوا۔ ایک بات ہم اور یہ کہتے ہیں کہ حضرت امیر المومنینؓ اپنی خلافت میں خطبہ پڑھتے ہوئے خلفاء ثلاثہ کی تعریف اور فضائل بیان کرتے تھے، اگر وہ بھی تقیہ سے تھا تو ہم پوچھتے ہیں کہ امیر المومنینؓ کیسے شیر خدا تھے کہ بعد انتقال سالہا سال کے بھی خلفاء کے خوف سے ان کی تعریف کرتے تھے، افسوس کہ شیر خدا ہو کر مردوں سے خائف ہو۔ علی بن ابی طالبؓ تو ایسے بادل و نامرد نہ تھے کوئی اور علی ہوں گے کہ جن کے یہ شیعہ متبع ہوئے ہیں، اور ان کے متعلق ایسی ایسی نامذہبیاں بیان کرتے ہیں اور اگر بالفرض والتقدیر ان کے مقتدار علی بن ابی طالبؓ ہی ہیں تو یہ امور ان کی طرف نسبت کرنے صرف ان شیعہ کی حماقت ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے "وانا دشمن بہ از نادان دوست" مگر ان کا بھی کیا قصور ہے؟ الانا دیر یق بمافیہ۔ جیسے خود ہیں ویسی ہی باتیں کرتے ہیں۔

(اٹھارویں حدیث)

وعن جبیر بن مطعم ان امراً اتت	ترجمہ اور جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ ایک
رسول الله صلى الله عليه وسلم فكلّمته	عورت حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کسی
في شئ فامرّها ان ترجع اليه قالت	امر میں آپؐ گفتگو کی آپ نے اس کو فرمایا کہ پھر آنا
فان لم اجدك كانها تقول الموت	اس نے کہا اگر میں آپ کو نہ پاؤں گویا یوں کہتی



قال ان لم تجد ديني فاني ابا بكر  
 اخبرجه البخاري ومسلم والترمذي و  
 البذاؤد وابن ماجه  
 بخاری اور مسلم اور ترمذی اور البذاؤد اور ابن  
 ماجہ نے۔

## سوال دوم از جانب شیعہ

اجماع اہل حل وعقد کی صفت بیان کیجئے۔

جواب سوال دوم :-

اجماع اہل حل وعقد کی حقیقت اور صفت تو اتنی ہی ہے کہ سب اہل حل وعقد ایک بات پر متفق ہو جائیں اس میں پوچھنے ہی کی کون سی بات ہے جو حضرت نے سنیوں کو دہکایا۔  
 (اہل حل وعقد کی تعریف :-)

ہاں یہ پوچھنا مد نظر ہے کہ اہل حل وعقد کس کو کہتے ہیں تو اس کا جواب ہم سے لیجئے، آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک ہم جیسے بے سرو سامان نہ کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے۔ ایک وہ لوگ جو تھوک دار ہوتے ہیں، جیسے آپکے رئیس، یا چودھری، کم سے کم ایسے سمجھو جیسے دیوبند کے منڈ، جن کے کسی کام میں کھڑے ہو جانے سے دس آدمی کھڑے ہو جائیں، بیٹھ جانے سے دس آدمی بیٹھ جائیں، سو ایسے آدمیوں کو اپنی اپنی حیثیت کے موافق اہل حل وعقد کہتے ہیں، حل کے معنی کھولنا، عقد کے معنی باندھنا، سو یہ لوگ بھی ایسے ہی ہوتے ہیں، کہ ان کے باندھے بندھتی ہے، اور کھولے کھلتی ہے، ایسے لوگ اگر کسی کے ساتھ عہد و پیمان کر لیتے ہیں، تو ان کے ذریعہ اور ان کے منہ دیکھنے والوں اور پیچھے چلنے والوں اور تابعداروں کے ذمہ بھی وہ عہد لازم ہو جاتا ہے، علیٰ ہذا القیاس اگر کوئی پیر یا کوئی مدرس کسی سے کچھ عہد و پیمان کرے، تو اس کے مریدوں اور شاگردوں کے ذمہ بھی اس کی وفا لازم ہے، چنانچہ مشائخ اور تجربہ سے بھی غیاں ہے کہ سارے جہان میں یہی دستور ہے، اور اس قانون کو ہر ایک نے تسلیم کر رکھا ہے، یہاں تک کہ اگر دو بادشاہوں میں لڑائی بھڑائی کے بعد صلح ہوتی ہے،



تو وہ لڑائی اور صلح ہر سپاہی، اور ہر منشی کی صلح، اور لڑائی کبھی جاتی ہے، مگر اہل عقل پر واضح ہو گیا ہوگا کہ جس قافلہ کا افسر کسی سے کچھ عہد و پیمان کرے گا تو وہ عہد و پیمان اس کے اتباع اور بالحدود کے ذمہ لازم ہوگا، ایک کا عہد و پیمان دوسرے کسی قافلہ کے افسر یا اس کے اتباع و خدام کے ذمہ لازم ہوگا۔

(حضرت امام حسینؑ وزین العابدینؑ کا مقام)

اس سے حضرت سید الشہداء، شہید کربلا رضی اللہ عنہ کی نسبت ان کو گنجائش حروف گیری نہیں کیونکہ وہ بجائے خود ایک سردار عظیم اور افسر عالم تھے، اوروں کی بیعت سے، یزید کی بیعت ان کے ذمہ لازم ہوتی تھی، جو کوئی عقل کا پورا جس کو دستوں کے پینے کی جرات نہیں، بوجہ بیعت اہل شام جو یزید پلید کے ہاتھ پر کر چکے تھے، حضرت امام مہتمم پر اعتراض کھینے یا مذہب اہل سنت پر آوازہ پھینکے، ہاں اتنی بات باقی رہی کہ کبھی بعض بزرگ بوجہ کمال خاکسار اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھ کر گوشہ عافیت قبول کرتے ہیں، اور اپنی طرف ہرگز گمان نیک نہیں کرتے جیسے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام بوجہ خاکساری بوقت دعا اس قسم کے مضامین کہا کرتے تھے، کہ الہی شیطان نے میری باگ پٹری لی ہے، اور میرے اوپر غالب آ گیا ہے۔ چنانچہ صحیفہ کاملہ میں جو مجملہ کتب معتبرہ شیعہ میں ہے، اس قسم کی دعائیں موجود ہیں، سو اس قسم کے لوگ بوجہ خاکساری، اپنی بیعت کو ضروری نہیں سمجھتے، اور اوپر کے لوگ بوجہ کمال عقیدت، ان کی بیعت کو سب سے زیادہ ضروری سمجھتے ہیں، اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے اہل دیوبند اپنے بیماروں پر کرم (دم دعا) کرنے کے لیے حاجی عابد حسینؑ کا قدم رنجہ فرمانا غنیمت سمجھتے ہیں، اور خود حاجی صاحب کے پوچھنے تو بوجہ خاکساری اپنے بڑا کسی کو سمجھتے نہیں۔

(دوستوں میں خفگی و شکر رنجی آنی جانی چیز ہے۔)

سو ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اول بیعت نہ کرنے کو خیال فرمائیے، بایں ہمہ جہاں دوستی اور محبت ہوا کرتی ہے وہاں رنج بھی ہوا کرتے ہیں، پر اس رنج میں اور اعداء کے رنج میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے، یہاں جوش محبت ہوتا ہے، وہاں زورِ عدوت اول جو حضرت ابو بکر صدیقؓ کو لوگوں نے سقفہ بنی ساعدہ میں بیعت کے لیے گھیر لیا، اور



اس وقت چار ونا چار ان کو بیعت کا (قبول) کرنا اسی طرح ضروری ہو لیا جیسے بارہا حاجی صاحب کو بوجہ منّت سماحت، اہل دیوبند جامع مسجد کا اہتمام سر پر لینا ضروری ہو جاتا ہے یا مولوی محمد یعقوب صاحب کو باوجود اس شدّت انکار کے وعظ کا فرمانا۔

تو اس وقت حضرت علیؑ کو ایسا رنج ہو گیا، جیسے دیوبند کی شادیوں غنیوں میں کسی بے خبری کے باعث بھائی روٹھ جاتے ہیں۔

(ایک مثال)

تھوڑے ہی دن گزرے مولوی ذوالفقار علی صاحب کے بڑے صاحبزادے کی شادی میں برادری کے بھائی اتنی بات پر روٹھ گئے کہ کھانے کا انتظام طالب علموں کے کیوں سپرد کر دیا، یہ کام ہم سے کیوں نہ لیا، سو جیسے ان صاحبوں کو خدا نخواستہ مولوی صاحب سے کوئی رنج نہ تھا، ہاں ناز برداری کیے، اس لیے تھوڑے سے تعلق کے بعد شیر و شکر کی طرح رل رل کر ولیمہ کا کھانا نوش فرما گئے، اور اس سب کے تدارک و تلافی میں اتنی بڑی عزت لے گئے، ایسے ہی حضرت علیؑ کو خیال فرمایئے، اس سے ظاہر کی بے اعتنائی پر جس میں واقع میں ایسی ہی بے اختیار تھی، جیسے مولوی صاحب کی بے اعتنائی کہ کچھ جان بوجھ کر بھائیوں کی ضد سے نہ تھی۔ حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیقؓ سے رنج ہو گیا، سو وہ رنج نہ تھا، ناز مجت تھا، اس لیے حضرت ابو بکرؓ کے عرض حال کے بعد وہ رنج مبدل بخوشی ہو گیا، اور علیؑ اعلان یہ فرمایا کہ ہم کو ابو بکرؓ کے فضائل میں کلام نہیں، اُن کی بزرگی کا شک نہیں، ہاں ہم کو یہ اُمید نہ تھی کہ بیعت کے وقت ہم کو پوچھنے کے بھی نہیں، اور پھر مجمع عام میں بیعت کی، ادھر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے وہ قدر شناسی کی کہ کاھیکو ہوتی ہے، منبر پر کھڑے ہو کر بقتسم یہ کہا کہ مجھ کو عینی قرابت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا پاس و لحاظ اور ان کے ساتھ محبت اتنا اپنی قرابت کا پاس و لحاظ نہ کی اتنی محبت اور اپنا عذر بیان کیا غرض مثل شیر و شکر و ذوق ہو گئے وہ مثل ہے کہ مدعی اور مدعی علیہ تو راضی ہو گئے پر ایراعیہ تہج کھیاں راضی نہیں یہ تحقیق موافق مذہب اہل سنت تھی۔



مذہب شیعہ کے اصول پر جواب (

پر موافق اصول شیعہ اس کا اور جواب ہے، یعنی اول اول حضرت علیؑ کا ارادہ ہی نہ تھا کہ بیعت کیجئے، اپنا حق کسی کو کیوں دیدیجئے، مگر آخر کار موافق سنت خداوندی نعوذ باللہ بواقع ہوا، یعنی یہ سمجھ میں آیا کہ حق میرا نہیں، اس منصب کا استحقاق میں نہیں البو بکرؓ ہیں، اور کیونکر نہ سمجھتے شیعوں کی مانند بد فہم تو نہ تھے جس کو خدا تعالیٰ کے رسول اللہ علیہ وسلم امام نماز بنائیں، بیخ ساری خلیفہ مقرر کریں، وہ بھی خلیفہ نہ ہو تو اور کون ہو، دنیا میں تین ہی حاکم ہیں، خدا، رسول، یا تیسرے بیخ جسے شریعت میں اجماع کہتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف تو ایک بھی نہ تھا، بہر حال اول سے معتقد خلافت اول کہو یا بعد میں سمجھو، حضرت علیؑ کے شریک بیعت ہونے میں کچھ شک نہیں۔

(تقیہ کے عذر لنگ کا ازالہ۔)

باقی یہ عذر پوچھ کر تقیہ تھا، ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی زبردستی تھی، قدر دانان ہر ضوی کے سامنے گوز شتر کے بھاؤ بکتا ہے، اس متاع بے بہا اور گوہر ہیکل کو پٹیا میں باندھ کر رکھ چھوڑ لکھنو کی نوابی جب کبھی بحال ہوگی کام آئے گا، غضب نہیں کہ شیر خدا کو گیدڑ سے بھی پرے کر دیا، اور شاہ مرداں کو غمخواروں سے بھی زیادہ بے عزت بنا دیا، صاحبزادے ایسے غیر مند کہ عراق کی تیس لکھ ہزار فوج جرار و کرار سے بھی نہ چھپے جان نازنین پر کھیل گئے، خانماں کو غارت کر دیا عزت دنیا کو خاک میں ملا دیا، پر اپنی بات سے نہ ٹلے، اور ادھر سے فقط اتنی در خواست کہ ایک بیعت کر لو پھر جو چاہو سو کر د اگر یہی تقیہ تھا تو کس دن کے لیے تھا، باپ کو چاہیے تھا کہ بیٹے سے دو چار نمبر زیادہ ہی رہتے، پھر اس قصہ اور اس قصہ میں زمین و آسمان کا فرق نہیں؟ یزید فقط دشمن دینا تھا، ابو بکرؓ و عمرؓ حسب مقولہ شیعہ دشمن دین، اس لیے تبرائے وقت انہیں کو نشانہ بناتے ہیں، اور اپنی تعریفیں انہی شان میں سناتے ہیں۔

(شیعوں کا تقیہ قرآن کے مخالف ہے، ہم اور اس غیرت اور بے عزتی کی بات بھی جانے



دو، حکم خدا بھی یہی ہے کہ خدا کی راہ میں جان پر کھیل جائے، عزت کا پاس فکری سے، کسی کے بھلا  
بڑے لکھنے سے نہ ڈرے، چنانچہ اچھے بندوں کی تعریف میں فرماتے ہیں،

يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَهُ يَخَافُونَ  
لَوْمَةً لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (پ)

اس سے مراد کوئی سمجھ گیا ہو گا کہ اچھوں کو نہ خوف جان چاہیے نہ پاس آبرو ایسے ہی صحابہ کرامؓ  
کو فرماتے ہیں،

وَكَايْنُ مِنْ نَبِيِّ قَتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ  
كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي  
سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا  
(پ ۶۴)

سو آپ ہی فرمائیے تقیہ میں سوا ان تین باتوں کے اور کیا ہوتا ہے۔ ہاں اگر کلام اللہ  
میں کہیں بھی نامزدوں اور کم ہمتوں اور بے غیرتوں کی تعریف ہوتی، تو یوں بھی سہی، اور اگر یہی  
سچ ہے کہ خدا نخواستہ تقیہ تھا، تو پھر اگر رسول اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو امام کیا بھی ہو گا تو  
خدا نے معزول کر دیا، کیونکہ ایسے جان کے بچانے والوں سے آگے کو کیا امید اور بظہر امید ہاتے  
دور دراز شیخین کو خلیفہ کر دیا۔ سو یہی سچ معلوم ہوتا ہے کیونکہ الحمد للہ ویسا ہی ظہور میں آیا  
روم و شام تو درکنار ایران کو بھی مسلمان کر دیا۔

## جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب

مجمع ہونا قضاۃ و امراء اور رؤساء اور علماء کا اجماع اہل حل و عقد کہلاتا ہے، یعنی  
ایسے لوگ مجمع ہوں جن کے ہاں مذہب بندھے، اور کھولے کھلے، چنانچہ حضرت عمرؓ و دیگر  
مہاجرین اور انصار تھے، کہ جن لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ سے بیعت خلافت کی اور وہی  
بیعت تاحیات حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بلا منازعت و تنازع و بلا انکار منکر قائم رہی  
اور تمام اہل حل و عقد کا مجمع ہونا ضرور نہیں ہاں اکثر کا اجتماع ضرور ہے تاکہ اکثر حکم اکل  
www.jmmpak.tk



ہو جائے، جیسا کہ خلفاء اربعہ کی خلافت میں ہوا، اور ابوبکر کی خلافت و فضیلت کا کوئی بھی منکر نہ تھا، حتیٰ کہ تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ امام باقرؑ نے فرمایا  
 لَسْتُ بِمُنْكَرٍ فَضْلُ ابِي بَكْرٍ وَفَضْلُ عُمَرَ وَلَكِنْ تَرْجُهُ :- میں حضرت ابوبکرؓ کی بزرگی کا منکر نہیں ہوں اور حضرت عمرؓ کی بزرگی کا منکر مگر ابوبکرؓ افضل ہیں عمرؓ سے۔

ہیں عمرؓ سے۔

اخرج الباقاسم عن عبد خیر صاحب  
 لَوَاءِ عَلِيٍّ اَنَّ عَلِيًّا قَالَ اَلَا اَخْبِرُكُمْ بِاَقْوَلِ  
 مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ هَذِهِ الْاُمَّةِ  
 بَعْدَ نَبِيِّهَا فَقِيلَ لَهُ بَلَى يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ  
 قَالَ اَبُو بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ قِيلَ فَيَدْخُلَانِهَا  
 قَبْلَكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَقَالَ عَلِيٌّ  
 اِمِي وَالَّذِي فَلَاقَ الْحُبَّةَ وَبَرَاءَ النَّفْسَةَ  
 لِيَدْخُلَانِهَا وَاِنِّي لَمَعَ مَعَاوِيَةَ  
 مَوْقُوفٌ فِي الْحِسَابِ :-  
 (ازالہ الخفا بحوالہ الباقاسم ص ۶۸)

ابوالقاسم نے حضرت علیؓ کے علمبردار عبد خیر سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کیا تم کو یہ نہ بتاؤں کہ سب سے پہلے جنت میں اپنے نبی کے بعد اس امت کا کون سا شخص جنت میں جائے گا۔ کہا گیا ضرور بتائیے تو حضرت علیؓ نے فرمایا وہ ابوبکر ہیں پھر عمر ہیں سوال ہوا کہ امیر المؤمنین آپ سے بھی پہلے وہ داخل ہوں گے فرمایا ہاں! اس اللہ کی قسم جس نے دانہ پھاڑا اور روح بدن کو پیدا کیا وہ یقیناً داخل ہوں گے جب کہ میں معاویہ کے ساتھ حساب میں کھڑا ہوں گا۔

فائدہ :- افسوس ہے کہ حضرت علیؓ اور امام باقرؑ تو ابوبکر صدیقؓ کی یہ کچھ فضیلت فرمائیں حتیٰ کہ حضرت عمرؓ پر بہ تصریح تمام فوقیت دین اور روافض خذلہم اللہ ان کی خلافت سے منکر ہوں اور ان کے کیا منکر ہیں بلکہ اپنے امہ سے منکر ہیں۔

## سوال سوم از جانب شیعہ

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر جو اجماع ہوا وہ بموجب طریقہ معینہ اہل اسلام کے واقع ہوا یا نہیں۔

جواب سوال سوم۔ واقعی حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر ایسا اجماع ہوا جیسا اہل اسلام میں



چاہیے، بلکہ کسی اور بات میں ایسا اجماع ہوا ہی نہیں، یہاں تک کہ چھوٹے سے لیکر بڑے تک سب متفق ہو گئے، حضرت علیؑ نے جب دیکھا کہ میری بیعت نہ کرنے سے لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ ابو بکر صدیقؓ کو خلیفہ برحق نہیں جانتے، خود حضرت ابو بکر صدیقؓ کو بلا کر تنہا شکوہ و شکایت دوستانہ کر کے وعدہ بیعت کیا، اور اگلے روز مجمع عام میں آکر بیعت کی۔ اگر جی میں نہ تھی تو اس وقت تک کسی نے خدا نخواستہ گلے پر چھری نہ رکھی تھی، اور رکھتے بھی تو کیا تھا، اماموں کی موت موافق عقیدہ شیعہ اور شہادت کلینی ان کے اختیار میں ہے۔ باقی شیعوں کا یہ رائے کا سارو نا کہ یوں گلے میں رسی ڈال کر لائے اور یوں ظلم و ستم کیا شیطانی خواہ ہے۔ جن حضرت علیؑ کا ہم ذکر کرتے ہیں وہ دس پانچ سے کیا سارے جہاں بھی اور چھینو لے تھے؟

## جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب

اجماع خلافت حضرت ابو بکرؓ پر بطریق معینہ اہل اسلام ہی ہوا، کیونکہ اجماع دین میں اکثر علماء دینداران اور مسلمانوں کا معتبر ہے، جیسا کہ صاحب آیات بنات باقرار علماء شیعہ لکھتا ہے۔ "قولہ۔ یہ امر کہ سب مسلمانوں نے جو اس وقت تھے حضرت ابو بکرؓ سے بیعت کی، باقرار علماء شیعہ ثابت ہے کہ شریف مرتضیٰ کے قول سے ظاہر ہے جو بحار الانوار کی جلد ۳ میں منقول ہے جس کا ترجمہ مجتہد صاحب نے بایں الفاظ فرمایا ہے

جميع مسلمانان با ابو بکر بیعت کر دند و اطهار رضا (تمام مسلمانوں نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کی اور اپنی رضا و خوشی ظاہر کی اور ان پر اطمینان و سکون کا اظہار نمودند و گفتند کہ مخالف او بدعت کنندہ کیا اور یہ فیصلہ دیا کہ آپ کی مخالفت کرنے والا و خارج از اسلام است۔ بدعتی اور اسلام سے خارج ہے)

سبحان اللہ کیا دین اور ایمان ہے حضرات شیعہ کا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی عداوت دین محمدیؐ کو باطل کرتے ہیں اور چار لاکھ مسلمانوں کو جو مجاہدین اور انصار اور مجاہدین تھے اور جن میں بنی ہاشم اور اہل بیت نبویؐ بھی داخل تھے ان سب کو صراحتاً و کنایتاً کافر بناتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک انتہی۔ میں کہتا ہوں کہ اجماع اہل حل و عقد کا یہ ہوا کہ اس قدر لوگوں نے



متفق اللفظ ہو کر بخشنودی تمام حضرت ابو بکرؓ سے بیعت قبول فرمائی اور اس جگہ اولالباب کے لیے غور کرنے کا مقام ہے کہ جب صاحب بحار الانوار کہ جس کا ترجمہ مجتہد صاحب نے بزبان فارسی ”جمع مسلمانان ابو بکر صاحب بیعت کردند و اظهار رضا مندی الیہ کیا ہے لکھتا ہو حضرت اشیعہ اگر حیا دار ہوں تو ڈوب مرنے کا مقام ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ جب جمع مسلمانوں نے بخشنودی تمام حضرت ابو بکرؓ سے بیعت قبول کر لی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تو مسلمانوں میں ہی شامل ہیں، ورنہ یا بحار الانوار جو نہایت معتبر کتاب ہے اور مجتہد صاحب کی تکذیب کرو یا نحو باللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جمع مسلمانوں میں سے استثنا کرو یا۔ موجب عبارت بحار و ترجمہ مجتہد کے تم خود بدعتی اور خارجی بنو فقط،

## سوال چہارم از جانب شیعہ

اجماع اہل حل و عقد جو اول خلافت حضرت ابو بکر صدیق کے واقع ہوا ہے اس میں کون کون سے فضائل حضرت ابو بکر صدیق کے قابل امامت کے دیکھے۔

جواب سوال چہارم

جتنی باتیں خلیفہ میں چاہئیں سب خلیفہ اول میں موجود تھیں۔ اعلیٰ الناس۔ افضل الناس۔ اشیع الناس، القى الناس، ازہد الناس، ارحم الناس اعلیٰ الناس، اور سوائے اسکے جتنے وصف شیعوں نے خلافت کے لیے تجویز کئے ہیں سب ان میں تھے سند مطلوب ہو تو جواب سوالات سوم کو منجملہ جواب سوالات اربعہ کے جو ان ۲۸ جوابوں کے ساتھ مرسل ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

## جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب

فضل ابو بکر کا صحابہؓ کے نزدیک منجملہ متواترات تھا اور بہت سی احادیث ان کی فضیلت کی زبان زد تھیں چنانچہ جو احادیث کہ فضائل حضرت ابو بکر صدیقؓ کی سوال جواب اول میں مذکور ہوئیں وہی فضائل موجب خلافت ہوئے اور ماسوا ان کے اور فضائل لا تعد و لا تحصى ہیں بخوف طوالت ذکر نہیں کیا۔ نقل مشہور ہے آدمی کہ لے ایک بات کافی ہے اور عاقل کو



ایک اشارہ بس ہے اور آیات قرآنی سے بھی فضائل بے شمار ثابت ہوتے ہیں منجملہ ان کے یہ آیت :-

ثَانِيًا اَتْنَيْنِ اِذْهُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُولُ  
لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا  
ترجمہ :- دوسرا دو میں کا جب دونوں غار میں تھے  
جس وقت کہ اپنے ساتھی سے کہتا تھا غمگین مت  
ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ (توبہ ۶۱)

فائدہ :- اس میں دوسرے کا احتمال بھی نہیں اوّل تو ابو بکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا  
صاحب فرمانا۔ دوسرے معیت خداوندی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شامل کیا  
سبحان اللہ وصل علی اس شخص کی بزرگی پر جس کے ساتھ خداوند دو جہان ہوا ایک فرقہ کیا اگر  
اس سے تمام عالم باغی ہو جائے تو بھی کیا ہو سکتا ہے ایسے شخص سے منحرف ہونا اپنی ذات  
بتانی ہے اور دوسری آیت یہ ہے۔

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ اٰتَى الْفِتْحَ مِنْ قَبْلِ  
الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولَٰئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً  
مِّنَ الَّذِيْنَ اٰتَوْا مِنْ بَعْدِ وَقَاتَلُوْا  
ترجمہ :- برابر نہیں ہو سکتے تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے  
فتح سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا یہ لوگ مرتبہ میں  
بہت بڑے ہیں ان لوگوں جنہوں نے خرچ کیا  
بعد فتح کے اور جہاد کیا۔

(حمایت رسول میں ابو بکرؓ کی بہادری اور قتال)

اور قتال کرنا قبل فتح کے حضرت ابو بکرؓ کا بے انتہا روایت ثابت ہوتا ہے چنانچہ  
حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهُ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اَخْبِرُونِيْ  
بِاشْجَعِ النَّاسِ قَالُوْا اِلَّا نَعْلَمُ فَمَنْ قَالَ  
اَبُو بَكْرٍ رَضِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّيْ  
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَخَذَ قُرَيْشٌ فِهَذَا  
يُحِبُّوْهُ وَهَذَا يُتَلَتِّلُهُ وَهُمْ يَقُوْلُوْنَ  
اَنْتَ الَّذِيْ جَعَلْتَ الْاِلَهَةَ الْاِلَٰهًا  
ترجمہ :- حضرت علیؓ سے روایت ہے انہوں نے  
کہا اے لوگو مجھ کو بتلاؤ کہ سب سے زیادہ بہادر کون ہے  
لوگوں نے کہا ہم تو نہیں جانتے آپ ہی بتلائیے  
کون ہے؟ کیا ابو بکرؓ ہیں۔ میں نے رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے جب کہ قریش  
انہیں جانتے تھے کوئی آپ کو پیٹھ کے بل گھراتا تھا۔



وَأَحَدًا قَالَ قَوْلَ اللَّهِ مَا دَنَى مِنَّا أَحَدٌ إِلَّا  
 الْبُؤْبُورُ يَضْرِبُ هَذَا وَيُجَبِّي هَذَا  
 وَيَتَلْتَلِ هَذَا وَهُوَ يَقُولُ وَيَلْكُمُ  
 اتَّقَتْلُونِ رَجُلًا إِنْ يَقُولُ رَبِّي اللَّهُ ثُمَّ  
 رَفَعَ عَلَى بُرْدَةٍ كَانَتْ عَلَيْهِ فَبَكَى حَتَّى  
 ابْتَلَّتْ لِحْيَتُهُ ثُمَّ قَالَ آمُومِنُ آلِ  
 فِرْعَوْنَ خَيْرٌ مِنْ آلِ بَكْرٍ فَسَكَتَ  
 الْقَوْمُ فَقَالَ أَلَوْ جِئْتُ بِنِي فَوَاللَّهِ لَسَاعَةً  
 مِنْ آلِ بَكْرٍ خَيْرٌ مِنْ مِثْلِ آلِ فِرْعَوْنَ  
 وَذَلِكَ رَجُلٌ يَكْتُمُ إِيْمَانَهُ وَهَذَا  
 أَظْهَرَ - (اعلم)

(ازالہ الخفا ص ۲۲۹ و ص ۲۹۸ بحوالہ الاستیعاب)

اور کوئی منہ کے بل اور یہ کہتے جاتے تھے تو ہی ہے  
 وہ شخص کہ بہت سے معبودوں کے ایک ٹھہرایا۔  
 حضرت علیؑ کہتے ہیں قسم اللہ کی ہم میں سے سوا  
 البوکر کے اور کوئی حضرت کے قریب نہ ہوا اور البوکر  
 کسی کو مارتے تھے کسی کو گھر کے بل گراتے تھے  
 اور کسی کو پیشانی کے بل۔ اور یہ کہتے تھے خرابی ہو  
 تمہارے لیے کیا مارتے ہو تمہارے لیے شخص کو جو کہتا  
 ہے پروردگار میرا اللہ ہے پھر حضرت علیؑ نے  
 اپنی چار سواڑھیں ہونے لگیں۔ اٹھائی اور  
 لڑتے یہاں تک کہ ریش مبارک تر ہو گئی پھر کیا قسم  
 دیتا ہوں میں ساتھ اللہ کے آیا مومن آل فرعون  
 کا بہتر ہے یا البوکر پر لوگ چپکے رہے آپ نے کہا  
 مجھ کو جواب کیوں نہیں دیتے قسم ہے اللہ کی البتہ  
 ایک ساعت البوکر کی بہتر ہے مومن آل فرعون  
 جیسے شخص سے وہ تو ایسا شخص تھا کہ ایمان اپنا  
 پوشیدہ رکھتا تھا اور یہ ایسا شخص ہے کہ اپنے  
 ایمان کو ظاہر کیا۔

(البوکر صدیقؓ کی غیر ایمانی)

دیگر حدیث محبوب سبحانی مع آیت قرآنی

عن ابن جریر قال حدثت ان اباقحافة  
 سَبَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 فَصَكَهُ الْبُؤْبُورُ صَكَةً فَسَقَطَ فَذَكَرَ  
 ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 ترجمہ ابن جریر سے روایت ہے کہ ابو قحافہ نے رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہا اس پر البوکر نے ایک طمانچہ ابو قحافہ  
 کے مارا کہ ابو قحافہ زمین پر گر پڑے پھر حضرت نے  
 اس کا ذکر فرمایا کہ البوکر کیا تو نے ایسا کیا۔ کہا قسم



فَقَالَ يَا أَبَا بَكْرٍ أَفَعَلْتَ هَذَا فَقَالَ وَاللَّهِ  
لَوْ كَانَ السَّيْفُ قَرِيبًا مَنِي لَضَرَبْتُهُ  
فَنَزَلْتُ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ  
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ  
وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ (مجادلہ آیت)

اللہ کی اگر میرے پاس تلوار ہوتی تو بے شک  
اس کے مارتا تب یہ آیت نازل ہوئی نہ پاؤں گا تو  
اس گمروہ کو جو اللہ پر ایمان لائے ہیں اور قیامت  
کے دن پر کہ دوست رکھیں وہ ان لوگوں کو جو  
اللہ رسول سے دشمنی رکھتے ہیں اگرچہ ان کے

باپ ہی کیوں نہ ہوں آیت

(ازالۃ الغٹا ص ۲۹۸)

(بعد از رسول ابو بکر و عمرؓ ہی کفار کے دل میں کانٹا تھے)

دیگر واقعہ غزوہ احد میں مذکور ہے کہ ابوسفیان نے ندا کی۔

قرمہ: آیا قوم میں محمد موجود ہے آیا قوم میں ابو قحافہ  
کا بیٹا ہے آیا قوم میں عمر بن خطاب ہے

هَلْ فِي الْقَوْمِ مُحَمَّدٌ وَهَلْ فِي الْقَوْمِ  
ابْنُ أَبِي قُحَافَةَ وَهَلْ فِي الْقَوْمِ ابْنُ الْخَطَّابِ

(بخاری غزوہ احد ص ۵۹)

فائدہ :- اس کا پوچھنا اس غرض سے تھا کہ اگر خدا نخواستہ یہ اشخاص نہ ہوئے تو ہمارا کام بن  
گیا اور ہم نے میدان جیت لیا اس سے معلوم ہوا کہ کفار کی آنکھوں میں بھی یہ ہی لوگ اتنی تیب  
سے کھٹکتے ہیں۔

## سوال پنجم از جانب شیعہ

آیا کوئی فضیلت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں ایسی تھی جو حضرت علی مرتضیٰ میں نہ تھی۔

جواب سوال پنجم

اس سوال کا اگر یہ مطلب ہے کہ اوصاف حمیدہ میں سے کوئی ایسا وصف بتاؤ جو حضرت  
ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں نہ ہو تو ہم نہیں کہہ سکتے غلامی خوبی ان میں تھی اور ان میں  
نہ تھی پر اس سے سائل کو کوئی نفع نہیں اگر دو شخصوں میں برابر اوصاف ہوں تب جسے  
خلیفہ بنا دیں بجائے اور اگر یہ مطلب ہے کہ کبھی بیشی کا فرق بتلاؤ تو یہ ہمارے ذمہ ہے مگر ہم  
جواب سوم میں منجملہ جوابات اربعہ میں بالاجمال اس کا جواب دے چکے ہیں۔ الغرض اوصاف  
میں بلکہ تمام اوصاف میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ صحابہ سے بڑھ کر تھے اس میں حضرت علی رضی



ہوں یا اور کوئی۔ چنانچہ خود حضرت علیؓ ہی فرماتے ہیں کہ سب میں افضل حضرت ابوبکرؓ ہیں  
 سند مطلوب ہو تو بخاری میں دیکھ لیجئے بروایت محمد بن الحنفیہ فرزند ارجمند حضرت شہید خدایہ روایت  
 موجود ہے بالجملہ اور عالم تھے تو ابوبکر اعلم تھے اور زاہد تھے تو ابوبکر ازہد تھے اور راحم تھے تو  
 ابوبکر ارحم تھے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

## جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب

چند فضائل تو در باب خلافت مذکور ہو ہی چکے اور دیگر فضائل بھی بہت ہیں۔  
 (سفر ہجرت میں حضرت ابوبکرؓ کا ایثار ضرب المثل ہے)

مثلاً قصہ اس رات کے جس رات کو تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بقصد ہجرت نماز میں  
 تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکرؓ کا یہ حال ہوا کہ سب عیال و اطفال کو کفار میں چھوڑ کر حضرت  
 کے ہمراہ ہو گئے اور باوجود تلاش شدید و دواؤں (دور دھوپ) کفار کے حضرت کے ساتھ  
 غار میں رہے اور اس غار میں حضرت کے آرام کیلئے اپنا کپڑا بچھا کر سانپ کچھوؤں کے سوراخوں  
 میں دیا جب کپڑا نہ رہا اور ایک سوراخ باقی رہ گیا اس پر اپنا پاؤں لگا کر بیٹھ گئے اور حضرت  
 اپنے سر مبارک کو حضرت ابوبکرؓ کے زانو پر رکھ کر بے فکر ہو کر آرام فرمانے لگے اس اثناء میں حضرت  
 ابوبکرؓ کے پاؤں میں چند بار سانپ نے کاٹا، حضرت خلیفہ نے بسبب خیال بے آرامی حضرت  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ دم نہ مارا۔ حتیٰ کہ بے اختیار حضرت خلیفہ کے آنسو جاری  
 ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر گرے حضرت نے فوراً بیدار ہوتے  
 ہی کیفیت پوچھ کر اپنا لب مبارک لگا دیا فوراً شفا ہو گئی۔

شیعوں کو اتنی ہی بات فرق مراتب کے لیے کافی و دافی ہے کہ حضرت علیؓ کی آنکھوں  
 میں بوقت بھینچنے خیر کے رسول مقبول نے لب مبارک لگایا اور حضرت ابوبکرؓ کے پاؤں میں۔  
 دوسرے یہ کہ حضرت امیر المومنین کی آنکھوں میں بغرض خیر بھینچنے کے لب لگایا اور حضرت  
 ابوبکر صدیقؓ کے پاؤں میں بے غرضانہ کہ ماسوائے فرط محبت کے دوسری وجہ نہ تھی۔

اور اس واقعہ ہجرت میں سواری حضرت ابوبکرؓ کی معرفت تیار ہوئی زادہ راہ ان کے



گھریکا غلام ان کا غار میں دودھ لاتا تھا بیٹا ان کا خبر کفار کی اور تمام دن کے منصوبے رات کو آکر سنا تا۔ غلام ابوبکرؓ کا رفیق راہ تھا اجیران کار مہر تھا۔ غرضیکہ سفر ہجرت کو رفاقت صدیقی ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھی۔ ماسوا ابوبکر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھر پلے کے کون ہاتھوں کے بل سپاڑ پر چڑھا تھا اور کس کی طرف ایسی مددیں پہنچیں شعر

دوست آں دائم کہ گیر دست دوست در پریشاں حالی و در ماندگی  
(ابوبکر صدیقؓ سے بڑے عاشق رسولؐ تھے)۔

اور منجد فضائل کے گفتگو کرنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یوم بدر و یوم حدیبیہ کے اور رونا حضرت ابوبکرؓ کا بسبب غایت رازدانی کے بوقت فرمانے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے  
إِنَّ عَبْدًا خِيَرَهُ اللَّهُ تَعَالَى بَيْنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ - (بخاری ص ۱۶۱ مسلم ص ۲۴۲)  
ترجمہ :- اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کو اختیار دیا چاہے دنیا پسند کرے چاہے آخرت۔

اور خطبہ پڑھنا حضرت ابوبکرؓ کا بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تسکین دینا لوگوں کو اور کھڑا ہونا مقدمہ بیعت میں واسطے خیر خواہی مسلمانوں کے۔ پھر اہتمام کرنا جیوش بھجنے کا حسب ارشاد رسول مقبول کے ملک شام کی طرف اور قتال کرنا مرتدین سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا "انت عِثْقُ اللَّهِ مِنَ النَّارِ" فرمانا ربے مثال فضیلت ہے اور طبرانی نے اسے عمدہ سنہ کیا ہے۔  
(حضرت ابوبکرؓ خدا اور رسول کی شہادت سے صدیق ہیں)

اخرج الطبرانی بسند صحيح جيد عن حكيو  
بن سعد قال سمعت عليا ويحلف لانزل  
الله اسمي بكنية صديقاً من السماء  
الرياض النضرة ص ۶۸ بحوالہ سمرقندی و صاحب الصفوة  
ترجمہ :- حکیم بن سعد سے روایت ہے کہ اسامی نے  
علیؓ کو کہتے تھے اور قسم کھاتے تھے کہ بے شک  
اللہ نے حضرت ابوبکرؓ کا نام صدیق آسمان سے  
اتارا ہے۔

ابو اسحاق السبئی البکیری سے روایت فرماتے ہیں کہ میں شمار نہیں کر سکتا کہ میں نے حضرت علیؓ سے کتنی بار نا حضور  
صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے اللہ تعالیٰ نے ابوبکرؓ کا نام اپنے نبی کی زبان پر صدیق رکھا۔ (۲) حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے آسمان  
کا معراج کرایا گیا فمارثیت شیئاً الا وجبت اسمی فیہ مکتوباً محمد رسول اللہ و ابوبکر الصديق خليفتي (الرياض النضرة ص ۶۸ بحوالہ



غرضیکہ صدیق نام پانا اور جبل احد کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا اُسکُنْ يَا اَحَدُ فَاَنْتَ  
 عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيقٌ وَشَهِيدٌ اور سب مسلمانوں کا متفق ہو کر خلیفہ بنانا۔ اور لکھو کچھ مسائل  
 ہیں کہ احاطہ تقریر و تحریر سے باہر ہیں خدا کا فضل ہے اہل سنت جماعت کی کتابیں بہت ملتی  
 ہیں۔ حضرات شیعہ کی کتابوں کی طرح مفقود و محبوب نہیں اگر کچھ سنیقہ کتاب بینی کا ہے تو دیکھ لیجئے  
 ورنہ خواہ مخواہ دخل در معقولات نہ دیجئے اور بحث و مباحثہ کی ٹانگ نہ توڑیئے۔  
 (کتب شیعہ سے صدیق ہونے کا ثبوت)

اور اگر ہماری کتابوں کے دیکھنے کا شعور نہیں تو اپنی ہی کتابیں دیکھ کر ذرا تو شرمندہ ہوئے  
 دیکھو کشف الغمہ کہ جو تمہارے یہاں نہایت معتبر ہے تمہارے کیسے پترے کھولتی ہے۔

سُئِلَ الْإِمَامُ أَبُو جَعْفَرٍ عَنْ حَلِيَّةِ السَّيْفِ  
 هَلْ يَجُوزُ فَقَالَ نَعَمْ قَدْ حَلَّى أَبُو بَكْرٍ  
 الصِّدِّيقُ لِسَيْفِهِ فَقَالَ الرَّاهِطُ الْقَوْلُ  
 هَكَذَا فَوَثَبَ الْإِمَامُ عَنْ مَكَانِهِ فَقَالَ  
 نَعَمْ الصِّدِّيقُ نَعَمْ الصِّدِّيقُ نَعَمْ  
 الصِّدِّيقُ فَمَنْ لَمْ يَقُلْ لَهُ الصِّدِّيقُ  
 فَلَا صَدَقَ اللَّهُ قَوْلَهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ  
 ترجمہ: امام ابو جعفر (باقر) علیہ السلام سے پوچھا گیا  
 کہ تلوار کو زور لگانا یعنی سونے چاندی سے آراستہ  
 کرنا آیا جائز ہے آپ نے فرمایا ہاں ابو بکر صدیق نے  
 اپنی تلوار کو زور سے آراستہ کیا۔ راوی نے کہا تم ایسا  
 کہتے ہو؟ یہ سن کر امام اپنی جگہ سے کوزہ اٹھے پھر فرمایا  
 ہاں صدیق۔ ہاں صدیق۔ ہاں صدیق۔ پھر جو شخص انکو صدیق  
 نہ کہے اللہ اس کی بات دنیا اور آخرت میں سچی نہ کرے۔

ف۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ اول تو خود بخود امام محمد باقر نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو صدیق  
 فرمایا دوسرے ان کے فعل کی سند ذکر فرمائی چونکہ سائل رافضی تھا اس نے تعجب سے کہا کہ کیا آپ  
 بھی صدیق فرماتے ہیں حضرت امام محمد باقر یہ لفظ سنتے ہی طیش میں آکر کھڑے ہو گئے اور فرمایا  
 ہاں صدیق، ہاں صدیق جو اس کو صدیق نہ کہے اللہ اس کو دین و دنیا میں سچا نہ کرے۔ اے  
 حضرات امامیہ اس وقت میں تم سے بطور رازدہی کے پوچھتا ہوں خدا کے لیے سچ تو بتاؤ کہ



تمہارے لئے تو اس قدر حضرت صدیق کے محب و متبع ہیں تم کس کے پیرو ہوئے ہو اور اماموں تک سے بھی تفتیہ کر رکھا ہے اور ایک نصیحت بہ نظر دوستانہ کہتا ہوں کہ صاحب الحیاء والایمان سے اعراض نہ کرو تا کہ کچھ حصہ حیا کا تم کو بھی مل جائے۔

## سوال ششم از جانب شیعہ

حضرت علی مرتضیٰؑ میں کون سے ایسے فضائل ہیں جو حضرت ابو بکرؓ یا دیگر صحابہؓ میں نہ تھے جواب سوال ششم۔ اس سوال میں سوال پنجم ہی کو الٹ لیا ہے سو اس کا جواب بھی اسی کے جواب میں موجود ہے۔

جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

معلوم ہے کہ جمیع صحابہؓ میں فضائل جبرئیلہ میں یہ تفاوت موجود ہے کہ ایک بات ایک میں ہے اور دوسری میں نہیں اسی قیاس پر حضرت علیؑ میں دامادی کی فضیلت ہے حضرت ابو بکرؓ میں نہ تھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں دوسری پائی جاتی تھی اور بروقت ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اس مکان میں تنہا رہنا بے شک فضیلت ہے لیکن حضرت ابو بکرؓ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہونا کچھ کم نہیں بلکہ بایں وجہ زیادہ ہے کہ بوجہ حمایت رسول صلی اللہ علیہ وسلم مخالفت کفار کو حضرت صدیق سے زیادہ تھی کیونکہ جتنا کوئی اپنے دشمن سے مرتبط ہوتا ہے اتنا ہی خار گذار ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بسبب کم عمری کے کچھ مزاحمت نہ تھی دوسرے یہ کہ جس حال میں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ تھے۔ پھر ان سے کیا پر خاش تھی اسی لیے ان کو بھی کچھ نہ کہا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر جا کر ان کے بیٹے بیٹی اسماء کے طمانچہ مارا۔

(حضرت علیؑ کے مخصوص فضائل)

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بھی بہت فضائل ہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک نہ لیجانے پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ ملال یہ کہہ کر دور کیا۔



أَمَّا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ  
هَارُونَ مِنْ مُوسَى غَيْرَ أَنَّهُ لَا نَبِيَّ  
بَعْدِي - (ترمذی ص ۲۱۴ مسلم ص ۲۴۸)

ترجمہ: کہا تو اس بات سے راضی نہیں ہوتا کہ میری  
نسبت ایسا ہو جیسے حضرت ہارون موسیٰ کی  
نسبت تھی سوئے اس کے کہ وہ نبی تھے میرے بعد  
نبی نہیں۔

اور فتح خیبر کے لیے یہ کہہ کر جھنڈا حضرت نے امیر المؤمنین کو مرحمت فرمایا۔

لَا عَظِيمَ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللَّهُ  
عَلَى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللَّهُ وَرَسُولَهُ وَيُحِبُّهُ  
اللَّهُ وَرَسُولُهُ، أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالْبَزَارُ عَنْ  
سَهِيلِ بْنِ سَعِيدٍ - (ترمذی ص ۲۱۴ مسلم ص ۲۴۹)

ترجمہ: البتہ دوں گا میں جھنڈا کل کو اس شخص کو کہ اللہ تعالیٰ  
اسکے ہاتھ سے فتح دے گا دوست رکھتا ہے  
وہ اللہ کو اور اس کے رسول کو اور اللہ و رسول  
اس کو دوست رکھتے ہیں۔  
اور ایک یہ فرمانا۔ مَنْ كُنْتُ مُوَلَّاهُ فَعَلَيْ شِوَلَاهُ أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْ أَبِي سُرَيْحَةَ  
وَزَيْدِ بْنِ أَرْقَمٍ (ابی سرحیتہ ہوحذیفہ ابن اسید صاحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)  
اور اہل بیت میں دعا کر کے داخل کیا جو قصر عبا مشہور ہے اور مواخات کے وقت یہ  
فرمایا انت اخي في الدنيا والآخرة اخبرته الترمذی عن ابن عمر۔ تو میرا بھائی ہے دنیا اور  
آخرت میں۔ اور انا مدينة العلم وعلى بابها وغیر ذلک اخبرته الترمذی  
والحاكم عن علي ترجمہ: میں شہر علم کا ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔ فضائل بے انتہا  
ہیں لیکن ایسے فضائل جزئیہ خلفاء اربعہ میں بلکہ اکثر صحابہ میں پائے جاتے ہیں بخوف و لازمی  
عجائز کے ذکر نہیں کئے اور فضیلت جزوی سے فضیلت کلی ثابت نہیں ہوتی۔

(حضرت عمر و عثمانؓ کے مخصوص فضائل)

جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے۔

أَخْرَجَ التِّرْمِذِيُّ عَنْ بَنِ عَمْرٍاءَ رَسُولِ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ  
اللَّهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلَى لِسَانِ عُمَرَ  
وَقَلْبِهِ - (ترمذی ص ۳۹ ج ۲)

ترجمہ: ترمذی نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے  
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے  
کیا حق کو عمر کی زبان پر اور اس کے دل پر



واخرج الترمذی والحاکم وصححه عن  
عقبة بن عامر قال قال رسول الله صلى  
الله عليه وسلم لو كان نبی من  
بعدي لكان عمر وترمذی ص ۲۹

اور جیسے حضرت عثمان بن عفان کی شان میں وارث ہوئیں۔

(حضرت عثمان کی فضیلت میں احادیث)

اخرج الشيخان - عن عائشة قالت ان  
النبي صلى الله عليه وسلم جمع  
ثيابه حين دخل عثمان وقال الا استفي  
من رجل تستفي منه الملائكة (مسلم ص ۲۲)  
ما اخرج الترمذی عن انس والحاکم  
وصححه عن عبد الرحمن بن سمرة  
قال جاء عثمان الى النبي صلى الله عليه  
وسلم بالفت دینار فی کفہ حیث  
جهز جيش العسرة فنثرها في حجره  
قال عبد الرحمن فرأيت النبي صلى  
الله عليه وسلم يلقبها في حجره و  
يقول ما ضر عثمان ما عمل بعد  
اليوم مرتين (ترمذی ص ۲۱)

ترجمہ امام بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا  
سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے  
اپنے کپڑے درست کئے جب آپ کے پاس حضرت  
عثمان رضی اللہ عنہ آئے اور آپ نے فرمایا کہ شرم کرو  
میں اس شخص سے کہ جس سے فرشتے شرم کرتے  
ہیں۔ ترمذی اور حاکم نے انس سے روایت کی  
ہے اور تصحیح کی اس کی عبد الرحمن بن عمر سے کہا  
آئے عثمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہزار دینار  
لے کر جب کہ جيش العسرة کا سامان کیا اور لا کر آپ کی  
گود میں ڈال دیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
ان دیناروں کو الٹے پلٹتے تھے اور فرماتے تھے۔  
نقصان نہیں کرتا عثمان کو۔ کوئی عمل بعد کا آج  
کے دن دوبار فرمایا۔

اور روایت کی ترمذی نے انس سے کہا جب  
کہ حکم فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت  
رضوان کا تو عثمان بن عفان حضرت کی طرف سے  
کہہ دیا کہ اس کے پاس قاصد گئے تھے لوگوں نے حضرت

واخرج الترمذی عن انس قال لما  
امر رسول الله صلى الله عليه  
وسلم ببيعة الرضوان كان  
عثمان بن عفان رسول رسول الله عليه



وَسَلَّمَ إِلَى أَهْلِ مَكَّةَ قَالَ فَبَايَعَ  
النَّاسُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ إِنَّ عُثْمَانَ فِي حَاجَةِ اللَّهِ وَحَاجَةِ  
رَسُولِهِ فَضَرَبَ بِإِحْذَى يَدَيْهِ عَلَى  
الْأُخْرَى فَكَانَتْ يَدُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعُثْمَانَ خَيْرًا مِنْ  
أَيْدِيهِمْ لِنَفْسِهِمْ

(ترمذی ص ۲۱۱)

غرضیکہ اکثر احادیث فضائل میں وارد ہوئی ہیں کہ وہ فضائل ایک کے دوسرے میں نہیں جاتے  
جہاں فضائل جزیئہ سے علوم مرتبہ نہیں ہوتا ہاں جس طرح اجماع امت خلافت پر مرتبہ بمرتبہ  
چلا آیا ہے۔ اسی طرح فرقہ مراتب بھی ہے کیونکہ مجموعہ فضائل سے فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

## سوال ہفتم از جانب شیعہ

سوائے حضرت مرتضیٰ کے کسی اور صحابی کے لیے کبھی روٹمس واقع ہوا؟  
جواب سوال ہفتم

(روٹمس کی روایت شیعہ کے لیے مفید نہیں)

آفتاب کا غروب ہو کر پھر نکل آنا طبرانی اور طحاوی نے بایں طور نقل کیا ہے کہ خیبر  
کی راہ میں بعد عصر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؑ کے زانو پر سر مبارک رکھ کر سو گئے  
بعد غروب آفتاب آنکھ کھلی تو حضرت علیؑ نے پوچھا تم نے عصر کی نماز پڑھی اپنے عرض کیا

اے مورخین شیعہ بھی صلح حدیبیہ کے قصہ میں حضرت عثمانؓ کی اس فضیلت کا اقرار کرتے ہیں جو ایت کینی حضرت رسولؐ نے  
اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر عثمانؓ کی بیعت لینے کیلئے مارا جب مسلمانوں نے کہا کہ عثمانؓ بڑے خوش نصیب ہیں کہ طواف و عمرہ کرنا ہوگا اپنے نبیایا  
حضرت عثمانؓ ہمارے بغیر طواف نہیں کیا چنانچہ جب آپؐ کے تو حضورؐ نے پوچھا کیا تو نے طواف کیا؟ عثمانؓ نے کہا جب آپؐ طواف نہ کر سکے میں بھی نہ کر سکا  
(حیات القلوب ص ۲۱۱)



کوئی نہیں آپنے دعا فرمائی خدا تعالیٰ نے آفتاب کو پھر پٹیا پہاڑوں پہ دھوپ نظر آنے لگی۔ اس وقت کامر چند صحاح ستہ میں پتہ نہیں اور ابن جوزی نے جو بڑے محدث ہیں اس روایت کو منجملہ موضوعات یعنی چھوٹی حدیثوں میں شمار کیا ہے پر اور محققوں نے اس کی تصحیح بھی کی ہے۔ سو ہمیں بھی یہی بات

لے بے اللہ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ روضہ شمس کا معجزہ، ہر خبر سے واپسی پر مقام صبا میں ظاہر ہوا۔ اور یہ حدیث: حضرت اسماء بنت عیسٰی سے دو سندوں کے ساتھ مروی ہے۔ اس حدیث کے بارے میں امام طحاوی نے شکل الآثار علامہ زرقانیؒ نے شرح مواہب اور حافظ ابن کثیرؒ نے البیہ میں قاضی عیاضؒ شرح شفاء میں مولانا بدر عالم صاحب نے حضرت مولانا انور شاہ صاحب کٹھیریؒ سے فیض الباری کتاب الجہاد میں اور دوسرے حضرات نے بھی ذکر فرمایا ہے امام طحاویؒ فرماتے ہیں: هذان حدیثان ثابتان و رواتهما۔ ثقات، شرح امانی الاجار کے مقدمہ ص ۵۵ تا ۵۹ میں بھی اس حدیث پر مفصل بحث ہے اور اس حدیث کا صحیح ہونا ثابت کیا ہے شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اس حدیث کے بارے میں ایک مستقل رسالہ کشف البس عن حدیث روضہ شمس لکھا ہے جس میں اس حدیث کے طرق و اسانید پر بحث کی ہے اور اس کا صحیح ہونا ثابت کیا ہے۔ علامہ زرقانیؒ نے بھی شرح مواہب میں اس کا صحیح ہونا ثابت کیا ہے علامہ عینیؒ نے بیہقی سے مسوطاً نقل کیا ہے ضحاکؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں بھی اس کا ذکر کیا ہے گویا کہ امام طحاویؒ اس حدیث کی تصحیح کرنے میں متغیر و متغیر نہیں بلکہ متقدمین و متاخرین میں بہت سے حضرات نے امام طحاویؒ کی موافقت کی ہے اور امام ابن تیمیہؒ کے قول پر ترجیح دی ہے۔ المعتمد من المحقق من مشعل الآثار ہے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث لَوُتَرَةُ الشَّمْسِ مُذَرَّتٌ عَلَى يَوْشَعَ بْنِ زُونَا سے معارضہ صحیح نہیں اس لیے کہ مُذَرَّتٌ کے یہ الفاظ ہو سکتا ہے کہ اس روضہ شمس واقعہ سے پہلے ہوں اور روضہ بج میں۔ تو دونوں میں تطبیق ہو گئی۔ خفاجی مصریؒ شرح شفاء میں کہتے ہیں اس حدیث پر بعض شرح نے اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اس کی روایت مطعون ہیں۔ دراصل یہ مخالط ابن جوزیؒ کے کلام کی وجہ سے ہے حالانکہ اس کی اس کتاب اکثر حصہ مروی ہے۔ وقد قال خاتمة الحفاظ السيوطي وكذا السخاوي ان ابن الجوزي في موضوعاته تعامل تحملاً كثيراً۔ بیان تک کہ بہت سی احادیث صحیحہ بھی اس میں ذکر کردی ہیں جیسا کہ ابن صلیحؒ نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور تعدد طرق اسکی صحیح پر شاہد ہیں۔ مصنف نے بھی اس کی تصحیح کی ہے اور اس سے پہلے امام طحاویؒ ابن شاہینؒ، ابن مندہؒ، ابن مردودہؒ اور طبرانیؒ نے معجم میں اسکو حسن کہا ہے۔ ابن جوزیؒ نے جن پر کلام کیا ہے ان میں احمد بن صالح بھی ہے جو ابو جعفر طبریؒ ہے حالانکہ وہ الحافظ الثقات ہے، اصحاب سنن نے اس روایت کی ہے اور اس کی توثیق کے لیے یہی کافی ہے کہ بخاریؒ نے صحیح میں اس سے روایت نقل کی ہے تو امام ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ اور ابن جوزیؒ یا دوسرے حضرات جنہوں نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے ان کی یہ بات قابل توجہ نہیں۔ احمد بن صالح المصریؒ ابو جعفر ابن طبریؒ ثقہ حافظ من العاشرة، امام نسائیؒ نے بھی اجماعاً قیاد کی وجہ اس پر کلام کیا ہے ابن معینؒ اسکی تکذیب نقل کی ہے ابن جان پورے یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ جس پر کلام کیا گیا ہے وہ احمد بن صالح الشمونیؒ ہے اور امام نسائیؒ نے اس کو احمد بن صالح مصریؒ سمجھا حالانکہ وہ احمد بخاریؒ، ترمذیؒ، ابو داؤد کے رواتع اللہ اعلم محمد اشرف۔



پند ہے کچھ اپنی محبت کا تقاضا کچھ شیعوں کی خاطر اس پر بھی وہ نہ سمجھیں تو انہیں خدا سمجھے۔

(دعائے نبوی سے ہونے والا کام معجزہ رسول ہے)

پر ہمیں معلوم نہیں اس سوال میں سائل نے کیا فائدہ سمجھا ہے اگر یہ قنابل ہے کہ یہ معجزہ حضرت علیؑ کے نام لگ جائے تو اس کی امید بے جا ہے۔ اگر ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے ہاں حضرت علیؑ کی کارگزاری اور خاطر داری البتہ باعث دعا مذکور ہوئی سو یہ کون سی بڑی بات ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ ادنیٰ بات ہے۔ اس سے پہلے مکہ میں کفار کی استدعائے معجزہ شوق القمر ہوا تھا تو کفار کی کیا فضیلت نکلتی تھی۔ اور اگر اس میں کچھ فضیلت ہے تو فقط اتنی ہے کہ ان کی یہ خدمت پسند آئی سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو بکرؓ کی خدمت گذاریاں اس سے زیادہ پیش نظر تھیں۔

(حضرت کی ابو بکرؓ کی احسان شناسی)

بخاری اور مسلم وغیرہ صحاح میں موجود ہے کہ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں ارشاد فرمایا کہ جتنا ابو بکرؓ کا احسان میرے ذمہ ہے تنہا کسی کا نہیں پر ان کو قضا نماز کا اس (خدمت) کی وجہ سے کبھی اتفاق نہ ہوا تھا ورنہ ان کے لیے دعا کرتے تو مغرب چھوڑ مشرق سے آفتاب نکل آتا بایں ہمہ یہ دعا تھی۔ اور دعا میں بے اختیاری ظاہر ہے خدا کو اختیار ہے چاہے قبول کرے چاہے قبول نہ کرے اور قبول کرے تو خدا کے نزدیک بڑی بات نہیں پر قابل تعریف یہ بات کہ خدا ساتھ ہو جائے سو تم بھی جانتے ہو کہ ان اللہ معن کے کیا معنی ہیں اور یہ کس کی شان میں ہے یا غار کون تھا اور سکینت خداوندی کس پر نازل ہوئی اور اس کو بھی جانے دیجئے اگر یہ آفتاب کا لوٹ آنا حضرت علیؑ کی خاطر ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر نہ تھا آپ کی دعا کا اس میں اثر نہ تھا اور تھا تو برائے نام تھا ظاہر کا بہانہ تھا ورنہ اصل میں حضرت علیؑ ہی کی خاطر تھی تو پھر کیا اس سے کچھ فضیلت لازم نہیں آتی ورنہ حضرت علیؑ اور صحابہ تو درکنار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہو جائیں گے۔ ادھر یہ معجزہ اول حضرت سلیمان علیہ السلام کی خاطر واقع ہوا ہے۔ اس صورت میں حضرت سلیمان سوا حضرت علیؑ اور سب سے افضل ہو جائیں گے۔ مگر تمہیں فرماؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو کن حضرت نوح حضرت ابراہیم حضرت



موسیٰ حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہیں یا حضرت سلیمان شفاعت کی حدیث تو سنی ہوگی اس میں دیکھیے  
خلائق کس کس کی طرف بغير شفاعت جائیں گے اس میں کہیں سلیمان (علیہ السلام) کا ذکر نہیں

## جواب ثانی از مولوی عبدالمصعب

یہ بھی فضیلت جزوی ہے اور یہ فضیلت بہ نسبت فضیلت حضرت ابوبکرؓ کے کہ حضرت نے  
فرمایا مردوں میں سب سے زیادہ مجھ کو ابوبکر محبوب ہے۔ اور بہ نسبت فضیلت حضرت عمرؓ کے کہ لَوْ كَانَ  
نَبِيٌّ مِنْ بَعْدِي لَكَانَ عُمَرُ۔ اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتا اور بہ نسبت فضیلت حضرت  
عثمانؓ کے اَلَا اسْتَحْيٰ مِنْ رَجُلٍ تَسْتَحْيٰ مِنْهُ الْعَلَائِكَةُ دیکھا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے  
فرشتے حیا کرتے ہیں (کچھ معتد بہا نہیں اور اصل بات یہ ہے کہ رَدُّ شَمْسِ فَقَطْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ  
وَسَلَّمَ کی دعا سے ہوا ہے اس میں کوئی فضیلت حضرت علیؓ کی نہ حاصل ہوئی کیونکہ حضرت رسول  
مقبول جس کے واسطے دعا فرماتے رَدُّ شَمْسِ ہو جاتا پر چونکہ ان سے کبھی درباب صوم و صلوات  
مدہ ہفت نہ ہوئی اس لیے ان کے لیے دعا رَدُّ شَمْسِ بھی وقوع میں نہ آئی درحقیقت امیر المومنین  
کی فضیلت اس میں ظاہر ہوتی کہ خاص ان کی ہی دعا سے رَدُّ شَمْسِ ہوتا اور کسی کی دعا سے نہ ہوتا اور  
یہ کہیں ثابت نہیں سائل کو شرم نہیں کیا حضرت علیؓ کے فضائل قطب سے تھے جو اس کو بڑے اہتمام  
سے جداگانہ سوال قرار دیا اور ایک قاعدہ اور بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ جو معجزہ نبوی ہے اس سے  
خواہ مخواہ غیر کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی اور اگر اس کو تم نہ مانو تو اکثر معجزوں سے کفار کی فضیلت  
نکل آئے گی۔ تتبع فضائل جمیع صحابہؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب صحابہؓ حضرت کے مرغوب و  
محبوب تھے لیکن بمقتضای آیت کریمہ۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَسْتَخْلِفْنَهُمْ فِی الْاَرْضِ الْوَ  
(کہ اللہ نے تم میں سے ایمان لانے والوں اور عمل صالح کرنے  
والوں سے یہ وعدہ کیا ہے کہ ان کو ضرور بر ضرور زمین

میں خلیفہ بنائے گا۔ الخ)

کے خلفاء ایمان اور اعمال صالحہ سے مشرف ہو کر بہرہ اندوز خلافت جہات اربعہ ہوئے۔ جاننا  
چاہیے کہ خداوند کریم نے خود ان کے ایمان اور اعمال صالحہ اور خلیفہ بنانے کے لیے اتنی مدت



پیشتر خبر دی افسوس ہے کہ جو امر خداوند تعالیٰ کی مرضی سے روافض اس کو نہ مانیں یہ وہ مثل ہے کہ بادشاہ کا مال صرف ہوا اور غزا پچی کی جان سوکھی۔ یہ کیسے مسلمان ایماندار ہیں کیا اس بات پر ایمان لائے ہیں کہ حکم خداوندی نہ مانیں گے اگر یہ بات ہے تو بیشک پختہ مومن ہیں۔

## سوال ہشتم از جانب شیعہ

حضرت علی کے لیے پیغمبر خدا نے یہ فرمایا یا نہیں کہ وہ خدا اور رسول خدا کو دوست رکھتے ہیں اور خدا اور رسول خدا اس کو دوست رکھتے ہیں یا یہ کہ لڑائی خندق کے دن کی حضرت علیؑ کی افضل ہے تمام امت کے اعمال سے جو قیامت تک کریں۔  
جواب سوال ہشتم۔

واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ کی شان میں فرمایا کہ وہ اللہ کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ ان کو دوست رکھتا ہے اور یہ ہمارا عین ایمان ہے پر اس سے افضلیت کا ثابت کرنا ایسا ہے جیسا کسی نے کہا ہے۔  
چہ خوش گفت ست سعدی در زلیخا کہ عشق آسان نمود اول وے افتاد مشکلمہ  
صاحبواول تو خدا تعالیٰ ہر متقی کی نسبت فرماتا ہے ان اللہ یحب المتقین۔ دوسرے متبعان سنت کو ہدایت ہے۔

ان کنتم تحبون اللہ فاسبغونی بحبکم  
اللہ ولغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم  
جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر تم کو اللہ سے محبت ہے تو میری پیروی کرو اللہ کو تم سے محبت ہو جاوے گی اور اللہ تمہارے سب گناہ بخش دے گا اور اللہ غفور رحیم ہے۔  
(ال عمران ۴۷)

اس سے ظاہر ہے کہ یہ بات ہر مومن کو نصیب ہو سکتی ہے ورنہ ہدایت کے کیا معنی ہیں۔ اگر یہ بات ممکن نہ ہوتی تو پھر یہ ارشاد ایسا تھا جیسے یوں کہتے تم خدا ہو جاؤ (اور یہ ناممکن ہے) اور ہم



نے (بالعرض) مانا کہ یہ امر اوروں کو حاصل نہیں یا بدشواری حاصل ہے پر اس کو کیا کیجیے۔ خدا تعالیٰ حضرت ابوبکرؓ اور ان کے ہمراہیوں کی شان میں اس سے زیادہ فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ  
عَنْ دِينِهِ فَمَا يَتَّبِعْ يَأْتِ اللَّهَ بِقَوْمٍ  
يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ  
أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي  
سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةً لَدَيْهِ  
ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ  
وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (پ المائدہ ۸۴)

حاصل معنی یہ ہے کہ اے ایمان والو اگر تم مرتد ہو جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ اور ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن سے خدا کو محبت ہوگی اور خدا سے ان کو محبت ہوگی مومنوں کے سامنے ذلیل۔ کافروں کے رو بہ و بڑے عزت (غلبے) والے خدا کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی کے برا کہنے سے نہ ڈریں گے اللہ کا فضل ہے جسے چاہے وہ دے اور بہت وسعت والا دانہ ہے۔

اول تو یہی فرق دیکھئے کہ وہ حدیث ہے اور یہ آیت دوسرا اس میں فقط محبت طرفین ہی کا ذکر نہیں یہ اتنے لمبے چوڑے فضائل اور بھی ہیں اور پھر کس انداز سے فرماتے ہیں یہ ہمارا فضل ہے ہر کسی کو نہیں ملتا جس کو ہمارا جی چاہتا ہے اس کو دیتے ہیں۔ بہر حال یہ آیت حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے ہمراہیوں کی شان میں پہلے سے نازل فرمائی گئی ہے دلیل مطلوب ہے تو سنئے۔ اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو کچھ لوگ مرتد ہو جائیں گے دوسرے یہ کہ ان سے وہ لڑیں گے جو خدا کے پیارے اور ایسے ہوں گے سو آپ ہی فرمائیے کس کے زمانے میں لوگ مرتد ہوئے اور کون ان سے لڑا باقی حضرت ابوبکرؓ کو اگر نعوذ باللہ مرتد کہتے ہو تو یہ فرمائیے بجز کفار ان سے اور کون لڑا حضرت علیؓ لڑے یا حسینؓ لڑے اور اگر آپ کے نزدیک کفار ہی خدا کے پیارے اور موصوف باوصاف مذکورہ ہیں تو مبارکباد ہم ہمارے تم جتنے۔

(خوارج بدعتی تھے)

صاحبو۔ باقی خوارج کو مرتد نہیں کہہ سکتے وہ بدعتی تھے مرتد جب ہوتے جب کہ کلام اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہو جاتے۔ سو کلام اللہ کی نسبت ان کا اعتقاد تو انہیں حدیثوں سے ثابت ہے جن سے ان کی مذمت نکلتی ہے۔ ہاں یہ بات جلدی رہی کہ وہ بدعت کس درجہ کی تھی کفر کے درجہ کو پہنچ گئی تھی یا ابھی بعد اسلام ہی میں تھی بہر حال مرتد ہونا



اور ہے اور بدعتی ہونا اور جیسے شرابی ہونا اور ہے اور زانی ہونا اور ۔ اور اگر بالفرض اس کو ارتداد ہی کہتے ہیں تو وہ ارتداد اس ارتداد کے برابر نہیں اسی لیے خوارج کے قاتل ایسے عظیم المرتبہ نہ ہوں گے جیسے قاتلان مرتدان زمانہ صدیق اکبرؓ اور حق یہ ہے کہ خوارج بدعتی ہیں پر پرے درجے کے بدعتی جیسے شیعہ ویسے ہی خوارج ۔

(شیعہ خارجیوں سے بدتر ہیں)

ہاں بوجہ سب و شتم افضل الصحابہؓ اگر روافض کو خوارج سے بڑھ کیسے تو بجا ہے ۔ چنانچہ حدیثوں میں جو روافض کی مذمتیں ہیں وہ خوارج کی مذمتوں سے بڑھ کر ہیں ۔ ہائے افسوس یہ فرقہ بھی اگر اسی طرح لشکر آرائی کرتا اور صحابہؓ سے برسر پر خاش ہو کر سر قلم کرانا تو کیا اچھا ہوتا ۔ یہ جھگڑا ہی چک جاتا ۔

اب رہی یہ بات کہ ایک جہاد خیر تمام اعمال امت سے بڑھ جائے یا روں کی گھڑی ہوئی بات ہے ۔ حدیث اور کلام اللہ میں اس کا کہیں پتہ نہیں ۔

## جواب ثانی از مولوی عبد الصاحب

(حضرت ابو بکر صدیقؓ کا جہاد و انفاق)

قول اس کا کہ وہ خدا اور رسول کو دوست رکھتے ہیں الخ یہ الفاظ بعینہ اس قوم کے حق میں خداوند تعالیٰ نے فرمائے ہیں جو مرتدین کے مقابلے کے لیے اللہ تعالیٰ قائم کرے گا ۔ قال اللہ تعالیٰ  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ  
عَنْ دِينِهِ فَمَا يَكُنْ لِلَّهِ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ  
يُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى  
الْكَافِرِينَ ۔

(اے ایمان والو اگر تم مرتد ہو جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ اور ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن سے خدا کو محبت ہوگی مومنوں کے سامنے نرم ۔ کافروں کے روبرو بڑے سخت )

۱۔ شیعہ کی معتبر تفسیر مجمع البیان ص ۲۱ میں ہے ۔ ان اوصاف والوں میں کئی اقوال ہیں سب سے پہلا قول یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اور آپ کے ساتھی مراد ہیں جو مرتدوں کے ساتھ لڑے ۔ حسن بصری ۔ قتادہ ۔ ضحاک (شاگردان عبداللہ بن عباسؓ) کی یہی تفسیر ہے

دوسرا قول (مسد دی گا) یہ ہے کہ انصاف میں ابو بکرؓ



لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ  
 وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ  
 أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدِ وَقَاتَلُوا وَلَا وَعْدُ  
 اللَّهُ الْحُسْنَى - (پاؤں محمدیہ ۱)

۱) ترجمہ:۔۔۔ برابر نہیں تم سے وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے  
 اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور جہاد کیا۔ یہ لوگ بڑے ہیں درجے میں  
 ان لوگوں سے جنہوں نے خرچ کیا اس کے بعد اور جہاد کیا

اور اللہ نے ہر ایک کے بھلائی (جنت) کا وعدہ کیا ہے۔

غور کرنے کی جگہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ جس کو صحابہؓ سے اعظم درجہ کا فرمائے اور سلام کہہ کر بھیجے اور رضا جوئی کا طالب ہو اس کا کیا کچھ مرتبہ ہو گا وہ بہت محب و محبوب ہے اور جو کہ اپنے حدیث خندق کی تحریر فرمائی ہے اہل سنت کے کشمکش میں پتہ ہی نہیں ایسے تو بے ٹھکانے



کی بات نہ فرمائیے یہ دین کا مقدمہ ہے۔

## سوال نہم از جانب شیعہ

شیخین یا دیگر صحابہ داخل امت ہیں یا نہیں؟  
جواب سوال نہم بدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم افضل ترین امت محمدی ہیں۔

شیخین اور دیگر صحابہ داخل امت محمدی کیا سر دفتر امت محمدی ہیں اعتبار نہ آئے تو کلام اللہ کی سند لیجئے خداوند کریم سورت تحریم (آیت نمبر ۸) میں فرماتا ہے۔  
يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ۔ اس آیت کے معنی اوپر کے ٹکڑے سمیت یہ ہیں اے ایمان والو! اللہ کی طرف خالص توبہ کرو شاید تمہارے گناہوں کا بھی اللہ کفارہ کر دے اور داخل کر دے تم کو ایسی جنتوں میں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ کس دن جس دن کہ نہ رسوا کرے گا اللہ نبی کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے پھر اس کے بعد اور تعریف فرماتے ہیں مگر ہمیں اختصار منظور ہے مطلب یہ ہے کہ عام مومنوں کو یہ ارشاد ہے کہ اگر توبہ خالص کر کے لاؤ گے تو شاید تم بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ جنتوں میں داخل ہو جاؤ اب دیکھئے الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ کا ترجمہ بھی ہے کہ جو لوگ ایمان لائے نبی کے ساتھ سو تم ہی فرماؤ وہ صحابہ ہیں یا نہیں۔ ہاں اگر فقط اَمَنُوا فرماتے تو یہ بات سب کو عام ہو جاتی مگر اس صورت میں یہ کلام اللہ لغو ہو جاتا۔ اس وقت میں اس مثل کے کیا معنی تھے۔ عام لوگوں کا جو حال ہوگا۔ وہ عام لوگوں کے لیے تو یقینی ہے دو سکر اتنی بات کے لیے اور توبہ کرانے کی کیا ضرورت تھی تیسرے عام لوگوں کو نبی کے ساتھ اتنی مشارکت کی امید کہاں ہے بہت سے نام کے مسلمان اس روز رسوا ہوں گے اور بہت سی رسوائیوں کے بعد کہیں جنت میں جائیں گے۔

بہر حال اَمَنُوا کے مصداق صحابہ کرام نہیں اور وہ بایں وجہ سر دفتر امت ہیں کہ ان کے لیے روز قیامت رسوائی کا اندیشہ نہیں اور دوسروں کو ان کی معیت بشرط توبہ خالص میسر آئے تو آئے ورنہ استحقاق کی تو کوئی صورت نہیں چنانچہ اس لیے عسی کے لفظ کو بیچ میں لائے



ورنہ فقط اس میں کیا کمی تھی کہ یوں فرماتے تُولُّوْا اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا یکفر عنکم سیئاتکم جس سے خواہ مخواہ بھی تاہن بان مشار الیہم ثابت ہو جاتا اور بیچ میں ایک لفظ معنی نہ آتا اور کلام قدیم یوں غیر فصیح و بلیغ مثل کلام احمقان بے عقل نہ ہو جاتا ؟

## جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

جاننا چاہیے کہ قیامت تک جو شخص اتباع کرنے والا طریقہ رسول مقبول کا ہوگا وہ امتی ہوگا چہ جائیکہ صحابہ کرامؓ کہ وہ تو ماسوائے اطاعت خدا اور رسول کے مصاحبہ کا بھی درجہ لے کر کسی نے درجہ صدیقیت اور کسی نے فاروقیت اور کسی نے ذی النوریت اور کسی نے امدیت کا اڑایا علی رغم انوف المخالفین۔

(عشرہ مبشرہ کافکر خیر۔)

ترجمہ یہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 ولس آدمی جنت میں ہیں ابو بکر جنت میں ہیں اور  
 عمر جنت میں ہیں اور عثمان جنت میں ہیں اور علی  
 جنت میں ہیں طلحہ جنت میں ہیں اور زبیر جنت میں ہیں اور عبد الرحمن  
 بن عوف جنت میں ہیں اور سعد بن ابی وقاص جنت  
 میں ہیں اور سعید بن زید بن عمرو جنت میں ہیں اور  
 ابو عبیدہ بن الجراح جنت میں ہیں۔

اَخْرَجَ الْبُؤَيْعِيُّ عَنْ حَدِيثِ قُتَيْبَةَ  
 بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ النُّسْ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ مُحَمَّدٍ  
 عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حُمَيْدٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ  
 عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَةٌ فِي الْجَنَّةِ الْبُؤَيْكِرُ  
 فِي الْجَنَّةِ وَعُمَرُ فِي الْجَنَّةِ وَعُثْمَانُ فِي  
 الْجَنَّةِ وَعَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَطَلْحَةُ فِي  
 الْجَنَّةِ وَالزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ  
 بْنُ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ وَسَعْدُ بْنُ ابِي رِقَابٍ  
 فِي الْجَنَّةِ وَسَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ بْنُ عَمْرِو  
 فِي الْجَنَّةِ وَالْبُؤَيْعِيَّةُ بْنُ الْجَرَّاحِ فِي  
 الْجَنَّةِ۔ (ازالۃ الخفاصہ ج ۱ بحوالہ منہ البوعلی)



( ہر مسلمان امت نبی میں داخل ہے )

یہ سب لوگ عشرہ مبشرہ اور دیگر صحابہ متبعین سنت رسول امین امتی اور جنتی ہیں رضوان اللہ علیہم اجمعین اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے وہ امتی ہیں اور امتی ہونے میں ازواج مطہرات اور دیگر اہل بیت اور صحابہ سب برابر ہیں اور اس کو امت اجابت کہتے ہیں۔ صحاح میں یہ حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت نازل ہونے

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرایئے) سب قریش کو عام خاص کر کے پکارا اور سب سے یہ ہی فرمایا۔

الْقُدُّوْاْ اَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ فَاِنِّیْ لَا اَعْنٰی عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ترجمہ :- اپنی جانوں کو بچاؤ آگ سے میں نہیں بے پروا کر سکتا تم سے اللہ کے معاملے میں اور یہ بعینہ حضرت سید النساء فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابلاغ میں سب برابر ہیں اور خاص کر شیخین کی شان میں تو امام محمد باقر سے صاحب نصوص کی مروایت ہے۔

اِنَّہٗ قَالَ لِحَمَآءَہٖ فَامْسُوْا فِیْ اِلٰی بَکْرٍ وَعُمَرَ وَعُمَانَ لَا تَخْبِرُوْنِیْ هَلْ اَنْتُمْ مِّنَ الْمُهَاجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِہِمُ وَاَمْوَالِہِمُ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَیَنْصُرُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ قَالُوْا قَالَ

ترجمہ :- انہوں نے ایک جماعت سے جو ابو بکر اور عمر اور عثمان کے معاملہ میں کھود کر دیکر رہے تھے کہا بتلاؤ تم مجھ کو تم ہو مہاجرین میں سے جو نکالے گئے اپنے گھروں سے اور جہاز کئے گئے اپنے مالوں سے تلاش کرتے ہیں اللہ کے فضل کی اور خوشنودی

فَاَنْتُمْ مِّنَ الَّذِیْنَ تَبَوُّوْا الدَّارَ وَالْاٰیْمَانَ مِنْ قَبْلِہِمُ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَآجَرَ اِلَیْہِمُ قَالُوْا قَالَ اَمَّا اَنْتُمْ فَفَتَدْبِرُ عُوْا اَنْ تَکُوْنُوْا اَحَدَ هٰذِیْنِ الْفَرِیْقَتَیْنِ وَاَنَا اَشْہَدُ اَنْکُمْ لَسْتُمْ مِّنَ الَّذِیْنَ

کی اور مدد کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی کہا انہوں نے ہم ان میں سے نہیں کہا امام نے تم ان لوگوں میں سے ہو جنہوں نے ٹھکانہ دیا اور ایمان کو اپنے دلوں میں درست رکھتے ہیں ان لوگوں کو جو ان کی طرف ہجرت کر آئے انہوں نے کہا ہم ان



قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِآيَاتِنَا وَلَذِكُمْ جَعَلُ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ (حشر ۱)

میں سے بھی نہیں کہا امام نے تم تو بری ہو چکے ان دونوں فریقوں میں شامل ہونے سے اور میں گواہی دیتا ہوں نہیں ہو تم ان لوگوں میں جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور جو لوگ آویں گے بعد ان کے کہیں گے رب ہمارے بخش دے ہمارے لیے اور ہمارے ان بھائیوں کے لیے جو ایمان میں ہم سے پہلے گذرے اور ہمارے دلوں میں کینہ مت کر ان لوگوں کا جو ایمان لائے بے شک تو مہربان ہے بخشنے والا۔

فائدہ ۱: خیال کرنے کی جگہ ہے کہ امام محمد باقر نے آیات کی سند لاکر شیخین رضی اللہ عنہما کے فضائل ثابت کئے اور تمہارے دلوں میں غل یعنی کینہ ثابت کیا اور آیات بالا کے عدم مصداق ہونے کا خود غم سے اقرار لے لیا اور تمہارے دائرہ اسلام سے خارج ہونے پر گواہ بنے تو اب بتاؤ کہ تمہارا کیا دین و ایمان رہا۔

## سوال دہم از جانب شیخ

شیخین جمیع غزوات نبوی میں ثابت قدم رہے یا کبھی پس پا ہونے کا اتفاق ہوا؟  
جواب سوال دہم و یازدہم

حضرت علیؓ کسی غزوہ میں فرار نہیں ہوئے اور نہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ اہل غرض سائل کو ہم سمجھتے ہیں اس لیے گو وہ صاف نہیں پوچھتا پر ہم صاف جواب دیتے ہیں۔  
سائل حضرت عثمانؓ پر آوازہ کتے ہیں مگر اس یہودہ دست و پازنی سے کیا فائدہ ہوا۔ حقیقت حال ہم سے سنئے۔

جنگ احد میں لشکر طفر پیکر جا بجا معرکہ آرا تھا با مدد خداوندی و ببرکت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آثار فتح نمایاں ہوئے مشرکین بھاگے اہل ایمان نے غنیمت پر ہاتھ مارنا شروع کیا مشرکین نے گمینگاہ سے نکل کر پیچھا لیا، مارا اور شیطان نے با آواز داد اَنَّ مُحَمَّدًا قَتَلَ کُفْرًا سَنَاءً



جس کا ترجمہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مائے گئے۔ ادھر تو سر پر وہ بلائے ناگہانی ادھر یہ صدمہ جانی اس بیتابی میں معرکہ آرائی بے حاصل نظر آئی۔ مصرعہ۔

جس کے ہم عاشق ہوئے تھے اب وہ جاناں ہی نہیں

اس رنج و غم میں خادمان دور آفتادہ کا پاؤں اکھڑ گیا اور نہ اکھڑتا تو ان کی محبت پر تھف اور ان کی جانبازی پر صرف تھا اگر وہیں جب رہتے تو ہم جانتے کہ ان کو صدمہ ہی نہ تھا۔ غرض وہ ایمان دار تھے ایمان داروں کو یہ صدمہ ایسا ہی ہونا چاہیے جیسا ان کو ہوا پر بے ایمانوں کو محبت کی کیا قدر محبت نبوی ہوئی ہو تو جانیں۔ بہر حال جو لوگ دیدار مبارک سے مشرف تھے جسے حضرت علیؓ ابو بکر حضرت عمرؓ ان کے دل ٹھکانے تھے اور جو لوگ دور کے مود چوں پر تھے اس خبر پر شربا سے بیہوش ہو کر افغاں و غزراں مدینہ کی طرف رواں ہوئے ان میں ایک حضرت عثمانؓ بھی تھے۔ (اللہ نے تو معاف کر دیا پیغمبر نے نہ کیا۔)

پر چونکہ یہ حرکت قابلِ ترحم اور لائقِ قدر شناسی تھی نہ موجبِ عتاب سرزنش۔ خداوند کریم نے اس ظاہری خطا سے درگزر فرمایا اور تبرکین یہ ارشاد فرمایا۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَفَى الْجَمْعِ  
إِنَّكُمْ اسْتَزَلُّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا  
كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ  
عَفُورٌ حَلِيمٌ (پ ۷ ع ۷)

پر اس کو کیا کیجے حضراتِ شیعہ خدا کی بھی نہیں سنتے خیر وہ نہیں سنتے تو اہل ایمان تو ان (شیعہ) کی نہ سنیں ورنہ اللہ سے لڑائی ٹھہری وہ معاف کئے جائیں تم نہیں کرتے۔ صاحب اور صاحب ہوتے کون ہیں۔ خدا نہیں خدا کے بیٹے پوتے بھائی بزرگ نہیں ایک راندہ درگاہ حق ہیں جو الٹی ہی بکے جاتے ہیں اور خدا سے نہیں شرماتے بالکل نہ یہ قصور حقیقت میں قصور ہے نہ یہ خطا حقیقت میں خطایوں خدا کے سامنے ہماری عبادت بھی خطا ہے نہ اس سے کوئی فضیلت ہاتھ سے جاتی ہے نہ لیاقت خلافت میں بٹا لگتا ہے ورنہ ہم تو نہیں کہتے حضرت یونس علیہ السلام جو بے وجہ بھاگ گئے ان کی شان میں حضراتِ شیعہ شاید



اور بھی کچھ زیادہ کہیں اور منصب نبوت سے معزول فرمائیں کوئی پوچھے کہ خدا کا واسطہ نبوت تو اتنی باتوں سے ہاتھ سے نہ جائے اور خلافت کی لیاقت چھن جائے فقط۔

## جواب ثانی از جانب مولوی عبد الصاحب

(حنین میں ثابت قدم صحابہؓ)

حنین کسی غزوہ میں لپا نہیں ہوئے سب غزوات میں ثابت قدم ہے یہ اشاعت دین ان کی ثابت قدمی کا ثمرہ ہے کہ بعد فتح ملک عرب ملک شام و روم و ایران و توران میں اسلام شائع ہوا اور مسلمان ان ملکوں کے عمدہ نشان ہیں غزوہ احد اور حنین میں اہل صغیر مسلمین کے قدم اٹھ گئے تھے پر اکثر صحابہؓ خاص کر حنین نے میدان جنگ نہیں چھوڑا اور شمشیر زنی سے منہ نہیں موڑا اور بے ترتیبی صفوں کے ہو جانے سے بھاگنا نہیں کہلاتا چنانچہ حنین میں یہی واقعہ ہوا کیونکہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ و حضرت ابن مسعودؓ و حضرت علیؓ و حضرت عباسؓ و حضرت ابوسفیانؓ بن الحارث و حضرت ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب و حضرت عقیل بن ابی طالب و دیگر اہل بیت اس جگہ موجود تھے حضرت عباسؓ رکاب راست تھامے ہوئے تھے۔ اور حضرت ابوسفیانؓ رکاب چپ یا حضرت ابوسفیانؓ باگ بگال کی تھامے ہوئے تھے اور یہ سب لوگ دائیں بائیں موجود تھے چونکہ اس غزوہ میں صحابہؓ نے اپنی کثرت اور کفار کی قلت دیکھ کر خیال کیا تھا کہ ان کو طرفۃ العین میں ہزیمت دے دیں گے۔ اپنی کثرت دیکھ کر استمداد خداوند کریم سے غفلت ہوئی اللہ تعالیٰ کو یہ تغافل پسند نہ آیا اور ان کے متنبہ کرنے کے لیے قدرے تزلزل اور تفرق ڈال دیا جب اس غفلت سے ہوشیار ہو گئے۔ حضرت عباسؓ کے پکارتے کی آواز سے بیک بیک کہتے ہوئے بجانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوڑے اور کفار کو زیر و زبر کر دیا۔

لے شیخ تفسیر مجمع البیان میں ثَمَّ اَنْزَلَ اللَّهُ سَيِّئَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ (پھر اللہ نے رحمت و تسلی اتاری اپنے رسول پر اور مومنین پر) کے معلق میں لکھا ہے حِينَ رَجَعْنَا إِلَيْهِ وَقَاتَلُوهُ يَعْنِي اللَّهُ رَجَعْنَا إِلَى رَسُولِهِ وَرَجَعْنَا إِلَى رَسُولِهِ (معاذ اللہ) اور ان جنگ کی معلوم ہوا کہ ایسے صاب کیونہ مہول کو ہلا گئے کا طعن و مذاق ان کا انکار اور اپنے ایمان کا خاتمہ کرنا ہے (معاذ اللہ) ۱۲



اللہ تعالیٰ نے مدد بھیجی جیسا کہ کلام میں مذکور ہے۔ ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی بہت سی جگہ  
لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ اور جنین کے دن جب کہ خوش کیا تم کو تمہارے زیادہ ہونے  
وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَوْ  
تَفَنَّيْنَا عَنْكُمْ شَيْئًا

ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ پھر اللہ نے ٹھنڈک اتاری اپنے رسول پر اور سب  
وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا مومنوں پر اور اتارا ایسا لشکر جس کو تم نے نہیں دیکھا۔  
(توبہ ۴۷)

فائدہ (برائے ازالہ طعن) خیال کی جا ہے کہ جب خداوند کریم کو صحابہ کرام کی اتنی بھی غفلت گوارا نہ  
ہو تو حضرات شیعہ ان کو کفر و فسق کی کس مزے سے تہمت لگاتے ہیں چاند پر خاک ڈالے سے کیا ہونا  
ہے آپ ہی غبار سے اڑھے بنتے ہیں۔ اور اگر یہ اعتراض اشارہ حضرت عثمان کی طرف ہے تو  
بڑی ہی حماقت ہے، سلنا اگرچہ ان سے خطا صادر ہی ہوئی کیا حرج ہے۔ ہم امام کی معصومیت  
کے قائل نہیں جو تم و ندان اعتراض تو کرو بلکہ ہم نہایت خلیفہ کے ان شرط کے قائل ہیں۔ مسلم  
عمر۔ مذکر۔ عاقل بالغ قریشی۔ قادر براجماء علوم و دینیہ و اقامت ارکان اسلام و امر بالمعروف و نہی  
منکر و قیام امر جہاد و قضا و اقامت حدود۔ علاوہ بریں جب اللہ تعالیٰ کے یہاں سے ان کی  
معافی ہو گئی پھر کیا جھگڑا باقی رہ گیا اور نیز تائب بھی مثل بے گناہ کے ہوتا ہے۔ التائب من  
الذنب کمن لا ذنب له (گناہوں سے تائب اس شخص کی طرح ہے جس نے گناہ نہ کیا۔)  
ومن تاب وعمل صالحا فانه يتوب الى الله متابا (جو توبہ کرے اور اچھے عمل کرے  
وہ اللہ کی طرف لوٹ رہا ہے) سے واضح ہے جب کہ ہمارے نزدیک امامت کے واسطے  
معصومیت کی شرط نہیں اس لیے گناہ عثمانی موجب عدم قابلیت خلافت نہ ہوا لیکن بمقابلہ  
حضرت امیر معاویہ و یزید کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ و حضرت حسن بن ترک فرض عین کرنے  
سے حسب ظنون شیعہ کے قابل عمدہ امامت نہ ہے اس بات کا کیا علاج کریں گے۔  
کس مزے سے ان کو قابل امامت کہتے ہیں اور دوسروں کی عدم قابلیت منہ پر لاتے ہیں۔



# سوال یازدہم از جانب شیعہ

حضرت علیؑ بھی کسی غزوہ میں پس پالعی فرار ہوئے یا نہیں۔

جواب از جانب مولوی عبداللہ صاحب

حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کسی غزوہ میں فرار نہیں ہوئے وہ کیوں فرار ہوتے وہ تو اسد اللہ الغالب تھے اپنا یہ مذہب نہیں کہ خواہ مخواہ کسی کو برا کہیں خصوصاً ایسے اکابر کو نعوذ باللہ منہا۔ یہ کمال حضرات شیعہ ہی میں ہے کہ نہ ہونی بات کو اپنے عقیدہ فاسد کی تائید کے لیے جس طرح چاہیں بنالیں۔

(ثابت قدمی کی فضیلت سنی مذہب میں ہے شیعہ میں نہیں)

ہمارے ظنون و کتب کے بموجب تو جان بازی کے معرکوں میں استقامت کرنا حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ و خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت ہے۔ پر روایت کلینی و دیگر کتب معتبرہ شیعہ کے بموجب کہ ائمہ اپنی موت و حیات پر قادر ہیں پھر حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کی فضیلت ثابت نہ ہوگی اور خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت ثابت ہو جائے گی کیونکہ ان کو شیعہ امام ہی نہیں جانتے۔ باوصف حسب ظنون شیعہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم نہ تھے اور بایں جنت اپنی موت و حیات پر قادر نہ تھے پھر جانبازی کی لڑائیاں لڑتے تھے کس قدر مطیع حکم خدا و رسول تھے اسی واسطے آیت اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنْ لَّهُمُ الْجَنَّةَ۔ (ترجمہ :- بیشک اللہ نے مومنوں کے مالوں اور جانوں کو جنت کے بدلے میں خرید لیا۔)

(پ ۳۷) کے مصداق تھے

(ایک شبہ کا ازالہ)

اور اگر حضرات شیعہ اپنے خیال خام کے یعنی ائمہ کے موت و حیات پر قادر ہونے پر اسی آیت سے استدلال پکڑیں اس طرح کہ بیع و شراء اپنی ہی ملک میں جاری ہوا کرتی ہے دوسرے کی ملک میں نہیں ہوتی بے شک ہم بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں پر اول تو ہم یہ کہتے ہیں کہ خداوند کریم نے مومنین کا لفظ فرمایا اور یہ وصف قرار دیا یقاتلون فی سبیل اللہ تو



سوال دوازدهم <sup>۱۲</sup>بیرم <sup>۱۳</sup>از جانب شیعه (بحث فک)

جواب سوال دوازدهم و سیزدهم

(حضرت صدیق حدیث "صدقہ ترکہ" کی وجہ سے معذور تھے)

[illegible]



عخصہ ہوئیں اہل سنت تو ان کے عخصہ ہونے کے قائل ہی نہیں ہاں جیسے دوستوں میں کچھ بحث و تکرار معمولی دیکھ کر بعض سادہ لوح یوں سمجھ جاتے ہیں کہ ان میں آپس میں رنج ہو گیا ۔ سوال مذکور کے بعد جو حضرت فاطمہؓ بوجہ ندامت طلب ناحق شرمندہ ہوئیں اور آمد و شد کم اور ربط و ضبط سابق کم ہو گیا ۔ ادھر حضرت ابو بکر صدیقؓ بوجہ کمال نیاز مندی در دولت پر حاضر ہوئے اور اس احتمال پر کہ آپؐ بخا ہی ہو گئی ہیں جو وہ بات نہ رہی عذر مغذرت کی عفو تقصیر چاہا وہاں رنج ہی کیا تھا جو جھگڑا پھیلتا راضی رضا ہو کر اپنے گھر کو چلے آئے اس قصہ کو ظاہر بینوں نے رنج پر محمول کیا حقیقت شناسان دانشمند نے اس طرف ندامت مذکور کا خیال کیا اس طرف احتیاط اور ادب نبوی کا احتمال جمایا سو آپؐ ہی فرمائیے کہ اس صورت میں طرفین کا کیا قصور رہا حضرت فاطمہؓ زہرہؓ کا بوجہ علمی قدک کا سوال کر لینا کیا برا ہے ہاں بعد طلب البتہ ندامت عمدہ اوصاف میں سے ہے جو سوا اہل کمال اور کسی سے متصور نہیں ادھر حضرت ابو بکرؓ نے ادب اور احتیاط فرمائی یہ بے جا کیا یا یہ بے جا تھا کہ ویسے ہی اپنے غرور افضلیت اور نخوت خلافت میں پڑے رہتے اور خبر نہ لیتے یہ حال یہ بات اچھی ہے جس میں ممدوح خدا یعنی ابو بکر صدیقؓ پر بھی صرف نہ آیا اور جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تعریف نکل آئی یا یہ کہ ان پر ظلم کا داغ لگے جس سے اتمام کار لغو ذلالت فہم و فراست خداوندی کو بٹا گئے ۔ اور ان پر حُپ دنیا کا احتمال ہو جس سے سیدۃ النساء ہونے میں شک و شبہ پیدا ہو ۔

(مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

اور اگر یہ عذر ہے کہ حدیث مذکور غلط ہے تو یہ دوسرا اعتراض ہے بلکہ اس صورت میں یہ اعتراض بھی اس حدیث کے غلط ہونے ہی پر موقوف ہو گا سو پہلے اس کو غلط ٹھہرائیں جب کہیں اس بات کے لیے منہ پھیلایں ۔

مگر یہ یاد ہے کہ حدیث مذکور غلط ہو جائے گی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حیات النبی ہونا اور قبر میں اسی بدن سے زندہ ہونا پہلے غلط ہو گا سو تم ہی کہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سی قدردانی ہے کہ جیسے اور شیعہ مرکز ناپاک ہو جاتے ہیں اور پھر طعمہ مور و مار بن جاتے ہیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسے ہی جسم بے جان ہو گئے ؟ اور جیسے اور اینٹ



پتھر ہیں آپ کا بدن بھی بے جان ہو گیا۔ ہمارا تو ٹھنڈا ہے کہ آپ کی حیات زیر پردہ موت  
 اسی طرح مستور ہے جیسے چراغ کو ہنڈیا میں رکھ کر سر پوش ڈھک دیجئے یہ نہیں کہ جیسے چراغ  
 روشن ہنڈیا میں ہو یا ہنڈیا کے باہر اس کے روشن ہونے میں کچھ کلام نہیں بلکہ ہنڈیا میں ہو تو  
 نور منتشر اکٹھا ہو جاتا ہے اور اس کے اندر ہی سما جاتا ہے جس سے بہ نسبت سابق ہم تو زیادہ  
 سمجھتے ہیں آپ اپنی کہئے آپ کیا سمجھتے ہیں۔

بہر حال ہمارے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں زندہ ہیں اس لیے  
 آپ کے مال میں میراث جاری نہیں ہو سکتی۔

(حضرت فاطمہؓ کا سوال بے خبری سے تھا)

ہاں حضرت فاطمہؓ کو اس (حدیث ماترکتا صدقہ) کی خبر نہ تھی بوجہ غلطی اول بار طلب  
 فدک میں قدم بڑھایا جب معلوم ہوا اور حضرت علیؓ و حضرت عباسؓ نے بھی گواہی دی چپ ہو  
 رہیں اور پھر اس بات میں کلام نہ کی سو یہی حدیثوں میں موجود ہے کہ مرتے دم تک پھر گفتگو نہ آئی  
 جس کو حضرات شیعہ نے موافق مثل مشہور کے جو کہ کو دو اور دو چار روٹیاں ہی نظر آتی ہیں ترک  
 کلام پر محمول کیا اور یہ نہ سمجھا کہ اس صورت میں فقط مدوح خدا یعنی صدیق اکبرؓ ہی کو عیب نہیں  
 لگتا بلکہ خدا تک اور ادھر حضرت فاطمہؓ تک پہنچتا ہے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کا اس  
 حدیث پر گواہی دینا بجایا ہے اور مسلم میں موجود ہے اور حضرت فاطمہؓ کے غلط سمجھ جانے سے  
 گھبراتے ہو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضرؑ کا قصہ پہلے ہی پیش کر چکا ہوں۔  
 اس سے نبیوں کا غلط سمجھ جانا ثابت ہوتا ہے حضرت فاطمہؓ تو ولی ہیں بالجملہ حضرت  
 ابوبکر صدیقؓ پر کوئی اعتراض ممکن نہیں حدیث مذکور غلط کہو گے تو بہت سے ارکان دین  
 ڈھانے پڑیں گے۔

(حدیث مَنْ اَغْضَبَهَا كَاثِرَانِ مَرُوحَتِ عَلِيٍّ كَيْفَ هِيَ)

اب رہی بات کہ اگر حضرات شیعہ کا مسلک اختیار کیجئے تو البتہ حضرت علیؓ  
 تک یہ اعتراض جاتا ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے ابوبکرؓ کی بیٹی  
 سے نکاح کا ارادہ کیا تھا حضرت فاطمہؓ نے حضرت علیؓ سے یہاں سے نکاح کیا تھا حضرت علیؓ نے ابوبکرؓ کی بیٹی  
 سے نکاح کا ارادہ کیا تھا حضرت فاطمہؓ نے حضرت علیؓ سے یہاں سے نکاح کیا تھا حضرت علیؓ نے ابوبکرؓ کی بیٹی



فرمانی اس پر آپ نے خطبہ فرمایا اور یہ ارشاد کیا۔

فَالْهَمَّةُ بِضَعَةٍ مِّنِّي مِّنْ أَعْضِبِهِمَا  
فَقَدْ أَعْضِبَنِي

(فاطمہ میرے بدن کا حصہ ہے جس نے اسے ناراض  
کیا اس نے مجھے ناراض کیا)

کیا اس نے مجھے ناراض کیا،

اب فرمایئے یہ کس کو سناتے ہیں ابو بکر صدیقؓ کو یا حضرت علیؓ کو پھر ابو بکر کے پاس ارشاد نبوی ﷺ لا نورث ما ترکناہ صدقۃ کا بھی سہارا تھا حضرت علیؓ کو ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کے لیے کس نے کہا تھا علاوہ بریں بارہا معاملات خانگی ہیں باہم رنج کا اتفاق ہوتا تھا چنانچہ جس روز لقب ابو تراب کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو شرف فرمایا اس روز بھی رنج باہمی کے باعث حضرت امیر خفا ہو کر مسجد میں آ لیٹے تھے۔

جواب سوال سینر دہم ۱۳

نبی کی عدول حکمی کو کون نہیں جانتا کہ بُری ہے اگر بطور مقابلہ ہو تو کفر ہے اور بطور دیگر،  
دیگر ہے تو فسق پر سجدہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً چار یا ر اور عشرہ مبشرہ وغیرہ مشاہیر صحابہ میں  
سے کوئی شخص اس ہنڈیا میں مبتلا نہیں ہوا بلکہ بطور شیعہ البتہ کسی قدر الزام حضرت امیر کو لگ  
سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات تہجد کے لیے حضرت امیر کو اٹھایا  
حضرت نے جواب دیا پر مخالفت طبع نبوی دیا عرض کیا جب خدا کو منظور ہوگا ہم کو بھی  
اٹھیں گے ابھی نہیں اٹھتے سو آپ ناچار یہ کہتے ہوئے چلے آئے۔ وَكَانَ الْاِنْشَانُ  
اَكْثَرُ شَيْءٍ جَدًّا يَعْنِي النَّاسَ بَعْدَ رَجُلٍ۔ (بخاری ص ۱۱۲۲ ن ۱۹۳)

(قصہ قرطاس میں حکم عدولی نہیں)

باقی حضرت عمرؓ کی طرف اگر عنایت ہوئی ہے اور اس پیرایہ میں کچھ قصہ قرطاس  
 کے اشائے کنائے تو اس کا مفصل جواب تو آپ ہدیۃ الشیعہ میں ملاحظہ فرمائیں آیت  
 وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ کے ذیل میں بحث مفصل مرقوم ہے یہ پر وار مردان خالی  
 نرود یہاں بھی کچھ بالا جمال سن لیجئے۔

مشورہ دینے کو عدول حکمی کہنا انہیں کا کام ہے جن کو سر و دم کی تمیز نہ ہو۔ رہی یہ بات کہ حکم معلوم مشورہ طلب تھا یا نہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات میں



بھی گنجائش مشورہ ہے یا نہیں۔ سواؤل کا جواب تو یہ ہے کہ بشادت آیت الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ بہ وزجۃ الوداع نازل ہو چکی تھی۔ دین میں تو کمی اور کسر باقی ہی نہ تھی جو اس حکم کو (نیا) حکم خداوندی تصور فرمائیں اور یوں کہیں کہ حکم قابل مشورہ نہ تھا۔ اور دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ قابل مشورہ ہونا تو درکنار خدا تعالیٰ کی طرف ارشاد ہے وَشَاوِدْهُمْ فِي الْقَدْرِ یعنی مشورہ کر لیا کر دے محمد صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ سے اور یہی وجہ ہوئی کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ تحریر حکم معلوم تا وقت وفات کچھ نہ فرمایا ورنہ حکم خدا ہوتا تو ہم تو نہیں کہہ سکتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ خدا کی عدول حکمی کا شیعوں کو منسوب کرنا پڑے گا۔ بالجلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے بھی پسند خاطر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہوئی اور امر قوموا حضرت عمرؓ کی نسبت نہ تھا بلکہ اوروں کے اختلاف کے باعث تھا جو زور و بدل ہوئی اور جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ تو آپ نے یہ ارشاد فرمایا۔ اور اکثر شیعہ اس پر بھی نہیں مانتے تو یہ کہنا ہی پڑے گا کہ حضرت عمرؓ کی یہ رائے بھی اور رالیوں کی مانند خدا کو منظور ہوئی ورنہ حضرت عمرؓ بندہ تھے خدا نہ تھے اور تعوذ باللہ شیعوں کے (اعتقاد میں) خدا ہی تھے چنانچہ شیرینہ س کا ان سے ڈر کہ لقیہ کرنا کچھ اسی کا پتہ دیتا ہے تو (ہماری اعتقاد میں) خدا سے بڑے نہ تھے چھوٹے تھے مگر رومی ہوتی اور تاکید فرماتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں نہ جانے دیتے۔ لیکن کوئی صاحب انصاف کہیں کہ حضرت علیؓ کے جواب میں تاویل مشورہ کی گنجائش نہیں ورنہ آپؓ یہ نہ فرماتے وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرُ شَيْئٍ حَبْدًا تَبَّ يَهَاتُ كَوْنِي مَشُورَةً طَلَبْتُ كَهْتِي اس کی بھلائی برائی کو کون نہیں جانتا۔

(دوبارہ نہ لکھوانے کے مصلح)

ہاں کتاب معلوم کے لکھوانے میں یہ احتمال تھا کہ کلام اللہ کی نسبت پھر یہ اعتقاد نہ ہے گا۔ جیسا خود فرماتے ہیں وَذَرَّأْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَبْدِيْنَا لِكُلِّ شَيْءٍ جَسَ كَا حَالِ یہ ہے کہ اتاری ہم نے تیری طرف وہ کتاب جس میں ہر چیز کا بیان ہے ادھر پہلے فرما چکے۔ اِلٰی تَارِكُ فِیْكُمْ الثَّقَلَيْنِ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِي۔

لے حدیث ثقلین مسلم ص ۲۶۹ میں ہے اس کو تین حضرات تابعین یزید بن حیان۔ حصین بن سبرہ عمر بن مسلم بقیہ مشیہ ضالچہ



جس کا حاصل یہ ہے کہ میں تم میں کتاب اللہ اور عترت کو چھوڑے جاتا ہوں اگر دونوں کو بچٹے رہو گے تو گمراہ نہ ہو گے۔ سواب وہ تیسری چیز تھی تو کتاب اللہ کا تبیان لکھ لکھنا اور یقین کا مایہ ہدایت ہونا دونوں غلط ہو جائیں گے اور اگر انہی دونوں کی تائید تھی تو اب ہی کیا کھی رہ گئی باقی شرح حدیث ثقلین زیادہ مطلوب ہو تو جواب سوم منجملہ جوابات اربعہ مشار الیہا کو ملاحظہ فرما دیجھیں۔

**بقیہ حاشیہ :-** روایت کرتے ہیں۔ اس کی ایک سند ابی حیان عن یزید بن حیان ہے۔ دوسری سند محمد بن فضل عن ابی حیان عن یزید بن حیان۔ تیسری سند جبریر عن ابی حیان اور چوتھی سند سعید بن مسروق عن یزید بن حیان ہے۔ یہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچتے ہیں۔ حصین بن سبرہ۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ صحابی سے کہتے ہیں کہ زید اپنے بہت بھلائی پائی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے آپ سے احادیث سنی ہیں آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے ہیں آپ کی اقتدار میں نمازیں پڑھی ہیں بے شک آپ نے خیر کثیر حاصل کیا ہے۔ اے زید آپ ہمیں حضور کی کوئی حدیث سنائیں جو آپ نے حضور سے سنی ہو؟ زید نے کہا اے بھتیجے بخدا میری عمر زیادہ ہو گئی ہے اور حضور کے ساتھ جو میرا زمانہ تھا وہ پرانا ہو چکا ہے۔ اور بعض باتیں جو میں حضور سے یاد رکھتا تھا وہ بھول گیا ہوں۔ اب میں جو بات بیان کروں اس کو قبول کرو اور جو نہ بیان کروں اس کی مجھے تکلیف نہ دو۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ جو بات مجھے محفوظ ہوگی میں اس کو بیان کروں گا اور جو بات مجھے محفوظ نہ ہوگی میں اس کو بیان نہ کروں گا۔ پھر انہوں نے حدیث ثقلین بیان کی جو انہیں یاد تھی۔ فافہم، پھر حضرت زید نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام میں جس کو خم کہتے ہیں کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنائیاں کی وعظ و نصیحت فرمائی پھر آپ نے فرمایا۔ اما بعد اے لوگو بے شک میں انسان ہوں قریب کے میرے پاس میرے رب کا قاصد آجائے اور میں اس کی بات کو قبول کروں (یعنی عالم آب و گل سے چلا جاؤں) اور میں تمہارے درمیان دو وزنی چیزیں چھوڑ چلا ہوں ان میں پہلی چیز اللہ کی کتاب ہے (قرآن کریم) اس میں ہدایت اور نور ہے۔ پس اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بارے میں آپ نے براہِ گنجہ کیا اور تم غیب دلائی۔ پھر فرمایا (یعنی دوسری وزنی چیز) کہ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں اللہ تعالیٰ کو یاد دلاتا ہوں یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی۔ حصین نے کہا اے زید حضور کے اہل بیت کون ہیں کیا آپ کی بیویاں اہل بیت نہیں؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں، تو اہل بیت ہیں لیکن آپ کے اہل بیت (باقی ص ۱۱)



(حبنا کتاب اللہ سے حضرت عمرؓ کا مقصد تکلیف کتابت بچانا تھا)

اور اگر حضرت عمرؓ کی اس عرض کو کہ حبنا کتاب اللہ جس کو شیعہ عدول حکمی سمجھتے ہیں ممانعت تکلیف سمجھی جائے اور اہل عقل یہی سمجھتے ہیں تو پھر اعتراض کی یہ بات اور قابل تعریف ہو جائیگی بلکہ جن لوگوں نے آپ کی اس تکلیف کو اور وہ بھی اس شدت مرض میں باوجودیکہ کتاب اللہ بقیہ حاشیا۔ وہ ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے حصین نے کہا وہ کون ہیں؟ زید نے کہا وہ آل علی۔ آل عقیل آل جعفر آل عباس ہیں۔ حصین نے کہا کیا ان سب پر صدقہ حرام ہے؟ زید نے کہا کہ ہاں۔ جریر کی روایت میں کتاب اللہ کے بارے میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ اس میں ہدایت اور نور ہے جس نے اس سے تمسک کیا وہ ہدایت پر ہوگا اور جو اس سے چوک گیا وہ گمراہ ہوگا۔ اور سعید کی روایت میں یہ بھی ہے کہ سنو! میں تمہارے درمیان دو وزنی چیزیں چھوڑ چلا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب ہے یہ جل اللہ ہے جس نے اس کا اتباع کیا وہ ہدایت پر ہوگا اور جس نے اس کو ترک کر دیا وہ گمراہی پر ہوگا۔ اور اس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ہم نے زید بن ارقم سے کہا۔ آپ کے اہل بیت کون ہیں آپ کی ازواج؟ زید نے کہا کہ نہیں۔ بخدا عورت ایک زمانہ تک مرد کے پاس ہوتی ہے پھر مرد اس کو طلاق دے دیتا ہے اور وہ اپنے خاندان اور قوم کی طرف واپس لوٹ جاتی ہے۔ درحقیقت آپ کے اہل بیت آپ کے اصل اقرباء اور آپ کا عصبہ ہے جن پر صدقہ حرام ہے، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حصین بن سیرہ وغیرہ کو اصرار تھا کہ آپ کے اہل بیت صرف آپ کی ازواج ہی ہیں تو زید نے ان کا انکار کیا کہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج بے شک اہل بیت ہیں لیکن اہل بیت صرف یہ ہی نہیں بلکہ آپ کا عصبہ اور خاندان کے لوگ بھی اہل بیت ہیں تم صرف عورتوں میں ہی اہل بیت کو بند کرتے ہو یہ درست نہیں۔ عورتوں کا اہل بیت ہونا تو منفک بھی ہو سکتا ہے۔ اور عصبہ کا اہل بیت ہونا غیر منفک ہے حضور کی نسا۔ تو نص قرآنی سے اہل بیت میں داخل ہیں لیکن اہل بیت ہونا صرف ان میں ہی منحصر نہیں دوسری روایت میں زید کا انکار سائل کے اصرار کے مقابلہ میں ہے جو صرف نسا کے اندر ہی اہل بیت کو منحصر مانتا ہے اب یہ بات کہ موطا کی روایت یا دوسری روایات میں دو وزنی چیزیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا گیا ہے۔ ان میں اور مسلم کی اس روایت میں بظاہر تعارض سا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حدیث کی تاویل توجیہ اور اس کا مفہوم معلوم کر لینے کے بعد یہ تعارض نہیں رہتا۔ کتاب اللہ کے ساتھ سنت کا ذکر اور اہل بیت کا ذکر اس میں تعارض نہیں۔ کیونکہ کتاب اللہ کو قانون کی اساسی حیثیت حاصل ہے۔ سنت رسول اللہ دراصل کتاب اللہ کی شرح ہے جیسا کہ امام شافعیؒ امام ابن تیمیہؒ شاہ ولی اللہؒ مولانا گنگوہیؒ اور دیگر محققین محدثین نے بیان کیا، باقی صفحہ ۱۱۲



موجود اہل بیت موجود کسی اور ہدایت نامہ کی حاجت نہیں گوارا کیا البتہ ان کو کچھ کہا جائے تو کہا جائے  
 پر ہمارا یہ مشرب نہیں ہمارے نزدیک مشورت میں کبھی صحت کبھی غلطی ہوتی رہتی ہے ہاں حضرات  
 شیعہ برا کہیں تو کہیں پر انہیں بڑا کہیں گے تو حضرت عمرؓ کو بھلا کہتا بھی ذمہ ہے گا۔ ادا کریں تو  
 فحشا ورنہ قیامت کو دیندار رہیں گے۔

باقی حضرت عمرؓ کے حسبنا کہنے سے جس کے یہ معنی ہیں کہ ہمیں کتاب اللہ ہی کافی ہے یہ  
 سمجھ لینا کہ حضرت عمرؓ نے عترت کو جواب دیا یہ بھی طرفہ خوش فہمی ہے اجماعی صاحب! اگر کوئی  
 میزبان کسی مہمان کے سامنے دو چار روٹیاں رکھ کر اور روٹی لینے جائے اور وہ مہمان یہ کہے کہ بس  
 یہی بہت ہیں تو عاقل کے نزدیک تو اس کے یہی معنی ہیں کہ اور روٹی کی ضرورت نہیں۔ پانی  
 کا انکار اس سے نہیں نکلتا۔ ہاں یہ قوفوں کی زبان اور اصطلاح میں اگر اس کے یہی معنی ہوں  
 تو ہوں اور اگر کسی اور بات پر یہ ناک منہ چڑھایا جاتا ہے تو اس کو اوّل بیان کریں ورنہ ہمارا  
 کیا قصور؟ بایں ہمہ جواب اجمال جو اوّل معروض ہو چکا گفتہ ناگفتہ سب اعتراضوں کے بدلے  
 دندان شکنی کے لیے کافی ہے۔

### جواب سوال سینر دہم ۱۳

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی اگر بطور مقابلہ و انکار ہے تو ہمیشہ کے لیے جہنم میں جہنا

بقیہ حاشیہ :- اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تو شرح قرآن ہے اس کو معلوم کرنے کے لیے تمام  
 بعد میں آنے والی امت کے لیے خلفاء راشدینؓ اور تمام صحابہ کرامؓ ہیں بالعموم جس پر حدیث علیکم سنتی و سنتہ الخلفاء  
 الراشدین المہدین اور مانا علیہ و اصحابی و آل ہے لیکن اس کے ذرائع میں سب سے اہم اور قریبی ذرائع آپ کے اہل بیت ہیں۔ جیسا کہ وتر کی  
 روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کو تمام اہل ارض میں عائشہؓ سے بڑھ کر کوئی جاننے والا نہیں تو اہل بیت کا قرب اور تعلق اور شاہدہ جو  
 دوسروں سے زیادہ ان کو حاصل تھا اسکی بنا پر سنت کا معلوم کرنا بہت سے دوسرے لوگوں کی نسبت اہل بیت ہی زیادہ ہیں تو آپ کے مقام میں شرح قرآن  
 یعنی سنت کا ذکر کیا ہے اور کسی مقام میں شارحین سنت کا اطلاق کیا ہے (اہل بیت کا) دونوں کا مطلب ایک دوسرے کے ساتھ مطابق ہے اس میں تعارض نہیں ہے  
 اور اسی پر بن تفرقہ کی روایت بھی زیادہ چہاں معلوم ہوتی ہے کہ قرآن اور شارحین قرآن دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونگے۔ یہاں تک کہ حوض کوثر  
 کی منزل آجائے یعنی قیامت برپا ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

عبدالحکیم سواتی عن اللہ عنہ



ہے ورنہ خدا کو اختیار ہے چاہے بخشے چاہے چھوڑے باقی اس پر سوال سے غرض اصلی جو ہے اس کی جڑ پہلے جواب میں کٹ چکی ہے مگر تیشہ زنی کا دماغ نہیں۔

## جواب ثانی از طرف مولوی عبداللہ صاحب

(اطاعتِ حکم کی کئی صورتیں ہیں)

نبی کو غصہ دلانا بہت بُرا ہے اور نافرمان کا ماؤنی جہنم ہے۔ مگر ماننا چاہیے کہ دربابِ امتثال امر قاعدہ اصول کا یہ ہے کہ جیسا امر ہو ویسا ہی اس کا امتثال کبھی تو امر و جوہ کے لیے ہوتا ہے جیسے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَآتُوا الزَّکٰوٰۃَ اور کبھی نبی بصورتِ امر ہوتی ہے اس کا عدم امتثال بہتر ہے اور کبھی تو امر شفقتِ رحمت کا ہوتا ہے اس کا بھی امتثال و جوہی نہیں جیسا کہ کھانے میں مکھی گھسنے کے باب میں فَمَنْ مَّقْلُوۃً وَّرُوۡبُوۡکُمْ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا غَرَضِکُمْ اَیۡکُمْ اَمْرًا دُوۡسَرًا مِّنۡ سِوَاہِیۡ بِہِیۡ فَفَرَّقَ بَیۡنَہُمَا اللّٰہُ کَرِیۡمٌ اَمْرًا مَّا لَیۡسَ۔

ترجمہ (جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر ہو جائے)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ظاہر ہے کہ یہ الفاظ امر کے ہیں اور مراد امتثال امر نہیں۔ باعتبارِ صیغہ کے امر اور بدلتِ حال کے ہوتے ہیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکمِ آیت و مشاورتِ امیر کے حضرت کی خدمت میں اپنی رائے ظاہر کرنے کی اجازت تھی اور بعد ارشادِ عرض و تکرار کی گنجائش تھی اس کو کوئی عدول حکمی نہیں کہہ سکتا۔

(حضرت علیؑ سے بظاہر کئی دفعہ عدول حکمی ہوئی)

کیونکہ ایسے ایسے خلافِ امر تو حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کی طرف بھی نسبت ہو سکتے ہیں اول تو خاص اسی مقدمہ میں لیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والوں کو عام حکم فرمایا تھا اس میں حضرت علیؑ بھی شامل تھے۔ دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو مقابلہ قول حضرت عمرؓ کے نہ مانا۔

قیس سے لَا تَرْفَعُوۡا اَصۡوَاطَکُمۡ فَوْقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجۡہَرُوۡا لَہٗ بِالْقَوَلِ رابند نہ کرو اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر اور اس سے بہت بھلا کے بات مت کہو کے کیوں خلاف



کیا وہ تو (بقول شیعہ) معصوم خط سے تھے نص صریح کا خلاف کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی نماز کے لیے جگایا اور تاکید کی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نہ مانا اور یہ فرمایا۔

وَاللّٰهُ مَا نُصَلِّيْ اِلَّا مَا كُتِبَ لَنَا اِنَّمَا الْفَنَاءُ  
قسم ہے اللہ کی ہم تو وہی نماز پڑھیں گے جو اللہ نے  
میں سے (نسائی ص ۱۹۳) ہمارے لیے فرض کی ہے اور ہماری جانبیں اللہ کے قبضے میں

تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ران مبارک پر ہاتھ مار کر یہ فرمایا کہ انسان اکثر شئی جہلاً  
(آدمی بہت جھگڑا لو ہے) اور یہ کہ صلحاً حدیبیہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت کے القاب  
میں لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ دیا تھا کفار کو ناگوار گزار حضرت نے فرمایا علی رضی اللہ  
عنہ کو اس کو محو کر دو مکرر فرمایا یہ ایک زمانہ اور یوں کہا وَاللّٰهُ لَا اَحْقُوكَ اَبَدًا (بخاری ص ۶۷)  
قسم ہے اللہ کی میں کبھی آپ کا نام محو نہیں کر دوں گا۔ الامرفوق الادب کو بھی کار نہ فرمایا۔ ناچار ہو کر  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے محو کیا۔ پس معلوم ہوا کہ انکار و اصرار کسی  
مصلحت سے ہو بلا تعنت و اعوجاج قلب کے تو کچھ حرج نہیں۔

### سوال چہارم و ہمام از جانب شیعہ

کبھی پیغمبر خدا نے شیخین کی شان میں کوئی ایسا کلمہ بیان کیا کہ جو ان کی خلافت پر دلیل ہو مثل حبیبی و غلیفی و ولی کل مومن  
و مومنہ سید المؤمنین ام المومنین سید العرب وغیرہ اگر بیان کیا تو مفصل معرہ و نشان کے تحریر فرمائیے۔  
جواب سوال چہارم و ہم (شیخین کو خلیفہ ماننے پر نبوی ہدایات)  
شیخین کے حق میں یہ لفظ تو نہیں فرمائے کہ وہ میرے وصی یا میرے خلیفہ یا ہر مومن اور مومنہ  
کے ولی ہیں پر اس سے بڑھ بڑھ کر الفاظ فرمائے ہیں ایک تو یہی فرمایا ہے۔

لے بغیر خدا اور بدیعتی کے ملے حاصل یہ ہے کہ جب ان مقامات پر تاکید نبوی کے باوجود حضرت علیؓ کی خلاف ورزی کو ہم سب  
مسلمان ادب اور عشق نبوی پر محمول کرتے ہیں تو اسی طرح قصہ قرطاس میں حضرت عمرؓ کا مشورہ حضور کو سخت تکلیف پہ قلم دوات لاکر  
لکھوانے کی تکلیف نہ دو ہمیں کتاب اللہ کافی ہے کہ عشق و محبت کا منظر جاننا چاہیے۔ اور صلح حدیبیہ کے وقت حضرت عمرؓ  
کی بے قراری اور بے باکانہ گفتگو کو غیرت ایمانی اور بغض فی اللہ کا مظاہرہ جاننا چاہیے۔ کیونکہ آپ کے ۱۵ مومنین صحابہ کرامؓ  
کی نمائندگی کر رہے تھے تا آنکہ اللہ نے سب پر تسلی اور اطمینان کی چادر ڈال دی جیسے سورت فتح میں ارشاد ہے۔  
هُوَ الَّذِي اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِي قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيُذْكَرُوا بِنِعْمَتِهِ اِيْمَانًا مَّعًا اِيْمَانًا مَّعًا وہی تو ہے جس نے  
مومنین کے دلوں میں تسکین نازل فرمائی تاکہ ان کے ایمان کے ساتھ اطمینان کو اور بڑھائے (ترجمہ مقبول ص ۶۱۲) ۱۲ مہر محمد



اَقْتَدُوا بِالَّذِينَ مِنْ بَعْدِي اِلٰى بُكْرٍ وَّ  
 یعنی اقتدا کیجوان دو شخصوں کا جو میرے بعد ہوں گے  
 عمر (ترمذی ص ۲۰۴) ازالۃ الخلفاء ص ۸۹ بحوالہ حاکم  
 ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ۔

وَرَبِّكُمْ لَسَنَتِي وَسُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ  
 یعنی میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کے  
 المہدین من بعدی (ابوداؤد ص ۲۸۴ ترمذی ص ۹۲)  
 اتباع کو لازم سمجھنا۔

بائیں ہمہ یہ بھی فرمایا کہ آسمان میں تو میرے وزیر جبریل و میکائیل اور زمین میں ابوبکر اور عمر  
 علیؑ نہایت القیاس یہ بھی ارشاد ہے کہ جو انان جنت کے سردار تو حسین ہیں اور زیادہ عمر والوں  
 کے سردار ابوبکر اور عمرؓ ہیں۔ باقی آیات سے جو حضرت ابوبکرؓ کی افضلیت ثابت ہے وہ علاوہ  
 رہی اب آپ کلام اللہ اور حدیث کو تو لیے پھر یہ بولے کہ یہ ارشاد جو خلفاء راشدین کے حق میں فرمایا  
 ہیں (مقصد اختلاف میں) زیادہ ہیں یا ولی کل مؤمن۔

اے تو آپ بھی جانتے ہیں کہ اولیاء اللہ خدا کے دوستوں کو کہتے ہیں خدا کے حاکموں کو جنہیں  
 کہتے ہم بھی حضرت (علیؑ) کو تمام اہل ایمان کا دوست اور محبوب سمجھتے ہیں چنانچہ بخاری وغیرہ اور  
 صحاح میں ایسی حدیثیں موجود ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ سوا مومن حضرت علیؑ سے کوئی محبت نہ  
 کرے گا اور سوا منافق کوئی ان سے بغض نہ رکھے گا۔ سو بفضلہ تعالیٰ یہ دولت نصیب اہل سنت  
 ہو ہی رہی ہے۔

(حضرت علیؑ سے شیعہ کی محبت نصاریٰ جیسی ہے)

شیعہ کی محبت ان سے ایسی ہے جیسے نصرانیوں کو حضرت (عیسیٰ علیہ السلام) سے محبت۔  
 کون کہے گا کہ نصرانیوں کو حضرت عیسیٰ سے محبت ہے ہاں اپنے خیال سے محبت ہے البتہ  
 حضرت عیسیٰ علیہ السلام (معاذ اللہ) خدا کے بیٹے ہوتے تو پھر یہ محبت ان کے ساتھ (درست)  
 ہوتی۔ اب تو قصہ ایسا ہے جیسے اندھیرے میں کوئی شخص غیر کے لڑکے کو اپنا فرزند سمجھ کر گود  
 میں اٹھا کر چومے چاٹے بیٹا بیٹا کہے اور پھر چاندنا ہو تو پہچان کر گود سے پٹک دے ایسے ہی نصرانی  
 اور شیعہ اس ظلمت کدہ جہل میں حضرت عیسیٰ اور حضرت علیؑ کو کچھ کا کچھ سمجھ کر عجز و نیاز کرتے ہیں برفر حشر  
 موافق ارشاد فیض بنیاد فَكشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ: (ترجمہ) جس کے  
 معنی یہ ہیں کہ دور کر دیا ہم نے پردہ تیرا سو آج تیری آنکھ بہت تیز ہے۔ یہ پردہ جہل مرکب اٹھایا  
 www.jmmpak.tk



جائیگا۔ اس روز معلوم ہوگا کہ نہ حضرت علیؑ ایسے امام تھے جیسے شیعہ کہتے ہیں کہ وحی آتی تھی اور نسخ احکام کا اختیار تھا نہ ان کو علم غیب تھا جیسے حضرات شیعہ کہتے ہیں۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی اور خلیفہ بلا فصل تھے۔ علیؑ نہ القیاس۔

(حضرت علیؑ کی صفات بعقائد شیعہ قرآن و سنت میں نہیں)

باقی امام کا قرآن میں مسطور و مذکور نہ ہونا اور علم غیب کا نہ ہونا تو کلام اللہ ہی میں صاف صاف مذکور ہے چنانچہ شہادت جملہ خاتم النبیین اور آیت

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ (ترجمہ) آپ فرمائیے کوئی بھی غیب نہیں جانتا جو آسمان و زمین میں ہے سوائے اللہ کے

جوابات اربعہ مشارالہا میں مذکور ہو چکا۔

غرض دلی کل مومن و مومنہ وغیرہ الفاظ سے تو یہ مطلب نکالنا ایسا ہے جیسا کسی نے بھول سے اپنا نام بتایا تھا۔ عین فے رب عفت غین فے زرب عفت میرا نام محمد یوسفؑ۔ باقی لفظ وصی اور خلیفہ سنیوں کی کتاب میں اور کسی روایت میں نہیں پھر کا ہے کہ لیے تین پانچ کی جاتی ہیں بایں ہمہ اگر ثابت بھی ہو تو وحی کے یہ معنی ہوں گے کہ آپ کو کوئی وصیت کی ہوگی۔ دم وفات اکثر آدمی اپنوں بیگانوں کو وصیت کر جاتے ہیں پر اتنی بات سے وہ خلیفہ نہیں بن جاتے ہم بھی کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دربارہ تجیز و تکفین۔ مراعات ازواج مطہرات کے وصیت کی ہوگی جن میں سے یہ بھی ہو کہ تم مستحق خلافت نہیں۔

چنانچہ امام جلال الدین سیوطی نے امام احمد یا کسی اور امام کی تخریج سے یہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ سے یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے لیے (میں نے) تین دفعہ یہ عرض کیا کہ علیؑ سب میں مقدم رہیں پر عرض منظور نہ ہوئی باقی نام کتاب ہی تعین مطلوب ہو تو

لے یعنی کتاب ہذا کا حصہ دوم - ۱۲ مہر محمد



انتباہ المؤمنینؑ دیوبند میں بہت ہیں مطالعہ کر کے نام کتاب دریافت کر لیں۔ مجھ کو اس وقت یاد نہیں ہے یہ یاد ہے کہ وہ حدیث صحیح ہے۔

یہ بات کہ دعا قبول نہ ہوئی سو اس میں کچھ قباحت نہیں اور بھی بعض مواقع میں ایسا ہوا۔ چنانچہ امت کی خانہ جنگیوں کے نہ ہونے کی استدعا مقبول نہ ہوئی بخاری وغیرہ معتبر کتابوں میں موجود ہے۔ معذرتاً بندہ خدا ہوتا ہے خدا کا حاکم نہیں ہوتا اگر کوئی استدعا قبول نہ ہو تو کیا حرج ہے بلکہ یہ نہ ہو تو پھر امتیوں کا ان کی طرف اور گمان ہونے لگے اس لیے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا بیٹے کے حق میں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا باپ کے حق میں مقبول نہ ہوئی۔ کلام اللہ موجود ہے علیٰ نذا القیاس۔

(حضرت علیؑ کی وصایت و خلافت کا مطلب)

خلیفہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ میرے بعد ہی متصل تم خلیفہ ہو بلکہ اول تو یہ ارشاد آئینہ خلافت خاصہ ہے یعنی جب آپ غزوہ تبوک میں تشریف لے گئے اور حضرت علیؑ کو گھر پر چھوڑ گئے سو یہ گھر کی خلافت تھی نماز تک بھی آپ کے پیڑ نہ تھی جماعت عبداللہ بن ام کلثومؓ ہی کرتے تھے۔ دوسرے اگر خلافت عامہ ہی مراد ہے تو پھر کیا آپ بھی اس وقت میں خلیفہ ہوئے؟ اور اس وقت میں غرض یہ ہوگی کہ میرے اقارب میں تم ہی خلیفہ ہو گے حضرت عباسؓ یا حضرت عقیلؓ یا حضرت

نہ یہ حضرت حجۃ الاسلام بانی دیوبند علامہ محمد قاسم نانوتوی کی اپنی تصنیف ہے ملے چنانچہ ایسی وصیت و خلافت شیوخ کے خاتم المحدثین ملا علی محمد نے حیات القلوب میں ۶۸۲ اور جلاء العیون میں ۵۹ پر بایں الفاظ نقل کی ہے: یکلینی ابن بابویہ شیخ طوسی شیخ مفید و دیگر سنی و شیعہ محدثین نے معتبر سندوں سے حضرت امام زین العابدینؑ، امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ اپنی وفات کے وقت حضورؑ نے چچا علیؑ سے فرمایا کہ چچا میرے اہل خانہ اور یوں کے متعلق میری وصیت قبول کرو میری میراث کو میرے فضل ادا کرو اور میرے وعدوں پر عمل پیرا ہوا۔ مجھے سبکدوش کرو حضرت عباسؑ نے کہا اے رسول اللہؐ میں بڑا ہال بچے دار ہوں آپ اذھی اور ابرہہ کی زیادہ سخی تھے میرا مال پورا نہ ہو گا۔ پھر علیؑ کو بلا کر فرمایا اے علیؑ تو میری میراث نے تیرے ساتھ کسی کا جھگڑا نہ ہو گا میری وصیت مانو میرے وعدوں پر عمل کرو میرے قرضے ادا کرو یا علیؑ خلیفہ من بکشی رزائل من تبلیغ رسالت من بعد از من بمردم بکن۔ کہ اے علیؑ میرے گھر والوں پر میرے خلیفہ بنو اور میرا پیغام (وصیت) بھی لوگوں تک پہنچاؤ۔



عبداللہ بن عباس نہ ہوں گے باقی ہے الفاظ باقیہ سید المومنین امام المتقین۔ سید العرب وغیرہ  
نہ کسی صحیح روایت میں ہے نہ ضعیف میں یہ مفتریان مذہب شیعہ کی تراشی ہوئی باتیں ہیں۔

## جواب ثانی از جانب مولوی محمد اللہ صاحب

(حضرت ابو بکر و عمر رضی کی مؤید خلافت احادیث)

سبحان اللہ آنکھیں کھولو ہوش میں آؤ صد ہا احادیث جو ان الفاظ سے بڑھ چڑھ کر ہیں کیا  
فرمائی ہیں ایسے تو غافل مت بنو سوال کے جواب میں بھی اس قسم کی احادیث بہت کچھ بیان کر دی  
ہیں پر اور بھی لیجئے یہ امر تو نہایت ظاہر و باہر ہے اس میں شبہ کرنا بعینہ اپنے آپ کو بھول جانا ہے۔

### حدیث نمبر ۱

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا دَلَّهُ  
وَزِيرَانِ مِنْ أَهْلِ السَّمَاءِ وَوَزِيرَانِ مِنْ  
أَهْلِ الْأَرْضِ فَأَمَّا وَزِيرَايَ مِنْ أَهْلِ السَّمَاءِ  
فَجِبْرِيلُ وَمِيكَائِيلُ وَأَمَّا وَزِيرَايَ  
مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ فَابُوبَكْرٌ وَعُمَرُ

ترجمہ :- ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ فرمایا رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نبی ہوتا ہے اس کے دو وزیر  
آسمان والوں میں سے ہوتے ہیں اور دو وزیر زمین والوں  
میں سے مگر میرے دو وزیر آسمان والوں میں سے  
جبریل اور میکائیل ہیں اور زمین والوں میں سے  
ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

(ترمذی ص ۲۸)

### (حدیث نمبر ۲)

أَخْرَجَ الْبَزَارُ وَالْحَاكِمُ عَنْ أَبِي أَرْوَالٍ الدَّوْسِيِّ  
قَالَ كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُطْلِعَ ابُوبَكْرٌ وَعُمَرُ رَضِيَ  
اللَّهُ عَنْهُمَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي آيَدَنِي بِهِمَا

ترجمہ :- روایت ہے ابو اروالدوسی سے کہ ہاتھ  
میں بیٹھا ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو ابوبکر رضی  
اور عمر رضی اللہ عنہما سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب  
تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے میری مدد کی ان  
دونوں کے ساتھ۔



### (حدیث نمبر ۳)

عَنْ حُذَيْفَةَ الْيَمَانِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَبْعَثَ إِلَى الْأَفَاقِ رِجَالًا يَعْلَمُونَ النَّاسَ السُّنَنَ وَالْفَرَائِضَ كَمَا بَعَثَ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ الْخَوَارِيزِينَ قِيلَ لَهُ فَإِنْ أَنْتَ عَلَّيْكَ بِكُفْرٍ وَعُمَرُ قَالَ إِنَّهُ لَا غِنَى لِي عَنْهُمَا إِنَّهُمَا مِنَ الدِّينِ كَالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ

(ازالۃ الخنثی ص ۸۹ بحوالہ حاکم)

اور حذیفہ بن الیمانؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے تھے میں نے قصد کیا اس بات کا کہ آدمیوں کو اطراف و جوانب میں بھیجوں تاکہ وہ سنتیں اور فرض لوگوں کو سکھلائیں جیسا حضرت عیسیٰ بن مریمؑ نے خوارزمین کو بھیجا تھا۔ کیا آپ کا ابوبکر اور عمرؓ سے کیا حال ہے فرمایا مجھ کو ان دونوں سے بے پرائی نہیں یہ دونوں دین میں مثل کان اور آنکھ کے ہیں۔

### (حدیث نمبر ۴)

أَخْبَجَ التِّرْمِذِيُّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحَدٌ عِنْدَنَا يَدْرِي إِلَّا وَقَدْ كَافَيْنَاهُ مَا خَلَا إِلَيَّ بِكُفْرٍ فَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا يَدًا يَكْفِيهِ اللَّهُ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَا نَفَعَنِي مَالٌ أَحَدٌ قَطُّ مَا نَفَعَنِي مَالٌ إِلَّا بِكُفْرٍ (ترمذی ص ۲۴)

(حدیث نمبر ۵)

ترمذی ص ۲۴: اور روایت ہے ابو ہریرہؓ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کسی کا ہم پر احسان ہے ہم نے اس کا بدلہ (ادا) کر دیا ہے سوا ابوبکر کے کیونکہ اس کا ہم پر احسان ہے (کہ اللہ قیامت کو اس کو بدلہ لا دیگا اور کسی کے مال نے مجھ کو ایسا نفع نہیں دیا جیسا ابوبکر کے مال نے نفع دیا ہے۔

وَعَنْ بَنِي عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُمَّ اعْزِزْ أَوْلِيَّ سَلَامٍ بِأَحَبِّ هَذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ إِلَيْكَ يَا جَاهِلِ أَوْلِيَّ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ وَكَانَ أَحَبَّهُمَا إِلَيَّ عُمَرُ

(ترمذی ص ۲۹)

اور ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے اللہ عزت و سلام کو ساتھ اس کے جو زیادہ محبوب تجھ کو ان دونوں میں سے ابوجہل کے ساتھ یا عمر بن الخطاب کے ساتھ فرمایا عمرؓ زیادہ عزیز تھے اللہ کو ان دونوں میں۔

### فائدہ (در موازنہ)

جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممنون و مشکور ہونا حضرت ابوبکرؓ کا اور عزت دینا اسلام



کا حضرت عمرؓ سے اور حضرت ابو بکرؓ کو لا عتاء لی عنہما انہما من الدین کا لسمع والبصر فرمایا اور زمین والوں میں دو وزیر فرمایا۔ خلیفہ دوصی وغیرہ فذلک کے الفاظ معدود سے کیا کچھ کم ہیں؟ اور ان الفاظ کا پتہ تو فرمائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر المومنین کے حق میں یہ الفاظ کب فرمائے اگر سنیوں کی کتابوں میں ہیں تو اطلع فرمائیے کہ ہم مشکور ہوں اور جب اہل سنت کے نزدیک سے ثبوت خلافت کے لیے حاجت نص نہیں تو ایسے الفاظ سے سوال کرنا بے حاصل ہے ثَبَّتَ الْعَدِشُ ثَمَّ الْفُشُّ (پستے تختہ قلم کرو پھر نقش و نگار کھینچو)

## سوال پانزدہم از جانب شیعہ

کبھی شیخین نے مثل حضرت علیؓ کے یہ دعوے کیا کہ میں وصی رسول اللہ ہوں اگر کہا ہو تو بیان کیجیے۔

جواب سوال پانزدہم۔ نہ حضرت علیؓ نے کبھی وصی ہونے کا دعویٰ کیا نہ شیخین نے، اور کرتے بھی تو کس مجھروسے پر کرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو وصی کیا ہی نہ تھا ہاں ابو بکر صدیقؓ کو یوں سمجھ کر کہ میرے بعد خلیفہ ہوں گے اپنے ترکہ کا جمع خرچ بتلا گئے تھے یعنی یہ ارشاد فرما گئے۔ رہی اس کی صحت تو نسخہ ہدیۃ الشیخہ کو مطالعہ فرمائیں۔ بسط سے بحث کو لکھا ہے کہ قیامت تک انشاء اللہ جواب نہ آئے گا ہاں ویسا جواب جیسا جاٹ نے دیا تھا کہ تیرے سر پر کو لہو“ اگر دیں تو دیں۔

لے وصی اس شخص کو کہتے ہیں جسے مرنے والا آخری وقت بندوبست وغیرہ کے متعلق اہم باتیں بتا کر جائے۔ اس لحاظ سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کا وصی رسول ہونا کتب شیعوں سے ثابت مثلاً جلاء العیون کشف الغمہ وغیرہ میں روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی سنگینی میں حضرت ابو بکرؓ حضور علیہ السلام کے پاس آئے۔ تو منجد اور باتوں کے پوچھا آپ کو غسل کون دے گا؟ فرمایا میرا اہل خانہ کا قریب ترین آدمی۔ پوچھا آپ کو کن کپڑوں میں دفن کریں؟ فرمایا انہی پہننے ہوئے کپڑوں میں یا مٹی میں پوچھا آپ پر نماز جنازہ کیسے پڑھیں اس وقت لوگ شدت غم سے جا کوڑھنے لگتے تھے فرمایا ابوبکرؓ (جلاء العیون ص ۱۲) منجد



# جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

( وصی ہونے کا دعویٰ حضرت علیؑ نے نہیں کیا )

چونکہ شیخین کی شان میں خاص لفظ وصی نہیں آیا وہ کیوں جھوٹا دعویٰ کرتے مگر یہ فرمایئے کہ امیر المؤمنین کرم اللہ وجہہ نے یہ دعویٰ کب کیا اور جو کچھ اس کا ثبوت ہو کتب معتبرہ سنہ سے بیان فرمائیے اگر بالفرض حضرت علیؑ وصی تھے تو ان کو کیا وصیت تھی اگر بعد حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلافت کی وصیت تھی تو بعد انتقال سید الاصفیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کیوں نہ اظہار وصیت کیا اور وصیت کو شاہد گزار کر کیوں اتمام حجت نہ کی اگر یہ ہوتا تو خلیفہ اول ہو جاتے باوجودیکہ ان کو اسد اللہ الغالب کا خطاب تھا اور ان کے ذوالفقار کے وار کی ہفت زمین کو تاب نہ تھی ان کو کس بات کا خوف تھا آیت ...

لَنْ يُصِيبَنَا اللَّهُ مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا رَبِّ (۱) ترجمہ: جو اللہ نے ہمارے واسطے لکھ دیا ہے ہم کو اس کے سوا اِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً (۲) ان کو نہ پہنچے گا اور جب وقت ان کا آجاتا ہے تو ایک ساعۃ تاخیر و تقدیم اس سے نہیں کر سکتے۔

کی آپ کو یاد تھیں جو ہر قسم کے ضرر سے محفوظ کرتی ہے۔

اور تائید دین میں کلفت و مشقت اٹھانا انبیاء اور ان کے خلفاء کی خوب اختیار ہوا کرتی ہے اور شیعوں کے مسلمات کے بموجب؟ کہ وہ عالم ماکان و مایکون تھے اور اپنی موت و حیات باختیار خود ہوتا۔ علاوہ بریں ہے۔ بایں ہمہ خلفاء ثلاثہ سے درباب خلافت کیوں مخاصمت نہ کی اگر ان کو وصی خلافت بامر خدا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا تو اس کی طلب میں مباحنت کرنے سے گنہگار ہوئے۔

اور عذر تقیہ کی یہاں گنجائش نہیں کیونکہ مقصود اتمام حجت ہے اگر وصیت درباب امر خلافت نہ تھی بلکہ مثل قربانی ذبح کرنے کے یا ایسے ہی امور دنیاوی کی وصیت تھی تو سنیوں پر کیا الزام ہے۔



# سوال شانزدہم از جانب شیعہ

امامت اور خلافت کی کیا شرط ہے یعنی وہ امور کون کون ہیں جو خلیفہ اور امام میں ضرور ہونے چاہئیں سوائے اکٹھا ہونے آدمیوں کے۔

جواب سوال شانزدہم (خلافت کے لیے تین اہم اوصاف):  
نبی میں تین باتیں ضرور ہیں۔

ایک تو یہ کہ دنیا کی ذرہ بھر محبت اس کے دل میں نہ ہو ماں خدا کی محبت اس کا دل لبریز ہو۔  
دوسرے بلند ہمت اور العزم ہو۔ تیسرے علم ہدایت میں یکتا ہو۔

اول کی ضرورت تو اس لیے ہے کہ راز دار خدا بے اسباب کے نہیں ہو سکتا سو اس بات میں حضرت ابو بکر و امیر شہادت حدیث مشکوٰۃ جس کی شرح میں رسالہ انتباہ المؤمنین اس پتھر پر لکھا ہے یکتائے روزگار تھے۔ دوسرے وصف کی ضرورت بایں غرض ہے کہ جہاں سے مقابلہ ہو گا اگر کم ہمت بزدل ہو گا تو کیا کام چلے گا۔ اس میں حضرت عمر یگانہ آفاق تھے۔ تیسری بات کی ضرورت کی یہ وجہ ہے کہ یہ نہ ہو تو پھر ہدایت ہی کیا ہوگی اس میں حضرت علی کا قدم آگے بڑھا ہوا تھا غرض امور ثلاثہ نبی میں ضروری ہیں جو ان کا خلیفہ ہو اس میں یہی باتیں مدنظر ہوں گی ورنہ پھر خلافت نہیں نا خلفی ہے۔ باقی مضامین متعلقہ حدیث مذکور جو اس جواب کے قابل تھے بنظر اختصار اور نیز بایں نظر کہ سائل اس سے زیادہ پوچھتا ہی نہیں کہ ان لوگوں میں بھی یہ وصف تھی کہ نہیں۔  
ادھر رسالہ انتباہ المؤمنین میں تفصیل تمام مرقوم ہو چکی ہیں دیکھ لو

## جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

(فقہ کی روشنی میں امامت کے شرائط ہفتہ کی کتابوں میں ہے)

الْإِمَامَةُ هِيَ صُغْرَى وَكِبَرَى فَالْكِبَرَى  
تَرْجُمہ: (امامت کی دو قسمیں ہیں صغریٰ اور کبریٰ) امامت  
إِسْتِحْقَاقُ تَصَرُّفٍ عَامٍ عَلَى الْأَنَامِ وَتَحْقِيقُهُ  
کبریٰ مستحق ہونا تصرف عام کا خلقت پر اور تحقیق اس  
فِي عِلْمِ الْكَلَامِ وَنَصْبُهُ أَهَمُّ الْوَأَمَرَاتِ  
کی علم کلام میں ہے اور اقامت اس کی اہم واجبات



فَلْيَذَاقْهُمُوهُ عَلَى دَفْنٍ صَاحِبِ الْمُعْجَزَاتِ  
وَلْيُتَرَطَّ كَوْنُهُ مُسْلِمًا حَرًّا ذَكَرًا عَاقِلًا بِالْقَا  
قَادِرًا قَرَشِيًّا لَاهَا شِمِيًّا عَلَوِيًّا مَعْصُومًا  
قَوْلُهُ لَاهَا شِمِيًّا أَيْ لَا يُشْتَرَطُ كَوْنُهُ  
هَاشِمِيًّا أَيْ مِنْ أَوْلَادِ هَاشِمٍ بْنِ عَبْدِ  
كَعْكَأَ قَالَتِ الشَّيْعَةُ لَفِيًّا لِمَا مَاتَ إِلَى بُكَرٍ  
وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ -  
(وَلَا شُبُهَةٌ لَهُمْ فَضْلًا عَنْ الْحُجَّةِ)  
وَقَوْلُهُ عَلَوِيًّا أَيْ لَا يُشْتَرَطُ كَوْنُهُ مِنْ  
أَوْلَادِ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ كَمَا قَالَ بِهِ  
بَعْضُ الشَّيْعَةِ لَفِيًّا لِمَا مَاتَ بَنِي الْعَبَّاسِ  
وَقَوْلُهُ مَعْصُومًا أَيْ لَا يُشْتَرَطُ أَنْ يَكُونَ  
مَعْصُومًا كَمَا قَالَتِ الدُّسَمَاعِيَّةُ  
وَالْأَشْعَرِيَّةُ أَيْ الْوَمَامِيَّةُ -  
مِنْ طُحْطَاوِي

میں سے ہے اس لیے مقدم کیا اس کو (صحیحہ کرم) نے  
دفن صاحب معجزات پر اور شرط ہے امام کا مسلمان ہونا -  
آزاد۔ مرد عاقل بالغ قدرت رکھنے والا۔ قبیحہ قریش  
سے ہونا۔ ہاشمی علوی اور معصوم ہونا شرط نہیں -  
لا ہاشمی یعنی شرط نہیں ہے اولاد ہاشم سے ہونا  
جیسے شیعہ کہتے ہیں بسبب باطل کرنے امامت  
حضرت ابوبکرؓ کے اور عمرؓ کے اور عثمانؓ کے اور ان کو  
دلیل کا شنبہ بھی نہیں حجت ہونا تو درکنار لا علویاً  
یعنی شرط نہیں ہے ہونا امام کا اولاد علی بن ابی طالب  
سے جیسا شیعہ کہتے ہیں بسبب باطل کرنے خلافت  
بنی عباس کے اور معصوماً یعنی شرط نہیں ہے  
امام کا معصوم ہونا جیسا اسماعیلیہ اور امامیہ کہتے  
ہیں عقل ہے اس کی طحطاوی سے  
(مذکورہ بالا حوالہ طحطاوی کے علاوہ فتاویٰ شامی ج ۱۲ طبع مصر  
میں بھی بعض تغیر کے ساتھ مذکور ہے)

(۱۲ - مرقہ)

(لایزال عہدی الظالمین سے شیعہ استدلال عصمت کا رد)

یہ جو بعض کم فہم معصومیت امام کی لایزال عہدی الظالمین سے کہتے ہیں قرآن کے مذاق  
سے غافل ہیں کیونکہ جملہ لایزال عہدی الظالمین (میرے عہد کو ظالم نہیں پائیں گے) لفظاً خبر  
ہے اور معنی امر جیسے فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا ثَلَاثِينَ (اگر تم میں  
بیس صابر ہوں دو سو پر غالب ہوں گے) معنی اس کے یہ ہیں کہ جو ظالم ہوں اس کو عہد امامت پہنچے گا۔  
یعنی وہ اس بات کے قابل نہیں کہ وہ متوالیہ امام خلیفہ بنایا جائے۔ اور آیت



وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا

(نورع)

اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور عمل اچھے کئے کہ ان کو زمین کا خلیفہ بنا دیگا جیسا خلیفہ بنایا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے تھے اور برقرار کر دیگا ان کے واسطے ان کا وہ دین جو ان کے لئے پسند کیا ہے اور البتہ بدل دیگا ان کے لیے بعد ان کے خوف کے امن اللہ کی عبادت کریں گے کسی کو میرا شریک نہیں کریں گے۔

اس کے ساتھ ملانے سے یہ ثابت ہوا کہ جب خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم امامت پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ ظالم نہ تھے بلکہ وہ عادل تھے۔

## سوال ہفتم از جانب شیعہ

وہ پوری پوری شرائط حضرت علیؑ میں موجود تھیں یا شیخین میں۔

جواب سوال ہفتم کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ شرائط مذکورہ حضرت علیؑ میں بھی موجود تھیں اور شیخینؓ میں بھی، پر ایسا فرق تھا جیسے ملا محمد بھی عالم اور مولانا محمد یعقوب بھی عالم پر مولانا محمد یعقوب صاحب ان سے زیادہ عالم اور کامل ہیں اسی واسطے شیخینؓ کو اول خلیفہ کیا حضرت (علیؑ) کو بعد میں پھر اس میں یہ بھی عہدگی نکل آئی کہ سب کے سب خلیفہ بھی ہو گئے اگر پہلے حضرت علیؑ ہی کو خلیفہ کرتے تو جو جو ان سے زیادہ تھے محروم رہ جاتے رہی وجہ تقدیم اور تاخیر شوق ہو تو رسالہ انتباہ المومنین بغور و انصاف دیکھیں سمجھ میں نہ آئے تو شرم نہ کریں کبھی ذی استعداد عالم سے پڑھ لیں اگر انصاف اور فہم ہوگا تو انشاء اللہ اطمینان ہو جائے گا۔ ورنہ ہم تو کس شمار میں ہیں خدا اور رسول کے کلام سے بھی ایسوں کو تو اثر نہیں ہوا۔

## جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب

وہ شرائط شیخینؓ اور حضرت علیؑ کریم اللہ وجہہ اور دیگر صحابہؓ میں پوری پوری موجود تھیں پر چونکہ اجماع



حل و عقد کا بسبب دلالت آیات اور احادیث مذکورۃ الصدور کے اولاً حضرت ابو بکر کی خلافت پر ہو گیا اس لیے وہ خلیفہ اول ہوئے۔ اور افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مسئلہ دوسرا ہے کہ اس کا ثبوت بھی اجماع سے ہے ثبوت خلافت میں اس کا کچھ دخل نہیں بوقت تقریر اس امر کے سب صحابہؓ نے ان کو افضل پایا لیکن معصومیت امام کی کہیں سے ثابت نہیں ہوتی چنانچہ نہج البلاغہ میں جو معتبرات امامیہ سے ہے نص صریح حضرت امیر المومنین سے موجود ہے۔  
لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ أَمِيرٍ مَبْدَأُ أَوْ فَلَاحُ الْوَقْفِ آدمیوں کے واسطے امیر لازم ہے نیک ہو یا بد۔

## سوال ہر دہم از جانب شیعہ

حجۃ الوداع اور غدیر کے دن صحابہ کرامؓ کو پیغمبر نے یہ ہدایت کی یا نہیں کہ میرے بعد تم قرآن اور میری عمرت کی پیروی کرنا۔

جواب :- یہ تو معلوم نہیں کہ آپؐ نے یہ ارشاد بھی اسی روز فرمایا ہے پر اس میں شک نہیں کہ یہ فرمایا اور اس پر ہمارا ایمان ہے۔ شعر ہے۔

تمہیں ہو قبلہ و کعبہ ہمارے دین و دنیا میں اگر تم سے پھر حق سے پھر اس کے فرماں پر مشفق من سمجھ کا پھیر ہے اگر نہ کوئی ایسی باتوں کو سمجھ لیا کرتا تو اہل فہم کی کیا قدر رہ جاتی منجملہ جوابات اربعہ مشارالہا ایک جواب خاص اسی حدیث کی شرح میں ہے آپؐ دیکھیں گے تو انشاء اللہ مخلوط ہی ہوں گے۔ ہاں انصاف اور سینہ صاف کی ضرورت ہے

## جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب

(حدیث ثقلین میں تمسک عترة سے مراد ان کی محبت ہے۔)

یہ حدیث جو مذکور ہوئی بنام حدیث ثقلین مذکور ہے اور اس میں لفظ تمسک واقع ہوا ہے ان تمسک لہما۔ اور تمسک بقرآن تفسیر فرمایا ہے اتباع کے ساتھ۔ اور تمسک بعترت کو تفسیر کیا ہے محبت و الفت کے ساتھ جو شخص تمام اس حدیث اور وجہ اس کے فرمانے کی ملاحظہ کرے گا اس کو بخوبی واضح ہو جائے گا کہ اس حدیث سے حکم اتباع کلام مجید کا اور تعظیم و محبت اہل بیت کی



ثابت ہوتی ہے خلیفہ بنانے سے اور وہ بھی کہ بعد وفات متصل ہوں اس مسئلہ کو اس حدیث سے لگاؤ بھی نہیں۔

اور اس حدیث سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دوستی کا حکم اور دشمنی کی نہی نکلتی ہے فعلی الرأس والعین۔ لیکن ایسے الفاظ تنہا کچھ حضرت علیؑ ہی کے واسطے ثابت نہیں بلکہ حضرت عباسؑ اور ان کی اولاد کے حق میں اور ازواج مطہراتؑ اور حضرت فاطمہؑ کے وارد ہوئی ہیں اور نیز حضرت ابوبکرؓ کی بھی شان میں وارد ہوئی ہیں۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ فِي قِصَّةِ مُشَاجَرَةِ مَعَهُ  
قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِنَّ اللَّهَ بَعَثَنِي إِلَيْكُمْ فَقُلْتُ كَذَبْتَ  
وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ صَدَقَ وَأَسَانِي بِنَفْسِهِ  
وَمَالِهِ فَهَلْ تَارِكُوا لِي صَاحِبِي (بخاری ص ۱۴۵)  
ترجمہ: ابوالدرداء سے روایت ہے کہا فرمایا  
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ نے مجھ کو تمہاری طرف  
بھیجا تم نے کہا جھوٹا ہے اور ابوبکرؓ نے کہا سچا  
ہے اور میری مدد کی اپنے جان و مال سے پس چھوڑ  
دو تم میرے لیے میرے ساتھی کو۔

اور شیعہ کے نزدیک بھی اتباعِ عترت سے مراد نہیں کہ نعوذ باللہ اگر عترت مُضِل و گمراہ ہو تو بھی اطاعت کرے و غرضیکہ عترت کی اطاعت مادامیکہ وہ مطیع کلام اللہ و سنت رسول اللہ ہوں ضرور ہے۔

اب جاننا چاہیے کہ اہل سنت و جماعت تمام اہل بیت کے بہنرا دل و جان محبت و تعظیم کرنے والے ہیں جتنی محبت اہل بیت کی ہو سکے فخر و عزت ہے غرضیکہ وہ کسی کے اہل بیت میں سے منکر نہیں جیسا کہ حضرات شیعوں کو بارہ اماموں کے اکثر عترت کو پرانی سے یاد کر کے مخالف اس حدیث کے ہو گئے ہیں اور قرآن شریف کے باب میں جو کچھ ان صاحبوں نے کہا ہے قابلِ ذکر نہیں کوئی بیاض عثمانی کتاب ہے کوئی کمی بیشی تبدیل و تحریف کا قائل ہے۔  
لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ (قرآن میں باطل نہ آگے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے) کو باور نہیں رکھتے۔ تعجب ہے کہ قرآن کو امام مہدی کے ساتھ کہتے ہیں اور حدیث ثقلین کے الفاظ کو دھیان نہیں کرتے۔



# سوال نوزدہم از جانب شیعہ

بعد انتقال پیغمبر خدا کے صحابہ اور نیز اس زمانہ میں اہل سنت اس حکم کے پابند ہیں یا نہیں  
جواب سوال نوزدہم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر آج تک اہل سنت  
اس حکم کے غلام ہیں ہاں شیعہ نہیں یہی وجہ ہے کہ نہ کلام اللہ کی سنتیں ہیں اور نہ اہل بیت کے فیوض  
باطنی سے بہرہ ور ہیں یہ دولت بجز اللہ نصیب اہل سنت ہوئی قرآن اور اہل بیت دونوں سے  
اپنی اپنی قسم کا فیض لیا اور دونوں کو ہاتھ سے نہ چھوڑا چونکہ تفصیل اس مجال کی جواب سوال سوم مشاہیر  
میں مرقوم ہے مکرر لکھنے کی حاجت نہیں۔

## جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب

(صحابہ اہل سنت متمسک بقرآن و محب اہل بیت ہیں)  
صحابہ کرام کا تمسک بقرآن تو ایسا ظاہر ہے کہ اس میں کسی کجائے شک نہیں۔ جمع قرآن  
شریف اور پھیلاتا اس کا اور تلاوت کا عمدہ انتظام اور تعلیم قرآن کے تمام اسباب صحابہ کے مقرر  
فرمائے ہوئے ہیں اور اسی پر آج تک اہل سنت قائم ہیں چنانچہ لاکھوں حافظ قرآن اور ہزاروں  
قاری اس زمانہ آخری تک میں کہ انتہائی کوتاہی کا (زمانہ) ہے موجود رہیں۔ اور تمسک بالعتیق  
کا حال یہ ہے کہ خدمت ازواج مطہرات اور اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے  
رشتہ داروں کی تعظیم و تکریم۔ اور توسل ان کے ساتھ اپنی دعاؤں میں اور درود بھیجا ان پر اپنی نمازوں  
میں زمانہ صحابہ میں معمول و مروج تھا اور شبہات اس باب میں اسلاف شیعہ نے نکالے اور  
آج تک ان کے متبعین انہیں خیالات کو دستاویز اپنے صحت مذہب کی گردانتے ہیں علماء  
اہل سنت نے چہ سلف اور چہ خلف جواب ثانی دے کر یہ سخ و بنیاد ان شبہات کی اکھاڑ دی چنانچہ جو  
کچھ اس عجالہ میں مذکور ہے یہ بھی ایک دانہ اسی خرمن کا ہے اور اہل سنت آج تک محبت اہل  
بیت میں متبع و مبی قاعدہ مستمرہ کے میں چنانچہ درود صلوة اللہ علی محمد و علی آل محمد معمول  
متواتر ہے اور مودت فی القربی کے منہ پائے جانتے ہیں



## (شیعہ عملاً ثقلین مخرف ہیں)

مگر حضرات شیعہ ہدایہم اللہ الی الصواب جو دعویٰ تمسک بالعتبرت ہیں ان کا حال کچھ تو جواب سابق میں تحریر ہوا اور کچھ یہاں معروض ہوتا ہے یہ امر متفق علیہ ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے لے کر تاتامی آئمہ سب حضرات بظاہر طریق اہل سنت رکھتے تھے یعنی اہلحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الخصوص شیخین اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے مداح اور ثنا خواں ہیں اور جن ناما قبوت اندیشوں نے کوئی کلمہ بے ادبی کا بھی کہا اور ان کے مجمع شریف تک اس کی خبر پہنچی تو نہایت منع فرمایا ہے شیعہ کے نزدیک یہ سب محمول تقیہ پر ہے جو ضروریات دین سے ہے ہمیں اس سے کام نہیں مقصود یہ ہے کہ ظاہر ان کا ایسا تھا اور باطن کی کیفیت ان کی اللہ جل نے کیا تھی۔ کالمین اور اکابر کا حال ہم جیسے قاصر ہمت اور کوتاہ بینوں کو سوا استدلال آثار کے معلوم نہیں ہو سکتا اس لیے جب ان کے احوال پر نظر ہوتی ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ زہد اور تقویٰ اور اعراض دنیا اور ابناء دنیا سے اور تنفر تکلف اور تصنع سے اور گوشہ نشینی اور خلوت گزینی اور کثرت عبادات اور مدام ذکر خداوندی اور خشیت الہی اور کمال اظہار غیوریت جو بعینہ طریقہ ان کے جدا مجد یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا وہ بزرگوار اس کے نمونہ تھے اب ہم نے اپنے زمانہ کے شیعوں کا حال دیکھا ہے اور ان کے اسلاف کا سنا ہے سوا اس کے کہ وظیفہ تبرا اور طعن تشنیع اہل سنت کوئی امر ان امور میں ان پر غالب نہیں معلوم ہوتا۔

منصف انصاف کر کے فرمائیں کہ شیعوں کا دعویٰ اتباع کس وجہ سے درست ہے نہ طرز ظاہر ملت ہے اور نہ وضع باطن پھر یہ دعویٰ سرسرد دروغ بے فروغ ہے اور تمسک قرآن شریف کا تو یہ حال کہ اول تو اس قرآن موجود کی نسبت عقیدہ ہی صاف نہیں اور اگر بہت مجمل مصلح کے ان کے اسلاف اسکا پورا کلام اللہ ہونا بے تحریف مان بھی لیا تب بھی خدمت قرآن یعنی لفظ کتاب اللہ سے عملاً محروم ہیں حافظ ہونا کسی کو نصیب نہیں

لہ شیعہ کا قرآن کو نقلی غیر اصلی اور مخرف و بدلا ہوا مانا ایک بنیادی عقیدہ ہے جو محتجہ ثبوت نہیں اصول کافی جہ طہ جہ ایران میں ص ۳۲ سے ص ۳۳ تک تحریف قرآن کا باب بھیدا ہوا ہے۔ ترمذیہ مقبول کے حواشی میں دسیوں آیات کی لفظی تحریف کی نشان دہی کی گئی ہے شیعہ کے صرف چار مندرجہ ذیل علماء قرآن کو پورا اور بے تحریف مانتے ہیں۔ الشیخ الصدوق۔



اور قاری باوجودیکہ قراۃ فرض جانتے خال خال کوئی ہوتا ہے اور عقل تو جیسا قرآن پر ہے شیعہ کے مجموعہ عقائد اور مسائل سے بخوبی واضح ہوتا ہے جس کا جی چاہے مقابلہ کر کے دیکھ لے علماء اہل سنت نے خاص کر مولانا شاہ عبدالغفرینہ صاحب تحفہ (اثنا عشریہ) میں ایسے مطلب کو بہت اچھی طرح ثابت کیا ہے کہ عقائد اور فقیہات میں یہ گروہ مخالف ثقلین ہے۔ فقط۔

## سوال بستم از جانب شیعہ

عقبہ پر کون کون صحابی بارادہ قتل پیغمبر خدا کے لیے آئے تھے ان کے نام اور وجہ آنے کی بیان کیجئے اور یہ کہ وہ صحابی تھے یا نہیں؟

### جواب سوال بستم

(ارادہ قتل پیغمبر کا صحابہ پر بہتان ہے) ————— عقبہ پر کوئی صحابی بارادہ قتل پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کیا آپ تو بفضل الہی عاقل ہیں ایسا سوال مہمل جاہلانہ بھی کوئی کیا کرتا ہے اسی صاحب کیا آپ کو اتنی بھی خبر نہیں کہ صحابی معتقدہ باایمان کو کہتے ہیں سو آپ ہی فرمائیے اہل اعتقاد بھی کہیں اپنے بزرگوں کے قتل کا ارادہ کرتے ہیں ورنہ یزید یوں کو یہ گنجائش ہوگی کہ حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ کو شہید کیا یا کرایا تو کیا! پھر شمر اور یزید اور عبداللہ بن زیاد وغیرہ سب معتقدان بالا خفصاص اور مریدان خاص تھے ہاں میں بھی چوکا شیعہ باوجود اس دعوئے مجتہد کے حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمراہیوں کے خون کے پیلے سے ہیں وہ خود نہ ملے تو ان کی نعشوں کی تصویروں کے سامنے وہ کرتے جو سوا یزید یوں کے اور کوئی نہ کرے۔

غرض کہ صحابہ کرام میں سے کوئی نہیں کیا نام کس کا بتایا جائے یہ کام منافقوں اور کافروں کا تھا باقی آپ کو اپنا مطلب پوچھنا منظور ہے تو جیسا آپ گوگو پوچھتے ہیں ہم بھی رلا رلا جواب دیتے ہیں پر اتنا فرق ہے کہ ہمارے رلاؤ کا تو یہ فائدہ ہے کہ ایک اعتراض کے ساتھ آپ کے سارے اعتراضات اور شیعوں کے سارے وسوسوں کا جواب دیتا ہوں سو آپ ہی کیجئے کہ کیسا اچھا رلاؤ ملاؤ ہے اور آپ کے گول مول کہنے کا یہ نتیجہ ہے کہ اگر ہم بہت چھان بین نہ کریں تو بربودے انصاف ہمارے ذمہ اس سے زیادہ جواب وہی نہیں جتنی ہم کر چکے



خیر مطلب کی بات سنئے صحابہ کرام کی شان میں کچھ آیتیں جو اب اجمالی میں مرقوم ہوئیں اور ایک آیت جو اب سوال نمم میں مرقوم ہوئی اور ان کا ترجمہ بھی بقدر ضرورت معروض ہو چکا اس کو دیکھئے اور پھر ہماری طرف منہ کر کے فرمائیے تمہیں خدا کی قسم! کیا تمہارے خیال میں آسکتا ہے کہ خدا کی اتنی تعریفوں کے بعد بھی شیخین کو یہ خیال باقی ہے اور اگر پھر بھی یہ بات متصور ہے تو یوں کہو تمہارے نزدیک نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واجب القتل اور خدا کے دشمن تھے جو ان کے دشمنوں کی اتنی لمبی چوڑی تعریفیں کیں کہ العظمتہ للہ۔

جناب من! ہم تو فقط اس بھروسے پر کہ منشی شیخ احمد مولوی وجیہ الدین صاحب مرحوم کے فرزند ارجمند ہیں دیوبند کے رئیس زادے چال چلن کے اچھے راہ روش کے عمدہ۔ اگر کوئی یوں کہے کہ بلند شہر کے ڈاکہ میں شریک تھے تو تصدیق نہیں کر سکتے بلکہ دل و جان سے تکذیب کرتے ہیں آپ خدا کے بھروسے بھی اس بات کی تکذیب نہیں کرتے جو چند شیطانوں نے مل کر آپ کے کان میں بھونک دی ہے۔

## جواب ثانی از مولیٰ عبد اللہ صاحب

غزوہ تبوک سے واپس آتے ہوئے بارہ منافقوں نے چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برائی سے پیش آئیں عمار بن یاسر و حذیفہ بن یمان کو اس بھید سے آگاہی ہوئی انہوں نے اس وقت جا کر ان خبیث طینتوں کو دفع کیا اور شیخین کو اصحاب عقبہ میں شامل کرنا عین حماقت ہے کیونکہ نعوذ باللہ منہا اگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو برائی منظور ہوتی تو وہ غلامیں یا عریش بدر کے روز کرتے اس وقت کیا کچھ موقع تھا اور اگر خدا نخواستہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں خرابی ہوتی تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقتلاً فعدتہم بیہتہم ولتغرفہم فی الحن القول ط

حضرت عمرؓ کی دلی خرابی معلوم کر کے مثل اخبار دیگر منافقین کے واشگاف فرماتے اور سب کو احتیاط کا حکم فرمادیتے اور خود بھی احتیاط بدرجہ کمال ہر وقت رکھتے حالانکہ برخلاف اس کے بہت سی آیات اور احادیث سے ان کے فضائل اور اتحاد حضرتؓ کمال درجہ کا ثابت ہوتا ہے چنانچہ ان کو وزیر فرمانا اور بسبب ان کے اسلام کے عزت اسلام کی سمجھنا اور لوگ ان کی



من بعدی لکان عند فرمانا وغیرہ ذلک۔

پس جاننا چاہیے کہ جن لوگوں کو یہ رسوخیت اور یہ اتحاد ہو پھر وہ کیوں موقعہ ڈھونڈیں گے ان کے لیے تو ہر وقت موقعہ ہی تھا۔ اسے برا فہام ناکسان ایسے متحدین (مُجْتَبِئین) کی نسبت یہ تمت اللہ سے ڈرنا چاہیے ان اخذہ الیم شدید۔

(اس اہتمام میں اصحیر بنوی پر حملہ اور آیت اطہار دین کا انکار ہے)

ایسا الزام شیخین کی طرف نسبت کرنا درپردہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کم فہمی ثابت کرنی ہے نعوذ باللہ منہا۔ کوئی شخص کیسا ہی بے وقوف ہو جی کہ محوش و طیور جو حیوان مطلق ہیں وہ بھی اپنے دوست دشمن کو پہچانتے ہیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیخین کی دوستی یا دشمنی کو نہ جانتے ہوں گے اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ باوصف ان کی طبائع کو جان کر چشم پوشی فرماتے تھے تو گویا اپنی جان اور دیگر دوستوں کی جان کے حضرت دشمن گویا (معاذ اللہ) کھار کی تعظیم و تکریم اور احتیاط و محبت با دشمنان خدا رکھتے تھے اور یہ فعل اس آیت کے سراسر مخالف ہے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظَاهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (فتح ۴۶)  
(وہی خدا ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت دے کر اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب رکھے)  
جب بزرگم شیعوہ کفار کے ساتھ خلا ملا ہوا تھا ہدایت و علیہ دین حق کا کہاں ہوا اور کلام اللہ ہی العلیا کے بھی معارض ہوا کیونکہ بزرگم امامیہ کفار و فجار کا عمل دخل رہا نعوذ باللہ من هذه العقیة الفاسدة۔

شیخین کی برائی کرنے میں کچھ تو آگے پیچھے کی خبر رکھا کر دجانا چاہیے کہ اول تو منافقین کی شناخت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آیت مذکورہ سے ثابت ہو چکی اس کو بھی جانے دیجئے نعوذ باللہ منہا۔ کیا خدا کو اپنے حبیب خاص اور محبوبان دیگر سے عداوت حتیٰ کہ وہ ان کے دشمن جان سے نہ آگاہ کر دیتا کیا حضرت جبریلؑ کو بار بار آنے میں تھکان ہوتا تھا یا کچھ حکم خداوندی میں عذر تھا سو اول بات کو تو ان کی قوت بازو کے حالات قطع کرتے ہیں اور دوسری بات کو آیت لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (روہ فرشتے اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور اگر گزرتے ہیں جس کام کا ان کو حکم دیا جاتا ہے) قطع کرتی ہے



دوسرے یہ کہ جو آیت اس قصہ والوں کے حق میں نازل ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ دنیا میں ذلیل و خوار ہوں گے اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا یہ تو سب امور سوائے منافقین کے اور کس کس کے لیے ہوتے بلکہ شیخین کے لکھو کھا متبعین و معین ہوتے اور ہوتے چلے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ تم کو بھی ہدایت کرے آمین ثم آمین فقط

## سوال بست و یکم و بست و دوم از جناب شیخ

حضرت پیغمبر خدا نے ان لوگوں کے نام خذیفہؓ کو بتلائے تھے یا نہیں اور حضرت عمرؓ نے خذیفہؓ سے یہ سوال کیا یا نہیں کہ پیغمبر خدا نے میرا نام تو نہیں لیا۔ فقط

جواب سوال بست و یکم۔ حضرت خذیفہ رضی اللہ عنہ صاحب سر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو جو باتیں بعضے ان کو معلوم نہیں وہ کسی کو معلوم نہ تھیں نہ حضرت علیؓ کو نہ حضرت ابو بکرؓ نہ حضرت عمرؓ نہ حضرت عثمانؓ وغیرہم (رضی اللہ عنہم) اور اگر ان اصحاب کبار کو بھی وہ باتیں معلوم ہوں۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کی دیرور کی شہادت بر خاست ہو بوجہ دوستی اور غلٹ اسلامی جس پر احادیث صحیحہ شاہد ہیں یہ بات مترشح بھی ہوتی ہے۔ تو پھر حضرت خذیفہؓ کے صاحب السر ہونے کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ اپنے ہم قسم لوگوں میں اس بات میں ممتاز تھے بہر حال راز کی باتوں کو کوئی کیا جانے پھر وہ بھی میں اور آپ۔ اب تک یہ بھی خبر نہیں کہ ایمان کس کا نام ہے باقی یہ نام کا ایمان کس کا کام کا اور اگر ثابت ہے تو اس قدر ثابت ہے کہ بعض صحابہؓ کو اسماء منافقین اور سلاطین جو معلوم تھے پر آپ کو اس سے کیا مطلب؟ آپ کو ان باتوں سے اپنے مطلب پنہانی کی امید رکھنی ایسی ہے جیسے بیل کے پیٹ سے مرغی کے انڈے کی امید۔

## جواب سوال بست و دوم

(علماء اور کا ملین انجام سے خائف ہوتے ہیں، ہم نے آج تک اپنی یاد میں کوئی روایت اس مضمون کی نہیں دیکھی جس سے یہ ثابت ہو کہ حضرت عمرؓ نے حضرت خذیفہؓ سے یہ پوچھا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام تو نہیں لیا۔ پر پوچھ لیا ہو تو حضرت عمرؓ کے



قربان جانا چاہیے۔ ایسا خدا کا خوف کس کو ہوگا جو یوں خدا کی بے نیازی سے ڈر کر اپنے خاتمہ سے اندیشہ مند ہے۔ جناب من! کلام اللہ میں سورۃ المؤمنین میں تو اچھے بندوں کی تعریف میں یہ ارشاد ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ  
مُسْفِقُونَ  
جس کے معنی یہ ہیں تحقیق وہ لوگ جو خدا کے خوف سے ڈرتے ہیں۔

پھر اس کے بعد ان کا انجام بیان فرماتے ہیں  
أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ  
لَهَا سَابِقُونَ  
یعنی ایسے ہی لوگ خیرات میں دیر نہیں کرتے  
اور وہی لوگ خیرات کو لے بھاگے۔

اور صرورت فاطر میں یہ ارشاد فرمایا ہے۔

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ  
جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ خدا سے وہ ہی ڈرتے  
ہیں جو خدا کے جاننے والے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اور سائے کلام اللہ میں ایک جانب میں ہدیوں  
جیسی باتیں ہیں سو حضرات شیعہ کی ہم نہیں کہتے سوال ان کے جس سے چاہیے پوچھ لیجئے ان باتوں  
کو بشادیت کلام اللہ منجملہ کمالات ایمانی ہی سمجھے گا ہاں شیعہ اگر خوف خدا کو کھنکھتے ہوں  
تو دور نہیں۔ ورنہ پھر حضرت علیؑ کی محبت ہی کی کیا قدر رہ جائے گی۔

بہر حال یہ بات تو اس قابل تھی کہ آپ زمار دلی کو توڑ کر حضرت عمرؓ کی زیارت کا احرام  
باندھتے۔ تو یہ استغفر اللہ احرام نہیں صاحب زیارت کا سامان کرتے پر اٹے آپ تو منہ کے  
آئے مگر ان کہیاں سننے لگے سو اس کا جواب بجز اس شعر کے اور کیا دیا جائے۔ شعر۔

چشم بد اندیشش کہ برکنہ باد عیب نماید ہنرشش در نظر

غرض جواب تو بندہ نے عرض کیا آگے اس کی ضرورت نہیں۔ یہ روایت صحیح ہے  
یا غلط باں ہمہ اگر اسی کا شوق ہو تو مولانا محمد یعقوب صاحب۔ مولانا سید احمد، ملا احمد صاحبوں  
سے دریافت فرمائیں زیادہ جمع حراشی ہے۔

جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

(قصہ عقبتہ اور حضرت حذیفہؓ) بڑے افسوس کی بات ہے



کہ سائل کو قصص تک کی بھی خبر تھیں علی الاطلاق زمین اور آسمان کے قلابے ملتا ہے کجا قصہ عقبہ اور کجا حضرت خذیفہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علامت نفاق بتانا اور کجا حضرت عمرؓ کا اپنے باب میں دریافت کرنا۔ قصہ عقبہ کا تو ذکر جواب بستم میں یہ تفصیل تمام مذکور ہے نہ اس بارہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خذیفہؓ کو اسرار منافقین بتائے اور نہ حضرت عمرؓ نے کچھ ان سے اپنے باب میں پوچھا بلکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بطور قواعد کلیہ کے حضرت خذیفہؓ کو علامت نفاق کی فرمائی تھی تاکہ وہ معلوم کر لیں اور حضرت عمرؓ کا ان سے اپنے لیے پوچھنا یہ کمال حضرت عمرؓ کے خوف خدا اور کمال ایمان پر دلالت کرتا ہے لَدُنَّ الْإِيمَانِ بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ اور بدرجہ غایت تقویٰ و پرہیزگاری پر دلالت کرتا ہے کہ اگر حسب اتفاق کوئی مجھ میں برائی ہوگی بھی تو اس کے درپے اصلاح و استیصال کے ہوں گے یہ سائل کی فطرت میں کہ تین قصوں کا ایک قصہ بنا دیا تاکہ ناواقف دھوکے میں آجائے چنانچہ مدارج النبوة میں حضرت خذیفہؓ کے فضائل میں لکھا ہے اور اس کو قصہ عقبہ سے کچھ علاقہ نہیں۔

وہكذا عبارة مدارج النبوة بالاختصار خذيفه  
اليماني كنيت ابو عبد الله از كبار صحابه است  
صاحب سر رسول الله بود و نزد و عی سلم  
منافقين تعليم کرده بعد از ان حضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم اور اصفا ت نفاق دانانیدہ بود و  
اشخاص منافقان و اسماء ایشان را کہ کدام  
اند و بود عمر کہ سوال میکرد اور از حدیث فتنہ  
و سوال میکرد از علامات نفاق و میگویند کہ  
یک بابے پسید عمر از خذیفہ آیا چیزیکو می  
بینی تو از علامات نفاق در من؟ گفت نمی  
بینم۔

و مدارج النبوة کی عبارت مختصر یہ ہے کہ خذیفہ یمانیؓ  
کی کنیت ابو عبد اللہ ہے اکابر صحابہؓ سے ہیں حضور  
علیہ السلام کے رازدان تھے حضور علیہ السلام نے ان  
کو منافقین کا پتہ بتلایا تھا اور نفاق کی علامت اجلائی  
تھیں اور منافقین کے اشخاص اور ان کے نام بھی  
بتائے تھے کہ کون کون ہیں۔ حضرت عمرؓ ان سے  
فتنوں کی حدیث کے متعلق پوچھا کرتے تھے اور  
نفاق کی علامات کے متعلق بھی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ  
حضرت عمرؓ نے خذیفہؓ سے پوچھا کہ کیا نفاق کی علامات  
میں سے کوئی میرے اندر بھی آپ پائیں؟ فرمایا میں آپ  
میں کوئی علامت نفاق نہیں دیکھتا،



غور کرنے کا مقام ہے کہ سائل نے دھوکہ بازی کر کے کیا جوتی سے کان گاسٹھے تھے پھر کیا ہوا۔

جاء الحق وذهق الباطل

(حضرت خلیفہ رضا کو منافقین کے نام اور علما کا کلیہ بتلائی تھیں۔)

جاننا چاہیے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خلیفہ رضا کو منافقین عقیقہ ہی کا نہیں بتایا بلکہ تمام منافقوں کے نام بتائے اور چند نشانیاں بطور کلیہ جیسے کہ حدیث میں منافق کی وارد ہوتی ہیں اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَافَا وَعَدَ اَخْلَفَ (منافق جب بولتا ہے جھوٹ کہتا ہے جب وعدہ کرتا ہے خلاف ورزی کرتا ہے اور جھگڑاتا ہے تو گالی بجاتا) اور اِذَا خَاصَمَ فَجَرَ وَاِذَا اُوْتِيَ خَانَ۔

(بخاری ص ۱۱۱ مسلم ص ۵۶)

ہے جب امین بنایا جاتا ہے تو خیانت کرتا ہے۔)

فرمائیں تادم نرگ منافقین کو پہچان لیں حضرت عمرؓ کا ان سے اپنے باپ میں دریافت کرنا عین حقانیت و پاک طینتی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ انہوں نے بطمع اصلاح اپنے حال کو دریافت کیا نہ بوجہ شبہ کیونکہ وہ لوگ بسبب کمال عرفان ذات باری کے باوجود ہزار ہا بشارت کے ہر وقت اسی شان بے نیازی سے لرزاں و ترساں رہتے تھے کہ مبارک کوئی خرابی نہانی خلافت مرضی ربانی ہم میں ایسی نہ ہو کہ جس سے انحطاط مرتبہ کا ہو جائے۔ حضرت خلیفہ رضاؓ کے جواب سے معلوم ہوا کہ ان میں کوئی علامت نفاق کی نہ تھی اور بایں وجہ حضرت خلیفہ رضاؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی قبول کی فقط (یعنی ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی)

سوال بست سوم از جانب شیعه (بلسہ حدیث و طاس)

حضرت عمرؓ نے آخری وقت میں پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وصیت کرنے سے کیوں منع کیا۔

جواب سوال بست سوم: حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وصیت کرنے سے کہاں منع کیا ہے اور ان کی کیا مقدور تھی جو منع کرتے اتنا طوفان بھی کہیں سنا ہے پہلے تو آپ ہی فرمائیں کہ وہ وصیت ہی کب تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستور العمل کے طور پر کچھ لکھوانا چاہا تھا چنانچہ ارشاد اَلْکُتُبُ لَکُمْ کِتَابًا لَّکُنْ تَضِلُّوْا بَعْدَیْ اس پر



شاید ہے اس لیے کہ اس کا حاصل قابل سمیت یہ ہے کہ دو ات قلم لاؤ ایسی کتاب لکھو دوں جو تم پھر کبھی گمراہ نہ ہو مگر اس وقت آپ کو مرض کی شدت تھی کسی نے یہ سمجھ کر کہ کتاب اللہ کے بعد شہادت آیت وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (اور ہم نے آپ پر کتاب اتا جس جو ہر چیز کو بیان کرنے والی ہے)

اور نیز بدستائز حدیث ثقلین جس کے الفاظ اور معنی جواب سوال سوم منجلہ سوالات اربعہ میں مرقوم ہے اوکس چیز کی حاجت ہے۔ یہ رائے دی کہ کیا حاجت ہے کہ ایسے وقت میں یہ تکلیف دی جاتی ہے آپ بوجہ کمال شفقت فرماتے ہیں بطور ایجاب نہیں فرماتے کسی نے امثال ارشاد کو مقدم سمجھا آخر کار حضرت عمر رضی بھی یہ بولے جسنا کتاب اللہ۔ (حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؑ کی رائے حضرت عمرؓ کے موافق ہو گئی)

سو حضرت پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی اسے برقرار رکھا اور حضرت امیرؓ نے بھی اسی رائے کو عمدہ سمجھا ورنہ حکم ایجابی ہوتا ہے۔ اور یہ رائے لکھوانے کی) ناپسند ہوتی تو جناب رسالت مآبؐ تو حکم یَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ (اے رسول تبلیغ کیجئے ان امور کی جو آپ پر ربؐ کی طرف سے نازل کئے گئے) ضرور اس کام کو کر کے چھوڑتے اور حضرت امیرؓ دولت قلم لے آتے بافرمانوں کے زمرہ میں داخل نہ ہتے بہر حال حضرت عمرؓ کے اتنے کئے سے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹ سکتے ہیں نہ حضرت امیرؓ کی رستگاری متصور ہے۔ اگر یہ نہیں تو پھر ہم یہی کہیں گے سب حضرت عمرؓ کے ساتھ ہی ہیں اس رفاقت پر تو خیال کرو کہ خدا کا خلاف کیا (بقول شیخ) پر حضرت عمرؓ کا خلاف نہ کیا جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت امیرؓ کا اتنا پیارا ہو کہ اس کے سامنے خدا کا بھی لحاظ نہ کرتے ہوں پھر تم کس منہ سے بد کہتے ہو۔ استغفر اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

شاید یہ پیارا اور محبت اس وجہ سے ہو گا کہ آخر کار داماد مہر تصوی ہونے والے تھے۔  
(تقیہ کے عذر رنگ کا ازالہ :-)

اکثر ایسے مقام میں اکثر حضرات شیعہ وہ عذر تقیہ جس کو عذر گناہ بدتر از گناہ کہتے پیش کیا کرتے ہیں سو یہ ہمار جانے کی باتیں ہیں تقیہ کی رد سے تو کلام اللہ بھرا ہے پر تقیہ کا اثبات



کہیں نہیں دو چار دلیلیں تقیہ کے ابطال کی بہت بسط کے ساتھ یہ الشیعہ میں بھی موجود ہیں اگر طلب حق ہے تو دیکھنی لازم ہیں باقی بقدر ضرورت تو اوراق گذشتہ میں بھی مذکور ہو چکا ہے ۔  
 بایں ہمہ حضرت رسول اللہ علیہ وسلم اور حضرت امیرؓ نے تقیہ کیا تو کیا بشر تھے اگرچہ شیعوں کے طور پر خدا سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں اور کم بھی ہیں تو اتنے نہیں کہ تقیہ کی ضرورت ہو چنانچہ علم کی یہ وسعت علم ماسکان و مایکون ہو کہینی اس پر شاہد ہے اور قدرت کی یہ زور کہ درخبر چھوڑ آسمانوں کو ہلا ڈالیں پر یہ تو فرمایئے کہ خدا تعالیٰ نے بھی تقیہ ہی کیا جو چپ چاپ ہو کے بیٹھ رہے پھر خبر ہی نہ لی کہ ہمارا حکم امت محمدی کو پہنچایا نہیں ۔ میں پوچھتا ہوں اگر حکم مشار الیہ پہنچ چکا تھا ۔ تو حضرت عمرؓ کی یہ گزارش ایسی تھی ۔

(حضرت عمرؓ نے حضورؐ کے ادبِ آرام کی خاطر یہ کہا)

جیسے حضرت علیؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ میں لفظ رسول اللہ کے ٹٹانے کو فرماتے تھے اور نہ مانتے تھے کہ وہی اے حکموں کا نہ ماننا بے ادبی ہے ؟ یا عین ادب ۔ اگر آپ کی والدہ ماجدہ خدا نخواستہ بوقت شدت بیماری آپ کے اس بات کی خواستگار ہوں کہ تمہارے کام میں ہی کروں گی تو گویا ان کا ارشاد بوجہ محبت بھی یہ کیا آپ کی یہی سعادت مندی ہے کہ بے ضرورت ان سے کام لینے کو تیار ہوں ۔ اگر حضرت عمرؓ کی اس عرض کو بھی اسی قسم سے سمجھ لیتے تو کیا گناہ تھا بہت ہو گا تو اتنا ہو گا کہ ایک ممدوح خدا کی بات بنادی تم ہی کہو یہ بات بری ہے یا بھلی اگر بری ہے تو پھر اس کا کیا جواب کہ اگر عمرؓ ایسے تھے تو خدا نے کس بھروسہ پر تعریف کی تھی اور کہا تھا ۔ والذین معه استداروا علی الکفار الخ ۔ والسابقون الاولون الآتية ۔ الذین

امنوا وهاجرو الخ یوم لا ینحزی اللہ النبی الخ  
 (قلم دوات لانا گھروالوں کا کام تھا۔)

ہاں اگر یہ معنی اور یہ احتمال اس احتمال سے عمدہ نہ ہو جب ہی کہو آپ ہی فرمائیں اول تو وصیت کو اس سے کیا علاقہ اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہی ۔ پھر کئی روز حضرت



بقیہ حیات ہے حضرت عمرؓ کیا اسی در کے دربان تھے جو نہ ملے اور گنجائش نہ ملی پھر بھار کے خطاب تو اپنے تیمار داروں کی نسبت ہوا کرتے ہیں جو کار خدمت ہوا کرتے ہیں اہل و عیال کو کہا کرتے ہیں۔ آنے جانے والوں عیادت کرنے والوں کو کوئی نہیں کہا کرتا۔ یہ حضرت علیؓ کا کام تھا انہوں نے کیوں نہ کہا۔ حضرت عمرؓ نے بھی انہیں ہی دیکھ کر ان کی پیروی کی سو اس میں کیا برائی ہے اگر حکم مذکور قبل ارشاد مذکور اعمیٰ اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ امت کو پہنچانہ تھا اور پھر بدستور بات وہ نہیں بھی تھی تو یہ دور تک پہنچتی ہے تمہارے خیال کے موافق نہ حضرت امیرؓ پچیں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پچیں نہ خود خداوند کریم سالم ہیں نعوذ باللہ من هذا المذهب۔ اے مذہب پر کیا کہوں تم سمجھ جاؤ۔ اور اگر یہ وصیت ہی تھی اور وصیت بھی خلافت ہی کی اور آپ کو اس چھیر ٹھپاڑ سے غرض یہی ہی ہے تو آپ کو یہ الہام کیونکر ہوا کہ حضرت علیؓ کے لیے وصیت تھی ہم کہتے ہیں حضرت ابو بکرؓ کے لیے لکھواتے تھے چنانچہ حدیث ویابی اللہ ویبدفع المؤمنون جو سوال اول کے جواب میں مرقوم ہو چکی۔ اس پر شاہد ہے اس سے زیادہ تفصیل منظور ہو تو کچھ اوراق گذشتہ کو پلٹ کر مطالعہ فرمائیں یا ہدایتہ الشیعہ کو مطالعہ سے مشرف فرمائیں۔ پر غور کی حاجت ہے انصاف کی ضرورت ہے فہم و فراست بکار ہے ورنہ ہدایتہ الشیعہ کیا چیز ہے وحی آسمانی بھی بے کار ہے۔

## جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

(قرآن و سنت اور اہل بیتؑ کی محرومی)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کب وصیت کی اور حضرت عمرؓ نے کہاں منع کیا کچھ پتہ تو کیا ہوتا۔ رنج ہے کہ باوجود بزرگم خود محبانِ عترت ہونے کے خدمت و ترانے سے تو بدولت حضرت عثمانؓ کے محروم ہے اور اکثر اشخاص عترت سے بدولت



عقیدہ فاسدہ اپنے کے اور قرطاس آخری سے بدولت حضرت عمرؓ کے محروم ہے یہ ہی تین چیزیں ہدایت کی تھیں انہیں سے محروم ہو کر خسر الدنیا والآخرۃ ہو گئے افسوس ہے کہ ان کے لیے کوئی صورت ہدایت کی نہ ہوئی وادی جہل میں ٹکراتے رہ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کسی کی کیا خطا خیالاً خام کو مقتدی و پیشوا بنانے کا یہ ہی ثمرہ ہے وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (پک السجۃ ۲) چونکہ حضرت عمرؓ کی رائے اکثر امور میں موافق وحی کے ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ چند قصص سے معلوم ہوتا ہے اگر اس مقدمہ میں بھی دخل ہو گئی تو کیا برا کیا یہ رد وحی نہیں ہے۔

اور اگر نہیں مانتے تو حضرت علیؓ نے اَتَخْلَفُنِي فِي النَّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ (مسلم ص ۲۷۸ ترمذی ص ۲۱۷) کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں جا شین بنا کر جا رہے ہیں) حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ لیجانے پر کیوں فرمایا باوجود صدرِ رحم کے خاموش کیوں نہ رہے اور نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغرض لے کر ساتھ اہل بیت میں سے صرف بارہ کو قابلِ اتباع مانا اور پھر ان کے تقیہ کرینی وجہ سے ان کے فیوض سے محروم ہے اور آخری حجت خدا امام العصر تن ۱۲ سال سے غائب ہیں اور شیعہ ان کی اتباع و ہدایت سے یکسر محروم ہیں قاضی نور الدین شوتری نے مجالس المؤمنین ص ۵۴ میں شیعہ اہل بیتِ عمرت کو کہتے ہیں بدتر کلمات تو بے عقل کفرِ فتنہ باشد اِذَا الْعَلَوِي تَابَعَ نَاصِبِيَا۔ بِهَذَا هَبَ فَمَا هُوَ مِنْ اَبِيْنَا۔ وَكَانَ الْكَلْبُ خَيْرًا مِنْهُ طَبَعًا۔ لَانَ الْكَلْبُ طَبَعَ اَبِيْهِ فِيْهِ۔ حضرت علیؓ کی اولاد جب سنی مذہب پر چلے تو وہ اپنے باپ کی نہیں۔ اس سے تو کتنا مزاج کے لحاظ سے اچھا ہے کیونکہ اس میں اپنے باپ کی عادت پائی جاتی ہے۔

سلف اہل سنت عیب جوئی اور خردہ گیری کی نیت سے کسی شخصیت کا مطالعہ نہیں کرتے ورنہ شیعہ ذہن سے ذرا کام لیا جائے تو ان کے ممدوح آفاق اکابر بھی ایسے الزام سے بچ نہیں سکتے مجبوراً چند مثالوں کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے ۱۔ حضرت علیؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوا کہ لفظ رسول اللہؐ مٹا دو لیکن انہوں نے تعمیل نہ کی (قصہ حدیث عمۃ البیان ص ۲۶۲)۔ حضرت علیؓ کو حضور علیہ السلام کا حکم تھا کہ میرے ذمہ جو لوگوں کی امانتیں ہیں ادا کر کے میرے اہل بیت کو ہمراہ لے کر مدینہ آنا لیکن انہوں نے سرانجامی نہ کی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث اور ابوطیف کو ۵ درہم اور دو اونٹ دیکر مدینہ سے مکہ کو امانتیں ادا کرنے کی خاطر بھیجا اور عبد اللہ بن ابی بکرؓ اہل بیت کو ہمراہ لے کر مدینہ پہنچے (شیعہ حضرات کی کتاب سیر اللہ ص ۱۵۱)۔ ۲۔ حضرت فاطمہؓ کو اپنے فرمایا میں سفر کو جاتا ہوں۔ میرے آنے تک جو تمہارا بیٹا ہونے والا ہے اسے دودھ نہ دینا مگر حضرت فاطمہؓ نے تین دن تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تقیہ



مصلحت و دفع مشقت امتیوں کی بمشورہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) تو بار کیوں حکم الہی امتیوں میں رد بدل رکھا اگر ایسے امور خدا نخواستہ رومی ہوتے تو معاذ اللہ انبیاء علیہم السلام سب سے اول اس گناہ میں شامل ہوتے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کا فرمانہ بخیاں رفاہست اور آرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا جیسا کہ خود حضرت نے بسبب شفقت و محبت امت مذنبہ کے کیا۔

### سوال بست کو چہارم از جانب شیخ

بیمار پر آخری وقت میں وصیت کرنی واجب کیا نہیں اور خصوصاً پیغمبر خدا پر؟

### جواب سوال بست چہارم

بیمار کے ذمہ پر کسی کا لینا دینا ہو تو وصیت واجب ہے نہیں تو نہیں۔ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ بھی نہیں جو وصیت فرماتے اور جو کچھ تھا اس کی نسبت نہ دیا  
 مَا كُنْ مَعَاشِرُ الْأَنْبِيَاءِ لَا تُوَدِّتُ مَا  
 تَرَكَنَا صَدَقَةً (بخاری ص ۹۹۶، ابوداؤد ص ۵۶، ترمذی ص ۱۹۲)  
 (ہم گروہ انبیاء کسی کو وارث نہیں بناتے ہمارا ترکہ صدقہ بن جاتا)

باقی دربارہ دین بہت سی وصیتیں فرمائے ہیں منجملہ یہ بھی ہیں۔

۱۔ اقْتَدُوا بِالَّذِينَ مِنْ بَعْدِي إِلَى بَيْتِكُمْ وَنَحْرٍ  
 (ترمذی ص ۲۰۶، ازالۃ الخفاء ص ۸۹، بحوالہ متدرک حاکم)  
 ۲۔ فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ  
 الرَّاشِدِينَ الْمُهْتَدِينَ۔ (ابوداؤد ص ۲۸۴)  
 (تم پر لازم ہے کہ میری سنت پکڑو اور میرے بعد خلفاء راشدین کی۔)

باب فی لزوم السنۃ ترمذی ص ۹۲

۳۔ اَلِیَّ تَارِكٌ فِیْکُمْ الثَّقَلَیْنِ الْغَزَلِیْنِ (میں تمہارے اندر دو بھاری چیزیں چھوٹے بارہا ہوں)

بقیہ حاشیہ

کے آنے کی انتظار کی جب آپ تشریف نہ لائے تو حضرت فاطمہؓ نے اپنے بیٹے حسنؓ کو دودھ دے دیا آپ ہی بتلائیں کہ حضورؐ کے حکم کی تعمیل ہوئی یا نہ (جلال العیون شیعہ)۔ ۱۲ مہر محمد۔ ۴۔ حضرت جنین رضی اللہ عنہما کو حضرت علیؓ نے وصیت فرمائی تھی کہ اے حسن و حسین! لا تخلوهاما لبقیتہم۔ یعنی جب تک تم زندہ رہو مکہ معظمہ سے نہ نکلنا نہج ابلاغہ ص ۲۲ کیا آپ نے مکہ کو خالی کر کے شہید ہو کر اپنے والدین کے ساتھ کی تعمیل کی؟ ۱۲ مہر محمد۔



۵ لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ .

یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو انہوں نے اپنے انبیاء کرام کی قبروں کو مسجد گاہ بنا لیا۔

(مسلم ص ۱۲ بخاری ص ۶۲)

## جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب

(تفسیر مدارک (بقبرہ کی آیت وصیت) میں ہے۔)

۱. (كُتِبَ) فُرِضَ رَعَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمْ  
الْمَوْتُ (أَيِ إِذَا دَنَا مِنْهُ فَظَهَرَتْ لِمَا رُئِيَ  
أَنْ تَرَكَ خَيْرًا) مَا أَكْثَرُ مَا رَوَى  
عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ مَوْلَى لَهُ  
أَرَادَ أَنْ يُوَصِّيَ وَلَهُ سَبْعُمِائَةٍ فَمَنَعَهُ  
وَقَالَ: قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: إِنْ تَرَكَ خَيْرًا  
وَالْخَيْرُ هُوَ الْمَالُ الْكَثِيرُ وَلَيْسَ لِلشَّعَالِ  
وَفَاعِلٌ كُتِبَ (الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأُولَى  
قُرْبَيْنِ) وَكَانَتْ الْوَصِيَّةُ لِلْوَارِثِ فِي  
بَدْعِ الْإِسْلَامِ فَتَنَحَّتْ بِأَيَّةِ الْوَارِثِ  
كَمَا بَيَّنَّاهُ فِي شَرْحِ الْمَنَارِ، وَقِيلَ  
هِيَ غَيْرُ مَنْسُوخَةٍ لِأَنَّهَا نَزَلَتْ فِي  
حَقِّ مَنْ لَيْسَ بِوَارِثٍ بِسَبَبِ الْكُفْرِ  
لِأَنَّهُمْ كَانُوا أَحَدِيثِي عَهْدٍ بِأَنَّ  
سَلَامَ يُسَلِّمُ الرَّجُلَ وَلَا يُسَلِّمُ الْبَوَاهُ  
وَقَرَأَتُهُ وَالْإِسْلَامُ قَطَعَ الْوَرِثَ  
فَشَرَعَتِ الْوَصِيَّةُ فَيُتَابَعُ بِذَلِكَ قَضَاءُ

یعنی تمہارے اوپر فرض کیا گیا ہے جب تم میں سے  
کسی کو موت آئے اور نشانیاں ظاہر ہو جائیں اگر  
وہ مال چھوڑے (یعنی) مال بہت کیونکہ حضرت علیؓ  
سے روایت ہے کہ ان کے آزاد کردہ غلام نے  
وصیت کا ارادہ کیا کہ... درہم اس کے پاس تھے  
تو آپ نے منع فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ  
بہت مال چھوڑ کر مرے (تب وصیت کرے)  
یہ مال زیادہ نہیں کتب کا فاعل الوصیہ ہے کہ  
فرض کی گئی ہے مال باپ کے لیے اور رشتہ داروں  
کے لیے۔ وصیت ابتدائے اسلام میں (لازم)  
تھی تو آیت وراثت سے منسوخ ہو گئی جیسا کہ  
ہم نے شرح منار میں بیان کیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا  
ہے کہ منسوخ نہیں ہے کیونکہ یہ ان لوگوں کے  
حق میں اتنی جن کا کفر کی وجہ سے کوئی وارث  
نہ بن سکتا تھا۔ کیونکہ وہ نئے نئے مسلمان ہوئے  
تھے ایک شخص مسلمان ہوتا تو اس کا باپ یا رشتہ دار  
مسلمان نہ ہوتے اور اسلام نے ان کو وراثت سے  
محروم کر دیا تو وصیت اسی دوران جائز کر دی گئی



لَحَقَّ الْقَرَابَةُ نَدَبًا وَعَلَى هَذَا لَا مِرَادُ  
بِكُتُبِ فِرْعَوْنَ (تفسیر مآرک ص ۹۲)

تاکہ بطور استیجاب شرتہ داری کا حق ادا کیا جائے اس صورت  
میں کتب سے فرض (فرض کیا گیا ہے) ملو نہ ہوگا۔

معلوم ہوا کہ وصیت مال کثیر میں جاری ہوتی ہے اول تو حضرت کے پاس مال ہی کہاں تھا  
اور پھر کثرت کی بھی شرط۔ اذافات الشروط المشروط۔ اور بایں ہمہ ہم یوں کہتے ہیں کہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خواہ مال قلیل تھا یا کثیر اس کو تو وہ صدقہ کر ہی چکے تھے چنانچہ محسن معاشر  
الانبياء لا نودث ما ترکنا صدقۃ سے یہ ہی ثابت ہوتا ہے بایں وجہ مدعی کا دعویٰ  
وراثت بھی غلط اور وصیت بھی کس جگہ جاری ہو۔

(حضور علیہ السلام کی متروکہ اشیاء)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہ چند اشیاء چھوڑی ہیں جو اس حدیث سے ثابت  
ہوتی ہیں۔

مَا تَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
عِنْدَ مَوْتِهِ دِرْهَمًا وَلَا دِينَارًا وَلَا عَبْدًا  
وَلَا أَمَةً وَلَا شَيْئًا إِلَّا بَعَلَّتْهُ الْيَتَامَى  
وَسِلَاحُهُ وَأَيْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً  
(بخاری ص ۳۸۲ ج ۱) (دی تھی۔)

(حضرت علیؑ کے لیے خلافت کی وصیت بالکل نہیں کی)

اور وصیت خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی طرح ثابت نہیں۔ کیونکہ حضرت  
عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

مَتَى أَوْصَى إِلَيْهِ فَقَدْ كُنْتُ  
مُسَدِّتَهُ إِلَى صَدْرِي أَوْ قَالَتْ حَجْرِي  
فَدَعَا بِالطَّسْتِ فَلَقَدْ رَحَنْتُ فِي  
حَجْرِي فَمَا شَعُرْتُ أَنَّهُ قَدْ مَاتَ  
فَمَتَى أَوْصَى إِلَيْهِ۔

(بخاری ص ۳۸۲ ج ۱) (حضرت علیؑ کو وصیت کی تھی۔)



خاص حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وصیت کا پتہ بھی نہیں ملتا دو تین باتیں بلور وصیت عامہ فرمائی ہیں ایک تو یہ کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دینا۔ دوسری یہ کہ جو جماعت وفود کی تمنا سے پاس آئے اس کی خاطر داشت کرنا اور جائزہ سے پیش آنا جیسے میں پیش آتا تھا۔ تیسری وصیت راوی سے فراموش ہو گئی غالباً وہ تجھیز و تمیز اسامہ تھی ہاں بالخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ میں ہر سال اضحیہ کا فرمایا کہ تم میری طرف سے کروا کر و چنانچہ امیر المومنین تادم زیست اس پر قائم ہے اگر کوئی اور بھی وصیت در باب خلافت ہوئی کیا ایسی بڑی وصیت کو چھوڑ دیتے اور ہر وقت خلافت شیعین مدعی نہ ہوتے یہ بات ان کی علوظ فی اور بلند ہمتی سے بعید ہے کیا حدیث مَنْ قَتَلَ دُونَ حَقِّهِ فَهُوَ شَهِيدٌ بھی یاد نہ ہوگی۔

## سوال بست و پنجم از جانب شیعہ

اس وصیت کی تحریر نہ ہونے سے اسلام میں رخنہ واقع ہوا یا نہیں

جواب سوال بست و پنجم

(عدم تحریر سے اسلام میں رخنہ نہ پڑا ہاں مذہب شیعہ ضرور بابت ہوا۔)

اول تو ارشاد مثار الیہ یعنی اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدی وصیت نہیں۔ اور دربارہ دین وصیت کیسے تو کچھ رخنہ نہیں پڑا ہاں کلام اللہ باقی نہ رہتا یعنی سنی یاد نہ کرتے اور شیعوں کی طرح اس کے عوض مرثیہ کتاب سوز نوہ مقرر کر لیتے تو البتہ دین میں رخنہ پڑ جاتا کتاب مفصل کے ہوتے کتاب مجمل کی کچھ ضرورت نہیں ہاں یہ کیسے شیعہ بگڑ گئے مگر جیسے احوال (بھینگے) لو ایک کے دو نظر آتے ہیں اور وقت ہجوم استفراغ لڈو پیڑے بھی نہیں بھالتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایسی اچھی بات جو خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت امیر سب کو پسند چنانچہ عرض کر چکا ہوں شیعوں کو بڑی لگتی ہے سو یہ ان کا قصور ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصور اور وصیت کے نہ لکھنے کا قصور نہیں جیسے احوال کا قصور ہے اس شے کا قصور نہیں مرد بیمار کا قصور ہے لڈو پیڑوں کا قصور نہیں۔ یہاں بھی شیعوں کی آنکھوں کا قصور ہے اور ذوق و فہم کا فتور نہ دین میں رخنہ نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کچھ گناہ غرض جیسے یہاں لڈو پیڑوں میں کچھ رخنہ نہیں پڑا ہاں دین میں کچھ رخنہ نہیں پڑا۔



## جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

سینوں کے اسلام میں تو کچھ رخنہ واقع نہیں ہوا مگر ہاں جو تحریر ہو جاتی تو آگہ ہدایت کا شیعوں کے بھی ہاتھ آ جاتا یوں چوہے کی طرح کورے گھڑے میں نہ رہ جاتے اے حضرات امامیہ قرطاس وصیت نہ ہونے پر اتنے کیوں بگڑتے ہو سنیاں سلمہ اللہ تعالیٰ کو اس وصیت قرطاس کی حاجت بعد واقع غدیر کیا تھی جنہوں نے بزعم شیعہ ہزاروں کے سامنے کی بات کو چھپایا ان سے ایک کافذ کا خلاف نہ ہو سکتا نعوذ باللہ من هذه الهفوات۔

اور اس وصیت کی تحریر کے نہ رخنہ انداز ہونے پر یہ دلیل ہے کہ امام احمد سے روایت ہے۔  
 عَنْ سَفِينَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْخِلَافَةُ ثَلَاثُونَ عَامًا ثُمَّ يَكُونُ بَعْدَ ذَلِكَ الْمَلِكُ (منذ احمد ص ۲۲ ترمذی ص ۴۵)

فرمایا علماء ہمارے نے کہ تیس برس تک خلافت خلفاء اربعہؓ اور امام حسنؓ تھی اور بعض بعض روایات میں ثم یكون ملکا جبرية ہے۔  
 معلوم ہوا کہ بالفرض اگر حضرت لکھ بھی دیتے تو کیا ہوتا بعد خلافت کے ملک جبریت کا

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خلافت علی منہاج النبوة تیس سال تک ہوگی اور یہ بھی خلفاء کے ذاتی مناقب و فضائل کی حیثیت سے ورنہ رعایا میں امن و امان اور استحکام خلافت کے لحاظ سے ۲۵ برس حضرت عثمانؓ کی شہادت تک رہی پھر فتن کا دور شروع ہو گیا۔ مگر اس کے بعد جو خلافت ہوگی اس میں باقی صفحہ ۱۴۵ پر



تو ظہور ہونا ہی تھا کہ جس کی خبر اتنی مدت پیشتر حضرت نے بطور پیشین گوئی فرمائی غرضیکہ نہ کھٹے جانے سے بھی جب تک خداوند تعالیٰ نے چاہا بات بنی رہی سب باہم شیر و شکر کی طرح ملے ہیں اور جب کسی قسم کا فتنہ اور فساد منظور ہوا صد آیات قرآنی اور احادیث رسول سبحانی در باب اتحاد و ایتلاف فی مابین کے رکھے رہ گئے ایک وصیت بچاری کیا بگاڑ کرتی۔

## سوال بست و ششم از جانب شیعہ

تخنین اور دیگر صحابہؓ نے جہنم سے تخلص کیا یا نہیں باوجود تاکید سخت پیغمبر خدا کے۔

بقیہ حاشیہ :- ملکیت کی آمیزش بھی ہوگی اور وہ خلافت راشدہ علی منہاج النبوة سے کم درجہ ہوگی۔ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت معاویہؓ کی خلافت ہی نہ تھی یہ مطلق العنان بادشاہت اور حکومت تھی کیونکہ بعض دفعہ مرتبہ کمال کی نفی کو اصل چیز کی نفی سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے احادیث میں آتا ہے کہ مسجد کے پڑوسی کی نماز سوائے مسجد کے نہیں ہوتی، اور بے امانت آدمی کا کوئی ایمان نہیں ہوتا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کی خلافت عادلہ کے سلسلہ میں مرفوع احادیث بھی آئی ہیں چند یہ ہیں۔  
اللہم اجعلہ ہادیامہدیا و اھدیبہ ہذا  
حدیث حسن (ترمذی ص ۲۲۵)  
اے اللہ معاویہ کو ہدایت دینے والا اور ہدایت پانے والا بنا اور اس سے لوگوں کو ہدایت دے۔

اے اللہ اسے کتاب اللہ اور حساب (محجہ) سکھی اور اسے شہروں میں اقتدار عطا کر۔  
اللہم علّمہ الکتاب و الحسّاب و مکنّ له فی البیاد و الطبرانی مجمع الزوائد ص ۳۵۶

اے معاویہ اگر تو حاکم بن جائے تو اللہ سے ڈرنا اور عمل کرنا اور ایک ہدایت میں ہے کہ جب تو بادشاہ بنے تو عمرہ سلوک کرنا۔  
یا معاویہ ان ولیت امرأ فاتی اللہ و اعدل و فی روایۃ اذا ملکک فاحسن (تطہیر الجنان ص ۱۵)

حضرت ابن عباسؓ سے ایک مرفوع حدیث یہ ہے کہ امت کے انتظام کا آغاز نبوت اور رحمت سے ہوا پھر خلافت اور رحمت ہوگی پھر سرداری اور رحمت ہوگی پھر اس کو کاٹ کھانے کے لیے قبیلہ حمیر کی طرح بادشاہ لڑیں گے تم پر اس وقت جہاد ضروری ہوگا (رواہ الطبرانی رجالہ ثقات) تطہیر الجنان ص ۱۶۔

اس حدیث سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بادشاہی اور حکومت، صاف، عادلہ اور ظلم سے پاک دکھائی دیتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ازالتہ الجنان ص ۱۶ پر رقمطراز ہیں، بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۶



## جواب سوال بست و ششم

نہ شیخین حضرت اسماءؓ کے ساتھ گئے نہ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ سو شیخین کے نہ جانے کی آپ کو وجہ چاہیے وہ ہم سے وجہ لیجئے پر پہلے یہ آیت سن لیجئے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ  
وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ  
يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ إِنَّ الَّذِينَ  
يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ  
بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ  
شَأْنِهِمْ فَاذْنُ مِنْ شَيْءٍ مِنْهُمْ  
وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

ترجمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مومن وہی ہیں جنہو اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور جب کسی ہنگامہ میں اس کے ساتھ ہوں تو جب تک اجازت نہ لیں ٹپکتے نہیں سوا اگر وہ لوگ اپنے کسی کام کے لیے اجازت مانگیں تو جسے چاہو اجازت دے دو اور ان کے لیے اللہ سے دعا کیے بغیرت کرو بیشک اللہ غفور رحیم ہے۔

اس آیت میں اول تو ان لوگوں کی تعریف ہے جو بے اجازت ٹپکتے نہیں پھر تعریف بھی کیسی کہ سوا ان کے کوئی مومن ہی نہیں اس کے بعد خداوند کریم اپنے رسول سے ان کی سفارش کرتا ہے اجازت کی جدا اور استغفار کی جدا۔  
حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ نے اجازت لی۔

اب ہماری یہ غرض ہے کہ شیخین نے حضرت اسماءؓ کی معیت میں تقصیر نہیں کی حضرت ابو بکرؓ

## بقیہ حاشیہ

تنبیہ بایہ داشت کہ معاویہ بن ابی سفیانؓ عمرؓ کے از صاحب آنحضرت ابو صلی اللہ علیہ وسلم و صاحب فضیلت جلیہ در زمرہ صحابہ رضوان اللہ علیہم زہار در حق او مؤمن نکتی و در ورطہ سب او نہ افتی تا ترکیب حرام نشومی۔  
معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محترم اور بڑے صاحب فضیلت صحابی تھے اور صحابہ میں ایک خاص مقام رکھتے تھے کبھی ان کے حق میں بدظنی نہ رکھنا اور آپ کی بدگوئی کے ورطہ صلاۃ میں نہ پڑنا تاکہ حرام کار کے ارتکاب سے بچ



صدیقؓ نے اپنے اور حضرت عمرؓ کے لیے اجازت لی حضرت عمرؓ کے لیے اجازت کا لینا صاف حدیثوں میں موجود ہے اس پر اپنے لیے اجازت کو قیاس کیجئے آخر اتنا تو آپ بھی سمجھے ہوں گے کہ اگر رنجرول اور دھینگا دھینگی ہے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کو حضرت عمرؓ کے لیے اجازت ہی کی کیا ضرورت تھی خلیفہ ہو کر اجازت مانگنا اطاعتِ اسمائہ پر جتنا دلالت کرتا ہے اتنا تعزیر بنانا حُبِ اہل بیت پر دلالت نہیں کرتا مرنیہ پڑھنا سُننا غم حسینؓ کی خبر نہیں دیتا پھر جس شخص کو باوجود اس بدبہ خلافت کے کہ (اس میں) حضرت امیر جیسے شیر خدا کو بھی تقیہ ہے۔ کہتے ہیں حضرت اسمائہؓ کی اطاعت اس قدر منظور ہو اس نے اپنے واسطے بھی ضرور ہی اجازت لی ہوگی (تھنا مشیرہ مترجم اردو) بعد ازیں یہ گزارش ہے کہ آپ کو اجازت لینے میں کلام ہے تو اس کا جواب تو بحوالہِ احادیث مرقوم ہو چکا اگر جو ازہ طلبِ اجازت میں گفتگو ہے تو اس کے لیے خداوندِ کریم گواہ ہیں ابھی آیت سورت نورؓ ناچکا ہوں اور اگر اس میں خلجان ہے کہ حضرت اسمائہؓ نے کیوں اجازت دی تو اوّل یہ اعتراض شیخین پر نہیں حضرت اسمائہؓ پر ہے معاذِ حضرت اسمائہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کا اتباع کیا جس کے لیے علمِ بالادب سے ارشاد ہوا ادھر درگاہوں سے پروانہ آچکا تھا۔

## دوسرے جواب

یہ ہے کہ حاکم بالادست اگر کسی ملازم کو ایک کام کے لیے نوکری لے لے اور پھر اس کام کو آپ ہی منسوخ کر دے اور اس کی جادو سر کام سپرد کر دے تو کیا پھر بھی وہ نوکر بوجہ تعمیل نہ کرنے حکمِ اوّل کے مستوجبِ عتاب رہے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیے آخر ایامِ حیات میں ابو بکر کو امامتِ نماز پر مامور فرمایا اول تو (یہ) جواب عام فہم بھی بہت ہے دوسرے بشاراتِ جوابِ سوالِ اوّل (یعنی) بہ تقرر امامتِ نماز امامتِ کبریٰ کا تقرر تھا جس کو خلافت کہتے ہیں اب اس غلامِ خاندانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ کی خدمت میں اور سوائے آپ کے جو صاحبِ اہلِ انصاف ہوں ان کی خدمت میں یہ گزارش ہے کہ آخر حضرت اسمائہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تو زیرِ حکم ہی تھے۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کو ایسی طرح اپنا قائم مقام کیا کہ صاف کہنے سے بڑھ کر چنانچہ آیت فَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ جُزَاءً شَيْئًا مِّنْهُمَا اس کے اثبات کے لیے



پیش کی تھی۔ اب فرمائیے حضرت اسامہؓ زیر حکم حضرت صدیقؓ بنہو گئے یا ہنوز حضرت صدیقؓ ہی زیر حکم اسامہؓ ہے آپ ہی فرمائیے اگر اطلاق نوایس وغیرہ ملازمان محکمہ تحصیل جو زیر حکم پیش کار رہتے ہیں قائم مقام تحصیلدار ہو جائے اور ہوئے جاتے ہیں سرکے نصیب ایسے ہی نہیں ہوتے جیسے کسی کم نصیبوں کے نصیب تو کیا اب بھی وہ اطلاق نوایس زیر حکم حضرت پیش کار ہی رہا؟ شیخ صاحب! جب یہ باتیں تو تمہارے آپ سے سمجھ لینے کی تھیں۔ مائے افسوس آپ ہم سے پوچھتے ہیں اس صورت میں حضرت عمرؓ کے لیے اجازت لینا بھی بتقاضا ادب ظاہر امر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھی ورنہ حاجت نہ تھی دیکھئے جواب ایسے ہوا کرتے ہیں۔

## جواب ثانی از مولوی عبداللہ صاحب

(جیش اسامہؓ کا اصل واقعہ)

جب اصل اس قصہ کی معلوم ہو جائے گی تو یہ تخلف کا خدشہ رفع ہو جائے گا اصل یہ ہے۔ ۲۶ صفر (۱ھ) روز شنبہ کو حضرت عائشہؓ نے لشکر کی تیاری کا حکم بقتال رومیوں کے صادر فرمایا اور بروز شنبہ اسامہؓ بن زیدؓ کو سردار لشکر کا بنایا اور چار شنبہ کو مرض حضرت کو لاحق ہوا اور روز پنج شنبہ کو باوجود علالت طبع شریف اپنے ہاتھ سے ایک نشان بنا کر اسامہؓ کو دیا۔ اسامہؓ نے بریدہ کو اپنا نشان بردار بنایا اور وہ نشان ان کے سپرد کر دیا اور موضع جبرف میں بانتظار اجتماع لشکر کے قیام کیا اور حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور عثمانؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ اور ابو عبیدہ بن الجراحؓ اور عید بن زیدؓ اور قتادہ بن نعمانؓ و سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہم نے اپنا سب سامان بمقام جبرف بھیج دیا تھا اور خوب چلنے پر تیار تھے کہ آخر روز چار شنبہ، اول شب پنج شنبہ حضرت کا مرض بڑھ گیا اور وقت عشاء شب پنج شنبہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ نماز پڑھانے کا بنایا چونکہ روز شنبہ کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قدے افادہ ہو گیا جو لوگ کہ ہمراہی اسامہؓ کے متعین ہوئے تھے (انہوں نے) رخصت چاہی پھر دوبارہ شدت مرض نے عود کیا حتیٰ کہ جبرف میں اسامہؓ کو حالت نزاع کی خبر پہنچی۔ پھر دستارِ شہادت اسامہؓ اور دیگر صحابہ افتاد



خیر اللہ حضرت کے پاس آئے اور نشان دروازہ حجرہ مبارک پر نصب کر دیا ہر گاہ کہ دفن سے فارغ ہوئے اور امر خلافت کا حضرت ابوبکرؓ پر قرار پایا حضرت ابوبکرؓ نے اسی دم روانگی جیش اسامہؓ کا حکم فرمایا جب وہ جرف تک پہنچے بسبب انتقال حضرت کے بعض قبائل مرتد ہو گئے بعض اصحاب نے حضرت خلیفہ اول کو یہ رائے دی کہ در صورتیکہ بغل میں دشمن پیدا ہو گئے ہیں لشکر سنگین کا دور دراز بھیجا خلاف مصلحت ہے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اگر مدینہ میں درندے میرا لقمہ کر لیں تو بھی میں خلافت فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کروں گا۔ یعنی جیش اسامہؓ کو نہ واپس کروں گا حضرت ابوبکرؓ نے باجائے اسامہؓ حضرت عمرؓ کو اپنے پاس بلا لیا اور غزوہ ریح الثانی کو اسامہؓ نے بسوئے اپنی کہ ایک مقام ہے کوچ کیا۔

(حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سے طعن تَخْلُف کا ازالہ)

اب جاننا چاہیے کہ حضرت ابوبکرؓ کی طرف اس بات کا طعن ہے کہ وہ حسب مودہ حضرت تیار نہ ہوئے تو یہ بھی سب غلط ہے کیونکہ وہ سبساں جرف میں بھیج چکے تھے۔

اور اگر ان کی طرف یہ اعتراض ہے کہ بعد وفات کے انہوں نے تجھیز جیش نہ کی تو یہ بھی صریح غلط ہے کیونکہ بسبب ارتداد قبائل عرب بعض اصحاب کی تو یہ رائے ہی ہو گئی تھی پر حضرت ابوبکرؓ نے تسلیم نہ کر کے اسی دم لشکر کو روانہ کیا اور اگر اعتراض حضرت ابوبکرؓ کی طرف تَخْلُف جیش کا ہے تو یہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ تَخْلُف ان کا بامر رسول بخلافہ الصلوٰۃ تھا کیونکہ ایک امر دوسرے ماقبل کا نسخ ہوتا ہے اور یہاں دونوں امور کا تقدم و تاخر واضح ہو چکا ہے اور بعد وفات کے اس وجہ سے تشریف نہ لے گئے کہ تمام امت کے امور کے متولی ہو گئے تھے

لہ جیش اسامہؓ کے سلسلے میں شیعہ نے ایک ظلم عظیم یہ بھی کیا کہ حضور علیہ السلام کی نیک نیتی اور جذبہ جہاد پر (تفاقی کا) بدترین الزام لگایا ملاحظہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض اسامہؓ کو اور اس جماعت (چار ہزار مہاجرین و انصار) کو محاذ جنگ پر بھیجنے سے تھی کہ مدینہ ان سے خالی ہو جائے اور کوئی منافق مدینہ میں نہ رہے حضرت بہت زیادہ اہتمام اس لشکر کے روانہ کرنے میں کرتے تھے اور ان کو خوب ترغیب اور شوق دلاتے تھے کہ اچانک آپ (مرض) وفات میں بیمار ہو گئے جب منافقوں نے حضور کی بیماری دیکھی تو باہر جانے میں دیر لگائی (حیات اقلوب ص ۵۵۹ ج ۱ العیون ص ۳۹ منہی الامال ص ۱۲۱) اور محمد



اگر ان کو چھوڑ کر وہاں تشریف لے جاتے تو اوّل تو قبائل عرب مرتدین کے ازدحام کا خوف  
دوسرے خلافت میں رخنہ پڑھے تیسرے یہ کہ کوئی منجیز یعنی ہاں پناہ بنا ہے تاکہ وقعتہ واحدہ  
استیصال دین کا نہ ہو اور دار السلطنت بالکل خالی نہ ہو جائے۔

## سوال بست و مفتّم از جانب شیعه (سقیفہ بنی سائبہ حضرت ابو بکر کا انتخاب)

شیخین اور دیگر صحابہ پیغمبر کو بلا تجنیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں واسطے قرار دوام خلافت  
کے چلے گئے یا نہیں؟

### جواب سوال بست و مفتّم

(خلافت کا بوجھ اٹھانا کا رنبوت کی تعمیل تھی۔)

شیخین کا سقیفہ بنی ساعدہ میں جانا بغرض نفسانی نہ تھا جو آپ اتنا بڑا مانتے ہیں وہ بھی  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کام تھا تجنیز و تکفین میں حضرت وہ بات نہیں جو سقیفہ بنی ساعدہ  
کے جانے میں پر جیسے کہا کرتے ہیں، دیکھئے کو چشم بینا چاہیے ایسی باتوں کو سمجھنا ہر کسی کا کام نہیں  
عقل صائب ذہن رسا چاہیے مگر ہر چہ بادِ باد ہم کو آپ کو سمجھنا ہے۔ انشاء اللہ بال کی ملی بنا کر دکھائے  
ہیں تیسرے بھی آپ (نہ) دیکھیں تو ہماری قسمت اوقات کھوئے قلم کھسکا کاغذ سیاہ کیا انگلیاں تھک جائیں  
اور پھر وہی مرغی کی ایک ٹانگ قائم! یہ کیا بات ہے۔ منشی شیخ احمد صاحب مرد ہوشیار  
ہیں کہ تو یہی کچھ جانتے گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

منشی صاحب آپ سنئے کچھری میں نوکری کر آئے ہیں کچھری کی بات آپ خوب سمجھیں  
گے ایک سرکار کے بہت سے کارخانے (محکمے) ہوتے ہیں پھر ہر کارخانے میں مختلف کام ہوتے ہیں۔  
ہر کام پر ایک جہد اتو کر ہوتا ہے دیکھئے کلکٹری کا کارخانہ بھی سرکار ہی کا ہے فوجداری کا کارخانہ بھی  
سرکار ہی کا ہے۔ عدالت کا اسٹام کا، ڈاک کا، نہر کا ایک ہو تو گناؤں سب کارخانے سرکار انگلشیہ  
ہی کے ہیں پھر ہر کارخانے میں دیکھئے کیا کیا کام ہیں ایک کارخانہ میں کوئی تحصیلدار ہے کوئی پیشکار  
کوئی پٹواری کوئی غزانچی کوئی کچھ کوئی کچھ بیان تک کہ ایک سٹریسی آسامی محرر آمد محصول منشیات بھی  
ہے۔ غرض مختلف کام ہیں ہر کام پر ایک ایک جہد ملازم تعینات ہیں ہاں کوئی معزز کام ہے



ہلکا، سوایا ہی تجہیز و تکہین بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کام ہے اور سنلانا اور نماز جنازہ بھی آپ ہی کا کام ہے قبر کھودنی بھی آپ ہی کا کام ہے امامت نماز بھی آپ ہی کا کام ہے انتظام خلافت بھی آپ ہی کا کام ہے اس میں گھٹ کر تو قبر کنی ہے اور بڑھ کر امامت نماز اور انتظام خلافت حضرت علیؑ نے تو تجہیز و تکہین کو سنبھالا اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے خلافت کا انتظام کیا اس میں تقدیر سے حضرت ابو بکرؓ ہی کو لوگوں نے گھیر لیا اور خلیفہ بنا لیا اس میں ان کا کیا قصور وہ بیچارے تو بہت کچھ ٹالتے ہیں پر ان کے ہوتے کوئی نظروں ہی میں نہ جچا اس کی ایسی مثال ہے کسی بادشاہ پر کسی غنیم نے تلوار چلائی سپاہی کوئی حاضر نہ تھا رعیت کے ایک آدمی نے بنظر خیر خواہی وہ وار اپنے سر پر لیا اور پھر غنیم کا سر قلم کیا۔ بادشاہ قدر شناس تھے اس خدمت کے انعام میں منصب سپہ سالاری پر اسے مامور کر دیا۔ دیکھئے اس شخص کے خواب میں بھی یہ خیال نہ آیا تھا کہ میں اور سپہ سالار ہوگا پر تقدیر کی الٹا پٹی نے کہاں سے کہاں پہنچا یا ظاہر میں خدمت مذکورہ بالا بہانہ ہو گیا۔ سو ایسے ہی لہذا دست قصہ بیعت۔ ابو بکرؓ کو خلافت کا خیال تک نہ تھا ہاں دفع مقصدہ مد نظر تھا۔

(شیخین کا جانا ہی حضرت علیؑ قریش اور ماجرین کیلئے سود مند ہوا)

اگر یہ دونوں وہاں نہ جلتے تو انصار سعد بن عبادہ کو خلیفہ کر چکتے پھر حضرت امیرؓ کو اول بار ملتی نہ چوتھی بار شیخین چاہے نہ ہو سکتے پر ناشکری کا کیا علاج حضرات شیعتیں پر بھی نہیں مانتے غرض کار پر دزان تقدیر نے ان کی حسن نیت اور حسن خدمت کے جلو میں کہ دین کے سر سے شیطان ایسا بھاری وار ٹالا ان کو خلیفہ بنا دیا بائیں ہمد وہ لوگ کچھ خلافت کو ایسا بڑا کام نہیں سمجھتے تھے جس کے واسطے یہ انتظار کرتے کہ فلانے کو آجانے دو اور فلانے کو بھی تشریف لانے دو یہ تو حضرات شیعہ نے غل مچا مچا کر اس کا انتظام کر دیا ورنہ حضرت علیؑ اور حضرت ابو بکرؓ تو اس کو اتنا بھی نہ سمجھتے تھے جتنا یہاں پٹواری کا یا چوکیدار کا عہدہ ہے جو آپ کو کوئی پٹواری یا چوکیدار بنائے تو آپ کیا خوش ہوں گے اور کوئی نہ بنائے تو آپ کیا شکایت کریں گے۔

بہر حال سقیفہ بنی ساعدہ میں جانا خدا ہی کے لیے تھا اس (تجہیز) کو چھوڑ کر جانا سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کفن کو چھوڑ کر قبر کھودنے کو جانا سو جیسے اس کام میں لگنے والے کو بوجہ بے غرضی اس کام کا چھوڑ کر چلے جانے والا اور میت کا دشمن کوئی عاقل نہیں سمجھتا یہاں بھی اہل عقل، کار فرما یا



انتظام خلافت کو یوں نہیں کہہ سکتے کہ بوجہ بے عرضی تجہیز و تکفین کو چھوڑ کر چلے گئے اور جو یوں ہی دھینگا دھینگا ہے تو یوں ہی سہی حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اگر تجہیز و تکفین کو چھوڑ کر چلے گئے تو پھر ابھی گئے نماز پڑھی دفن میں شریک ہے، پر حضرت علیؓ انتظام مذکورہ میں بالکل شریک ہی نہیں آئے۔ پھر آپ جانتے ہیں کہ خلافت اور امامت کیا بڑا کام ہے اور تجہیز و تکفین کو اس سے کیا نسبت ہے امامت تو وہ کام ہے جس پر بقار دین کا مدار ہے اور دین وہ چیز ہے جس کے لیے خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے بھیجا یہ کام عام نہیں۔ ہاں مزاجینا کھن کا کھٹی قبر کنی ایسی عام باتیں ہیں جس میں مسلمان کافر نیک و بد سب شریک ہیں سو اگر حضرت ابو بکر صدیق ایک دو عام کام میں (بقول شیعہ) شریک نہ ہوئے تو حضرت علیؓ ایسے خاص کام میں شریک نہ ہوئے جس پر مدار کار دین و ایمان تھا اگر یہ کام درست نہ ہوتا تو دین کا پتا بھی نہ تھا اور اگر یہ عذر ہے کہ حضرت علیؓ کو کسی نے پوچھا نہ بلایا تو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بھی کسی نے پوچھا نہ بلایا۔

## جواب ثانی از مولوی عبد اللہ صاحب

(مسلمانوں کے لیے والی ناگزیر تھا۔)

جاننا چاہیے کہ تجہیز و تکفین اہل بیت کے متعلق تھے اور تمام صحابہ کرامؓ کا اس میں شریک ہونا

۱۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے حضور پر جنازہ پڑھا اور صفت اول میں تھے شیعہ کتاب حیات القلوب ج ۱ ص ۶۹ اور ج ۲ ص ۱۰۹ میں ہے کہ کلینی شیخ طوسی نے ابنہ حسن حضرت صادق سے روایت کی کہ حضرت عباسؓ حضرت علیؓ کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ تمام لوگوں نے اتفاق کیا ہے کہ حضرت رسولؐ کو یقین میں دفن کریں اور ابو بکرؓ پیش امام بن کر حضور پر جنازہ پڑھائے الخ پتلا کہ شیخین یقیناً حاضر جنازہ تھے۔ شیخ طبری نے امام محمد باقر سے روایت کی ہے کہ دس دس آدمی حجرہ میں داخل ہوتے تھے اور بغیر امام کے (بصورت دعا) آپ پر جنازہ پڑھتے تھے پیر کے دن منگل کی رات صبح تک اور پھر صبح سے شام تک حتیٰ کہ تمام چھوٹوں بڑوں مردوں عورتوں مدینہ والوں اور مدینہ کے آس پاس والوں نے تمام لوگوں نے حضور پر نماز اسی طرح پڑھی (حیات القلوب ج ۱ ص ۶۹) ۲۔ یعنی دفع تنازعہ کے لیے ایک شخص کو بلا کر طے کیا۔ خلیفہ بننے بننے کا پروگرام کسی کا نہ تھا وہاں کی صورت حال سے محکم رہ کر آپ کو خلیفہ چن لیا۔ ۱۲ مہرمحمد



لا افرم نہ تھا۔ پس جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دار فانی سے بے ملک جاودانی انتقال فرمایا اور جمع مہمات دینی اور دنیوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر موقوف تھے اور کفار بھی بسبب تسلط حضرت کے مغلوب تھے اب اگر ان کے بعد کوئی ان مہمات کا متولی نہ ہوتا تو طرفۃ العین میں کارخانہ ریاست اسلام کا درہم بہ ہم ہو جاتا سالہا سال کی محنت و مشقت رائیگاں جاتی نئے سے نئے کفر کا جھنڈا کھڑا ہو جاتا اور شیطان علیہ اللعنتہ سب کو اپنی راہ لگا لیتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی ہتی اگر پھر فیسے ہی تاریکی جبل پھیل جاتی پھر کہاں سے آفتاب ہدایت کا نکلتا لہذا ضرور ہوا کہ کوئی شخص مجر دو فوات حضرت کے متولی تمام امور کا ہو جائے تاکہ جوں کی توں بات بنی رہے اور ریاست و سیاست کا کام بدستور جاری رہے اس میں اصلاح تمام امت کی مقصود تھی۔ بایں وجہ حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ نے اس امر میں مبادرت کی اس لیے کہ تجیز و تکھین کی طرف سے تو بسبب اہل بیت کے بی فکر ہو گئے تھے اور یہ بھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت ہی تھی جیسا کہ نائب کا بڑا ہانا عین مدرسہ کی خدمت ہے۔ اور اگر بالفرض والتقدیر تجیز و تکھین ان پر ہی موقوف ہوتی تو بھی بوجہ اہل بیت مذکورہ بالا امر خلافت میں مبادرت کرنی ضرور تھی پس جس حالت میں تجیز و تکھین کے متولی دیگر شخص ہوں تو ان کا امر خلافت میں مبادرت کرنا اولیٰ ہوا۔

(اگر انتخاب خلیفہ صحیح نہ ہوتا تو امت کا بڑا المیہ ہوتا۔)

کیونکہ اگر تجیز و تکھین میں دیر ہو جاتی جیسا کہ تہ فین میں تین روز لگ گئے تو کچھ عرج نہ ہوتا پر امر خلافت میں کچھ دیر کرنے سے کچھ کی کچھ بات ہو جاتی شعر

سدا دور دوراں دکھاتا نہیں گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

تکھین رتہ فین بھی خلافت سے نہ ہوتی خدا جانے کیا کیا خرابیاں دم کے دم برپا ہو جائیں چنانچہ بعد وفات بنی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انصار اس بات پر آمادہ تھے کہ سرکاری ہم کو طے بہت سے بہت یہ ہو کہ ایک ہم میں سے سردار ہو اور ایک ہم میں سے پس نہ وہ مبادرت نہ کرتے اور بیعت کسی انصاری کے ہاتھ پر منعقد ہو جاتی تو اب اس میں دو صورتیں تھیں۔ یا تو مہاجرین بھی اسی شخص کی بیعت اور اطاعت قبول کرتے یا کوئی اور جداگانہ اپنا خلیفہ بناتے در صورت اول کے اس پر یہ شعر کہ مخالف نہ ہوتا۔ المملک فی قریش والقصاة



فی الانصار والاذان فی الجبشة الخ بعض روایات میں الخلافۃ فی قریش صراحتہ آیا ہے جب انصار کو ہی خلافت مل جاتی پھر کہاں سے مہاجرین کو خلافت نصیب ہوتی اور دوسری صورت میں یعنی مہاجرین کا خلیفہ جداگانہ بنیئے میں تفرق کلمہ لزم آتا اور منشاء خدا و رسول اتحاد و اتفاق کو چاہتا ہے چنانچہ آیت

لَوْ اَلْفَقْتُ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَا اَلَفْتُ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلَکِنَّ اللّٰهَ اَلَفَ بَیْنَهُمْ۔  
(اگر آپ زمین کے سب عزرائے خرچ کر دیتے تو بھی ان کے دلوں کو نہ جوڑ سکتے لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت ڈالی)

اور حدیث تطویل قرأۃ معاذ بن جبلؓ کہ باوجود ان پر عنایت بے حد کے حضرت کا افتان یا معاذ فرمانا دلالت کرتی ہے اس صورت میں وہ بات ہاتھ سے نکل جاتی اور کارِ سیاست و سیاست کا بخوبی انجام نہ ہوتا اور باہمی منازعت کا بھی خوف تھا چنانچہ لو کان فیہما الہمۃ اللہ لفسدتا سے مستفید ہے کہ اگر ایک سلطنت میں دو حاکم ہوں تو وہ برباد ہو جاوے گی۔ معلوم ہوا کہ ایک امر خلافت میں دو خلیفہ کا ہونا موجب خرابی کا ہے بایں نظر شیخین نے اس کی تاسیس و توثیق میں مبادرت کی۔

حضرات شیعہ جیسے خود ملوث بطمع دنیا و تیرہ اور سنگ دنیا ہیں جیسے ہی خیالات معاذ اللہ اکابر و ارکان دین کی طرف بھی نسبت کرتے ہیں کیسے کج فہم ہیں اس موٹی بات کو نہیں جانتے کہ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتی ہیں۔

## حوالہ بست و ششم از جانب شیعہ

حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ اہل حل و عقد ہیں یا نہیں اگر داخل ہیں تو ان کو کیوں شامل نہیں کیا اجماع میں

جواب سوال بست و ششم (اجماع کیلئے بروقت تمام اہل حل و عقد کی حاضری ضروری نہیں)

حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ اول صبح کے اہل حل و عقد میں سے تھے پر اجماع کے انعقاد کے لیے یہ ضروری نہیں کہ سارا جہان ایک آن واحد اور ایک ہی لحظہ میں ایک بات منہ سے کہیں



(کلمہ امامت کو اصولی ماننے سے سب دنیا کا فرطھرتی ہے)

۱۔ حضرت علیؓ کا صدیق رہنے کے ہاتھ پر بیعت کرنا ایک تاریخی حقیقت اور احادیث میں مذکور مسلمہ طرفین میں سے ہے۔ معتبر کتب شیعہ سے چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔ ۱۔ کافی کے کتاب الرضا صفحہ ۱۲۶ و صفحہ ۱۱۵ میں حدیث ارتداد میں ہے امام باقرؑ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب لوگ سوئے تین کے مرتد ہو گئے مقداد ابوذر سلمان فارسی ان پچھلی پھری اور یہ (ابو بکر کی) بیعت منکر ہے حتیٰ کہ لوگ امیر المؤمنین علیؓ کو اے فباہجؓ آپ نے بیعت کی (تو تین حضرات نے بھی کر لی) ۲۔ احتجاج طبرسی میں ہے مَا مِنْ أُمَّةٍ أَحَدًا يَأْتِيَهُمْ كُرْهًا غَيْرَ عَلِيٍّ وَارِثًا بَعَثْنَا أُمَّتٍ فِيهِمْ أَيْكٌ يَحْيِي فُرُوسًا يَنْهِيهِمْ حِينَ نَزَلُوا بِبَيْتِ الْبَكْرِ (بیعت ناخوشی سے کی ہو سو اے علیؓ اور ہمارے پیارے صحابیوں کے) تفسیر اور مجموعہ کتب کاغذی کتب خانہ کلاں - ۱۲ مرقمہ۔



کافر تھے نعوذ باللہ۔ کیونکہ جیسے ہمارے نزدیک ایمان کے دو جز ایک لا الہ الا اللہ، دوسرا محمد رسول اللہ (ہے) شیعوں کے نزدیک ایک تیسری شلخ امامت کی اور بھی ہے۔ جیسے ہمارے نزدیک آدمی انکار لا الہ الا اللہ یا انکار محمد رسول اللہ سے کافر ہو جاتا ہے ان کے نزدیک انکار امامت حضرت امیر وغیرہ ائمہ صدیق سے بھی کافر ہو جاتا ہے۔ بہر حال اگر حضرت علیؑ شیعوں مذہب ہوں تو ان کو بھی اپنی امامت پر ایمان لانا ایسا ہی ضرور ہوگا جیسے بشہادت آیت

أَمِنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ أَوْ نَزَلَ بِشَهَادَتِ آيَتِ

قُلْ إِنْ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي (فرمائیے میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا سب)

لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ

أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ۔ اللہ کی رضا کے واسطے ہے جو رب العالمین ہے اس کا کوئی شریک نہیں مجھے اسی کا حکم ہوا میں پہلا ماننے والا ہوں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رسالت پر ایمان ضرور ہے۔ اور ظاہر ہی تو ہے اگر رسول اور امام ہی کو اپنی رسالت اور امامت کا انکار ہو تو پھر دوسروں کو کیونکر کہہ سکتا ہے کہ مجھ پر ایمان لاؤ اس صورت میں حضرت امیر منکر ان امامت کو ایسا ہی کافر سمجھتے ہوں گے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منکر ان رسالت کو۔ پھر فرمائیے حضرت علیؑ جو ہمیشہ ان منکر ان امامت کے پیچھے نماز پڑھتے رہے تو کیا باعث تھا؟ کافروں کے پیچھے نماز درست ہو جاتی ہے؟ یا یہ لوگ امامت پر ایمان رکھتے تھے اور شیعیان پاک میں سے تھے یا امامت کی شاخ ایسی ہے جیسا کسی نے کہا ہے شعر۔

عسریاں ہی دفن کرتا تھا زیر زمین مجھے اک اور دوستوں نے لگا دی کفن کی شاخ

ہم سے اگر پوچھتے ہیں تو یہی صحیح ہے۔ ورنہ پھر مذہب امامیہ کی خیر ہے نہ حضرت امیر کی امامت اور نبرگی کے صحیح سالم ہونے کی کوئی تدبیر بالجملہ تین پانچ کرنے کو تو بہت سی باتیں ہیں اس بات کا جواب نہ مجتہد صاحب سے آئے نہ امام زمان کے پاس سے کوئی جا کر لائے یہ بات لا جواب ہے اور کیوں نہ ہو دروغ گو را حافظہ بننا شد یا نیاں مذہب شیعوں یہاں آکر چو کوٹھی بھول گئے۔ آگے سنئے یہی نہیں کہ نمازیں پڑھیں حضرت امام زین العابدینؑ کی والدہ بلکہ حضرت امیرؑ کی حرم محترم انہیں خلیفوں کے جہاد میں آئی تھیں جن کو کافر نہ کہتے تو مذہب شیعوں اڑ جاتا ہے اور کافر کہتے تو پھر جہاد کی کوئی صورت نہیں جو کچھ ہوا پھر ان جہادوں کے ایک ہونے تو کیونکر ہوئے جو آگے زیر تصرف



دیکھنے کی گنجائش ہو اگر یوں ہوتا کہ مسلمان کر کے آگے پیچھے نماز ہی پڑھوا لیتے تب بھی ایک بات تھی یہ بھی نہ ہوا کہ کیسے تو سہی کیا ہوا۔ اور (رہا) یہاں نکاح کا بہانہ کر لینا تو مال کا تو نکاح ہی نہیں ہوتا۔

اس سے آگے بڑھ کر اور سینے۔ طاہرہ مطہرہ جگر گوشہ رسول سیدۃ النساء فاطمہ الزہراءؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرۃ العین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی راحت جان حضرت حسنینؑ کی قوتِ دل تمام اہل ایمان کے دین و ایمان کو حضرت ام کلثومؑ دخترِ شکم خاص حضرت بتولؑ کو حضرت عمرؓ سے بیاہ دیا ایسی پاک طاہر پاک باطن کو سن غور و سالی میں ایسے کافر کہنے سال کے کوئی حوالہ کرتا ہے؟۔ ذرا سی بات پر فوج شام و عراق سے تو لڑ مرے اور ایسی پاک دامن کو یوں بے چون و چرا عمرؓ کے حوالے کر دیا یہ مسلمان کا کام تو نہیں کہ ایسے افسانوں کو بے موقع احتمالوںؑ محمول کرے خدا یا میرا تو مال بال کا نپتا ہے۔ یہ خبیث کس طرح ایسی بے ہودہ باتیں بک بیٹے ہیں۔ اگر حضرت عمرؓ کا لحاظ نہیں تو ننگ و ناموس اہل بیت نبوت کا تو لحاظ کیا ہوتا دیکھئے اس نکاح سے زید بن عمر پیدا ہوئے اور پھر اقصائے الہی اپنی والدہ کے انتقال ہی کے دن خانہ جنگی میں مارے گئے یہاں تک کہ اکٹھی دونوں جنازوں کی نماز پڑھی گئی۔

بہر حال حضرت علیؑ و حضرت عباسؓ دونوں معتقد خلافت حضرت صدیقِ رضی اللہ عنہ تھے اور اعتقادِ اجماع کے لیے اتنی بات کافی ہے ہر شخص کی بیعت کی ضرورت نہیں یوں تو بہت کچھوٹے بڑے نزدیک و دور کے لوگ رہ گئے ادھر آج کل کے اہل سنت سب اجماع میں داخل ہوتے چلے جاتے ہیں اور بیعت کا کچھ حساب نہیں۔

(کچھ دن بعد بیعت کمرے حضرت علیؑ نے تمام شہداء کا ازالہ کر دیا۔)

الغرض اعتقادِ دلی اور شہادتِ عالی یا مقالی چاہیے۔ سو بھدا اللہ یہ بات قبل بیعت بھی حضرت علیؑ کو حاصل تھی اور بعد بیعت بھی باقی رہی پر جب حضرت امیرؑ نے دیکھا کہ مردمانِ ظاہر بین اور سادہ لوحانِ صحرائین اس بیعت کے نہ کرنے کو اور بات پر محمول کرتے ہیں۔ ادھر موافق مزعوم شیعہ علم ماکان و مایکون حاصل تھا یہ سمجھ کر کہ آخر زمانے کے ہمارے نادان دوست جن کو شیعوہ کہیں گے کچھ اور دوسرے ماکشی کے پتے بہت ہاتھ پاؤں پھیلا دیں گے زبان کے سستے اور بہت کچھ کہیں



گے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے شبہ مکھنوں مترددین کے دل سے مٹا دیا پر جن کے دل کو یہ خیالات فاسدہ ایسی طرح کھا گئے تھے جیسے تلوار یا کسی اور ہتھیار کو مورچہ ان کی اصلاح نہ ہوئی وہ اسی بیکر کو پیٹتے جاتے ہیں اور حضرت امیر کی راہ پر نہیں آتے۔

(اعتذار و دعائے مولف)

اب بس کیجئے اور جانے دیجئے یا اللہ تیرا شکر ہے یہ تیری عنایت ہے کہ مجھے جیسے پچھان بلکہ نادان سے ایک دن اور کچھ اوپر آدھی رات میں اکھٹے اٹھائیس سوالوں کا جواب لکھوا دیا تیرا شکر کس زبان سے ادا کروں ہر بن و مومین بھی زبان ہو تو پھر بھی ایک ادنیٰ سے ادنیٰ احسان کا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ اے میرے اللہ! میری نیت تو ویسی ہی ہے جیسا میں ہوں تو اپنے کریم سے اس کو قبول فرما کر میرے لیے ذریعہ آخرت کر دے اور اس تحفہ محفہ کی بدولت حضرات اہل بیت اور صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رضی اللہ عنہم) کی خوشنودی میرے نصیب کر پھر ان کے طفیل سے اپنے حبیب پاک سید لولاک کی عنایت میں اس کمینہ عالم کو شامل کر اور مجھ کو اور میرے مال باپ کو اور تمام احباب کو بخش کر مجھ کو مسرور کر آمین ثم آمین فقط۔

## التماس بخیرت منشی شیخ احمد صاحب

منشی صاحب! میری کم فرصتی اور کم توجہی کا حال اگر نہ سنا ہو تو حاجی ظہور الدین احمد صاحب سے دریافت فرمائیں آپ کے لیے یقین جانئے انگلیاں تھک گئیں کل شام بیٹھ کر آدھی رات تک لکھا آج صبح سے اسی خیال میں تھا اس وقت بعد عشر فراغت پائی اب بھی انگلیاں نہ تھکیں تو اور کیا ہوگا بار بار یہ شعر یاد آتا ہے۔ شعر۔

حال دل لکھوں کب تک جاؤں اس کو دکھلا دوں انگلیاں افکار اپنی خامہ خون چکا اپنا آپ نہ مانیں تو بجز اس کے اور کیا لکھوں مصرع جو اس پر بھی نہ سمجھے وہ تو پھر اس کو خدا سمجھے۔ خیر یہ تو آپ کے حسن اخلاق کے بھر دے سے عرض معروض تھی۔ دوسری عرض یہ ہے کہ آپ نے وہی پرانے سوالات کے جوابوں سے شیعوں نے ایجاد کیے اور صد ہا جواب اس کے سینوں کی طرف سے ہو چکے ہیں انصاف آپ تو تنگ کرنا ٹھہرا۔ آپ کو تو نہیں



کہہ سکتا۔ شیعوں کو تو ڈوب مرنے کی جابہ جواب دندان شکن سنتے چلے جاتے ہیں اور پھر بھی اپنی کالی گفتار سے باز نہیں آتے۔ بھلے مانسوں کو تو منہ پر کھا کر تاپِ مقابلہ نہیں رہتی۔ ہاں بیجا البتہ پٹتے جاتے ہیں اور کالی گفتار سے باز نہیں آتے۔ آپ نے یا جس نے یہ سوال کیا یہ سمجھا ہوگا کہ سنیوں میں ایسا کون فارغ بیٹھا ہے جو اپنا نماز روزہ چھوڑ کر اس طور مار کے طومار کا جواب لکھے گا ہمیں کہنے کو جبکہ ہو جائے گی۔ یہ نہ سمجھا ہوگا کہ قاسم سے گنہگار بھی بہت ہیں جن کو (نفلی) نماز روزہ کی چنداں توفیق نہیں پھر تیسرا ایسے صدائے بے معنی کو یوں ہی چٹکیوں میں اڑا دیتے ہیں اور اوروں کا وار بھی نہیں آتا، سو آپ خدا کے لیے غور فرمائیں،

اور پھر بھی راہ پر نہ آؤ تو مجتہدان ضلع سہارن پور و مظفر نگر سے ان جوابوں کا جواب اور میرے سوالات مرسلہ کا جواب لکھو اگر بھجواؤ پھر جواب ہو تو ایسا بے ٹکانہ ہو جیسا جاٹ سے جاٹ تیرے سر پر کھاٹ کے جواب میں کہا تھا۔ "تیرے سر پر کولہو! اگر بوجھ ہی میں دبا نا منظور ہو تو آپ ہی بہت ہیں مگر ہمیں کون سکھائے۔ ہم دونوں علم پڑے ہیں بے نیکی کہنی بھی آتی ہے، غرض ان اٹھائیس سوالوں کا بوجھ جیسے مجھے یاد ہے گا انشاء اللہ اس سے زیادہ جناب مجتہدین چکر میں آئیں گے فقط۔

## جواب ثانی از جانب مولوی محمد صاحب

یہ دونوں صاحب داخل حل و عقد ہیں پر تمام اہل حل و عقد کا آن واحد میں اجتماع محال ہے اور نیز انعقاد بیعت کے لیے تمام کا موجود ہونا ضرور ہی نہیں ہاں اکثر کا مجمع ہونا ضرور ہے سو اکثر لوگ مباحرین اور انصار جمع ہو ہی گئے تھے اور حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ اگرچہ بضرورت مشغولی تجنیز و تکفین اجماع میں شامل نہ تھے مگر حضرت ابو بکرؓ کی خلافت و فضیلت کے منکر بھی نہ تھے افضلیت حضرت ابو بکرؓ کی ہر صغیر و کبیر کی زبان زد تھی کس نے بایں وجہ بیعت میں تاخیر نہیں کی کہ حضرت ابو بکرؓ لائق امامت و خلافت کے نہیں یہ تو شیعہ ہی سمجھ کر اپنا دونوں جہاں کا برا کرتے ہیں۔

(حضرت علیؓ کا ملال و عتاب دوستانہ تھا)

صرف حضرت علیؓ کو اسی بات کا ملال تھا کہ باوجود اس اتحاد باہمی کے پھر مجھ کو کیوں نہ شامل



کیا کس لیے ایسی جلدی کی چونکہ حضرت امیر سعد اللہ الغالب تھے بسبب کمال شجاعت کے ان کے خیال شریف میں برہمی درہمی سلطنت کا کچھ خطرہ نہ گزرا اور بے وجہ حضرت ابو بکر و عمرؓ کی مبادت کو پسند نہ فرمایا حالانکہ ان کے نزدیک امر سلطنت کا اہتمام پیشتر کر لینا اولیٰ و اقدم ہوتا کہ دفن حضرت اور دیگر امور بجمع خاطر ہوں اور اگر خدا نخواستہ اس امر کا پیشتر سے اہتمام نہ کیا جاتا اور انصار بعد سر دار مقرر کر لیتے تو حضرت عباس و حضرت علی (رضی اللہ عنہما) کیونکر روکتے نہ میٹھے بٹھائے طرفۃ العین سلطنت اسلام جاتی رہتی۔ اور حضرت علیؓ کی اتنی شکایت کچھ بے موقع نہ تھی بلکہ اپنوں ہی کی شکایت کیا کرتے ہیں غیر کا کون شاکی ہوتا ہے شعر۔

بے محبت نہیں اے ذوق شکایت گزے بے شکایت نہیں اے ذوق محبت گزے  
اگر ان کو شکایت تھی تو محبت بھی تھی کبھی قبل خلافت یا بعد خلافت حضرت ابو بکرؓ کی حضرت علیؓ نے برائی نہیں کی بلکہ تتبع احادیث سے تعریف کرنی ثابت ہوتی ہے چنانچہ خاص اس قصہ میں بھی کی ہے۔

اِنَّهُ لَمْ يَجْعَلْهُ عَلَى الَّذِي صَنَعَ لِقَاتَهُ  
عَلَى اَبِيْ بَكْرٍ وَلَا اِنْكَارَ لِلَّذِيْ فَضَّلَهُ  
اللّٰهُ بِهِ - (بخاری ص ۶۰۹)  
(حضرت ابو بکرؓ کے بیعت لینے پر حسد کے طور پر نہیں  
کی اور نہ اس فضیلت سے انکار کی بدولت جس کا شرف  
اللہ نے ابو بکرؓ کو بخشا ہے)

اور حضرت صدیقؓ نے جو مرتدین بنو حنیفہ سے جہاد کیا وہاں کی سپاہیوں میں سے ایک لونڈی خولہ نامی حضرت علیؓ مر قنصی کو بھی ملی اور آپ نے اس پر ملک میں تصرف فرمایا اور محمد بن حنفیہ اس کے بطن سے پیدا ہوئے اور شہر بانو یزدگرد بادشاہ شاہ ایران کی بیٹی کہ حضرت عمرؓ کے وقت میں پکڑی ہوئی آئی اور حضرت امام حسینؓ کو ملی اور امام زین العابدینؓ اس کے بطن سے پیدا ہوئے۔

اور جو کچھ باہم اتحاد اور رشتہ و قرابت پیش رہا ہر چند اصول شیعہ پر تقیہ کی رو سے تھا مگر (تعلق مذکور) ان خیالات کو زیح و بن سے اکھاڑتا ہے اور تقیہ بقدر ضرورت ہوتا ہے نہ ہر امر میں۔ تردید تقیہ کے لیے تو اتنی ہی بات کافی ہے کہ حضرت علیؓ کے دل میں جب تک طال رہا بیعت نہ کی اور جب صاف ہو گئے فوراً کمر لی اگر خدا نخواستہ تقیہ کرتے تو بیعت میں اتنی مدت کیوں لگاتے معلوم ہوا جو کرتے تھے بے باکانہ صاف دلی سے کرتے تھے۔ فقط۔



# مادہ تاریخ از مولوی عبدالحق صاحب

قَالَ تَعَالَى - جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ ذَهُوْقًا ط

مادہ تاریخ بیعتہا از فکر ساغر نیرم حافظ مولوی معین الدین صاحب غلت الرشید مولوی محمد یعقوب صاحب

مولوی میرے بھائی عبد اللہ جن میں حق نے بہت بھروسے میں گُن  
ان سوالوں کے ایسے لکھے جواب جن سے شیعوں کی اکھڑی سیخ و بُن  
سن روافض نے ان جوابوں کو سر کو اپنے کہ یہ سنی دُھن  
یوں تو بودا تھا پہلے ہی مذہب ان جوابوں سے لگ گیا اور گُن  
ہاتھ غیبی نے نداشت کی سال تاریخ میں یہ آیت سن  
یوں ازل میں ہی اے معین حق نے کدیا فِي قُلُوبِهِمْ ذَلْعٌ  
ایضاً منہ سلمہ

مَنْ تَوَاضَعَ وَقَدَّحَ وَمَنْ تَكَاطَفَ صُغِرَا

## ۴۲ سوالات از جانب اہل الکمل الفضل النخبۃ الاکارم

جناب مولانا مولوی محمد قاسم صاحب بن خدمت علما اہل تشیع

۱۔ عقیدہ امامت جزو ایمان ہے اس کا ثبوت یقینی چاہیے پر نہ کلام اللہ میں اس کا پتہ نہ احادیث متواترہ میں اس کا ذکر جواب موجب بیان فرمائیے اور آئیں خائیں نہ اڑائیے۔

۲۔ اگر آیت انما ولیکم اللہ سے امامت حضرت امیر علیہ السلام ثابت ہوتی ہے تو اس سے اور اماموں کی امامت باطل ہوتی ہے۔ چنانچہ لفظ انما سے ظاہر ہے۔

۳۔ لفظ اہل کے بمعنی حاکم ہونے پر کون سی کتاب لغت شاہد ہے اور اگر کوئی کتاب اس پر دلالت کرتی ہے تو کون سی ضرورت ہے کہ معنی مشہور محبوب چھوڑ کر یہ معنی لیتے ہیں بایں ہمہ جب احتمال آگیا تو پھر کلام شتبہ ہو گئی قابل استدلال نہ رہی وہ بھی ایسی ضروریات دین کے لیے۔

۴۔ امام زمان باہر کیوں نہیں آتے؟ تاہم کیوں نہیں آتے اگر عذر



تقیہ تھا تو بھی شیعان ایران و ہند و مخلصان دکن و سندھ کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی ہاں اگر شیعوں کو حضرت امام ایماندار نہیں سمجھتے اور بظاہر ہو گا تو یہی ہو گا ویسی فرمایئے۔

۵۔ اگر امام کا تقرر اس غرض سے ہے کہ امتیوں کو غلطی نہ ہو تو حضرت امام روپوش ہوتے ہیں خطاوار ہیں اور اگر کوئی اور غرض ہے تو ضرورت ہی کیا تھی جو ایمان میں ایک دوسری امامت کی پھر لگائی اور پھر سینوں پر بوجہ خلافت خلفاء کے جو معصوم نہیں کیا اعتراض رہا؟

۶۔ کلام اللہ بحفظہ محفوظ ہے۔ تو اول احادیث کلینی اور اتفاق مذہب کا کیا جواب؟ دوسری آیات مدح صحابہ مثل والسابقون الاولون اور الذین امنوا وھاجرو وجاہدوا الخ اور والذین معہ اشداء علی الکفار وغیرہ پر ایمان میں کیا دیر ہے۔ اور اگر صحابہ کے ایمان میں کلام ہے تو سوا ان کے جو کوئی ان آیات کا مصداق ہے اس کے ایمان پر کیا دلیل ہے۔ ایسی دلیل جس سے خوارج کو ساکت کر سکو پیش کرو۔

۷۔ اگر کلام اللہ غیر محفوظ ہے تو اول تو اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (ہم نے ہی ذکر (قرآن) اتارا اور ہم ہی اس کے یقیناً محافظ ہیں) وغیرہ کا کیا جواب دو کر بشہادت حدیث ثعلین شیعوں کو ثقلین کے ساتھ تمسک باقی نہ رہے گا۔

۸۔ حضرت امام حسن عسکریؑ نے جو اسی کلام اللہ کی تفسیر لکھی باقی کلام اللہ کی نہ لکھی تو کیا ان کو بھی مثل اور شیعوں کے کلام اللہ یاد نہ تھا۔

۹۔ تقیہ کی کیا سند ہے یعنی کہیں کلام اللہ میں حکم ہے یا ارشاد نبوی ہے کہ کیا کرو۔

۱۰۔ تقیہ کس غرض سے دین میں داخل ہوا اگر نبی و امام دین بتانے کے لیے ہیں تو چھپانے کے کیا معنی اور چھپانے کے لیے ہیں فَاَصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ (پہنچاؤ) دجو تم آپ کو ملے واشکاف سناؤ اور مشرکوں سے اعراض کروا کے کیا معنی ہیں۔

۱۱۔ غار میں آپ کے ساتھ کون تھا حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے؟ اور یہی کہو گے تو بعد اس کے کہ خدا ان کو بشہادت لفظ "صاحبہ" صحابی کہتا ہے تم کیوں نہیں کہتے۔

۱۲۔ حضرت ابو بکرؓ کی شان میں کلام اللہ میں اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَرِیَا ہے خدا تو ان کا ساتھ دے تم کیوں نہیں دیتے۔



۱۳۔ حضرت علی یا ائمہ اہل بیت کی شان میں کہیں ان اللہ معنٰی ہے۔

۱۴۔ حضرت ابو بکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام بنایا اگر وہ کافر تھے یا فاسق تھے (معاذ اللہ) تو کیوں بنایا؟

۱۵۔ حضرت امیرؓ نے شیخینؓ اور حضرت عثمانؓ کے پیچھے نمازیں کیوں پڑھیں اور ان کے زمانے کے جہادوں کی باندی غلام کیوں اپنے تصرف میں رکھے اگر وہ کافر تھے تو یہ نماز نہ ہوئی نہ جہاد پھر نہ مال حلال ہوا نہ باندیاں اور مسلمان تھے تو بے اقرار امامت کیوں کر مسلمان ہو گئے۔ جواب معقول دیجئے۔

۱۶۔ موافق ارشاد آیت۔ الذین اتیناھم الکتاب یتلونہ حق تداوتہ (جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس کو کما حقہ پڑھتے ہیں وہی اس کے مومن ہیں البقرہ ع ۱۴) جو منجملہ علامت

ایمان ہے، یوں معلوم ہوتا ہے کہ جس فرقہ کے لوگ بحیرت تلاوت قرآن کریں گے وہ تو مومن ہوں گے باقی کافر اب فرمائیے کہ ایسے لوگ شیعہ ہیں یا اہل سنت جواب معقول لکھئے اور اگر حق تلاوت سے

خشوع و خضوع مراد لیتے ہو تو شیعوں میں وہ بھی نہیں اس لیے کہ خشوع کے لیے اعتقاد چاہیے شیعہ کلام اللہ کو بیاض عثمانی سمجھتے ہیں بایں بحق تلاوت مفعول مطلق ہے اور عامل اس کا یتلونہ ہے اس لیے ضرور ہے کہ وہ بھی از قسم تلاوت ہو۔ سو خشوع و خضوع امر قلبی ہے اور تلاوت امر لسانی۔

۱۷۔ آیت۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَکَا فِیْہِ لَخَافِظُوْنَ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ حفظ کلام اللہ خدا کا کام ہے اس صورت میں سنی بندگان خاص ٹھہرے کہ خدا کا کام کرتے ہیں اور ان کا کیا خدا کی طرف ایسی طرح منسوب ہو جاتا ہے جیسے راج مزدوروں کا بنایا ہوا مکان صاحب مکان کا بنایا کہا کرتے ہیں۔

۱۸۔ شیعوں کو کلام اللہ یاد کیوں نہیں ہوتا اگر یہ وجہ ہے کہ صحابہ استاذ کلام اللہ ہیں اور استاذ کا برا کہنے والا کامیاب نہیں ہوتا تو بے کیجئے باقی یہ جو کہیں کہیں شیعہ مقلب بحافظ ہیں یا ایک دو کا کہیں کہیں نشان دیتے ہو البتہ اول تو کہنے کی باتیں ہیں اور اگر سچ بھی ہو تو اہل سنت کے مقابلہ میں ایک دو کا حافظ ہونا بہت شرمانے کی بات ہے۔

۱۹۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات النبیؐ میں تو حضرت فاطمہؓ نے ترکہ کیوں مانگا زندوں کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی اور شیعوں کی نظیر وہ تو یہ نظیر کام کی نہیں کیونکہ شہداء یہاں کے



بدن سے زندہ نہیں اس بدن کے حساب کے تو مردہ ہیں ہاں جنت میں ان کو دوسرا بدن مل جاتا ہے اور مولت کا جواب بھی کام کا نہیں کیونکہ موت سے حیات جاتی رہتی ہے تو آپ حیات النبی نہیں اور نہیں جاتی تو میراث کی کوئی صورت نہیں۔

۲۰۔ کلینی وغیرہ کتب شیعہ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ فدک منجملہ اموال فے ہے اور آیت ما افاء اللہ علی رسولہ الٰہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اموال فے مملوک بنوی نہ تھے اس لیے کہ اول تو بشہادت آیت ذوی القربیٰ یتیمی، مساکین وغیرہ شریک جن کی کوئی تعداد معین نہیں جو ان سب کو پہنچاتے دو گز بشہادت آیت والذین جاءوا من بعدہم سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ منجملہ مصارف وہ لوگ بھی ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے اور قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے سو ان کی شکر کرت تک کی کوئی صورت نہیں کیونکہ مالک بالفعل موجود ہونا چاہیے بایں ہمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان انواع کے ہر ہر فرد کو نہ زمین فدک بانٹنی نہ اس کی آمدنی بانٹی اگر ملک ہوتی تو ان سب ہی کی ملک ہوتی اور آپ ضرور تقسیم کرتے۔ ہونہ ہو وقت ہو اس صورت میں حضرت فاطمہؓ نے کیوں طلب کیا کیونکہ وقت میں نہ میراث جاری ہونہ ہبہ۔

۲۱۔ اگر خطاب فانکھوا عام ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار سے زیادہ نکاح کرنے کی وجہ بیان فرما کے اور خاص ہے تو خطاب یو صیکم اللہ بھی خاص ہوگا۔ اس صورت میں حضرت فاطمہؓ نے دعویٰ میراث کیوں کیا اور اگر آیت یٰٰٓاَیُّہَا النَّبِیُّ اِنَّا اَصْلَلْنَا لَكَ سے تخصیص فانکھوا کرتے ہو اول تو بعد ثبوت تاخر نزول آیت یٰٰٓاَیُّہَا النَّبِیُّ یہ بات متصور ہے اور ثبوت تاخر معلوم دوسری ایسی تخصیص بلکہ اس سے بھی زیادہ تو بوسیله اِحْدٍ لَّکُمْ مَا فِدَاؤُ ذٰلِکُمْ

لہ ما افاء اللہ علی رسولہ من اهل القرۃ فلیہ وللرسول ولذی القربیٰ و الیتیمی و المساکین و ابن السبیل کفی لہ یكون دولة بین الاغنیاء و منکم الخ

دیہات والوں کا جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بدون جہاد غنایت کیا وہ اللہ کا ہے اور رسول کا اور (رسول کے) قرابت مندوں کا اور یتیموں مسکینوں اور مسافروں کا تاکہ وہ مال غنیمت تمہارے دولت مندوں کے



سب کے لیے متصور ہے

۲۲۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کافر تھے (الحیاذ باللہ) تو حضرت علیؓ نے دختر مطہرہ حضرت ام کلثومؓ کا نکاح ان سے کیوں کیا اور نہ تھے تو باوجود اسلام کے تبرک کی کیا وجہ؟

۲۳۔ تبرک کی کوئی کلام اللہ یا حدیث متواترہ میں سند ہے یا نہیں اگر ہے تو پیش کیجئے نہیں تو ایسے دسوسہ اندازوں کی جھوٹی سچی باتوں پر ان قطعی نصوص کو جو مثل روز روشن کے، رذیلہ اور کبیرہ ہونے پر سب دشتہم کے دلالت کرتے ہیں کسی کو بڑا کہتا کیوں ثواب جانتے ہو؟

۲۴۔ اگر تفتیہ فرض یا مستحب یا مباح تھا تو حضرت سید الشہداءؓ نے کیوں نہ کیا اور اس بھڑکی جماعت کو کہ دشمن کے عشر عشر بھی نہ تھے کیوں مظلوموں کو قتل کرایا اور ان کا بار اپنی گردن پر لیا اور نہ تھا تو حضرت امام حسنؓ نے باوجود فوج کثیر کے کیوں صلح کی اور جہاد نہ کیا اور دین کو برباد کیا۔ اگر عذر علم انجام ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ امام تھے تو کیا حضرت امام حسینؓ کو علم انجام نہ تھا یا اس وقت امام نہ تھے۔

۲۵۔ اماموں کو علم ماکان وما یحون ہوتا ہے تو اس آیت کے اور سوا اس کے اور ایسی ہی آیتوں کے کیا معنی ہوتے ہیں۔

قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ  
الْغَیْبُ اِلَّا اللّٰہُ  
تم یہ کہہ دو کہ جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں (ان میں سے)  
غیب کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ (ترجمہ مقبول)

اور اگر نہیں تو پھر اس عقیدہ کی کیا وجہ اور کلینی کی روایتوں کا کیا جواب ہے۔

۲۶۔ اماموں کی موت ان کے اختیار میں ہے تو اِذَا جَاءَ اَجَلُہُمْ لَا یَسْتَخِرُوْنَ سَاعَةً  
قَلًا یَسْتَقْدِمُوْنَ (جب ان کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ایک گھڑی نہ بھیچے ہو سکتے ہیں نہ آگے) کا کیا جواب ہے اور نہیں تو اس عقیدہ فاسدہ کی کیا بنا ہے۔

۲۷۔ متعہ اگر جائز ہے تو آیت اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِہُمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُہُمْ (کہ مومن اپنی دائمی بیویوں اور باندیوں کے ماسوا سے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرتے ہیں) کے مخالف ہوتا ہے کیونکہ متعہ کی عورت باتفاق علماء شیعہ نہ منجملہ ازواج ہے اور نہ منجملہ ما مملکت اِیْمَانُہُمْ اور اگر جائز نہیں تو پھر یہ فضائل کی بچہ حاصل ہو سکتے ہیں اور قصہ خیر سے استدلال کرتے ہو تو



وہ حدیث متواتر نہیں جو ناسخ کلام اللہ ہو دوسرے وہ حکم مفسوخ ہو چکا۔ نہیں تو اس سے تو حکم نہیں کہ احتمال ہے بہر حال تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ وہ حکم باقی ہے احتمال یہ بھی تو ہے کہ اس آیت کا حکم جوں کا توں ہو فقط برائے چندے بوجہ ضرورت رخصت ہو گئی ہو۔

علاوہ بریں آیت وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ کو بوجہ حلیتِ متوہ فسوخ نہیں کر سکتے

کیونکہ بزرگم شیخہ۔

(پس جب تم عورتوں کے خاص حصہ سے فائدہ اٹھا  
لو تو تم ان کو مقررہ مہر دیدو)

اس آیت پر متفرع ہے اور یہی آیت (ترجمہ شیعہ) دستاویز متعہ ہے مگر ہم پوچھتے ہیں کہ عدت والی عورت محضات میں داخل ہے یا نہیں اگر داخل ہے تو یہ ممانعت جسے احصان کہتے بوجہ بقائے نکاح کے تو کہہ بھی نہیں سکتے کیونکہ نکاح ایک امر اضافی ہے جو وجودناکحین پر موقوف ہی ہوگی تو بوجہ محافظت نسبت ہوئی لیکن اس صورت میں محضین غیر مسافحین کے محنتی میں بھی یہی احصان ملحوظ ہے گا۔ پھر آپ ہی فرمائیے متعہ میں یہ بات کہاں ہے اگر ہوتی تو یہاں بھی عدت ہوتی۔ اور اگر معتدہ داخل محضات نہیں تو فرمائیے پھر کس وجہ سے اس کا نکاح ممنوع ہے حالانکہ یہ ارشاد موجود ہے واحل لکم ما وراء ذالکہ (ان مذکورہ کے علاوہ عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں) اس صورت میں یوں نہیں کہہ سکتے کہ معتدہ محضات میں تو داخل نہیں مگر آیت والذین یتوفون منکم سے اس کی حرمت ثابت ہے۔

چنانچہ اہل عقل پر ظاہر ہے جو اب معقول عنایت ہو ورنہ حرمت متعہ کا اقرار کیجئے۔  
۲۸۔ منکوحۃ اللاتسے یا ام ولد والہ سے متعہ جائز ہے یا نہیں اگر جائز نہیں تو کیا دلیل ہے۔  
آیت ولا تنکحوا ما نکح اباؤکم سے تو فقط ممانعت نکاح ثابت ہوتی ہے اور  
جائز ہے تو نکاح ہی میں کیا نقصان تھا۔



۲۹۔ لواطت زمان جو مذہب شیعہ کے موافق جائز ہے اور دینوں میں بھی جائز ہے یا یہ پاکبازی اور سنت قوم لوط خاص مذہب شیعہ ہی کے لیے رکھی ہوئی تھی۔

۳۰۔ لواطت کے جواز کی کیا دلیل ہے۔ اگر لفظ فُلَانِی شَتْم پر اعتماد ہے تو اس سے تو تعین مقام ثابت نہیں ہوتی وقت معمود زوجہ کی روشت اپنی طرف رکھنے کی اجازت نکلتی ہے بایں ہمہ جملہ نسار کو حرث لکھ سے صاف یہ ثابت ہے کہ عورتیں اولاد کی کھیتی ہیں پھر آپ ہی فرماتیں کہ بچہ در بر زن میں سے نکل سکتا ہے یا نہیں اگر کوئی خاص کرامت زمان مذہب شیعہ میں ہو تو مطلع فرمائیے۔

۳۱۔ باندیوں کی فرجوں (شرمگاہوں) کا عاریت دیدینا جو علامہ حلی کی کتاب ارشاد میں موجود ہے۔ اس کی کیا دلیل ہے پھر آیت الاعلیٰ ازواجہم امام مملکت ایمانہ کی مخالفت کا کیا جواب ہے۔

۳۲۔ لواطت سے ثبوت نسب کی وجہ تعلیم فرمائیں تو بڑی عنایت ہو۔

۳۳۔ وَجَّهَ يَوْمَئِذٍ نَّاصِرَةٌ اِلَىٰ رِبِّكَ فَاطِرُكَ (اس دن بہت چمکے ترو تازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے) دیدار خداوندی یہ شاہد ہے اور لفظ الیٰ کو بمعنی نعمت لینا جہتوں سے کان کاٹھنا ہے۔ کیونکہ اول تو ناصرة فرمایا اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ لہائے خداوندی کے استعمال کی نوبت آگئی اس کے بعد پھر نعمتوں کے دیکھنے کی کیا حاجت تھی

۱۔ مثلاً حدیث ما عبد اللہ بن ابی العوف نے امام صادق سے اس شخص کے متعلق پوچھا جو اپنی بیوی سے لواطت کرتا ہے۔ قال لبأس اذا مضیت (اگر عورت خوش ہو تو کوئی عرج نہیں) الاستبصار ج ۲/۱۳۲۔ امام رضا سے راوی نے عورت کے ساتھ لواطت کرنے کا مسئلہ پوچھا تو فرمایا۔ اللہ کی کتاب میں لوط علیہ السلام کے قول نے (معاذ اللہ) حلال کر دیا ہے کہ میری لڑکیاں تمہارے لیے حلال ہیں حالانکہ معلوم تھا کہ وہ آگے کی راہ سے جماع نہیں کرنا چاہتے۔ (ایضاً)۔ ۲۔ مثلاً حدیث رافع بن سلم نے امام باقر سے اس شخص کے متعلق پوچھا جو اپنے بھائی کے لیے اپنی باندی کی شرم گاہ حلال کرے یہ اس کیسے حلال ہے الاستبصار ج ۲/۱۳۲۔

۲۔ ابن مضر اب کہتے ہیں مجھ سے امام جعفر صادق نے فرمایا یہ باندی لے لو آپ کی خدمت کرے اور آپ جماع کریں پھر

ہمیں واپس لوٹا دینا (ایضاً) ۳۔ جن عطار کہتے ہیں میں نے امام صادق سے فرج ملنے کا مسئلہ پوچھا تو فرمایا کوئی عرج نہیں (استبصار ج ۲/۱۳۲)۔



جو یہ ترقی معکوس ایسے کلام معجز نظام میں آئی بایں ہمہ آیت

كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ بَيْتِهِمْ يَوْمَئِذٍ مُّجْبُوْنَ (ہرگز نہیں! سن وہ اپنے رب کی زیارت سے محروم ہونگے)  
 کا کیا جواب دو گے اور آیت لا تدركه الابصار پر نظر ہے تو وہ سابلہ جزئیہ ہے بایں ہمہ  
 سلب اور اک پر دلالت کرتا ہے نفی رؤیت پر دلالت نہیں کرتا علیٰ هذا القیاس لن تدانی سے  
 عدم قابلیت البصار دنیوی حضرت موسیٰ ثابت ہوتی ہے عدم دیدار ثابت نہیں ہوتا ہاں اگر  
 لن اری بصیغہ متکلم مجہول ہوتا تو یہ خیال بجا تھا اور اگر رؤیت اور البصار کے لیے خواہ مخواہ تقابل کی  
 ضرورت ہے اور وجہ سے تامل ہے تو اول تو خدا کے بصیر ہونے کے لیے جہاں سے تقابل لاؤ  
 گے وہیں سے اس کے دیدار کے لیے سہی۔ اگر ضرورت ہوگی تو البصار کے لیے خدا کو بھی ہوگی  
 کیوں کہ تقابل تو طرفین ہی سے ہوتا ہے بایں ہمہ سامنے کا مکان سامنے کی جہت جس طرح  
 بے جہت اور بے مکان سامنے ہے ایسے ہی خدا (بے جہت و مکان) بھی ہو تو کیا عجیب ہے  
 پھر کلام اللہ کی تکذیب کیوں کی جاتی ہے۔

۳۴- آیت وعد اللہ الذین امنوا منکم کہ میں جو خلافت کا وعدہ ہے پورا ہونا تو اس  
 کا ضرور ہے کیونکہ خدا کا وعدہ ہے اور ادھر دیکھتے ہیں تو فیض موصوف باوصاف مندرجہ آیت  
 مسطورہ سوا چار یا ر اور کوئی نہیں ہوا خاص کر یسب لہم من بعد خوفہم اماناً  
 (میں ضرور ہر ضرور ان کے خوف کو امن سے بدل دوں گا) سے تو روشن ہی ہو گیا حضرت امیر معاویہؓ  
 کو کفار سے کبھی خوف ہی نہیں ہوا اور اگر خاص حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مراد لیجئے تو مخافت

۱۰ سورۃ نور کی آیت استخلاف کا ترجمہ مقبول شیعہ کا یہ ہے۔ ان سب لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے اور جنوں  
 نے نیک عمل کئے اللہ نے یہ وعدہ کیا ہے کہ ضرور ان کو اس زمین میں نباشین بنایگا جیسا کہ ان سے پہلوں کو نباشین بنایا تھا اور ضرور ان کے  
 دین کو جو اس نے ان کے لیے پسند کر لیا ہے ان کی خاطر سے پاسدار کر دیگا اور ضرور ان کے خوف کو امن سے بدل دیگا اس وقت  
 وہ میری ہی عبادت کریں گے اور کسی چیز کو میرا شریک نہ ٹھہرائیں گے اور جو اس کے بعد ناشکی کرے گا پس نافرمان وہی  
 ہیں حضرت عمرؓ کے دور میں خلافت راشدہ کی صداقت اور موعود خداوندی ہونے پر خود حضرت علیؓ نے اس آیت سے  
 استدلال کیا ہے ملاحظہ ہو شرح بیح البلاغ فیض الامام تقیؑ از خواجہ شمس الدین علی موعود من اللہ - ۱۳ مہر محمد



وَعَدَ الَّذِينَ آمَنُوا لَازِمٌ آتِيٌّ بِهِ اس لیے کہ اس سے جمیعت ثابت ہوتی ہے نہ وحدت۔  
اور اہم زمان کو مراد لیجئے تو وہ منکم کے مخالف ہے اس لیے کہ اس کے موافق تو ان حلیفوں کا  
صحابی ہونا بھی ضرور ہے ورنہ یہ لفظ لیے کار ہوگا۔ اس کا لغو ہونا لازم آئے گا اس صورت میں  
کیا وجہ ہے کہ ان کو خلیفہ راشد نہیں سمجھتے۔

۳۵۔ یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ سَيُغْلِبُ  
یہ بات ثابت ہے کہ جو لوگ مرتدین سے جہاد کریں گے وہ اللہ کے پیارے اور بڑے ہی کامل  
ہوں گے مگر سوا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمراہیوں کے اور کسی نے مرتدین  
سے قتال نہیں کیا اور خوارج کو مرتدین کہنا ہی نہایت بے جا ہے ان کو بدعتی کہئے نہایت کار  
کافر بدعتی غرض اسی دین اسی نبی کے معتقد ہیں

۳۶۔ خَدَاكَ ذِمَّةٌ عَدْلٌ وَاجِبٌ تَوَاقُتٌ لَا يُثَلَّ غَمًّا يَفْعَلُ وَهُدًى لِيَسْلُوكَ  
(جو وہ کرتا ہے اس سے پوچھ نہیں اور سب کے کاموں کی پوچھ ہوگی) کا کیا جواب ہے۔  
۳۷۔ بِنْدَهُ أَمْرٌ أَوْ نَهْيٌ لَمْ يَكُنْ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (تم نہیں جانتے  
مگر جب اللہ چاہے) کا کیا جواب؟

۳۸۔ حَدِيثُ أَصْحَابِي كَالْحَبُومِ بِأَيْدِيهِمْ اِقْتَدَيْتُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ رَمِيتُمْ  
تاروں کی مانند ہیں جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے (بشادیت رسالہ المکاتیب اپنی  
کتابوں میں موجود اس سے صاف مذہب اہل سنت ثابت ہے۔

۳۹۔ آيَةُ يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ بِشَهَادَاتٍ  
سباق و سیاق ازواج کے حق میں نازل ہے اس کا کیا جواب؟ باقی حدیث اہل  
عباہل البیت سے یہ اعتراض نہیں اٹھ سکتا کیونکہ اس سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ برکت  
وعلائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور  
حضرات حسین رضی اللہ عنہما بھی اہل بیت ہو گئے علیٰ ہذا القیاس ضمیر مذکور سے  
استدلال کرنا غلط ہے۔ اول تو یہی کلمہ کلمہ جو ضمیر مذکور ہے دوسری جا حضرت سار کے  
خطاب میں موجود ہے علاوہ بریں یہ اعتراض خدا پر ہوگا۔ بشادیت سیاق اور سباق



۴۰۔ آیت الطیبات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں نازل ہے اس کا شیعہ بھی انکار نہیں کر سکتے یہ لفظ جس قدر ان کی پاکیزگی پر دلالت کرتا ہے اتنا لفظ لیذہب عنکم الرجس اهل البیت ویطہرکم تطہیرا دلالت نہیں کرتا کیونکہ لفظ طیبات صفت مشبہ ہے جو اصلی پاکیزگی پر شاہد ہے اور یذہب و یطہر تجدد پر دلالت کرتے ہیں جس سے اول سے اتنا پاکیزہ ہونا ثابت نہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آیت تطہیر کے بھڑے اہل بیت کو معصوم کہو حالانکہ وہ بھی اصلی نہیں بلکہ ازواج کی شان میں عارضی ناپاکی زائل ہو جانے پر دستاویز ہے اور باعتبار آیت الطیبات حضرت عائشہ صدیقہ اور سوا ان کے اور ازواج کو معصوم نہیں کہتے اگرچہ مورد خاص ہے پر الفاظ عموم پر دلالت کرتے ہیں۔

۴۱۔ شیعہ کی عورتوں کو مثلاً بوجہ متعہ جو فضائل سچوں تو وہ مل سکتے ہیں یا نہیں۔ چوتھے متعہ میں بشارت تفسیر میر فتح اللہ شیرازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ میسر آجاتا ہے۔

پانچویں متعہ میں خدائی مل سکتی ہے یا نہیں فقط

۴۲۔ زانی میں جو یہ حکم رہا کہ زمانہ واحد میں ایک شوہر سے زیادہ سے عورت نکاح نہ کرے تو مقرر بضرر محافظت نسب اور جب نسب پر نظر ہی نہیں جیسے متعہ میں ہوتا ہے چنانچہ جواب متعلق متعہ خوب واضح ہے۔ تو متعہ دوریہ بلکہ نکاح دوریہ اور مہرہ زن منکوحہ

مہر متعہ کے فضائل۔ ۱۔ تفسیر منہج الصادقین پ کے اول میں ہے کہ حضور نے فرمایا جو ایک مرتبہ متعہ سے اس کا درجہ اہم جیسا ہوگا اور جو دو دفعہ سے

اس کا درجہ اہم حسن کا سا ہوگا اور جو تین دفعہ متعہ کرے اس کا درجہ علی بن ابی طالب جتنا ہوگا اور جو چہر مرتبہ متعہ کرے اس کا مرتبہ میرے

مرتبے جیسا ہوگا۔ ۲۔ جو شخص دنیا سے رخصت ہوا اور اس نے متعہ نہ کیا تھا وہ قیامت کے دن ناک اور کان کٹا اٹھایا جائے گا (ایضاً)

۳۔ قاضی نور اللہ شوستری نے مصائب النواصب میں لکھا ہے کہ نواں الزام ہم شیعوں پر یہ ہے کہ کئی آدمی بیک وقت

ایک عورت متعہ (دوریہ) کر سکتے ہیں اگرچہ وہ حیض والی ہو یہ نسبت افہار اور جھوٹ ہے۔ ہاں اس وقت (متعہ دوریہ) بعینہ نہیں

ہے جب کہ عورت کا حیض بند ہو چکا ہو کیونکہ مقصود تو رحم کو دو مردوں کے نقطہ سے پہچان ہے جس طرح کہ عدت

میں یہی حکمت مقصود ہوتی ہے تو آئہ (بند حیض والی) میں یہ حفاظت خود بخود حاصل ہوتی ہے (تو بیک وقت



## (۱۵) پندرہ سوالات از جانب مولوی عبد الصاحب

اتماس بخیریت علماء شیعہ کہ ان سوالوں کے جواب معقول مرحمت فرمائیے اور ناحق زمین و آسمان کے قلابے نہ ملیئے ورنہ خلفاء اربعہ کی خلافت و مرتبہ پر ایمان لائیے۔

۱۔ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابوسفیانؓ نے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کو کہا تھا کہ اگر تم چاہو تو میں مدینہ کو سواریا دوں، اگر مہاجرین و انصار بیوفائی کی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھپایا تو باوجود اس سامان کے پھر وجہ تقیہ کی کیا تھی اور اگر بنو امیہ کا اعتبار نہ تھا تو بقول شیعوں مانعین زکوٰۃ کی وجہ منع زکوٰۃ کی یہی تھی کہ ابو بکر خلیفہ برحق نہیں اس صورت میں مالک بن نویرہ اور اس کی مانند سردار بنی تمیم اقوام وغیرہ مدد کو موجود تھے اور اتباع عام برحق کے مشتاق پھر اس سب خرابی اٹھانے اور گمراہی کی جڑ جمانے کی کیا وجہ ہوئی اگر بالفرض حضرت امیر جہاد فرما کر مثل اپنے زمانہ خلافت کے غالب نہ آتے یا مثل حضرت امام حسینؓ شہادت پاتے محبت تو تمام ہو جاتی۔

۲۔ امیر المومنین اور جملہ ائمہ کے تقیہ کرنے کے راوی وہ لوگ ہیں جو آپ ہی خادم خاص ان حضرات کے بنتے تھے مگر یہ حضرات ان لوگوں کے حق میں بیزار ہی ظاہر فرماتے تھے اگر کوئی ثبوت تقیہ کا بایں نہج کہ جان بچانے کے لیے دین اور آبرو سب کچھ برباد ہو جائے تب بھی تقیہ ہی کیجئے اگر کچھ سند قرآن و حدیث سے ہو تو بیان فرمائیے یا عقل سلیم کا تقاضا ہو کیسے۔

۳۔ انبیاء اور امام ہدایت خلق کے واسطے ہوتے ہیں جب انہوں نے تقیہ کیا اور حق بخون دشمنوں کے چھپایا تو حق کا پھیلنے والا کون ہوا۔ اور آپ لوگوں تک کیوں کر حق پہنچا۔ اور جب روز بانی ہوئی اور درنگ تو تیز حق کی کیا ہے اور اب لوگوں نے کس نہج سے حق پہنچانا۔

۴۔ اس زمانے کے بعض علماء شیعہ یا عوام جو تقیہ نہیں کرتے اب ان کو کیا امن حاصل ہو گیا ہے اور اگر وہ ایسے مامون ہیں کہ تقیہ کی حاجت نہیں تو حضرت امام مہدی کیوں غار مہرمن رائی میں اس دم تک غیبت کبریٰ میں مصروف ہیں یا حضرت امام خطا پر ہیں۔ یا یہ لوگ خلاف اہم عمل کر رہے ہیں۔



۵۔ بعد گزرنے زمانہ عیسائیوں کے تسلط چنگیز خانی میں جس میں علماء شیعہ کو نہایت فروغ ہوا اور زمانہ سلاطین ایران اور امراء ہندوستان میں حضرت امام نے غروج کیوں نہ فرمایا اور اگر دعوت سلطنت میں امید بہبود نہ تھی تو بطور ائمہ سابق ان ممالک میں ظہور فرما کر مجسین کو ہدایت فرماتے اور اعداء پر حجت قائم کرتے طول عمر امام کا ایک ایسی کرامت ہوتی کہ سنی تو سنی یہود و نصاریٰ اور کفار چین و ہند پر حجت تمام ہوتی کوئی وجہ معقول ارشاد ہو۔

۶۔ شیخین کے باب میں علماء شیعہ کے اقوال مختلف ہیں بعضوں نے منافق اصلی اور بعض نے مرتد بعد واقع غدیر اور بعض نے مرتد بعد وفات اور بعض نے ایمان سے خارج اور اسلام میں داخل اور بعض نے مرتکب اکبر کبار یعنی حق چھپانے والا کہا ہے۔ ان وجوہ پر یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ نادان یا نہایت عاجز تھے اور خداوند کریم بھی ڈرتا اور ان کی نجات پر قادر نہ ہوتا ان باقی صورتوں میں (لازم آیا کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نہایت بے تاثیر تھی کہ سواد و ایک کوئی مخلص نہ رہا اور حضرت امیر المؤمنین کو خمس اور فے ان کے جہادوں کا لینا اور لوٹداریوں پر تصرف کرنا کیونکر چاہا اور نہ ان کا لڑنا جہاد تھا اور نہ وہ دین کے مدگار تھے نہ یہ کچھ غنیمت اور فے تھی۔

۷۔ مذہب شیعہ خلاف ظاہر ہے اس لیے کہ حضرت امیر سے لیکر تا جملہ ائمہ بظاہر اہل منت تھے اور شیعہ کو اس میں گنجائش انکار کی نہیں دعویٰ تقیہ جو بہت امور کا جواب ہے اسی پر مبنی ہے اور اثبات خلافت کے واسطے دلیل یقینی چاہیے وہ کیا دلیل عقلی یا نقلی ارشاد ہو۔

۸۔ آیت انما ولیکم اللہ ورسولہ نص نہیں ہو سکتی اور شان نزول اگر خاص ہو تو حکم عام ہوتا ہے اور الذین امنوا صیغہ جمع کا ہے۔ اور انگشتی دینی نماز میں اس روایت کا کیا ثبوت ہے اور سوائے حضرت امیرؓ کے اور کوئی مراد نہ ہو اس کی کیا دلیل ہے۔ اور انگشتی دینا زکوٰۃ تھا جیسا ظاہر لفظ قرآن سے معلوم ہوتا ہے تو اس میں کیا وجہ کمال کی ہے کیونکہ فرض ادا کرنا ہر مسلمان کا کام ہے۔

۹۔ حدیث ثقلین یعنی خطبہ غدیر وہ بھی پوری حجت نہیں مولیٰ کا لفظ مشترک ہے اور اللہ وال من ولایہ وعاو من عاوا دے اللہ اس سے محبت رکھ جو علیؓ سے محبت رکھتا ہے۔



رکھے اور اسے دشمنی رکھ جو علیؑ سے دشمنی رکھے (قرینہ مجرت کے معنی کا موجود ہے پھر شیعہ کے پاس کیا حجت ہے کہ امر ضروری کو کہ مثل اقرار توحید و رسالت ہے ایسے چستان کی طرح ثابت کرتے ہیں۔

۱۰۔ آذان کے اندر جو ”اشہد ان امیر المؤمنین علی ولی اللہ“ مذہب شیعہ میں زائد ہوا ہے اور معمول ہے۔ اگر ایسی آذان زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح مروج اور مروی ہوتی آئی ہے تو اس کی سند ارشاد ہوا اور اگر بعد میں ارشاد ہوئی تو کون سے امام وقت میں یہ صورت اعلان مذہب کی ہوئی۔

۱۱۔ حضرات! امیر المؤمنین امام حسین رضی اللہ عنہ نے جو گردن تفتیہ کی میدان کر بلا میں مار دی علی الخصوص جب سب رفتار شہید ہو چکے تھے۔ تو اس کی کوئی وجہ مہتول ارشاد ہو اور فسق یہ بد کیا کفر و ارتداد و نفاق خلفا سے کچھ بڑا ہوا تھا جو حضرت امام نے ایسا کیا۔

۱۲۔ اولادِ ائمہ نے جیسے حضرت زید شہید اور یحییٰ بن زید اور اسماعیل نے دعوتِ امامت کیا شیعہ کے اصول پر ناصبی بلکہ اسلام سے خارج ہوتے ہیں اور چاہیے یوں تھا کہ اہل البیت ادری بہ سافیہ رگھر والا گھر کی چیز سے زیادہ واقف ہوتا ہے (رکے تحت) نص امامت سے ان کو زیادہ آگاہی ہوتی اور آیت تطہیر کا اثر اور عزت کے متمسک ہونے کی کچھ تو تاثیر ان میں باقی رہتی۔ علاوہ بریں ائمہ نے جو اس زمانہ ہی میں تھے ان کے فعل کو گناہ تک نہ گنا اس کا کیا جواب ہے۔

۱۳۔ یہ زمانہ بزعیم شیعہ امام سے خالی نہیں اور امام سے یہ غرض ہے کہ حجت قائم ہو اور طالب حق کو حق مل سکے اب امام کی یہ غیبت کہ آشنا و بیگانہ کسی کو رسائی نہیں اب سائے جہان میں موافق و مخالفت میں کوئی طالب حق نہیں یا دین میں کوئی حاجت پیش نہیں ہوتی یا یہ صورتِ امام سے خالی ہونے کی نہیں ہوتی اگرچہ یہ وجود عدم کے برابر ہے

۱۴۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں شیخین کے مناقب بہر منبر بیان فرمائے بلکہ تفصیل (کہ علیؑ ابو بکر و عمر و عثمانؓ سے افضل ہیں) پر حد افترار سے تہدید کیا اگر یہ تفتیہ تھا تو ان مردے لوگوں سے تھاپا بنندوں سے زندے تو آپ کے سب شیعہ



تھے اور جہاں نہارتھے اور بعض منافق بھی ہوں گے تو ایسے لوگوں کا کیا ڈر تھا اور مردوں سے اتنا ڈر خارج قاعدہ سے ہے بہت ہوتا سکوت فرماتے یا قلیل سی کچھ تعریف کر دیتے اس کی کیا وجہ ہے ارشاد ہو۔

۱۵۔ جب اپنی خلافت کے وقت میں حضرت امیر المؤمنین کو حاجت تھی تو فرمائیے شیخین کے زمانہ میں اگر خلافت ہو بھی جاتی تو کیا کام نکلتا اس سے معلوم ہوا کہ جزو وعدہ موبہوم خرمج مہدی (علیہ و علی آباء السلام زمانہ غلبہ حق کا کوئی نہیں ہوا جب گیارہ امم اس رنگ کے ہوئے اب بارہویں امم سے باوجود اتنی غیبت کے کوئی عاقل کیا توقع رکھ سکتا ہے اس مخافت کی کوئی وجہ معقول بیان فرمائیے فقط۔

## خط شکایت امیر غشی شیخ احمد صاحب

مع حال صفائی عقیدہ خود بجا نبی مولوی عبد الصاحب

حضرت مولوی صاحب! جوابات جو آپ نے بھیجے ہیں وہ واقعی نہایت عمدہ اور قابل تعریف ہیں جس جس معاملہ میں مجھ کو شک واقع ہوا تھا وہ معاملات طے ہو گئے اور جو کچھ معاملات اور شک سے باقی ہیں وہ بوجہ برہمی مزاج خدام میں پوچھ نہ سکا مگر عالم و فاضل کو سوال کے جواب دینے میں سختی اور برہمی کرنی واجب نہیں کیونکہ علماء کا یہی کام ہے اور سائل جس کو پوچھنا کسی امر کا منظور ہوتا ہے وہ کس سے پوچھے سوائے عالم کے مگر افسوس کہ یہاں برخلاف معاملہ ہوتا ہے کہ آئندہ سائل سوال نہ کرے فقط بندہ شیخ احمد

## خط مولوی عبد الصاحب کو خط غشی شیخ احمد صاحب

مہربان والا شان حسنة لا تعد غشی شیخ احمد صاحب رحمہ اللہ

خاکسار عبد اللہ بن مولوی محمد انصار بعد سلام مسنون الاسلام منظر مزاج ہے کہ خط فرحت پہنچا باعث فرحت بے غایت کا ہوا جو کہ آپ نے شکایت برہمی مزاج کی تحریر فرمائی۔ یہ تحریر بسبب ناواقفیت کتب مناظرہ کی ہے جب آپ داب مناظرہ سے واقف ہوں گے



یہ بڑھی بے موقع اور خلافت طبع معلوم نہ ہوگی خصوصاً مذہبی مناظر میں کہ ایک دوسرے کو گمراہ اور ناحق شناس جانتا ہے اس کی تصدیق آپ کو ان تحریرات سے جو کہ سید احمد خان کی طرف بطور فتویٰ ہوئی ہیں، ہو جاوے گی اور واللہ ثم باللہ آپ ہمارے کلام کے مخاطب نہیں بلکہ ہمارے کلام کے مخاطب وہ ہیں کہ جس کی مجاورت سے تم کو یہ شبہات دین متین میں پڑ گئے اور وہ لوگ درحقیقت عند المسیین خصوصاً نزد علماء ایشاں الیئے ہیں جیسا کہ ہم نے ان کو لکھا ہے۔

(شیعہ تبرہ باز کا حکم)

کیونکہ سہارنپور میں علماء شیعہ نے اظہار دیا کہ ہم سے مذہب میں تبرہ افرض عین ہے اور جس طرح بن پڑے کرتے ہیں یہاں تک کہ دہلیز اور فرش کے نیچے خدقار کے نام لکھ کر توہین کے لیے لکھتے ہیں (معاذ اللہ)

جب ان کا یہ حال ہے تو علماء سنیہ موافق قول فقہار سب شیخین کفر (شیخین کو گالی دینا کفر ہے) کفر کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اور ہم نے تمہارے اس شبہ کی پیش بندی کر دی تھی چنانچہ عبادت سوال سے واضح ہے کہ ہم نے مخاطب علماء شیعہ کو بنایا ہے آپ نے اس کا کچھ خیال نہ فرمایا کہ جو سوالات آپ نے کئے تھے وہ درحقیقت ہم نے شیعوں کی طرف سے سمجھے اور تم کو سفیر محض جانا اس لیے ہم نے انہی سے سوال کے ور نہ خاص تم سے سوال کرتے۔ مگر واللہ ہم تم کو سفیر جانتے ہیں کیونکہ درحقیقت آپ کو پوچھنا مد نظر ہوتا تو آپ کو یہاں آنے سے کیا پرہیز تھا جیسے اور لوگ مسئلہ پوچھ جلتے ہیں آپ بھی پوچھ لیتے پر چونکہ آپ نے لکھ کر بھیجے ہیں ہم نے جانا کہ یہ اور ہے درپردہ سوال کرتے ہیں۔ کیونکہ آپ کا تو عقیدہ الیا نہیں اس لیے ہم نے اس کو مدہف بنایا آپ کو کیوں الیا بڑا معلوم ہوتا ہے۔ ہرگز ہرگز آپ کی طرف خطاب نہیں شوق سے جو چاہو پوچھو تم ہمارے مہربان اور کرم گستر ہو۔ آپ کے حسن ظن سے نہایت بعید ہے کہ جو آپ الیئے خطاب اپنی طرف جانیں اور ہماری عین خوشنودی ہے کہ جو شبہات تم کو اور باقی ہوں وہ بھی پیش کر دتا کہ مذہب میں



میں نہ رہا اور اپنے دین کی نچنگی معلوم ہو جائے حدیث میں آیا ہے کہ ناواقف کی شفاء سوال ہے یعنی جس کو شہرہ لاحق ہو اس کو پوچھ لینا چاہیے ورنہ شیطان بلکہ بعض انسان صورتہ شیطان حقیقہً مثل روافض کے اس شہرہ کو اور پختہ کر دیتے ہیں حتیٰ کہ خارج از اسلام ہو جاتا ہے اس لیے التماس ہے کہ ضرور بہ ضرور طبیعت شریف کو شبہات باقیہ سے صاف کر لیجئے آپ کے والد ماجد رکن دین کے تھے بمقتضای الولد لایک کے آپ کو بھی صفائی درباب عقیدہ ضرور حاصل کرنی چاہیے جب کہ ہمارے تمہارے اتحاد حاصل ہے تو مناسب یہ ہے کہ آپ بے تکلف تشریف لا کر بالمواجہہ خواہ علانیہ یا درپہ وہ صفائی باطنی کر لیجئے نقل مشہور ہے ”شرح میں کیا شرم ہے“

(عام آدمی کو غیر مذہب کی کتابیں نہ پڑھنی چاہئیں)

جب تک آدمی اپنے دین کی کتابوں سے واقف اچھی طرح نہیں ہوتا اور دوسرے  
دین کی کتابیں نظر سے گذرتی ہیں تو یقیناً شبہات پڑ جاتے ہیں اسی واسطے رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم نے تواریت دیکھنے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے شخص کو منع فرمایا اس واسطے  
عقل کو مناسب ہے کہ جب تک طرفین کے دلائل نہ سنے ایک طرف نہ ڈھل جائے  
حاکم بھی دونوں کی ہی بات سُن کر فیصلہ کرتا ہے خاص کر دین کے باب میں نہایت  
احتیاط رکھنی چاہیے اس قاعدہ کو اگر آپ بھی ملحوظ خاطر شریف رکھیں گے تو انشاء اللہ کبھی  
کسی بے دین کے دھوکے میں نہ آئیں گے۔

اور جو کتاب تمہارے سوالات کے جواب میں (آپ کو) پہنچی تھی یہ مدرسہ عربیہ دیوبند کی طرف سے تھی اور انہی سوالات کے جوابات جناب مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نے میرے پیچھے ہیں بعد نقل کے وہ بھی خدمت میں مرسل ہوں گے جیسا کہ جواب مدرسہ سے ازالہ شہادت ہو کر آپ کو نفع حاصل ہوا انشاء اللہ مولوی صاحب ممدوح کے جوابات سے اس سے زیادہ نفع حاصل ہوگا اور باقی شہادت اگر پیش کرو تو فہماور نہ ان کو بھی شہادت زائدہ پر قیاس کر کے گونڈ شتر جان لو مگر پیش ہی کرنا اولیٰ اور انسب ہے



اشعار طبع زاد مولوی عبداللطیف صاحب سندھ پوری طالب علم مدرسہ عربیہ دیوبند ضلع سہارن پور

حمد خدا و نعت نبی میں میری زبان  
کیا تاب ہے قلم کو لکھے وصف چارپا  
کیا پوچھتے ہو خوبی حضرات اہل بیتؑ  
اے سالکانِ سنت خیر البشر سنو  
شیخین کی جو شان میں کرتے ہیں اعتراض  
کرتے ہیں خلافتِ شیخین میں کلام  
شیر خدا کی زور شجاعت سے منہ کو موڑ  
کہتے ہیں صاف صاف خلافت علیؑ کی  
ایسا ہی بن خطاب نے ان سے کیا لوک  
دعویٰ جب حیدر کو ار و یکھتا  
ظاہر میں پختن کی محبت میں دم بھریں  
عبداللہ بن سبا جو یہودی تھا بد گسر  
لعنت پہ جنکی کھڑے ہے بنیاد آن کے  
صدیقہؑ جن کی شان میں نازل ہو طیبات  
کچھ بھی لحاظ ننگ علی نہیں انہیں  
مرثیہ کو کتابِ الہی سمجھتے ہیں  
بولیں کھپاچ خانہ کو سب خانہ امام  
صد ہا بنائے شاہِ بخت اور کمرہ بلا  
ہر سال تعزیہ یہ بنا کر کے روسیاہ  
کہتے پھرے ہیں شہر کے کوچوں میں بھلا  
اللہ سے یہ حب علی اور یہ گفتگو  
باغِ فدک کے باب میں ناگفتنی کہیں

لہذاں ہے مثل بید کرمیت کا ہے مکان  
مداح جن کا آپ ہی رب دو جہاں  
مضمونِ انما اُسے کرتا ہے خود عیاں  
شیعوں کا حالِ ظلم میں کرتا ہوں کچھ بیان  
ہیں محض بے وجود کچھ ان کا نہیں نشان  
بے اہل ہے سمجھتے نہیں ہیں وہ بگناہ  
دھبہ لگائیں ہائے تقیہ کا ناگہاں  
ازراہ ظلم حضرت صدیق نے میاں  
عثمان ذی حیاہ کا بھی ایسا ہے بیان  
ٹپکے ہے اس کلام سے جو کچھ ہے فوستان  
باطن میں سو طرح کی عداوت لکھیں نہاں  
پیروسی کے ہیں یہ بھی خور واور کلاں  
پھر وہ محبِ آلِ نبی ہوں بھلا کہاں  
یہ ان کا منہ جو ان کو کہیں کچھ خدا کی شان  
دامادِ مرتضیٰ کو کہیں میر خاستاں  
قرآن کو بتاتے ہیں پندت کی پوتھیا  
مسجد کو گاؤ خانہ سمجھتے ہیں بد زبان  
لکھنا بنائیں گور شہ فخر خاندان  
روحِ نیرید و شمر کو کرتے ہیں شادمان  
قیدِ نیرید میں ہوا حضرت کا خاندان  
پردہ میں دوستی کے کریں دشمنی عیاں  
لائوٹ وہ سنتے نہیں ہیں جوشِ جان



جو جو کہیں میں غلط زہرا کی شان میں  
متعہ کا ایک بہانہ عجب ہاتھ آگیا  
وہ ان کے مجتہد تھے کہ جن کے قیاس سے  
مومن وہی ہے جو کہ اصحاب کو بُرا  
سمجھائے کوئی لاکھ پر یہ مانتے نہیں  
میں چند اعتراض قدیمی گھڑے ہوئے  
علماء دیندار بھی دے کر انہیں جواب  
ہے شیخ احمد ایک جوان دیوبندی  
دیکھا جو ان کو مولوی یعقوب نے تمام  
دندان شکن جواب لکھوا ان کا کل تک  
پھر وہ سوال مولوی صاحب نے جلد تر  
لکھ کر جواب مولوی قاسم نے فی البدیہ  
عبداللہ مولوی نے بھی ان کا لکھا جواب  
وہ سب جواب مسجد جامع میں الغرض  
شاباش و آفریں کی صد چار سو ہوئی  
پھر وہ جواب بھیجے گئے جبکہ لکھنؤ  
تاریخ کا جو فکر تھا عبداللطیف کو  
کس فکر میں ہے دیکھ لے حال لکھنؤ

### ایضاً منہ

جوابات شیعہ بطرز نوحہ  
ملک گفت رو روافض بگو  
(۱۲۹۱ھ)

بفضل خدا طبع فرمودہ اند  
سن الطباعش چو میخو استم

طبع دوم ۱۳۰۱ھ

ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرة العلوم جامع مسجد نور کوہ جبر النوالہ  
www.jmmpak.tk

پہٹ جائے زمین قریب گرجائے آسمان  
مصرف ہے زنا میں ہر ایک پیر اور جوان  
جاری ہو جہان میں ایک فعل لوطیاں  
میں نے سنا ہے بار بار یہ قول شیعاں  
سُنستے نہیں کسی کی حدیث ہوئے یا قرآن  
کرتے ہیں بار بار وہی پیش مومنوں  
تردید میں ہیں مذہب باطل کے جاوول  
بیہیجے تھے مدرسہ میں سوال اس نے کہاں  
عبداللہ مولوی کو بلا کر کہا کہ ہاں  
تا آئیں راہ راست پر بدراہ گمراہوں  
ایک خط میں بند کر کے میرے گھر کو بھیج دو  
بیہیجے وہ دیوبندی میں فی الفور اے میاں  
کس شان و اہتمام سے دو دن کے درمیان  
کس لہجہ سے پڑھے گئے پیش مشائخاں  
احسنت مرحبا کی مذا سے کھلے ہاں  
ہر مجتہد کی آیا زبان پر کہ الاماں  
ہاتھ نے کان میں کہاں یوں آگے کہاں  
چکر میں آرہا ہے ہر اک مجتہد یہاں  
(۱۲۹۰ھ)



إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا أَلَسْتُ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ

(انعام)

# اجوبہ العین

ردِّ روا فض

حصہ دوم



از: حجت الاسلام محمد دین و علوم بانی دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی

(۱۲۴۸ھ) ————— (۱۲۹۷ھ)

ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرة العلوم نز و مکتبہ گھر گوہر الزوالہ



# پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بعد حمد و صلوات کے یہ اجوبہ اربعین کا دوسرا حصہ پیش خدمت ہے حضرات شیعہ کی طرف سے جو چالیس سوال حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی خدمت میں پہنچے تھے ان میں سے اٹھائیس سوالوں کا جواب حصہ اول میں دے دیا گیا باقی ماندہ بارہ سوالات میں سے سات سوالوں کے چار سوال بنائے گئے یعنی مسائل نے ایک سوال کی مختلف شقوق کو علیحدہ علیحدہ سوال بنا کر پیش کیا تو حضرت نانوتویؒ نے ان شقوق کو ایک ہی سوال کے نیچے جمع کر کے سوال کی ایک ہی تقریر کر دی اور پھر اس کے جواب میں سوال کی ہر شق کا جواب تحریر فرمایا۔ اس حصہ میں نبطا ہر بارہ کی بجائے نو سوال و جواب ہیں لیکن حصہ ہذا کا سوال ۲۰ حقیقت میں تین سوالوں کا جواب ہے جیسا کہ حصہ اول کے سوال ۱۷ کے جواب میں حضرت نانوتویؒ نے خود اشارہ فرمایا ہے اور اسی طرح حصہ ہذا کے سوال ۱۷ کا جواب حقیقت میں دو سوالوں کا جواب ہے اس میں دو سوال (فدک اور دراشت انبیاء) جمع کر کے ایک سوال کر دیا گیا، اور پھر ایک ہی جواب دیا گیا تو سوال ۱۷ کا جواب اصل میں دو سوالوں کا جواب ہے یہ حصہ کافی مشکل اور اوق ہے۔ خصوصاً سوال ۱۷ کے جواب۔ اس حصہ میں متعہ فدک، دراشت، منہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحنہ کئی اہم مسائل اور دقیق علمی نکات حضرت نے اپنے مخصوص انداز میں بیان فرمائے ہیں جو صرف پڑھنے سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ ان چار سوالوں کے بعد پانچ جواب گمشدہ سوالوں کے ہیں۔ ان کا انداز بیان نسبتاً کافی آسان اور عام فہم ہے۔ اس حصہ میں عزائت اصل میں مولانا مسر محمد صاحب نے قائم کئے ان کی تصحیح مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب اور فاضل نوجوان مولوی محمد اشرف نے کی اور مفتی صاحب اور مولوی محمد اشرف کی خواندگی کے بعد احقر عبد الحمید سواتی نے بھی اس کی ریڈنگ میں حصہ لیا۔ سوالوں کی تلاش اور عبارت کی دیکھی میں مولوی محمد اشرف نے بہت کاوش اور محنت کی ہے بعض حواشی لگائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم اور اخلاص میں برکت عطا فرمائے۔

اب اجوبہ اربعین کے بارے میں یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ انشاء اللہ یہ کتاب استفادہ کے قابل ہو گئی ہے۔

واللہ علی ما نقول وکیل

احقر  
عبد الحمید سواتی

خادم مدرستہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۲۸ ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ / ۲۷ اکتوبر ۱۹۸۱ء



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## (عرض نامہ شرق قدیم ۱۲۹۲ھ)

الحمد لله رب العالمين الرحمن الرحيم ملك يوم الدين  
والصلوة والسلام على سيد المرسلين وآله وذريته وصحبه اجمعين

اما بعد

طالب نجات محمد حیات عرض کرتا ہے کہ یہ کتاب لاجواب دوسرا حصہ اجوبہ اربعین کا  
ہے پہلے حصہ میں اٹھائیس سوال مع جواب چھپے ہیں اب باقی ماندہ بارہ سوالات اہل تشیع کے  
جوابات جو خاص ریختہ قلم صواب رقم فاضل بے نظیر عزیز خاتم المحققین سلطان المدققین نخبۃ الاکابر  
جناب مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کے ہیں اس حصہ میں طبع ہوئے اب یہ کل سوالات بھی  
اور جوابات بھی چالیس چالیس پورے ہو گئے۔

(مولانا نانوتوی کا سچر علمی)

مگر افسوس کہ اس نالائق کی جی کی جی میں رہی اور جوجی میں نہ تھی وہ بے ساختہ زبان قلم سے  
نکل گئی یعنی اس کتاب کا دیباچہ میری طرف سے لکھا گیا تو بے اختیار جی میں آیا بلکہ فرض واجب  
تھا کہ میں کچھ ذکر خیر جناب مولانا محمد رح سلطان الاذکیار امام الاتقیار امیر الفقہار تحریر العلماء کا بھی لکھوں  
اور اس فرصت و مدت قلیل میں اور ان کے قلم برداشتہ تحریر مستنیر کی کچھ تعریف واقعی اور توصیف  
حقیقی بلا مبالغہ بیان کروں مگر اوّل تو مجھ میں نہ قوت بیانی نہ طاقت لسانی نہ چنداں معنی افہمی نہ سخندانہ  
پھر کس حوصلہ پر نصحا سے ہمدستانی۔ دوسرے اگر کچھ سنئے سیکھے اڑائے سڑ پڑ خاک بدتر دوچار



حرف شاید کچھ بھی سکتا تو اس اندیشہ نے ہاتھ روکا کہ مبادا صرف ان منہ خرافات کے ہی جوابات  
 کہنے میں کوئی جناب ممدوح کی تعریف کا حصر سمجھ لے یا خدا نخواستہ ان جوابات کی غفلت پر سوالات  
 کی متانت اور سائل کی لیاقت پر بھی کسی قدر احتمال کرے اس لیے میری زبان تو دلی تمنا کے ادا  
 سے عاجز و قاصر رہی مگر ہاں قلم بے ہودہ رقم سے بہ نسبت سوالات کے نفرین کی جگہ بے ساختہ  
 آفرین نکل گئی کیونکہ اگر اہل شیعہ یہ زہر نہ اگلے تو مولانا کی قلم سے یہ مضامین تریاقِ فاروقی کیسے نکلتے اگر  
 یہ لوگ محرک نہ ہوتے تو مولانا ممدوح اہل تسنن کی بے علمی پر رحم فرما کے اپنے احباب کے اصرار سے کیوں  
 اپنے اوقات قدسیہ کو اس طرف ضائع کرتے اور پھر کس ذریعہ و وسیلہ سے یہ جوابات دندان شکن  
 اور جواہرات سخن آویزہ گوش ہوتے اس ظلمات میں تو ہم کو آبِ حیات ملا ہے شجرۃ الایمان کے  
 سرسبز و نشوونما ہونے کے لیے یہ عمدہ کھات ملا ہے۔ اسی کیس نے تو مولانا کے شمیرِ قلم  
 کے جوہر دکھائے ہیں۔ اس خاک نے تو آئینہ قلوب کے زنگ مٹائے ہیں۔ اللہ۔ اللہ۔ ع

یہ فعل بے بہا پائے ہیں ہم نے کوٹے کرکٹ ہیں

اب ان سوالات کی رکاکت اور ان کے جوابات کی وجہ تھوڑے کی نسبت جو جناب مولانا  
 لکھتے ہیں وہ دو تین سطریں بھی ہم بلفظ سوال و جواب سے پہلے لکھ دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ”ہر  
 چند تحریر سوالات سے سائل کی لیاقت اور حسن فہم ایسا آشکارا ہے جیسے کالے توڑے میں  
 سے چاند مگر بائیں نظر کہ اگر ایسے سوالات کا جواب نہیں دیا جاتا ہے اور یوں سمجھ کر کہ ”جواب  
 جاہلاں باشد خموشی“ اگر ایسے خرافات کے جواب میں سکوت کسا جاتا ہے تو جاہلوں کو اور  
 بھی جرات ہوتی جاتی ہے اور باطل کو اور بھی حق سمجھنے لگتے ہیں۔ اس لیے مختصر مختصر جواب  
 سوالات مرقوم ہیں وباللہ التوفیق۔“

### سوال اول از جانب شیعہ

سنی کہتے ہیں کہ یہ شیعہ گمراہی کس سے ایجاد ہوئی فقط ایران سے نکاس اس فرقہ کا ہے  
 بیچلے ایران والے تعزیر نہیں بناتے البتہ اور طرح کی بدعت قبیحہ کرتے ہیں سوانشا اللہ  
 تعالیٰ بیوم الحساب معلوم ہوگا۔ آدمی کو چاہیے کہ جس میں دخل نہ ہو اس میں داخل نہ دے  
 سنیوں کو معلوم نہیں کہ شیعہ کسے کہتے ہیں اور سنی کسے۔ آخر اس کہانی کو کسی کتاب سے کتنا تھا



جب کہ سنی کے کلام سے معلوم ہوا کہ شیعہ ایران سے ہوئے تو ضرور سنی مسلمانوں نے حضرت  
امام حسینؑ کو ذبح اور امام حسنؑ کو زہر دیا پھر یزید ہونے سے کیوں برا مانتے ہیں۔

واضح ہو کہ شیعہ اسے کہتے ہیں کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ائمہ اثنا عشر علیہم السلام  
کو جانشین حضرت کا جانے اور سنی اسے کہتے ہیں کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شیخین و  
جناب امیر و معاویہ و یزید و عبد الملک و ولید و ہشام و سلیمان و ولید بن یزید کو اعتقاد کریں چنانچہ  
تصریح کی اسکی ابن حجر مکی نے صواعق مخرقہ میں ص ۱۵ اور ابن حجر عسقلانی نے و ملا علی قاری شارح فقہ  
اکبر و قاضی عیاض وغیرہم نے کی ہے۔

## جواب (سوال) اول

(ہندوستان میں شیعہ ایران کی بدولت پہنچی)

اجی صاحب آٹنا کیوں برا مانتے ہو اور مذہب شیعہ کے ایران سے نکلنے سے ایسا کیوں  
کانوں پر ہاتھ دھرتے ہو سنیوں کا یہ مطلب نہیں جو آپ سمجھ لیں یہ فرقہ یوں تو بہت دنوں سے کار  
فرمائے بدعت و فساد ہے ہاں ہندوستان میں یہ بدعت البتہ ایران ہی کی بدولت پہنچی ہے  
نہ ہمالیوں اور بادشاہان ایران کے باہم یہ ربط و اتحاد ہوتا نہ وہاں کے امراء علماء یہاں آکر سلوہ لوصان  
ہندوستان کو گمراہ کرتے بالکل ہندوستان میں یہ فساد ایرانیوں ہی کے طفیل پھیلا ہے۔ ورنہ یہ فرقہ  
یوں تو قدیم سے چھپا چھپا یا چلا آتا تھا۔

(شیعہ کی بدعہدی و مظالم)

اور انہی صاحبوں نے جگر گوشہ سیدۃ الفسار رضی اللہ عنہا حضرت شہید کربلا رضی اللہ عنہ  
کو شہید کیا تفصیل اس بات کی مطلوب ہے تو کان دھریئے اور سنئے کو فیان با وفا جنہوں نے  
سالہا سال داو شیعہ گری دی تھی پھر حضرت مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کر کے پھر گئے اور  
میدان کربلا میں آکر خون شہیدان اہل بیت علیہم السلام سے ۱۰ دشت کر بلا کورنگین کیا۔  
کوئی صاحب حضرات شیعہ سے پوچھے یہ کون تھے اور کس کے مرید تھے حضرت امیر رضی اللہ عنہ  
رونق افروز کوفہ ہے یا حضرات اصحاب ثلاثہ امیر معاویہ کے مقابلہ میں یہی مدعیان محبت تھے۔



جنہوں نے دعوتِ تشیع کر کے انجام کار یہ وفائی کی یا اور کوئی؟ بالجلہ حضرت امیر مثنیٰ اللہ عنہ کی کاب میں ہمیشہ یہی مدعیانِ دروغ ہے جن کی مداخلت کے باعث دوستانِ باخلاص کو رسائی نہ ہونے پائی۔ الغرض یہی باوقایان بے وفا حضرات امہ رحمہم اللہ کو ہمیشہ دھوکہ دیتے ہیں۔ حضرت امیر علیہ السلام کی شکست کا باعث یہی ہوئے اور حضرت مسلم کو اسنوں ہی نے شہید کر دیا حضرت سید الشہداءؑ و شہید کربلا کی جان نازنین پر اسنی کی تیغ ستم چلی حضرت زید شہید صاحبِ جزا وہ حضرت سجادؑ اسنی بزرگواروں کے بھروسے جان بحق ہوئے۔ سنی بیچائے تمہائے گمان کے موافق مسکن ساتھ ہوئے تھے؟ سچ یوں ہے حضراتِ شیعہ، ناسبانِ یزید و شمر اور کاہنِ وازان عبد اللہ بن زیاد ہیں۔ زمانہ کے گزر جانے سے ناچار ہیں ورنہ جو کچھ کرتے حضرت امام ہی کے ساتھ کرتے۔

لے ملا محمد باقر مجلسی لکھتے ہیں "شیخ مضیہ وغیرہ نے بندہ نے معتبر روایت کی ہے کہ جب حضرت علیؑ نے لوگوں سے بیعت کی اس وقت عبد الرحمن بن ملجم مرادی بھی آپ کی بیعت کرنے آیا جناب امیرؑ نے اس کی بیعت قبول نہ فرمائی یہاں تک کہ وہ تین مرتبہ آپ کی خدمت میں آیا اور تیسری دفعہ جناب امیرؑ سے بیعت کی جب وہ پٹا جناب امیرؑ نے دوبارہ اس کو بلایا اور قسمیں دیں کہ بیعت سے انحراف نہ کرنا اور اس سے پختہ وعدہ لیا "رجل العیون مترجم ص ۲۸۱/۲۸۲" عبد اللہ بن زیاد بھی حضرت علیؑ کے ساتھ رہا ملا صاحب لکھتے ہیں کہ معاویہ نے زیاد کو کوفہ و بصرہ کا والی مقرر کیا چونکہ وہ شیعوں کو پہچانتا تھا اور ایک مدت تک جناب امیرؑ کے ہمراہ رہا تھا۔ (ایضاً ص ۴۲۱)

قاتلانِ جگر گوشہ رسول حضرت امام حسینؑ و کون لوگ تھے شیعہ کا اپنا اقتدار ملاحظہ ہو۔ پھر بیس ہزار اہل عراق نے امام حسینؑ سے بیعت کی اور جنہوں نے امام حسینؑ سے بیعت کی تھی خود انہوں نے امام حسینؑ کے مقابلے میں شمشیر کھینچی اور ابھی بیعت امام حسینؑ ان کی گروہوں پر تھی کہ امام حسینؑ کو شہید کر دیا اس کے بعد ہمیشہ اہل بیت پر ستم کئے ہم کو ذلیل کیا۔ (ایضاً ص ۴۲۱)

قاتلانِ امام حسنؑ کی نڈا ہی شیعہ کا اپنا اقرار جب امام حسنؑ کو مدائن میں خنجر مارا زید بن وہب جہنی امام حسنؑ کی خدمت میں آیا اس وقت آپ دروالم کی حالت میں تھے۔ زید نے کہا یا بن رسول اللہ کیا مصلحت ہے تحقیق کہ لوگ اس کام میں متحرک ہیں حضرت نے فرمایا قسم بخدا اس جماعت سے میرے لیے معاویہ بہتر ہے یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ میرے شیعہ ہیں اور میرے قتل کا ارادہ کیا اور میرا مال لوٹ لیا۔ (ایضاً ص ۴۱۶) دیکھو حضرت نانو توئی نے ہی نہیں کہا بلکہ حضرت امام حسنؑ نے اپنا تجربہ بھی ان لوگوں کے بارے میں ایسا ہی بیان فرمایا ہے۔ ۱۲ (محمد اشرف ص ۱۰۰)



ناچاری ان کے مقبرہ کی تصویر اور ان کے ہمراہیوں کی نعشوں کی خبر لیتے ہیں ڈھول بجاتے ہیں علم اٹھاتے ہیں شدائی دکھلاتے ہیں یہ کام اس روز کس نے کئے تھے۔ مشے نمونہ خروارے۔

قیاس کن زگستان من بہار مرا

(اہل سنت حق چار یا کے قائل ہیں)

اور یہ سچ ہے کہ سنی اصحاب اربعہ یعنی چار یا کو بہتر ترتیب معلوم جانشین حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ اجمعین سمجھتے ہیں اور خلیفہ راشد (موجود علی منہاج النبوة) اعتقاد کرتے ہیں پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید پلید اور عبد الملک وغیرہ کو سنیوں میں کوئی ایک بھی خلیفہ راشد (موجود) نہیں سمجھتا۔ ہاں جھوٹ کا جواب جھوٹ ہے۔ دروغے راجز اباشد دروغے۔

اس لیے یہ عرض ہے کہ حضرات شیعہ البتہ ان بزرگواروں کو امام اور خلیفہ سمجھتے ہیں ورنہ یوں ان کا اتباع نہ کرتے کہ حضرت امام ہاتھ نہ لگے تو ان کے روضہ کے بانس جدا کر ڈالے اور حضرت قاسم پر بس نہ چلا تو ان کی نعش پر تیر چلا کر دل کے پھوپھ پھوڑے۔ مرثیے لگائے اور شادیانے بجائے باقی جو آپ ابن حجر مکی اور ابن حجر عسقلانی اور ملا علی قاری اور قاضی عیاض کا حوالہ دیتے ہیں یہ آپ کا قصور نہیں یہ آپ کے مذہب کی خوبی ہے تفسیر کی آڑ میں جہاں خدائے تعالیٰ اور حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سینکڑوں طوفان باندھے خدا والوں اور رسول والوں پر بھی ایک تہمت لگاتے چلے تو کیا بجا کیا۔ اجماعی صاحب اہل سنت ان لوگوں کو بادشاہ سمجھتے خلیفہ راشد نہیں سمجھتے اگر کسی نے ان کو خلیفہ لکھ دیا تو اس سے خلیفہ راشد مراد نہیں ملے۔

لے امام اہلسنت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنؤی فرماتے ہیں۔

”درجہ اول۔ خلافت راشدہ خاصہ جس کو خلافت علی منہاج النبوت بھی کہتے ہیں۔ یہ درجہ خلافت سوا ان لوگوں کے جو مہاجرین اولین میں سے ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تمام مشاہد خیر مثل بدر واحد و حدیبیہ و تبوک وغیرہ کے شریک رہے ہوں اور آیات الہی کے وعدوں کے موعود اہم ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عالی مرتبہ اور بحق خلافت مہنیاں فرمایا ہے اور ان کا خلیفہ بنانا امت پر لازم کر دیا ہو اور دین الہی کی تمکین ان کے ہاتھ سے ہوئی ہو کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ تاریخ اس بات کی شہادت دیتے ہیں اور علامہ محققہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ درجہ خلافت کا باقی حصہ پر



(مُلک اور مُلک کا لفظ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی آیا ہے)  
حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ دُحْمِی نے ان کی حکومت کو مضبوط کیا اور حضرت  
سیمان علیہ السلام کی شان میں وَهَبَ لِي مُلْكًا لًّا (اے رب مجھے بادشاہی دے) وارد ہوا ہے۔)

بقیہ حاشیہ : حضرات ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو حاصل تھا اور انہی پر ختم ہو گیا ان تینوں خلافتوں میں نبوت کا رنگ اس قدر غالب  
تھا کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پس پردہ بیٹھے ہیں اور یہ تینوں خلیفہ مثل بے جان لکڑی کے آپ کے ہاتھ میں ہیں آپ جس طرح  
چاہتے ہیں ان لکڑیوں کو حرکت دیتے ہیں اور جو کام چاہتے ہیں ان سے لیتے ہیں یہ تینوں خلیفہ مثل گھڑ سرفروں کے ہیں۔  
کہ ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس آواز بھری ہوئی ہے جو آواز ان سے نکل رہی ہے ان کی آواز نہیں  
بلکہ سرور انبیاء کی آواز ہے ان تینوں خلافتوں میں بھی شیخین کی خلافت کا درجہ بہت عالی ہے۔ درجہ دوم خلافت راشدہ  
مطلقہ پہ درجہ خلافت کا گریٹے درجہ سے رتبہ میں کم ہے مگر پھر بھی اس کی شان نہایت ارفع ہے۔ آسمان نسبت بعرض اُفرد  
و در زبس عالی ست پیش خاک۔ یہ درجہ خلافت کا ان لوگوں کے لیے ہے جن کا مستحق خلافت ہو چکا فاضل آنحضرت صلی اللہ علیہ  
وسلم نے بیان فرمایا ہو مگر امت پر ان کا خلیفہ بنانا لازم نہ کیا ہو۔ یہ درجہ عالی خلافت کا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الشریف  
کو حاصل تھا اور چھ بیٹے حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کو حاصل رہا اور ان پر ختم ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا  
کہ میرے بعد خلافت تین سو برس ہے گی اس سے مراد یہی دونوں قسمیں ہیں خلافت کی۔ قسم سوم۔ خلافت عادلہ۔ یہ درجہ  
پیسے دونوں درجوں سے بہت گھٹا ہوا ہے اور اس میں کچھ کے عامل ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ خلیفہ جامع شرائط  
ہو اور مقاصد خلافت اس سے فوت نہ ہوتے ہوں اس کی ضرورت نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا  
استحقاق خلافت بیان فرمایا ہو حضرت معاویہؓ کی خلافت اسی قسم میں داخل ہے اس قسم میں بعض خلافتیں ایسی کامل  
ہوتی ہیں کہ بوجہ خلافت راشدہ کا ہمرنگ ہونے کے بعض علماء نے ان کو خلافت راشدہ میں شمار کیا ہے۔ جیسے حضرت  
عمر بن عبد العزیزؓ کی خلافت اس خلافت کا سلسلہ باقی ہے۔ قسم چہارم۔ خلافت ناقصہ یا خلافت عامہ۔ یہ درجہ بالکل ہمرنگ  
بادشاہت و سلطنت ہے۔ یہ درجہ ان لوگوں کو بھی حاصل ہو سکتا ہے جو تمام شرائط خلافت کے جامع نہ ہوں صرف  
بڑی بڑی شرطیں مثلاً اسلام و عقل و طہر و ذکوریت و غیرہ ان میں پائی جاتی ہوں بعض خلفائے امیر و اکثر خلفائے عباسیہ اسی قسم میں داخل  
ہیں۔ تفصیل کے لیے ازالۃ الخفاء مقصد اول و ملاحظہ فرمائیں ۱۲ مقدمہ تفسیر آیات خلافت ص ۱۲۹ محمد اشرف



بلکہ خود آپ خداوند کریم اپنی شان میں **لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ** اور **لَمِنْ الْمُلْکِ الْیَوْمَ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ** فرماتا ہے پر اس لفظ سے کسی خوش فہم نے یہ نہ سمجھا کہ جناب باری اور یہ دونوں نبی علیہما السلام بھی ایسے ہی تھے جیسے اور ملک والے مثل **مُزِدُّ شِدَادٍ** اور **فِرْعَوْنَ** کے گزے ہیں یا بادشاہان مذکور فقط بوجہ ملک داری خدا اور انبیاء مذکورین کے برابر ہو گئے۔ یہ خوش فہمی البتہ شیعہ حضرات پر ختم ہوئی اور لفظ **مُلْک** کو جو میم کے پیش کے ساتھ ہے، کچھ چنداں مفید مطلب اہل سنت نہیں سمجھتے تو کلام اللہ ہی میں **الْمُلْک** (بادشاہ) لام کے زیر اور میم کے پیش کے ساتھ فرماتے ہیں اگر کلام اللہ یاد نہ ہو اور کیوں ہوگا تو اٹھائیسویں پارہ میں سورہ حشر کا مطالعہ فرمائیں۔ اور یہ فرمادیں کہ لفظ **مُلْک** جو میم کی زیر اور لام کی زیر سے ہے کیا معنی ہیں؟ بادشاہ کو کہتے ہیں یا کچھ اور معنی ہیں۔ اگر حضرات شیعہ اس بات کو تسلیم کریں کہ لفظ مذکور معنی بادشاہ ہے اور بادشاہ سب ایک رنگ کے ہوتے ہیں۔ خواہ یوں کہو کہ بادشاہان مذکور خدا کی سی شان رکھتے ہیں، یا خداوند کریم معاذ اللہ ان کا ہم رنگ تھا تو اہل سنت والجماعت کی طرف سے ہم ذمہ کش ہیں کہ ہم بھی جس کو خلیفہ کہا کرتے ہیں اس سے خلیفہ راشد مراد لیا کرتے ہیں۔

اور اگر حضرات شیعہ اس بات میں تین پانچ کریں تو بڑی ستم کی بات ہے کہ اہل سنت پر مفت الزام لگاتے ہیں اور آپ نہیں شرماتے، اجماعی حضرت! اہل سنت کو سب کو خلیفہ کہیں پر (موجود) خلیفہ برحق اور خلیفہ راشد چار یا رہی کو سمجھتے ہیں۔ اور یہ ایسی بات ہے جیسے اولاد کو ہر کوئی خلف کہتا ہے پر خلف الرشید اس کو کہتے ہیں جو فرزند کامل ہو ورنہ یا تو ناخلف ہے یا کوئی صفت بھلی بری اس کے ساتھ کچھ نہیں لگاتے، سو خلیفہ راشد تو چار یا رہی اور یزید، ولید، عبد الملک وغیرہ مروانی عباسی اکثر ناخلف تھے۔

(حضرت امیر معاویہ و حضرت امیر کا معاملہ حضرت ہارون مومنی علیہما السلام جیسا تھا)

اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، اس باب میں نہ خلیفہ راشد ہیں نہ ناخلف ہیں۔ ہاں فضیلت

لے آج بادشاہی کس کی ہے صرف ایک خدائے زبردست کی۔ حضرت امیر معاویہ کا ولید و یزید سے الگ ذکر خیر حضرت ہارون مومنی کے ہاں خلیفہ عادل لائق ہر گز محض ہے کہ گو آپ سابق مساجدین کے سزا چاریلہ کی طرح راشد اور موجودہ خلیفہ نہ تھے مگر بعد والوں کی طرح جائز اور نالائق مجتہدین بھی نہ تھے اس تمام سیاق و سباق کا نتیجہ یہی سمجھنا چاہیے اور حضرت معاویہ کا ذکر خیر میں ہرگز نہ رکھنی چاہیے۔ صحیح ۱۲ مہر محمد



صحبت اور بزرگی صحابیت اور انوۃ ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی ان کو حاصل تھی اور اس لیے سب کے واجب التعظیم ہیں جو برا کہے وہ اپنی عاقبت کھوتا ہے۔ کیونکہ خداوند کریم تمام صحابہ کی نسبت فرماتا ہے یَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَنَّاتٍ جُنتِمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ لَدُنْ رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا نہ کرے گا۔ سو جو کوئی اس پر بھی ان کو رسوا کرنا چاہے وہ خدا کا مقابل ہے ہم کو تو اب یہی لازم ہے کہ ان کی عیب چینی نہ کریں اور یوں سمجھیں کہ حضرت امیر علیہ السلام امیر معاویہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اگر باہم کچھ منازعہ ہوا بھی تو وہ ایسا ہی تھا جیسا حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون اور حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں اور حضرت موسیٰ اور خضر میں یہ جھگڑے قیضے ہوئے۔ یہ سب قصے کلام اللہ میں مذکور ہیں انکار کی گنجائش نہیں ورنہ اے حضرات شیعہ خوف کھڑے ہے پھر بھی کو بزرگ سمجھنا لازم ہے۔ مناقشات صحابہ نہ تو کلام اللہ میں مذکور ہیں نہ حدیث میں ذکر ہے تاریخوں میں ان افانوں کا بیان ہے سو تاریخوں کا ایسا کیا اعتبار اور وہ بھی شیعوں کی تاریخ کا اعتبار ہے حضرت موسیٰ وغیرہ کو باوجود مناقشات معلوم ہر انہیں کہتے اگر ایسا ہی ان حضرات کو کچھ نہ کہو تو کیا پیٹ پھول جائے گا کلام اللہ کے مخالف نہیں حدیث کے منافی نہیں اگر ہے تو موافق ہے۔

بالجملہ اہل سنت خلیفہ بھی کو کہہ دیا کرتے ہیں اس لفظ میں کچھ بزرگی نہیں اس کے معنی فقط جانشین ہیں سو تمہیں کہو اس میں کیا بزرگی ہے اگر کسی نیک آدمی کی جگہ کوئی بد معاش بیٹھ جائے۔ تو اس کو جانشین تو ضرور کہیں گے پر اس میں کچھ بزرگی نہ نکلے گی۔ ہاں لفظ راشد بزرگی پر دلالت کرتا ہے۔ اس صورت میں خلیفہ کی دو قسمیں ہوں گی ایک خلیفہ راشد یہ تو چار یار اور پانچویں پانچ چھ مہینے کے لیے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ہو گئے تھے دوسرے خلیفہ غیر راشد اور خلیفہ غیر راشد کو بادشاہ اور ملک بھی سنیوں کی اصطلاح میں کہتے ہیں یزید اور عبد الملک وغیرہ سب اسی قسم کے ہیں ہاں عمر بن عبد العزیز البتہ مروانیوں میں سے خلیفہ راشد ہوئے ہیں۔ فقط

(شیعہ کے منافی اسلام خصائص)

باقی رہی یہ بحث کہ شیعہ کسے کہتے ہیں اور سنی کسے کہتے ہیں سو اس سے ہمیں کیا بحث؟ پر بات میں بات آگئی تو ہم بھی تفصیل دار نہیں تو بالاجمال ہی اس امر میں کوئی چٹھلا سنا لے چلیں۔



صاحبو! شیعہ اتنی ہی باتوں سے نہیں ہو جاتا شیعہ ہونے کے لیے بڑے بڑے سامانوں کی ضرورت ہے۔ ایک تو یہ کہ حضرت علیؓ اور باقی ائمہ اطہار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین سمجھے دوں کہ یہ کہ ان کی نسبت نزول وحی کا بھی اعتقاد رکھتے تیسری یہ کہ ان حضرات کو درباروں نسخ احکام مختار سمجھے سو سمجھنے والے اب سمجھ گئے ہوں گے کہ اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا بالکل بے معنی ہو جائے گا کیونکہ حضرات ائمہ جب دربارہ تحریم و تحلیل احکام خود مختار ہوئے چنانچہ یحیون مایثاءون و یحرمون مایثاءون جو کتاب نوادر میں اسی بارہ میں موجود ہے اس مطلب کے لیے دلیل قاطعہ ہے تو ان کی نبوت میں حالت منتظرہ ہی کیا باقی رہ گئی گو اطلاق اسم نبی ان پر نہ کیا جاوے اور در صورت ثبوت نبوت حضرات ائمہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کا بطلان ایسا ظاہر و باہر ہے کہ کوئی کور باطن ہی انکار کرے تو کرے بلکہ اگر فہم سلیم ہو تو جملہ یحیون مایثاءون و یحرمون مایثاءون سے فقط انکار خاتمیت ہی نہیں نکلتا اس انکار کے ساتھ حضرات ائمہ کا جملہ انبیاء سے افضل و اعلیٰ ہونا بھی فہم ہوتا ہے ان تینوں باتوں کے سوا دواور بھی شیعوں کے لیے ضروری ہیں بلکہ اگر ان کو اصل اصول مذہب تشیع کہا جائے تو مناسب ہے۔

اول بدا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خداوند کریم نعوذ باللہ ناعاقبت اندیش اور عواقب امور سے جاہل محض ہے۔ دوسرے ترقیہ جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء و ائمہ توہمات اور انکار کے بھروسے ہم رنگ کفار و فاسق بنے ہیں اور بوجہ خوف اعداء ہمیشہ فرائض و ضروریات دین کو چھپاتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ہذا الخرافات۔

کافی کلینی میں اس کے علاوہ اس عجیب ترین بھی ہے کہ امام جعفر صادقؑ کے مقبلے میں حضرت علیؓ کی شریعت کے قائل ان کو حضور کا ہم مرتبہ اور واجب الاتباع مانتے ہیں۔ ملاحظہ ہو امام ابو عبد اللہؑ فرماتے جو شریعت علیؓ کے ہیں میں وہ لیتا ہوں جن باتوں سے وہ روکیں رکتا ہوں ہوں ان کو وہی شان ملی ہے جو محمدؐ کو ملی ہے اور محمدؐ کی فضیلت تمام مخلوق الہی (بجز علیؓ) پر ہے۔ آپؐ پر محض خدا اور رسولؐ پر محض ہے کسی چھوٹی بڑی چیز میں آپؐ پر تنقید کرنے والا مشرک باللہ کی طرح ہے امیر المؤمنین وہ دروازہ ہیں کہ صرف ان سے اسلام میں داخلہ ہوتا ہے یہ وہ واحد راستہ ہے کہ جو سے چھوڑ کر چلا وہ ہلاک ہو گیا اور یہی شان و مرتبہ کے بعد دیگرے باقی ائمہ بھی رکھتے ہیں۔



## (شیعہ اکثر اہل بیت کے منکر ہیں)

ان شروط کے بعد ایک شرط شیعہ ہونے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ چند حضرات اہل بیت کی محبت کا براہ نام دعویٰ کر کے باقی جملہ حضرات اہل بیت کو کلمات گستاخانہ مثل کافر و فاسق و خالد فی النار کے ساتھ یاد کیا جاوے چنانچہ سب جانتے ہیں کہ شیعہ بہ نسبت ازواج (مطلقات) عموماً اور بہ نسبت حضرت عائشہ صدیقہ محبوبہ خاص حضرت خاتم النبیین خصوصاً کیا کیا ہرزہ سرائی کرتے ہیں۔ باوجودیکہ ازواج مطہرات کا اہل بیت میں داخل ہونا شرعاً و عرفاً و عقلاً ظاہر و باہر ہے اس کے سوا حضرت رقیہ و حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما کو بخلاف جملہ علماء سنت و اہل تاریخ بلکہ خلاف احادیث و اشارات قرآنی جناب ختمی مآب کی، صاحبزادیوں میں ہی نہیں کہتے اور نسب سے ہی خارج کیے دیتے ہیں۔

## (شیعوہ امہ کی اولاد کو بدترین جانتے ہیں)

علاوہ ازیں زید بن علی بن حسین اور ان کے بیٹے یحییٰ بن زید کو دشمن سمجھتے ہیں۔ جعفر بن موسیٰ کاظم (اور جعفر بن ثقی برادر حسن عسکری) کو ملقب بکذاب کر رکھا ہے جس بن حسن المثنیٰ وغیرہ کو کافر و مرتد و خالد فی النار جانتے ہیں اس کے سوا اور عقائد و خصائص مذہب شیعہ کو اس پر قیاس کر لینا چاہیے۔ قیاس کُن زگلستان شان بہار شان۔ پھر باوجود ان ظلموں اور گستاخیوں کے جو شیعہ حضرات اہل بیت کی شان میں کرتے ہیں اگر کوئی شیعہ محبت اہل بیت کا بغرض محال دعوئے کرے "جھوٹا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ مذہب حضرت سید المرسلین صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ علی آلہ اجمعین کا تعلیم کردہ ہو ورنہ آپ ہی کی اولاد کو کیوں قتل کرتے۔

## (مذہب شیعہ کا بانی یہودی تھا)

ہاں یوں کہیے کہ آپ کے پیشوا عبد اللہ بن سبا یہودی نے اس مذہب کی بنیاد ڈالی۔ اوّل

بعض اہل علم نے بیان فرمایا ہے کہ عبد اللہ بن سبا یہودی	ذَكَرَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَبَا
تھا پھر وہ سلمان ہو گیا اور اس نے علی علیہ السلام سے دوستانہ	كَانَ يَهُودِيًّا فَاسْلَمَ وَوَالَى عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ
کہا اور یہ یہودیت کی حالت میں فلور کے ساتھ یوشع بن نون	كَانَ يَقُولُ وَهُوَ عَلَى يَهُودِيَّتِهِ فِي يَوْشَعَ بْنِ نُونٍ
کو رہی علیہ السلام کا وصی کتا تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	وَصَّى مُوسَى بِالْعَلُوِّ فَقَالَ فِي إِسْلَامِهِ بَعْدَ وَفَا



اول تو یہ لوگ یونہی چھپے کے رہے اور جیسے خوارج اور معتزلہ وغیرہ فرقہ کے باطلہ گئے چنے تھے یہ بھی دس دس پانچ پانچ کہیں ہوتے تھے۔ پھر جب اتفاق سے سلاطین ایران نے یہ مذہب قبول کیا تب البتہ اس مذہب کو کسی قدر فروغ ہونا شروع ہوا مگر پھر بھی مجدد اللہ ایران میں کبھی اہلسنت بہت ہیں اور کیوں نہ ہوتے وہ ملک کس کا فتح کیا ہوا ہے مع ہذا یہ فروغ اہل سنت کے فروغ کے سامنے ایسا ہے جیسے آفتاب کے سامنے کرم شب تاب (جگنو) کا فروغ۔ اب فرمائیے آپ کو یہ کہنا مناسب ہے یا ہم کو کہ انشاء اللہ یوم الحجۃ میں معلوم ہو جائے گا۔ آدمی کو چاہیے کہ جس بات میں دخل نہ ہو اس میں دخل نہ دے اپنے قصور کو اہل سنت کے ذمہ لگاتے ہو اور حذر سے نہیں ٹھراتے اہل کو نہ سب شیعہ تھے ہاں یزید اور عبداللہ بن زیاد کو اگر یوں کہو کہ وہ شیعہ نہ تھے تو بجا ہے مگر ان کو سنی ہی کون کہتا ہے وہ نہ سنی تھے نہ شیعہ تھے نا صبی تھے۔ بہر حال آدمی کو چاہیے جس بات میں دخل نہ ہو اس میں دخل نہ دے مگر ہاں ایک حساب آپ نے بھی سچ فرمایا بیشک اس مذہب فاسد کی جزا روز قیامت ملے گی۔

سوال دوم از جانب شیعہ (شیعہ کے نزدیک خلافت اجماع سے ثابت نہیں ہو سکتی) سنی کہتے ہیں کہ بعد آنحضرت کے ابو بکر امام اور بعد ان کے عمر امام تھے سو واضح ہو کہ بعد مرتبہ نبوت کے مرتبہ خلافت اور امامت کا ہے جس طرح خلقت اپنی طرف سے رسول اور نبی

### بقیہ حاشیہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ فی علیہ السلام مثل ذلک وکان اول من اشتهر القول بفرض امامۃ علی واطهر البراءۃ من اعدائہ وکاشف مخالفیہ واکفرہم فمن ہنا قال من خالف الشیعۃ اصل الشیعۃ ماخوذ من اليهودیۃ۔

کی وفات کے بعد اپنے اسلام کے زمانہ میں حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں بھی ایسا ہی کہنا ایران یا پہلا شخص ہے جس نے امامت علی کے فرض ہونے کو مشہور کیا اور ان کے دشمنوں پر تبر کیا اور ان کے مخالفوں سے کھل کھیلاد اور ان کو کافر کہا اسی وجہ سے شیعہ کے مخالف کہتے ہیں شیعہ کی بنیاد یہودیت سے ماخوذ ہے۔

(رجال کشی ص ۱۰۱ طبع کربلا) ۱۲ محمد شرف



نہیں بنا سکتی اسی طرح امام و خلیفہ بھی نہیں بنا سکتی اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ بعد آنحضرت کے ابوبکر و بعد ان کے عمر بن خلیفہ و امام تھے تو مذہب شیعوں کا باطل اور اگر امامت اور خلافت ان کی باطل ہو تو مذہب سنیوں کا جھوٹا ہے۔ پس باتفاق سنی و شیعہ منصب امامت و خلافت واسطے شیخین کے کسی آیت و حدیث سے ہرگز ثابت نہیں بلکہ آیت قرآنی لایزال عہدہی الظالمین یعنی نہیں پہنچتا عہدہ میرا ظالمین کو اس سے بھی لائق عہدہ امامت کے شیخین نہیں ہو سکتے۔ فضل اللہ روز بہان۔ ابطال باطل میں تصریح کرتا ہے کہ ابوبکر و عمر نے باجماع اصحاب خلافت آنحضرت کی پائی۔ یہ فقیر کہتا ہے کہ جیسا اجماع سے نبوت نبی کی ثابت نہیں ہوتی اسی طرح امام کی امامت خلقت کے بنانے سے ثابت نہیں ہوتی امام میں بہت سی شرطیں ہیں اعلم الناس ازہد الناس۔ اور ع الناس اعدل الناس اشجع الناس افضل الناس افصح الناس ارحم الناس تاکہ خلقت کو اس سے ہدایت ہوئے اور امام ایسا ہو کہ دوسرے شخص اس سے عمل دینیہ میں ہدایت پاویں۔ اگر ایسا امام و نائب نبی کا درباب شرعیہ محتاج دوسرے کا ہو۔

پھر وہ نائب رسول کس بات میں ہے آنحضرت خلقت کو ہدایت فرماتے تھے اور ہر طرح کے شکوک رفع کرتے تھے اسی طرح خلیفہ ہونا چاہیے کہ اسکی طرف تمام خلقت علوم خدا میں رجوع کریں اور جو سوال اس سے کرے بخوبی تمام تسلی و تشفی کرے تاکہ خلافت نیابت آنحضرت کی اس سے ثابت ہو۔ پس شیخین نہ اعلم الناس نہ ازہد الناس تھے۔ قبل از اسلام بت پرستی وغیرہ گناہ کبیرہ و صغیرہ میں مشغول تھے پھر تعجب ہے کہ کس طرح خلافت شیخین کی برحق ہوئی۔ اور انتظام و نیاوی ملک کا فتح کرنا باعث خلافت حقہ کا نہیں ہو سکتا جیسا کہ تیمور بادشاہ نے بکثرت ملک فتح کیا۔ نائب ہونا جناب رسالت کا اس سے لازم نہیں آتا اور جناب امیر میں یہ سب صفات موجود تھیں۔ حاصل تقریر مجملہ یہ ہے کہ خلفاء ثلاثہ کی خلافت قرآن و حدیث سے ہرگز ثابت نہیں پس جو کوئی ان کو خلیفہ رسول اعتقاد کرے وہ خلافت قرآن و حدیث کے ہے پس جب کہ خلافت ان کی باطل ہوئی تو مذہب اہل سنت باطل ہوا۔



# جواب سوال دوم

(امامت و خلافت کا نبوت پر قیاس مع الفارق ہے)

اس سوال میں تو آپ نے اپنے گمان میں آسمان کے تارے توڑ لیے اور ایسی دھنکی لی (گھٹی بات کی) کہ خدا کی پناہ۔ مگر صنعت قیاس مع الفارق تو کوئی آپ سے سیکھ جائے۔

فرماتے ہیں کہ بعد مرتبہ نبوت کے خلافت و امامت کا مرتبہ ہے جس طرح خلقت اپنی طرف سے رسول نبی نہیں بنا سکتی اسی طرح امام و خلیفہ بھی نہیں بنا سکتی۔ خدا خیر کرے شاید اسی قیاس کے موافق حضرات شیعہ یہ بھی کہنے لگیں کہ خلیفہ نبی بھی نبی اور رسول بھی ہوتا چاہیے اور انصاف سے دیکھئے تو یہ کام ہی آپ کر چکے کیونکہ حضرات ائمہ کو دربارہ نسخ و تبدیل احکام شرعی مجاز و مختار کہنے کے، سوا اس کے اور کیا معنی ہیں کہ حضرات ائمہ کو بھی مرتبہ نبوت حاصل ہے مگر حجاب ختمی مآب کی خاتمیت بلا سے باطل ہو جائے مگر اپنے قیاس فاسد میں ذرا غفل نہ آئے یالے مدعیان اسلام کے ہوتے کفار دشمنان دین کو کون پوچھتا ہے شعر ۷

آنچه بقیضی نظر دوست کرد

حیف کہ آن دشمن جانی کند

اور کیا عجیب ہے کہ حضرات شیعہ اسی قیاس کے بھروسے دربارہ ناسبان ائمہ مثل قضاۃ وغیرہ اور رفتہ رفتہ مجتہد بننے کے لیے یہی مثل ناسبان انبیاء علیہم السلام معصوم و افضل الناس معنصوص

چنانچہ ائمہ کے بعد مجتہدین کو حلال و حرام سدائی اور فرض و کفایہ کا حق نبوت دے چکے ہیں مثلاً قائل محقق شیخ عباس قمی منہی الامال ص ۲۴ میں رقمطراز ہیں۔

لاح و واضح است کہ مخالفت حکم مجتہدین کہ حافظان شرع حضرت سید المرسلین اند باشرک و دیک درجہ است پس ہر کہ مخالفت حکم خاتم المجتہدین و وارث علوم سید المرسلین و نائب الامۃ المعصومین

بالکل روشن اور واضح ہے کہ مجتہدین کے حکم کی مخالفت جو حضرت سید المرسلین کی شریعت کے تقاضا ہے، شرک کے درجہ میں ہے پس جو کوئی ائمہ معصومین کے نائب علوم رسول کے وارث اور خاتم المجتہدین کے حکم کی مخالفت اور انکی تابعداری نہ کرے وہ

بلاشبہ لعنی و پھٹکار ہوا اور اس ملائکہ کے آستانہ سے دھٹکارا ہوا ہے اسے بڑی سزا دی جائے۔ اور خوب نعت گو شمالی کے ساتھ اس کا مواخذہ کیا جائے

یہ فتویٰ طہاسب بن شاہ اسماعیل صفوی موسوی نے لکھا ہے۔ ۱۲۔



من اللہ ہونے کی شرط لگانے لگیں۔ ادھر حضرت آدم علیہ السلام کا خلیفہ خداوندی ہونا خود کلام اللہ میں موجود۔ اس پر سجد ملائک ہونا جو آیات متعدد سے ثابت ہے۔ اس کا مؤید پھر ضرور اسی قیاس کے موافق حضرات شیعہ بہ نسبت حضرت آدم علیہ السلام ضرور معتقد الوہیت و جمیع صفات خداوندی ہوں گے سبحان اللہ قیاس ہو تو ایسا ہو۔

(تقریرام نص کے بجائے شوریٰ سے بھی ہوتا ہے)

اس کے سوا ہم کہتے ہیں کہ تقریرامام بواسطہ وحی کوئی اور کہے تو کہے شیعہ کس منہ سے کہتے ہیں دیکھئے نبج البلاغہ جو شیعوں کے نزدیک قرآن سے بھی زیادہ معتبر ہے اس میں حضرت امیر اپنی خلافت کی حقیقت کے ثبوت کے لیے بمقابلہ امیر معاویہ یہ استدلال پیش کرتے ہیں۔

انما الشوری للمہاجرین والذین انصار فان  
اجتمعوا علی رجل وسموه اماما کان  
یعنی معتبر دربارہ تقریر خلیفہ مہاجرین و انصار کا مشورہ ہے  
سو مہاجرین و انصار جس شخص کو بالاتفاق خلیفہ بنالیں  
ذالک للہ رضی۔ وہی عند اللہ پسندیدہ ہوگا۔

اگر حضرت علیؑ کے پاس دربارہ شہرت خلافت کوئی نص صریح موجود تھی تو جناب امیر نے اس کو کس روز کے لیے چھپا رکھا تھا۔ کیا قیامت کو کام آئے گی۔ حالانکہ شوریٰ مہاجرین و انصار میں تو آخر کس قدر مجال گفتگو بھی تھی نص صریح تو ہر کسی کے نزدیک واجب التسلیم ہے اس کو چھوڑ کر اس کو اختیار کرنا اس پر حجت قاطع ہے کہ حضرت امیر کے پاس دربارہ خلافت کوئی نص موجود نہ تھی ورنہ وفات نبوی کے بعد سے لے کر اخیر عمر تک کبھی تو ظاہر ہوتی۔ بالجمہ بضر محال اہم کا منصوص من اللہ ہونا کوئی اور ضروری کہے تو کہے مگر شیعہ کو تو بوجہ ارشاد مرتضوی اس کا قائل ہونا درپردہ جناب امیر کے قول کی تکذیب کرنی ہے۔

(خلیفہ خاص کا تقریر نص نہیں ہونا چاہیے عقل نقل کا یہی تقاضا ہے)

علاوہ ازیں اور بھی روایتیں کثرت شیعہ میں اس کی مؤید موجود ہیں بلکہ احادیث مرفوعہ سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ باوجود استفسار جناب رسالت مآبؐ نے بالتحصیل کسی نام لے کر خلیفہ مقرر نہیں فرمایا۔ ہاں یہ پتہ و نشان بطور قواعد کلیہ جو قیامت تک تقریر خلیفہ کا آمد ہوں بیان فرمائے اور یہی امر قرین عقل بھی ہے۔ کیونکہ خاص خلیفہ کا تقریر جناب



شارع سے ہوتا موجب عرج عظیم ہے۔ جیسا تمام امور شرعیہ میں مثل نکاح و بیع وغیرہ کے شارع نے لازم و شرائط و اسباب جواز و عدم جواز وغیرہ بطور قواعد کلیہ کے بیان فرمائے اور تعین شخصی مکلفین کے ذمہ رکھی گئی ورنہ بہت تنگی اور وقت پیش آتی۔ علیٰ ہذا القیاس تقرر خلیفہ کے لیے بھی علامات و لوازم بیان کئے گئے اور تقرر شخصی مکلفین کے اختیار میں رہا۔ اپنی حاجت و ضرورت کے موافق جبکو مناسب سمجھیں سب دل مل کر اس کو خلیفہ بنالیں۔

( خلفاء کے ساتھ ولیعہد کا برتاؤ حضورؐ نے فرمایا )

ہاں اس میں شک نہیں کہ جناب رسالتؐ نے خلفاء اربعہ کے ساتھ عموماً اور شخصیں بالخصوص صدیق اکبرؓ کے ساتھ خصوصاً ایسے معاملات کئے اور ان کے ایسے اوصاف بیان فرمائے کہ جن سے ہر ادنیٰ و اعلیٰ کو ان کا خلیفہ اول و نباشین نبوی ہونا ظاہر و باہر ہو گیا تھا یہی وجہ ہے کہ بعد وفات نبوی بلا اختلاف کسی نے حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی اور خاص حضرات شیعہ کو تو بوجہ نہ ہونے نص صریح کے یہ نفع بھی بہت بڑا ہوا کہ اگر دربار خلافت صدیق اکبرؓ کوئی نص صریح موجود ہوتی تو سب جانتے ہیں کہ اس کے منکر کا کیا حال ہوتا۔ جواب ہوگا، انشاء اللہ اس سے کچھ زیادہ ہی ہوتا۔ اور تقریر بالا سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ سائل کا یہ کہنا پس باتفاق شیعہ و سنی منصب امامت و خلافت واسطے شخصین کے کسی آیت و حدیث سے ہرگز ثابت نہیں

۱۔ امام اہلسنت مناظر اسلامؒ مولانا محمد عبدالشکور لکھنویؒ فرماتے ہیں۔

”خلافت کے شارع کی جانب سے منصوص ہونے کے تین معنی ہیں (۱) شارع یہ بیان فرمائے کہ فلاں شخص یا اشخاص میں خلافت کی لیاقت موجود ہے یعنی تمام شرائط خلافت کے اس میں پائے جاتے ہیں اگر وہ خلیفہ بنایا جائے گا تو خلافت کے مقاصد اچھی طرح پورے ہوں گے اس معنی کے لحاظ سے تو کافی صحابہ کرامؓ کی خلافت منصوص آج خصوصاً مہاجرین کے لیے۔

(۲) یہ کہ قابلیت خلافت کے بیان کر دینے کے علاوہ شارع کی طرف سے ان اشخاص کو خلیفہ بنانا مسلمانوں پر واجب و لازم کر دیا گیا ہو اس معنی کے لحاظ سے حضرات شخصین کی خلافت منصوص ہے۔ (۳) یہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان کر دیا ہو کہ فلاں شخص یا اشخاص کو میں نے اپنا خلیفہ بنا دیا ہے تم لوگ اس کے ہاتھ پر بیعت کر لو اس معنی کے لحاظ سے کسی کی خلافت منصوص نہیں۔“ اس مقام پر حضرت نانوتویؒ اس تیسرے معنی کے لحاظ سے خلافت صدیقی

کے منصوص ہونے کا انکار فرماتے ہیں۔ (مقدمہ تفسیر آداب خلافت ص ۲۷ و ۲۸) محمد اشرف



بالکل لغو ہے کیونکہ اگر مراد اس سے یہ ہے کہ تعین شخصی بالتصریح دربار شخص موجود نہیں تو ہم سب  
 اس میں سہارا کیا نقصان چنانچہ مذکورہ ہوا۔ اور خود جناب امیر و دیگر ائمہ کے باب میں اس قسم کی نص  
 موجود نہیں اور اگر یہ مطلب ہے کہ شیخین کا لائق خلافت ہونا بھی کسی نص سے ثابت نہیں تو اور کیا کہوں  
 جھوٹوں کے منہ میں کچھ اور معاملات نبوی و احادیث نبوی کو دیکھا جائے تو صاف معلوم ہو جائے  
 گا کہ حضرات شیخین کا مستحق خلافت ہونا ایسا روشن ہے کہ بجز تیرہ دروں کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا  
 سو دیکھنا چاہیے کہ ان احادیث کا منکر کون ہے شیعہ یا اہل سنت؟

## (لایتال عہدی الظالمین کا مطلب)

باقی یہ جو بحال ناز آیت لایتال عہدی الظالمین پڑھی جاتی ہے۔ اس کے انجام کی  
 خبر بھی ہے کیا ہوتا ہے؟ اجماع حضرت کلام اللہ کے معنی سننے جائیں۔ آپ کیا جانیں۔ آپ نے  
 کیوں اس بیچ میں ٹانگ اڑا کر اپنی ٹانگ تڑائی کوئی آپ سے پوچھے عہد معنی امامت کون سی کتاب  
 میں آپ نے لکھا دیکھا۔ کاموس نے آپ کی ہمت بندھائی یا مطالعہ صراح سے یہ بات ہاتھ آئی  
 اگر آیت انی جاعلک للناس اماما پر آپ کی نظر ہے تو اس کے معنی ہم سے سنئے خداوند  
 کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چند باتوں میں امتحان لیا جب اس امتحان میں حضرت  
 پرے اترے چنانچہ آیت ماقبل اس پر دلالت کرتی ہے ترجمہ دیکھ لیجئے۔ یوں تو آپ کیا سمجھیں گے  
 تو خداوند ذوالجلال نے اس کے جلو میں پیشوائی عالم کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ لفظ للناس اس پر شاہد  
 ہے۔ سو خداوند کریم صادق القول نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اس زمانے سے لے کر آج تک حضرت  
 ابراہیم علیہ السلام سب انبیاء اور اولیاء کے پیشوا ہے یہاں تک کہ خود حضرت سید المرسلین صلی  
 اللہ علیہ وسلم کی نسبت ارشاد ہے۔ اَنِ اتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِیْفًا جس کے یہ معنی ہیں کہ تم  
 بھی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کی طرے کی پیروی کرو مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ  
 حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہو جائیں بڑے  
 بڑے امیر بادشاہوں کے آگے راہ کی درستی اور صفائی کے لیے چلا کرتے ہیں اور بادشاہ اس باب  
 میں ان کی پیروی کیا کرتا ہے۔

غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیشوا ہیں۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت



تو معلوم ہو چکا۔ باقی حضرت یوسف علیہ السلام خود فرماتے ہیں۔ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِيْ اِبْرٰهِيْمَ  
وَاسْحٰقَ يَعْقُوْبَ۔ جس کا حاصل یہی ہے کہ میں اپنے باپ دادوں حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق  
اور حضرت یعقوب کی ملت کا پیرو ہوں علیٰ ہذا القیاس اور انبیاء کو اسی پر قیاس فرمائیے۔

( جاعلک للناس اماما سے مراد پیشوائی نبوت ہے )

جب یہ بات مقرر ہو چکی تو یہ عرض ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بمعنی خلیفہ و نائب نہیں تھے۔  
امام بمعنی نبی و رسول تھے اگر اس امامت کے پیشوائی نبوت و رسالت مراد ہے تو اہل سنت کب کہتے  
ہیں کہ جو لوگ پہلے بت پرست ہوں وہ نبی ہو سکتے ہیں اور اگر امامت بمعنی خلافت مراد ہے تو یہ معنی  
ہوئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی نہ تھے نعوذ باللہ بلکہ نائب نبی تھے سو یہ بات اور یہ مذہب شیعوں  
ہی کو مبارک ہے اہل سنت تو بجان و دل ان کی نبوت اور رسالت کے معتقد ہیں کہ وہ سب کے سب  
منیب ہیں کسی کے نائب نہیں۔ مگر اس تقدیر پر شیعہ ان کو کس کا نائب کہیں گے آذر کا کہیں گے  
نعوذ باللہ منہا یا کسی اور کا مہربانی فرما کر ہم کو بھی اطلاع فرمائیے۔

( آیت امامت کا بالمثل معارضہ )

بایں ہمہ ہم پوچھتے ہیں جیسے یہاں لادینال عہدی الظالمین ہے اسی صورت میں  
دوسری جگہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ رَبِّشك اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں  
دیتا بھی فرماتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس میں اس سے بہت کچھ زیادہ تاکید ہے جس کے باعث  
یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ وعدہ اس وعدہ سے بدرجہا محکم ہے۔ سو اگر ظالمین ظلم گزشتہ اور ظلم حال  
دونوں کو شامل ہے۔ تب تو لازم آتا ہے کہ کسی بت پرست کو ہدایت نہ ہو اگرے اور یہ ہدایت  
نبوی وائمہ اطہار اور انبیاء سابقین ایک افسانہ غلط ہو جائے اور تمام شیعان زمانہ حال و گزشتہ بشہادت  
آیت مذکور مسلمان نہ ہوں اس لیے کہ گناہوں سے کوئی خالی نہیں۔ تسپر اسلاف اکثر شیعہ بت  
پرست تھے جو بت پرستی چھوڑ کر اس مذہب میں داخل ہوئے اور اگر ظلم حال مراد ہے تو اصحاب  
ثلاثہ ایام اسلام میں ایسے جرائم کے مرتکب نہیں ہوئے اور نہ اور کیا کر کا صدور ان سے وقوع میں آیا  
اگر فرق بالقوة اور بالفعل مراد ہے یعنی جو لوگ اصل طہیعت میں ظالم اور گنہگار ہیں ان کو تو ہدایت  
نہیں ہوتی جیسے جو اصل سے کلام و مہربانی ہوئے اور جو اصل طہیعت میں گنہگار نہیں اس کو



ہدایت ہو جاتی ہے جو کپڑا وغیرہ کو ٹکوں کے رنگ سے سیاہ کر لیا ہو اس کو سفید کر سکتے ہیں تو یہ فرق مسلم ہے۔ مگر یہی فرق بہ نسبت آیت لا ینال عہدہی الظالمین بھی محفوظ رکھنا پڑے گا اور یہ کہنا ہو گا کہ جو لوگ باعتبار اصل طبیعت ظالم ہیں وہ قابل خلافت و امامت نہیں اور جن لوگوں کی طبیعت اصل میں لوث ظلم سے پاک ہے وہ قابل ہوں تو اس میں کچھ عرج نہیں اگرچہ زمانہ سابق میں بوجہ امور خارجیہ ظلمت ظلم ان کی طبیعت پر اسی طرح عارض ہو گئی جیسے آئینہ مصطفیٰ و مجلی پر اوپر سے سیاہی گر پڑے سو ظاہر ہے کہ آئینہ کی صفائی اصلی اس سیاہی سے زائل نہیں ہو جاتی بلکہ سیاہی عارضی سے صفائی اصلی اس طرح پرستور ہو جاتی ہے جیسے نور آفتاب پردہ ابر میں چھپ جاتا ہے زائل نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر سیاہی مذکور پانی سے دھو ڈالے تو صفائی اصلی خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہی صورت بعینہ لا ینال عہدہی الظالمین میں خیال فرمایا لیجئے۔ چنانچہ ظاہر ہے۔

(حضرت ابو بکر صدیقؓ ثابت پرستی سے پاک تھے)

علاوہ ازیں آپ جو حضرات شیخین کو نعوذ باللہ ظالمین میں شمار کرتے ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے اگر یہ وجہ ہے کہ ان کی عمر کا ایک حصہ زمانہ جاہلیت میں بسر ہوا تو اتنی بات میں تو خود جناب ستر کائنات بلکہ حضرت امیر بھی شریک ہیں اور اگر مطلب سائل یہ ہے کہ شیخین زمانہ جاہلیت میں مرتکب کفر بھی تھے بخلاف جناب سالٹا صاحب و حضرت امیر غزوہ اور اس وجہ سے ان کو ظالمین کہا جاتا ہے تو قطع نظر اس خرابی کے جو اوپر مذکور ہوئی اس دعویٰ کے لیے آخر کوئی دلیل بھی تو چاہیے اور ظاہر ہے کہ بدون دلیل نقلی اس باب میں کام چلنا معلوم؟ مگر کتب معتبرہ کا حوالہ ہو یا روایات کی گھڑی ہوئی بات نہ ہو۔ کتب معتبرہ میں تو اس کا خلاف ہی الشائد بکلیہ گا چنانچہ جملہ لم یسجد الصنم قط وغیرہ شیخین کی شان میں موجود ہے۔

۱۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم اے صدیق اکبر پر لکھتے ہیں حضرت ابو بکر کی فطرت شروع سے ہی سلیم تھی چنانچہ آپ کو اسلام سے پہلے بھی بت پرستی سے نفرت تھی اور شراب نوشی کو برا جانتے تھے جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں ابو نعیم کے حوالہ سے حضرت عائشہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ لقد خدم ابوبکر الخمر علی نفسه فی الجاہلیۃ (ابو بکر نے عہد جاہلیت میں بھی شراب اپنے اوپر حرام کر رکھی تھی) ریاض النضر ۱۹۹ پر شراب و ٹمکر یہ شعر گوئی وغیرہ سے برأت پر ابو بکرؓ کا انبیا ان موجود ہے۔ ۱۲ مہر محمد



باقی فضل اللہ روزِ زبان پر آپ کا یہ اعتراض کرنا کہ تقررِ خلیفہ میں اجماع سے کام نہیں چلتا بلکہ خلیفہ کے لیے اعلم الناس وازعد الناس واورع الناس واعدل الناس واشجع الناس وافضل الناس وارحم الناس ہونا ضروری ہے۔ محض ہذیانِ سرائی و دعوائے بلا دلیل ہے پہلے گزر چکا کہ اہم کا بواسطہ وحی مقرر ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں بلکہ اس کی جانب مخالفت کی تائید کے لیے دلیل بلکہ خود قول مقرر ہوا ہے کہ اجماع کو چاہیے کہ مستجمع شرائط خلافت کو خلیفہ بنادیں اور آپ جو امام کا اورع الناس (سب سے زیادہ پرہیزگار) و ارحم الناس وغیرہ ہونا ضروری فرماتے ہیں اول تو ان سب کے ثبوت کے لیے دلیل چاہیے سو یہ امید رکھنی آپ کے بے جا ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر افضل التفضیل آپ کو یاد تھے کیف ما اتفق لعل فرمادیجے۔

(حضرت ابو بکر صدیقؓ ان تمام صفات میں انبیاء کے بعد افضل الناس تھے)

دوسرے اگر ان امور کو دربارِ نبوت خلافت شرط مانا جائے تو ذیابئے توسی سینوں کا کون سا قول غلط ہو جائے گا۔ سب جانتے ہیں کہ بفضلِ تعالیٰ حضرت ابو بکر صدیقؓ نہ موصوف بہمہ صفات کمال تھے ان کے اعلم ہونے پر تو وہ حدیث دلالت کرتی ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز یہ ارشاد فرمایا کہ ایک بندہ کو خدا نے دنیا کی نعمتوں اور آخرت کی نعمتوں میں مخیر کیا تھا کہ ان میں سے جسے چاہو لے لو سو اس نے آخرت کو اختیار کیا دنیا کو اختیار نہ کیا اس پر ابو بکر صدیقؓ روتے اور یہ کہا کہ قربان آپ پر ہمارے مال اور باپ اس کے بعد راوی کہتا ہے کہ ہم کو تعجب ہوا اس شخص کو دیکھو کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کا ذکر کرتے ہیں اور یہ روتا ہے سو عبدِ مخیر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور ابو بکر صدیقؓ ہم سب میں اعلم تھے علاوہ بریں آخر ایامِ حیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو امام بننا اور ان کو ملقب بصدیق کرنا چنانچہ صحاح میں آئے۔

(بخاری ج ۱ ص ۲۶۶) بخاری ج ۱ ص ۹۳ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احد پٹار پر چڑھے آپ کے ساتھ

ابو بکرؓ و عثمانؓ تھے احد نے لگا ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اثبت احد فاما علیک نبی وصدیق و شہید ان بخاری ج ۱ ص ۵۱۹ نزال بن سبرہ فرماتے ہیں ہم حضرت علیؓ کے ساتھ باتیں کر رہے باتوں باتوں میں ہم نے ابو بکر بن ابی قحافہ کے بارے میں سوال کیا حضرت علیؓ نے فرمایا وہ ایک ایسے شخص ہیں

سواء اللہ الصدیق علی سان جب بنی لعل علیہ السلام وعلی سان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کان خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (الریاض النضرہ ج ۱ ص ۱۰۰) الحمد اشرف



اس پر شاہد ہے ہیں مگر کہ یہ بحث کسی قدر آگے آتی ہے یہاں اتنی پر اکتفا کرتا ہوں اور وجہ شہادت کا دریافت کرنا تحقیق آئندہ پر چھوڑ دیتا ہوں۔ اور ازہر ہونے پر حضرت علیؑ کی روایت جو مشکوٰۃ شریف میں بھی موجود ہے۔ دلالت کرتی ہے یعنی وہ روایت جس میں یہ ذکر ہے کہ آپؐ در باب خلافت عرض کیا گیا تو یہ فرمایا کہ اگر ابو بکر کو امیر کر دے تو اس کو امین اور زاہد فی الدنیا اور راعی غلب فی الآخرة پاؤں گے کیونکہ یہ وصف کسی صحابی کی شان میں آپؐ نہیں فرمایا۔

اور ان کے اور ع ہونے پر آیت وَ سَيَجَنُّهَا الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى شہد ہے کیونکہ اتقی اور اور ع کے معنی ایک ہی ہیں بلکہ کچھ زائد کیئے تو بجائے ہے۔ اور ان کے اشجع ہونے پر وہ حدیث گواہ ہے جس میں حضرت علیؑ سے یہ روایت ہے کہ ایک بار رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو غار نے آگھیرا میں دیکھتا رہا اور مجھ سے کچھ نہ ہو سکا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس مجمع میں گھس گئے غرض آپؐ کی مدد کی اور اس کو مارا اس کو مارا آپؐ کو بچا لیا۔ کیونکہ یہ روایت غالباً بایں طور ہے کہ آپؐ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ نے آپؐ کو چھپا کہ سب میں زیادہ بہادر کون ہے تو اس پر آپؐ نے یہ فرمایا کہ ابو بکر! اور پھر اس کے ثبوت میں یہ فرمایا (صدیق کی افضلیت پر خدا کی گواہی)

یہ حدیث صحاح میں موجود ہے فقط شبہ ہے تو اتنی بات میں ہے کہ یہ روایت آپؐ کے صاحبزادے سے ہے یا کسی اور سے ہے اور ان کے افضل الناس ہونے پر بقول خدا تو یہی آیت سورت الباقیہ کی اعنی و سيجننها الذي يؤتي ماله يتزكى شہد ہے کیونکہ دوسری آیت سورت ہجرات کی اعنی وان اكرمكم عند الله اتقاكم اللہ کے ہاں بڑا معزز بڑا پرہیزگار ہے اس پر دلالت کرتی ہے کہ جو اتقی ہوتا ہے وہی افضل اور اکرم ہوتا ہے۔ دوسری آیت

اَلَا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذَا خَرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِي اْتَيْنِيْنَ اِذَا هُمْ فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَا

(اگر تم اس پیغمبر کی مدد نہ کرو گے تو اللہ نے تو اس وقت بھی مدد کی جب کہ اس کو کافروں نے نکالا تھا جب کہ وہ دو میں دوسرا تھا جب کہ وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے

لے مشکوٰۃ صفحہ ۵۶) اللہ اور یقیناً دوزخ کی آگ سے وہ سب لوگوں سے بڑا پرہیزگار بچا یا جائے گا جو اللہ کی راہ میں مال دیتا ہے تاکہ پاک صاف ہو جائے۔ فتح الباری صفحہ ۳۷۷



اس پر شاہد ہے۔

(حضرت علیؑ کی گواہی)

چونکہ اس کی شرح و بسط ہدیۃ الشیعہ میں بوجہ اتم مرقوم ہے تو ہم کو حاجت تحریر نہیں جس کو شوق ہو مطالعہ کر دیکھے تسہیل بحوالہ نسخ البلاغۃ جو شیعوں کے نزدیک وحی آسمانی سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس سے ہدیۃ الشیعہ میں حضرت علیؑ سے حضرت ابو بکرؓ کی وہ وہ تعریفیں جو بعد انبیاء و اصدیق اکبر اور کسی میں متصور نہیں یہ قسم منقول ہیں جس کو شوق ہو کتاب موجود ہے مطالعہ فرمالیں عنوان اس روایت کا یہ ہے۔

لِللّٰهِ مِلَادٌ اِلٰی بَكْرٍ فَلَقَدْ قَوْمَ الدَّفْوَادِی  
 الْحَمْدُ وَاَقَامَ السَّنَةَ وَخَلَفَ الْبِدْعَةَ  
 ذَهَبَ لِقَى الثُّوبِ فَلَيْدُ الْعَيْبِ صَاحِبِ  
 خَيْرِهَا وَسَبَقَ شَرَّهَا اَدَى اِلَى اللّٰهِ طَاعَتُهُ  
 وَاتَّقَاهُ حَقِّهِ رَحَلَ وَتَرَكَهُ فِي طَرِيقِ  
 وَنَشِيبَةٍ لَا يَهْتَدِي فِيهَا الضَّالُّ وَلَا  
 يَسْقِيَنَّ الْهَتَدِيَّ

خدا ہی کے واسطے ہیں شہر ابو بکر کے، (یعنی ابو بکر میں  
 خداداد خوبیاں ہیں) پس قسم ہے کہ انہوں نے سیدھا کر  
 دیا کچی کو اور اصلاح کر دیا ستون کو اور قائم کر دیا سنت  
 کو اور پس پشت ڈالا انہوں نے بدعت کو، دنیا سے پاک دامن  
 بے عیب چھو گئے، غوی خلافت کی ان کو نصیب ہوئی، اور آگے  
 چل دیے خلافت کے فاصلوں سے، ادا کی انہوں نے خداوند کریم کی طاعت  
 پر ہیز گار ہے حق پر ہیز گاری کا۔ چلے گئے اور لوگ مختلف رستوں میں حیران  
 ہیں کہ زنگاروں کو راہ ملی ہے اور ہدایت پانے والوں کو اپنی ہدایت کا حق ہے

بلکہ ان لفظوں سے ایک دو زیادہ ہی ہوں گے۔ علاوہ بریں بروایت محمد بن الحنفیہ بخاری  
 میں حضرت علیؑ سے صاف منقول ہے کہ حضرت ابو بکرؓ سب میں افضل ہیں۔  
 (حضرت صدیق اکبرؓ میں اوصاف کمال بدرجہ اتم پائے جاتے تھے)

اور ان کے افصح الناس ہونے پر وہ خطبے جو بعد وفات و قبل دفن نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے  
 ہیں شاہد عادل ہیں علیؑ ہذا القیاس لفظ ارحم امتی بامتی ابو بکرؓ جو جمعہ کے خطبوں میں بحوالہ حدیث پڑھا جاتا  
 ہے اُن کے ارحم ہونے پر دلالت کرتا ہے باقی رہا اعدل ہونا سو اس کے ثبوت کے لیے بعد  
 اثبات اوصاف مذکورہ کچھ حاجت نہیں کہ یہ کمال کے لیے فقط امانت و دیانت اور زہد تقویٰ



اور علم کی ضرورت ہے ظالم میں بھی اوصاف نہیں ہوتے جو وہ مرکب ظلم ہوتا ہے عرض باعث  
ظلم حب دنیا اور خیانت اور عدم ترجم ہوتا ہے جس میں وہ اوصاف ہیں اور یہ خرابیاں نہیں وہ  
لا جرم اعدا انکس ہوگا۔

(ایک شبہ کا ازالہ)

اب اگر کسی صاحب کو اس وجہ سے تامل ہو کہ اکثر روایات مذکورہ اہل سنت کی روایات ہیں۔ تو  
اول تو وجہ ثبوت دعاوی مذکورہ فقط روایات ہی نہیں آیات بھی ہیں۔ اگر آیات کو اہل سنت ہی  
کی روایت سمجھتے ہو۔ تو نہ ہی نصیب اہل سنت۔ اور بڑے کھوٹے نصیب شیعوں کے جن کے  
پاس مطلب کے ثبوت میں کلام اللہ تک بھی نہیں بلکہ ان کے مطلب کے مخالفت ہے پھر اس پر حضرت  
علیؑ کے اوصاف میں سب سے افضل ہونے پر کیا دلیل ہے۔ اگر روایات شیعہ ہیں تو کیا اعتبار۔ اور  
روایات اہل سنت یا آیات کلام اللہ ہیں تو لایئے دکھلائیے مثل استدلال مذکور جو آیت  
ینال عہدی الظالمین سے ماخوذ تھا انشاء اللہ اس کے کیل پرزے بھی اوصاف جانیئے۔  
(مشورہ میں خلقت کی طرف رجوع خلیفہ کے لیے غیب نہیں۔)

اور یہ جو ارشاد ہے کہ اس طرح خلیفہ چاہیے کہ اس کی طرف تمام خلقت علوم خدا میں رجوع  
کرے اور جو سوال اس سے کرے بخوبی تمام تسلی و تشفی کرے تاکہ خلافت و نیابت آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ثابت ہو۔ اگر سچ ہے تو ابو بکر صدیقؓ وغیرہم کجا اللہ ایسے تھے اور اگر کسی  
بات میں ان کو اوروں کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہوئی تو اس سے ان کی فضیلت کو بڑھانیں  
لگتا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے وَشَارَوْهُمْ فِي الْأَمْرِ (یعنی صحابہؓ سے مشورہ کر لیا کہ)  
اگر ابو بکرؓ وغیرہ رضی اللہ عنہم نے کسی بات میں کسی کی طرف رجوع کیا اور اس سبب سے ان کا رتبہ نفع باللہ  
کم محض تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو خود حکم خداوندی ہے ابو بکرؓ وغیرہؓ نے تو اپنی طرف رجوع کیا  
ہوگا اس صورت میں نفع باللہ حضرات شیعہ صحابہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل سمجھیں نہ کہ  
ایسا برا۔ تیسرے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیسیوں جا ایسے وقائع ثابت ہوتے ہیں اور لوگوں نے ان  
کی غلطیاں پکڑ ہی ہیں۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں (مگر) خارجیوں سے اپنی تسلی کر لیں ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔  
غرض ایک دو جا غلطی ہو جانے سے منصب امامت کو زوال نہیں ہو سکتا حضرت موسیٰؑ



اور حضرت خضر کا قصہ کلام اللہ میں مذکور ہے دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کیا کا کیا سمجھ گئے اور پھر منصب نبوت میں کچھ فرق نہ آیا منصب خلافت تو ایک نمبر اور بھی کم ہے اتنا غل کا ہے کے لیے ہے۔

(خلافت راشدہ کے لیے فتوحات و تمکین موعودہ اور ضروری تھیں)

اور یہ جو آپ فرماتے ہیں کہ انتظام دنیاوی اور ملکوں کا فتح کر لینا باعث خلافت حقہ کا نہیں ہو سکتا اگرچہ بظاہر حق معلوم ہوتا ہے پر شیطان نے اپنی بات پھر بھی ہاتھ سے جانے نہیں دی آپ کے اس آڑ میں اپنا کلمہ کہلا لیا۔ اسی حضرت آپ کس خیال میں ہیں یہی اعتراض بعینہ نصرانی اور یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر کرتے ہیں آپ کو ان کا طریقہ ایسا کیوں مرغوب ہے آیت

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ حَتَّىٰ يَسْتَخْلِفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُنَظَّرَ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ (پاک ۱۳۶)

(اور اللہ نے وعدہ کیا ہے تم میں سے ایمان لانے والوں اور اچھے عمل کرنے والوں کے ساتھ کہ یقیناً ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسے ان سے پہلے لوگوں کو بنایا تھا اور ان کے لیے اپنا پسندیدہ دین قائم کر دے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل ڈالے گا۔)

کو بغور دیکھئے کیا ارشاد ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء راشدین کی یہی نشانی ہے کہ وہ زمین کے خلیفہ ہو جائیں اور بزورِ شمشیر و مسندت دینِ متین کو جاویں چونکہ اس آیت کے مضامین بھی درجِ ہدیۃ الشیعہ ہو چکے ہیں اس لیے ان کے ذکر اور اس آیت کی تفسیر سے معذور ہوں۔ اہل شوق خود مطالعہ کریں گے۔

ہاں اگر خلفاء راشدین کے زمانے میں ترقی اسلام نہ ہوتی بلکہ مثل تیمور فقط ملک گیری ہوتی تو ان کو تیمور چھوڑ کر انگریزوں سے تشبیہ دے دی ہوتی اور در صورت کہ عرب کے ایران تک انہیں کی بدولت کلمہ اسلام جاری ہوا تو پھر یہ کہہ کر مصداق وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (جو اس نعمت کے ہو چکنے کے بعد اس کا انکار کرے تو یہی فاسق ہیں) جو بعد آیت مذکورہ واقع ہے۔ بنتے ہو کیونکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ رسولِ خلافت اسلام اور تمکین



دین کے بعد جو شخص ان بزرگواروں کا شکر ادا نہ کرے وہ فاسق ہے اور بھی کوئی نہیں تو شیعوں کو تو شکر گزاری اصحاب ثلاثہ لازم ہے اگر یہ صاحب نہ ہوتے تو نعرہ یا علی یا علی کہہ بلا سے لے کر ادھر کی حدایہ ان تک جاری نہ ہوتا۔

مجل تقریر یہ ہے کہ جب کلام اللہ و حدیث سے بزرگی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کی خلافت ثابت ہو گئی اور شیعوں کا دعوے ثابت نہ ہوا تو مذہب اہل سنت حق ٹھہرا اور مذہب شیعہ باطل۔

## سوال سوم از جانب شیعہ

(بحث متعہ)

متعہ میں اختلاف شیعہ و اہل سنت مشہور و معروف ہے مگر شیعہ کہتے ہیں کلام اللہ میں تو آیت  
فَمَا اسْتَسْتَعْتِمُ بِهِ مِنْهُنَّ فَاتُوهُنَّ اِجْوَءً دُورًا  
فَرِيضَةً ط  
دیکھ جس کو کام میں لائے تم ان غورتوں میں سے تو ان کو وہ ان کے حق جو مقرر ہوئے۔

اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے خاص کر قرأت عبد اللہ بن مسعود جو اہل سنت کے عمدہ پیشوا ہیں کیونکہ ان کی قرأت میں بعد منھن لفظ الی اجل بھی زائد ہے اور ظاہر ہے کہ تحدید اجل متعہ ہی میں ہوا کرتی ہے نکاح میں تحدید مدت کی کوئی صورت نہیں اور احادیث میں حدیث اباحت متعہ کا بعض غزوات میں شہرہ عالمگیر ہے بایں ہمہ لفظ اجودھن ان کے مطلب کے بھی مؤید ہے اس لیے کہ اجر عقد اجارہ میں ہوا کرتا ہے اور صحت اجارہ کے لیے تعیین مقدار کی یا تحدید زمانہ و روزگار ضرور ہے مثلاً دزدی ایک دو انگرکھ سی ڈینے کا نوکر ہوتا ہے یا ایک دو روز کا یہ نہیں ہو سکتا کہ زمانہ کی کوئی حد نہ ہونہ کام کی کوئی مقدار ہو اس صورت میں اگر مرد و زن میں کوئی زمانہ مقرر ہو گیا تب تو ثبوت متعہ بطور شیعہ سینوں ہی کے اقرار سے لازم آجائے گا اور اگر عدد کرات مجامعت معقود علیہ ہے تب بھی وہی بات ہے کیونکہ کرات مجامعت ایک زمانہ معین میں پوری ہو سکتی ہے اس لیے پھر وہی انجام نکل آتا ہے۔

(اہل سنت کا استدلال)

مگر شاید اہل سنت و جماعت کے آیت ہے



وَالَّذِينَ هُمْ لِأُفُوجِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا  
عَلَىٰ أُنُوجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِذَا  
لَهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ فَمِنَ الْبَغْيِ ذَالِكَ  
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ

داندوہ لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں بجز  
اپنی بیویوں کے یا باندیوں کے کہ اس میں ان پر ملامت  
نہیں۔ پس جو شخص ان دو کے علاوہ جنسی تعلق چاہے  
پس وہ زیادتی کرنے والے ہیں۔

پر نظر ہو اور یہ خیال ہو کہ آیت مسطور سے زوجہ اور باندی کے سوا اور عورتوں سے اجتناب نکلتا ہے  
اور زن متعہ بالیقین دونوں قسم سے خارج ہے۔ باندیوں کی قسم سے علیحدہ ہونا تو محتاج بیان ہی  
نہیں ہاں احتمال زوجیت ہو تو ہو لیکن اول علماء شیعہ نے ان زن متعہ کو زن نکاح سے جدا رکھا ہے  
بلکہ جیسے اہل سنت موافق اشارہ آیت مسطورہ زن حلال کی کل دو قسمیں بتلاتے ہیں ایک اپنی  
زوجہ دوسری اپنی باندی ایسے ہی علماء شیعہ زن حلال کی چار قسمیں بتلاتے ہیں دو تو یہی قسمیں جو مذکور ہوئیں۔  
اور دو اور۔ ایک زن متعہ دوسری زن عاریہ یعنی وہ باندی جس کا مالک کسی کو صحبت کرنے کے لیے  
مستعار دے دیوے سوا اس سے صاف ظاہر ہے کہ زن متعہ زوجہ نہیں کہلاتی۔ دو کے لوازم و آثار  
نکاح زن متعہ میں یک لخت مفقود ہیں نہ چار کی حد نہ عدل کی ضرورت نہ طلاق کی کوئی صورت نہ  
عدت کی حاجت اور ظاہر ہے الشئ اذا ثبت ثبت بلوازم اگر زن متعہ منجلہ ازواج ہوتی  
تو یہ سائے لوازم و اکھار پائے جاتے بالجملہ علماء اہل سنت کو بمقابلہ شیعہ آیت والذین ہم  
لفروجہم حافظون الخ پر نظر ہو تو ہو اور اس لیے متعہ کو حرام کہتے ہوں  
(شیعہ کی طرف سے جواب)

تو جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ یہ آیت دو جا کلام اللہ میں آئی ہے ایک سورت مؤمنون  
میں دوسری سورت معارج میں اور باتفاق مفسرین یہ دونوں سورتیں مکی ہیں یعنی قبل ہجرت نازل  
ہوئی ہیں اور حدیث اباحت متعہ مدنی ہے کیونکہ غزوات سب مدنی ہیں اس لیے واقعہ اباحت  
آیت حرمت کے بعد کا قصہ ہے اس صورت میں حدیث ہی ناسخ آیت معلوم ہوگی آیت  
کو ناسخ حدیث نہ کہہ سکیں گے باقی یہ حسن ادب کہ آیت حدیث سے اعلیٰ اور افضل ہوتی  
ہے پھر حدیث سے کیونکہ منسوخ ہو اسی شخص کا کام ہے جو وجہ ثبوت قرآنیت قرآن مجید سے  
خبردار نہ ہو پھر جس شخص کو اتنی بات کی اطلاع ہے کہ قرآن کا قرآن ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم



کے ارشاد سے معلوم ہوا اور ان احکام کا احکام خداوندی ہونا امتیوں نے آپ کے فرمانے سے جانا۔  
 تو اس شخص کو اس بات میں ہرگز تامل نہیں ہو سکتا کہ نسخ قرآن شریف حدیث نبوی سے ممکن ہے  
 چنانچہ علماء اہل سنت خصوصاً حنفی اسی جانب سے ہیں اور اس لیے حدیث کلامی لایسوخ کلام اللہ کی  
 تاویلیں کرتے ہیں۔ ہاں افضلیت قرآن مسلم مگر یہ افضلیت باعتبار الفاظ ہے باعتبار احکام نہیں  
 جو احکام کہ احادیث سے ثابت ہوں بشرط ثبوت احکام قرآنی سے کم نہیں کیونکہ احکام مندرجہ  
 احادیث بھی احکام خداوندی ہیں گو باعتبار ظاہر احکام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم معلوم ہوتے ہوں اس لیے  
 کہ آپ رسول اور پیغام بہر ہیں بذات خود حاکم مستقل نہیں۔ باقی رہی روایت نسخ اباحت متعہ یعنی وہ  
 روایت جس میں بعد اباحت حکم حرمت بھی موجود ہے شیعوں کے نزدیک ضروری التسلیم نہیں اس  
 لیے کہ اس کے راوی فقط اہل سنت ہیں اور انہوں نے اپنے مطلب کے موافق بنالی ہوگی۔

## جواب از اہل سنت والجماعت

الجواب ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِیْنُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَ  
 نَتَوَكَّلُ عَلَیْهِ وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْكَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ  
 اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی سَیِّدِنَا  
 اِبْرٰهٖمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهٖمَ اِنَّكَ حَمِیدٌ مُّجِیدٌ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَازْوَاجِهِ  
 اَمْهَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَذُرِّیَّتِهِ وَاهْلِ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی سَیِّدِنَا اِبْرٰهٖمَ  
 اِنَّكَ حَمِیدٌ مُّجِیدٌ - اللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُبَارَكَ عِنْدَكَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اللّٰهُمَّ  
 ارْزُقْنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ وَارْزُقْنَا الْبَاطِلَ بِالْبَاطِلِ وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ۔

بعد حمد و صلوة بندہ گنہگار محمد قاسم عرض پر داز ہے کہ تقریر سوال شیعہ تو اس کھترین نے اس زرق  
 برق سے کر دی ہے کہ خود شیعوں کو بھی اس انداز سے بیان کرنا نصیب نہ ہوا ہوگا اور اس وجہ سے  
 میرے ممنون ہوں تو بجا ہے مگر مقتضائے احسان مندی یہ ہے کہ تقریر جواب کو بھی بغور و  
 دیکھیں مطلب کے یا تو سمجھی ہوتے ہیں پر انصاف پرستی جو ہر انسانی ہے تقریر سوال تو دلچسپ ہی  
 تھی پر تقریر جواب اس سے بھی بڑھ کر لیجئے حضرات شیعہ کا مطلب نہ آیت استماع سے نکلتے



نہ حدیث سے ثابت ہو اور نہ آیت سورت مومنون و سورت معارج حدیث مذکور سے منسوخ ہوتی  
اور نہ ہو سکے۔

### (حرمت متعہ کی عقلی وجوہ)

علاوہ بریں عقل صائب اس بات پر شاہد ہے کہ تجویز متعہ ہمیشہ کے لیے ہر کسی کے لیے خدا  
تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نہیں ہو سکتی اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ادیان سابقہ  
میں سے کسی دین میں متعہ جائز نہیں ہوا اور اس دین میں سوا حضرات شیعہ اور کوئی اس طرف نہ گیا بلکہ  
ابتداء عالم سے لے کر اس زمانہ تک اطراف عالم میں کسی دین میں آسمانی ہو یا نہ ہو سوائے مذہب شیعہ  
یا مشرب جاہلان زمانہ جاہلیت ملک عرب اس امر کا پتہ نہیں سینکڑوں تاریخین موجود ہیں یا حوالے  
افسانے مشہور ہیں پر کہیں متعہ کا نام و نشان نہیں ملتا خیر یہ بات تو اتفاقی تھی کلام اللہ اور حدیث سے  
استدلال کا حال بیان کیجئے اور حقیقت نسخ کا پتہ دیجئے تو کام چلے۔

### (نکاح کا اولین مقصد اولاد کی پیداوار ہے)

اس لیے بطور تمہید اول کچھ گزارش ہے بگوش ہوش سنئے کلام اللہ میں فرماتے ہیں فِئْسَاءُ  
كُذِّبَتْ لَكَ یعنی تمہاری عورتیں تمہاری کھیت ہیں اس سے صاف روشن ہے کہ نکاح  
سے مقصود اولاد ہے کیونکہ کھیت سے مقصود پیداوار ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اس کھیت کی پیداوار یہی  
اولاد ہے گیہوں چنا وغیرہ نہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیعوں کے نزدیک جو سائے جہان کے  
خلاف بیوی سے اغلام درست ہے وہ کلام اللہ کے بھی مخالف ہے کیونکہ اغلام سے تولد اولاد  
متصور نہیں مگر ہاں شاید شیعوں میں یہ کرامت ہو اور موافق شعر ذوق ۷

نہیں ہیں خون سے مژگان تر بہ خار و لہنیں نکلے

جنوں یہ بیشتر کیسے کہیں ڈوبے کہیں نکلے

ادھر سے نطقہ ادھر چلا جاتا ہو باقی رہا جملہ فاتحہ احد شکہ انی شتم۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آؤ  
اپنی کھیتوں میں جہاں سے چاہو شیعوں کو کچھ مفید نہیں کیونکہ اول تو انی بمعنی کیف بھی آتا ہے پھر ان  
کو کیا اختیار کہ بے وجہ انی کو بمعنی طرف مکانی رکھیں مستدل اور مدعی کے لیے وہ بات مفید نہیں ہو سکتی  
جس میں احتمال مخالف بھی موجود ہو یا جس میں احتمال مخالف یعنی بمعنی کیف کے مؤید



اور معنی ظرف مہانی کے مخالف ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے اور اگر انی بمعنی ظرف مکانی ہی ہو پھر بھی عیون کو کچھ مفید نہیں کیوں کہ جیسے کوئی یوں کہے کہ اپنی زمین میں بیج ڈالنے کے لیے مشرق کی طرف جاؤ یا غرب کی طرف بہر حال تم کو اختیار ہے اور اس سے ہر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ مقصود اصلی بونا ہے دونوں طرف جانے میں برابر حاصل ہے پیداوار دونوں طرح ایک ہی ہوگی ایسے ہی اس جملہ سے ہر عاقل ہی سمجھے گا کہ اپنی بیویوں سے الٹے سیدھے جس طرح چاہو صحبت کرو تولد اولاد میں دونوں صورتیں برابر ہیں یہ نہیں کہ سیدھے صحبت کیجئے تو بچہ اچھا ہو اور الٹی کیجئے تو احوال پیدا ہو جیسے یہودی کہا کرتے تھے چنانچہ اسی وہم و فاسد کی مدافعت کے لیے یہ ارشاد ہوا کہ فاء تو وحدت کا انی شتم۔ مگر علماء شیعہ کی خوش فہمی دیکھئے کہ بات کیا تھی اور کیا مطلب کی سمجھ گئے۔ مگر وہ بھی کیا کریں اگر متعہ اور اغلام نہ ہوتا تو خواص تو متنفر تھے ہی عوام کا لانعام بھی اس مذہب کو پسند نہ کرتے۔

(ولد صالح باقیات صالحات میں سے ہے)

علاوہ بریں ولد صالح کا باقیات صالحات میں سے ہونا بھی اولاد کے مقصود ہونے پر شاہد ہے کیونکہ انہما الا اعمال بالنیات۔ اگر شہوت رانی ہی مقصود ہوتی اور اولاد مقصود نہ ہوتی تو ان کے حسابے اولاد کا ہونا نہ ہوا برابر تھا۔ اگر صالح ہوئی تو کیا اور فاسق ہوئی تو کیا علیٰ ہذا القیاس سقی ماء غیر یعنی عورت حاملہ من الغیر سے جماع حرام نہ ہوتا چنانچہ ظاہر ہے بہر حال مقصود اصلی نکاح سے اولاد ہے شہوت رانی مقصود اصلی نہیں ہاں جیسے اکل غذا سے بدل مایتحمل مقصود ہے اور بھوک مشل چپڑا سی سرکاری اس بیگار کے لیے متقاضی ہے ایسے ہی عورتوں سے اولاد مقصود ہے اور شہوت جماع تقاضا جماع کے لیے ساتھ لگا دی گئی ہے۔

(وقت واحد میں ایک عورت کے لیے زیادہ خاوند نہ کر سکی وجہ)

مگر جب اولاد مقصود پھڑی چنانچہ آیت مسطور اس پر شاہد ہے اور نیز عقل سلیم اس پر گواہ تو پھر ایک عورت کو زمانہ واحد میں دو یا زیادہ مردوں سے نکاح کی اجازت قرین عقل نہ تھی۔ اس لیے کسی دین میں یہ امر جائز نہ ہوا۔ کیفیت شہادت آیت مرقوم ہو چکی ہاں عقل صائب کی گواہی باقی ہے اس لیے یہ گزارش ہے کہ درخت بار آور نہایت خود مطلوب نہیں ہوتا پھل مطلوب ہوتا ہے سامان اور اسباب مطلوب نہیں ہوتا۔ نتیجہ مطلوب ہوتا ہے۔ اب دیکھئے کہ شہوت رانی اور جماع اولاد کے لیے سامان اور اسباب میں



سے ہے یا قصہ برعکس ہے؟ سوایا کون نادان ہوگا جس کو وقار و جماع کے سبب ہونے اور اولاد کے سبب ہونے میں تامل ہو۔ علاوہ بریں آیت وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جن وانس کو خاص اپنے کام کے لیے بنایا ہے اور آیت خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ اس بات پر شاہد ہے کہ زمین و آسمان بنی آدم کے لیے بنائے گئے ہیں برعکس نہیں۔

(کائنات انسان کیلئے بنی اور انسان عبادت الہی کے لیے بنایا گیا)

زمین اور زمین کی پیداوار کا بنی آدم کے لیے ہونا تو لفظ لَكُمْ سے ظاہر ہے اور آسمانوں کا بنی آدم کے لیے بنایا جانا بقرینہ عطف ظاہر ہے یعنی قید لَكُمْ یہاں بھی بقرینہ عطف ملنا ہوگی علاوہ بریں آیت الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بَنَاءً وَغَيْرَ آيَاتٍ میں یہ بات زیادہ مصرح ہے اور کیوں نہ ہو زمین و آب ہوا و آتش و آفتاب و کواکب و افلاک نہ ہوں تو ہماری ہزاروں حاجتیں بند ہو جائیں بلکہ یوں کہ ہم مر جائیں اور ہم نہ ہوں تو ان اشیاء کا کچھ عرج نہیں۔ پھر یوں نہ کیئے تو اور کیا کیئے کہ وہ ہمارے لیے بنائی گئی ہیں ہم ان کے لیے نہیں بنائے گئے مگر اس صورت میں یہ بات ظاہر ہے کہ زمین ہوا و آسمان ہو جو کچھ بنی آدم کے لیے بنایا گیا اس کو حصول عبادت میں دخل ہے یعنی اگر وہ نہ ہو تو پھر عبادت میں کمی یا نقصان پیش آئے یا وہ نہ ہو تو عبادت نہ ہو سکے کیونکہ اس وقت بنی آدم اور باقی مخلوقات مشارالہا کی ایسی مثال ہوگی جیسے یوں کیئے گھوڑا سواری کے لیے اور گھاس دانہ گھوڑے کے لیے سو جیسا یہاں ہر کوئی سمجھتا ہے کہ اگر گھاس دانہ نہ ہو تو پھر سواری کی بھی کوئی صورت نہیں بلکہ گھوڑا تڑپ تڑپ کر مر جائے ایسا ہی بنی آدم اور ان چیزوں کو سمجھئے جو اس کے لیے بنائی گئی ہیں کہ اگر وہ نہ ہوں تو پھر عبادت ہی نہیں سو کھانے پینے کی ضرورت تو ظاہر ہے کون نہیں جانتا کہ اگر خورد و نوش کی نوبت نہ آئے تو آدمی مر جائے پھر عبادت کون کرے۔ اور کھانے پینے کے لیے زمین و آسمان کی ضرورت ظاہر۔ زمین کو تو ہم خوب جانتے ہیں رہا آسمان اس کی ضرورت کھانے پینے کے لیے آیت وَانْزِلْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَخُذْ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ ذِقَّالْكُمْ (اور آسمانوں سے پانی اتار جس کے ذریعے پھل نکال کر تمہارا رزق بنایا) سے ظاہر ہے یہ شہوت جماع کو اس کام



میں کچھ دخل نہیں سویہ کیونکہ ہو سکے کہ امور خارجہ من ذات العابد میں تو حصول عبادت پر نظر ہے اور شہوت کو جو ایک امر دخلی ہے باوجود ارشاد وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ عِبَادَتِیْ میں کچھ دخل نہ ہو۔  
 الغرض شہوت کا بنی آدم میں پیدا کرنا بذات خود بے مصرف معلوم ہوتا ہے ہاں اگر تولد اولاد پر نظر کیجئے تو پھر اس کے برابر خورد و نوش بھی عبادت میں دخل نہیں رکھتے کیونکہ کھانے پینے سے اگر طاقت عبادت پیدا ہوتی ہے تو جماع سے خود عبادت کرنے والے پیدا ہوتے ہیں بالجہ عقل و نقل اس بات پر شاہد ہیں کہ شہوت رانی بذات خود مقصود نہیں تولد اولاد مقصود ہے (کثرت اولاد سے کثرت امت پر حضور علیہ السلام فرمائی گئی)

چنانچہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو زیادہ تر غیب نکاح مشہور ہے اس میں یہ جملہ کہ انہی مکاتیبکم الذمہ اس مضمون کو اور بھی واضح کئے دیتا ہے کیونکہ غرض نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ترغیب نکاح سے اس وقت یہ نکلی کہ امت کے لوگ کثرت نکاح کریں گے تو اولاد کثیر پیدا ہوگی اور اس وجہ سے یہ امت بڑھ جائیگی اور ایک سامان افتخار آپ کو ہاتھ آئے گا۔ جب یہ بات ذہن نشین ہو گئی کہ نکاح سے مقصود اولاد ہے شہوت رانی مقصود نہیں تو اب وجہ ممانعت تعدد نکاح زن بھی ایک زمانہ میں بھی بیان کئی چاہیے۔  
 (عورت کے لیے بیک وقت تعدد نکاح کی ممانعت کی عقلی دلیل)

سنئے زمین کی پیداوار تو سب ایک سی ہوتی ہے اور اس کے سب دل نے باہم متشابہہ ہوتے ہیں غرض میں سب یکساں کسی کو کسی پر کچھ فوقیت نہیں اس لیے شرکت میں کوئی غزالی پیش نہیں آتی علی السویہ تقسیم ہو سکتی ہے۔ پر اولاد میں اگر اشتراک تجویز کیا جائے تو ایک نزاع عظیم برپا ہو امید کثرت عباد و عبادت تو درکنار پہلے ہی عابدوں کی خیر نہ ہو کیونکہ اول تو یہی کچھ ضرور نہیں کہ ایک سے زیادہ بچہ پیدا ہو اور دو تین پیدا بھی ہوئے تو کچھ ضرور نہیں کہ سب لڑکے ہی ہوں یا سب لڑکیاں ہی ہوں اور پھر ایک ہی قسم کے ہوں تو وہ سب عابد و زاہد ایک ہی نمبر کے ہوں اور عاقل و فاضل ایک ہی درجہ کے ہوں بلکہ عادۃ اللہ یوں ہی جاری ہے کہ جیسے پانچوں انگلیاں یکساں

لے ادھر اولاد کا مطلوب ہونا اور بعد حصول اولاد کے ساتھ شفقت پیش آنا اسی پر دال ہے کہ اولاد مقصود طبع سلیم انسانی ہے۔ ۱۲۔

۱۲۔ اور حسین جمیل ایک ہی طرح کے ہوں اور قویٰ تو انہی ایک ہی طاقت کے ہوں۔ ۱۲۔ (حاشیہ طبع قدیم)



نہیں ہوتیں۔ ایسے ہی تمام اولاد یکساں نہیں ہوتی اور محبت پدری سب کے ساتھ خدا داد۔  
 سو بالفرض ایک عورت کے اگر کئی خاوند ہوں اور وہ بھی فرض کرو ایک پورب کا رہنے والا  
 ہو ایک کچھم کا تو پھر تقسیم اولاد کی کوئی صورت نہیں۔ بوجہ تفاوت معتاد جو باہم اولاد میں ہوا کرتا ہے  
 اول تو ناقص حصہ والے کا اپنے نقصان پر راضی ہونا دشوار ہے۔ دوسرے بوجہ محبت تمام اولادوں  
 کا صبر کرنا معلوم۔ اور اس وجہ سے یہ بھی ممکن نہیں کہ پوپہ وغیرہ سے جبر نقصان کر کے ایک  
 کو راضی کر دیجئے خاص کر جب کہ بچہ ایک ہو اور عورت کے خاوند کئی۔ یا عدد ازواج زن، زوج،  
 (جفت) ہو اور عدد اولاد طاق۔ ہاں اگر اولاد کاٹنے پھانٹنے کے قابل ہوتی تو مثل غلہ مشترک  
 یا گوشت مشترک جامہ مشترک کاٹ پھانٹ کر برابر کر لیتے اور نزاع رفع کر دیتے یا مثل غلام عورت  
 کا ہر وقت ایک حال رہتا اور یہ تفاوت احوال اور اختلاف کیفیات مزاجی نہ ہوا کرتا تو ہفتہ وار  
 یا ماہوار یا سال وار ایک خاوند کے پاس رہا کرتی۔ مگر اول تو ہر دم اور ہر حال میں رحم زن نطفہ کو  
 قبول نہیں کرے تا دوسرے اختلاف احوال زن بیشتر موجب اختلاف ذکورت والوٹ و عقل  
 و بے عقلی وغیرہ احوال و اخلاق ہو جاتا ہے۔

(والدین خصوصاً ماں کا طبعی اثر بچے کے مزاج و اخلاق پر پڑتا ہے)

جو لوگ دقائق طبیہ اور حقائق موجبات اختلاف امزجہ اولاد سے واقف ہیں وہ خوب  
 جانتے ہیں کہ وقت جماع و وقاع جو کیفیت والدین خصوصاً والدہ پر غالب ہوتی ہے وہی  
 کیفیت اولاد کے حق میں خلق اور طبیعت بن جاتی ہے اول تو اہل عقل کو مشاہدہ بقاء النواع  
 سے یہ بات ظاہر ہے کیونکہ آدمی کے گھر آدمی کا پیدا ہونا اور سگ و خوک سے سگ و خوک کا پیدا  
 ہونا اور اسپ و غر سے خچر کا پیدا ہونا جس میں دونوں کا اثر مشہود ہوتا ہے اس بات کے سمجھ  
 لینے کو کافی ہے۔ کہ کیفیت مزاج والدین کو اخلاق و عقل اولاد میں دخل تام ہے۔

دوسرے الولد ریشہ لایہ بھی جو جملہ مسئلہ ہر عام و خاص ہے اس بات پر شاہد ہے کیونکہ  
 کسی کو کسی کا اب حقیقی اور والد تحقیقی باعتبار وقت علوق نطفہ ہی کہہ سکتے ہیں اور اوقات کے  
 حساب سے یہ اطلاق مجازی ہوتا ہے۔ سو وقت علوق جو کیفیت مزاج والدین پر غالب ہو اسی

کا اثر اولاد میں آنا چاہیے ورنہ الولد ریشہ لایہ کیونکہ صحیح تر لگتا ہے



(حضرت مریم کے پاس بشر بن کر جبرئیل کے آنے کی وجہ)

ادھر محققان اہل اسلام نے حضرت مریم کے سامنے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے آدمی کی شکل میں آنے کی وجہ یہی بیان کی ہے کہ اگر حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی شکل ملکی میں ان کے روبرو نمودار ہوتے تو حضرت مریم علیہا السلام بقضاء بشریت ڈرجاتیں اور وہ کیفیت خوف مزاج عیسوی میں اثر کر جاتی آپ نامرد اور بزدل پیدا ہوتے اور کارسالت ادا نہ کر سکتے کیونکہ اس کام کے لیے ہمت عالی اور شجاعت نامہ کی ضرورت ہے نامردوں سے ایسے بڑے کام جس میں ایک جہان سے مقابلہ اور عداوت کھڑی ہوتی نہیں سکتے۔ باقی رہا صورت ملکی سے خوف کھانا وہ حضرت مریم سے کیا بڑے بڑے مردوں سے بھی مستبعد نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک حضرت جبرئیل کی صورت ملکی سے مرعوب ہو گئے تھے اور کسی کا تو کیا ذکر ہے۔ علاوہ بریں یہ قصہ اکثروں نے سنا ہو گا کہ وقت جماع کسی عورت کو سانپ نظر پڑ گیا تھا بچہ جو پیدا ہوا تو سانپ ہی کی شکل تھی بالجلد بوجہ تفاوت احوال معلوم یہ بھی ممکن نہیں کہ غلام کی طرح نوبت نبوت ہر خاوند کے پاس رہا کرے کیونکہ عورت کے لیے اگر یہ امر تجویز کیا جائے تو مقتضائے انصاف یہ ہے کہ خدمت فراش یعنی وقاع و جماع کی مقدار قدر نوبت مقرر ہو اور بہت دراز کر دو تو ایک شب رکھ لو اس لیے کہ عورت کے متعلق یہی خدمت ہے اور اس خدمت کے ادا کرنے میں اتنی ہی دیک کافی ہے اور اس باب میں غلام پر قیاس ممکن نہیں اس لیے کہ خدمت غلام کوئی امر معین نہیں جو اس کی مقدار تعیین نوبت میں ملحوظ ہے۔ اس لیے وہاں وہ زمانہ جس میں خدمت معتد بہ تمام شرکار کے نزدیک ادا کر کے معین ہو گا۔ علیٰ ہذا القیاس مردوں کی نوبت پر بھی قیاس نہیں کر سکتے جو کم از کم ایک شب ہی مقرر ہو اس لیے کہ غرض اصلی یعنی جماع جو تعیین نوبت سے مقصود ہے مرد کے لیے اختیار میں نہیں ہے کہ جب چاہے سبکدوش ہو جائے کم سے کم ایک شب میں البتہ اس کے وقوع کا احتمال ہے یہی وجہ ہے کہ عدل (بین المنکوحات) کے لیے

لہ علاوہ ان میں مرد کو ہر وقت قدرت علی الجماع ہونی معلوم اور حاجت الجماع کا ہر لحاظ احتمال اور یہ حاجت بدون عود رقع ہونی محال یعنی مثلاً اگر غلام نہ ہو تو بجائے غلام کا دوبار اپنے ہاتھ سے بھی انجام دے سکتا ہے اور جماع میں یہ بھی مقصود

نہیں تو ان وجوہ سے بھی شرکت زوجہ میں خلاف مصلحت ہونی چاہیے۔ (حاشیہ طبع قدیم)



جماع ضرور ہوا، ہاں خدمت فراش البتہ عورت کے ہر وقت اختیار میں ہے۔

(نسب و جمل میں اختلاط بھی تعدد زوج سے مانع ہے)۔ بایں ہمہ عورت قبل طور حمل اگر دوسرے کے پاس ہے تو یہ تعیین نہیں ہو سکتی کہ یہ حمل کس کا ہے اور بعد طور حمل اگر دوسرے کے پاس جائے تو اس کے نطفہ کے اختلاط کی وجہ سے پھر وہی صورت اشتراک پیدا ہوتی ہے دو بچے پیدا ہوتے ہیں تو تعیین مشکل ہو جاتی ہے اور اتنا زمانہ دراز نوبت کے لیے مقرر کیا جائے کہ ایک کا نطفہ دوسرے کے نطفہ کے ساتھ مختلط نہ ہو سکے تو یہ وقت تو کہیں نہیں گئی کہ کسی وقت رحم زن نطفہ قبول کرتا ہے اور کسی وقت نہیں کرتا اور کرتا ہے تو کسی وقت کیفیت صالحہ عارض حال زن ہوتی ہے۔ کسی وقت کیفیت فاسدہ لاحق حال ہو جاتی ہے اور در صورت وحدت مرد و تعدد زنان بھی اگرچہ یہی احتمال ہے مگر چونکہ وہ صاحب حرث ہے تو اگر وہ وقت کیفیت صالحہ عورت کے پاس نہ جائے تو کچھ اپنا ہی نقصان کرے گا کسی دوسرے کا حق تلف نہ کرے گا جو گنجائش مختراض ہو۔

جب یہ سب باتیں ذہن نشین ہو گئیں اور وجہ ممانعت تعدد مرد و وحدت زن معلوم ہو گئی تو یہ بھی عرض کرنا مناسب سمجھا ہے کہ ایام عدت و فوات و طلاق میں جو نکاح ممنوعہ رہا تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ اگر ساعت دو ساعت بیشتر مرگ و طلاق سے باہم جماع کا اتفاق ہوا ہو اور پھر دو فوات زوج و طلاق پھر دوسرے سے نکاح کر کے جماع کی نوبت آئی تو وہی خرابی لازم آئے گی جو وقت واحد میں کئی خاندانوں کے ہونے میں متصور تھی کیونکہ وہاں بھی وقت واحد میں تو دونوں کا جماع متصور ہی نہ تھا ساعت دو ساعت کے فاصلہ کی ضرورت بالضرور تھی جب باوجود اس کے خرابیہائے مذکورہ لازم آتی تھیں تو یہاں کیوں نہ لازم آئیگی۔

(والمحصنات من النساء میں المحصنات کا فائدہ)۔ اس تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ بیان محرمات میں لفظ محصنات کو کیوں اختیار کیا لفظ منکوحات یا لفظ متزوجات وغیرہ الفاظ دالہ علی النکاح میں سے کوئی اور لفظ کیوں نہ اختیار فرمایا۔ یعنی اگر والمحصنات نہ فرماتے بلکہ والمنکوحات یا والمتزوجات فرماتے تو معتدہ خاص کر معتدہ وفات یا معتدہ طلاق مغلطہ کو یہ لفظ شامل نہ ہوتا اور پھر بدالائت و احل لکم ما وراذالکم معتدہ سے نکاح کرنا حلال ہو جاتا مگر جن خرابیوں کے باعث حیات زوج اول یا نکاح زوج اول کے وقت نکاح ممنوع تھا وہ سب خرابیاں اس نکاح میں لازم آتیں الغرض لفظ والمحصنات کے اختیار فرمانے کی یہ وجہ ہے کہ حرمت نکاح معتدہ کی طرف بھی اشارہ منظور ہے۔



تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ لفظ احسان بمعنی حفظ آتا ہے سو یہاں بوجہ مذکورہ بالا یہ عرض ہے کہ خاوند  
اپنی عورت کو غیر مرد سے محفوظ رکھے اور جو وہ نہ ہو تو جیسے فرض کیجئے مرگھا دیتے تو ہوں کی کس کو (کفیلہ) اور خویش و اقربا  
حافظ تنگ و ناموس ہیں مگر چونکہ بنا حفظ تنگ و ناموس پاس نسب ہوتا ہے تو اگر بعد موت زوج اول یا طلاق  
زوج اول عورت ایک ساعت کے بعد ہی بچہ جن اٹھے تو اب حفظ تنگ و ناموس کی کچھ ضرورت نہ رہی کیونکہ  
اب اختلاط نسب متصور نہیں۔ اس لیے اس صورت میں مجروح وضع حمل اس کو اختیار دینا مناسب سمجھا اور یہ ارشاد ہوا  
وَأُولَاتِ الْأَمْحَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (حمل والی عورتوں کی عدت بچہ جننے تک ہے۔)

ہاں اگر حمل کے ہونے نہ ہونے میں اشتباہ ہو اور کسی کی زوجہ کی نسبت ہر دم یہ اشتباہ رہتا ہے کیونکہ اول علوق  
میں تو جانوروں میں تمیز حمل ہونے آدمیوں میں تو اس صورت میں انتظار ظہور حمل مناسب تھا۔

(عدت بیوہ اور عدت مطلقہ میں فرق کی وجہ سے) اس لیے عدت بیوہ دس دن چار مہینے مقرر ہوئی وجہ  
اس کی یہ ہے کہ اس مدت میں حمل ہوگا تو خود ظاہر ہو جائے گا کیونکہ موافق احادیث صحیحہ چالیس دن تک نطفہ پر  
صورت نطفہ باقی رہتی ہے اگرچہ اول و آخر وقت میں فرق زمین و آسمان ہوتا الغرض جیسے خون سیاہ و سرخ و  
زرد میں باوجود تفاوت الوان وہ بات مشترک ہے جس کے باعث اس کو خون کہے جاتے ہیں ایسے ہی نطفہ  
پر روز اول اور رنگ ہو اور چالیسویں دن اور رنگ ہو۔ بایں ہمہ کوئی ایسی بات باہم مشترک ہوتی ہے جس کے باعث  
اس وقت تک نطفہ ہی کہہ سکتے ہیں علقہ یا مضغہ نہیں کہہ سکتے۔ ہاں دو سرے چلے میں وہ حالت اس پر عارض  
رہتی ہے جس کے سبب علقہ یعنی خون کا لوتھڑا اس کا نام ہو جاتا ہے پھر تیسرے چلے میں مضغہ ہو جاتا ہے اور  
چالیس دن تک مضغہ رہتا ہے بعد تیسرے چلے کے پورے ہو جانے کے نفخ روح کی نوبت آتی ہے۔ مگر  
اول اول جان پڑتی ہے تو نہایت درجہ کی ناتوانی ہوتی ہے حرکات کی طاقت کجا۔ کسی قدر عرصہ کے بعد حرکات  
ظاہر ہونے لگتی ہیں سو تین چلوں کے تو پورے چار مہینے ہوئے ربع چلہ بضر ضرورت حرکات اور بڑھالیا تاکہ حمل کے  
ہونے میں کوئی شبہ باقی نہ رہے یعنی جب مقدار شکم زیادہ ہو گئی اور حرکات نمایاں ہوئیں تو پھر یہ احتمال ہو ہی  
نہیں سکتا کہ استسقا یا رجاء وغیرہ امراض ہوں ہاں اگر اتنے عرصہ میں ہی حمل ظاہر نہ ہو تو پھر یقین کامل ہو گیا کہ  
حمل زوج مردہ نہیں جو اس کے تنگ و ناموس کو ملحوظ رکھیں اور نسب کی حفاظت کی جائے اس لیے یہ ارشاد ہوا  
فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا  
فَعَلْنَ فِي الْفُسْهِنَ بِالْمَعْرُوفِ (پھر جب وہ اپنی عدت (کے ختم) تک پہنچ جائیں تو تم پر کوئی  
گناہ نہیں جو وہ اپنے متعلق جائز صورت اختیار کریں۔)



اس تقریر سے فائدہ لفظ تریبصن بھی ظاہر ہو گیا اور مفعول تریبصن بھی معلوم ہو گیا یعنی غرض اس لفظ سے یہ  
 محقق کہ جن عورتوں کے خاوند سر جائیں وہ عورتیں دس دن چار مہینے انتظار کیا کریں سو اس تقریر سے واضح  
 ہو گیا کہ انتظار ظہور حمل مقصود ہے تاکہ حمل ظاہر ہو جائے تو وضع حمل تک اور کسی سے نکاح نہ کیا جائے اور  
 اگر ظاہر نہ ہو تو عورت کو اختیار دیا جائے۔ الغرض لفظ تریبصن کے ساتھ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ کو ملائے  
 تو یہ مطلب نکل آتا ہے کہ اگر پورے چار ماہ دس روز انتظار ہی میں گزر جائیں تو پھر عورت کو اختیار ہے مگر  
 انتظار اسی حالت کا نام ہے جس میں اس چیز کے ہونے نہ ہونے کا یقین نہ ہو سکا انتظار ہے۔ سو پورے چار  
 ماہ دس دن تک انتظار بھی مقصود ہے کہ آخر ساعت تک یقین حمل نہ ہوا ہو اور در صورتیکہ حمل کا یقین پہلے  
 ہی ہو چکا تو اب اس حالت کو تریبصن بمعنی انتظار نہیں کہہ سکتے جو موافق فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ ایسی حالت  
 میں بعد چار ماہ دس روز کے اجازت نکاح مل جائے بلکہ اس وقت وہ عورت منجلد راولات الاحمال  
 أَجَلَهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ سمجھی جائے گی۔ اس طور پر آیت۔

وَالَّذِينَ يَتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا  
 يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ  
 وَعَشْرًا (بقرہ ۳۰۶)

اور جو لوگ مر جاویں تم میں سے اور چھوڑ جاویں اپنی عورتیں  
 تو چاہئے کہ وہ عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کے چار مہینے  
 اور آیت راولات الاحمال أَجَلَهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ میں کچھ تعارض نہ رہا۔  
 (وفات کی عدت میں انتظار سے | اور آیت فاذا بلغن اجلهن میں جو لفظ بالمعروف موجود ہے اس کا  
 مقصود فقط ظہور حمل ہے) فائدہ یہی معلوم ہو گیا یعنی مدت معلومہ کے بعد باوجود ظہور حمل اگر

عورت نے کسی سے نکاح کر لیا تو بوجہ مذکور یہ نکاح بھی معروف (جائز) نہ سمجھا جائے گا مگر چونکہ وجہ تریبصن  
 بعد موت زوج فقط انتظار حمل ہی تھا اور وجہ تریبصن بعد طلاق انتظار رضاء زوج بھی ہے۔ تو عدت وفات  
 میں تو حمل کے چھپانے نہ چھپانے میں جداگانہ کچھ ارشاد نہ فرمایا کیونکہ یہاں تو خود ظہور حمل ہی کا انتظار مقصود  
 ہے ادھر دس دن چار ماہ ایک مقدار معین ہے جس میں کمی بیشی مقصود نہیں پھر کیا حاجت جو بروے احتیاط  
 اور تاکید کی جائے اور عدت طلاق کے ذکر کے بعد یہ بھی ارشاد کر دیا۔

وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي  
 أَنْفُسِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ  
 (اور ان کو حلال نہیں کہ چھپا رکھیں جو پیدا کیا اللہ نے ان  
 کے پیٹ میں اگر وہ ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور پچھلے



کیونکہ انتظار حمل کے سوا یہاں انتظار رضا و زوج بھی ہے اور صراطِ حیض اول تو منجملہ امور مخفیہ ہیں اور اگر ان کے لیے مقدار معین نہیں۔ موافق بعض مذاہب اور تالیس<sup>۹</sup> دن میں تین حیض متصور ہیں اور اس قدر مدت میں حمل اوروں پر خوب ظاہر نہیں ہو سکتا غرض انتظارِ ظہور حمل مقصود نہ تھا جو بیان مدت دربارہ ممانعتِ خفا کافی ہو جاتی اور صریحاً بوجہ خفا امرِ صراطِ حیض و عدم تعیین مدت چھپا لینے کا احتمال تھا اس لیے یہاں بقصرِ حج ارشاد کی ضرورت ہوئی۔

(طلاق کی عدت میں مقصود | باقی رہی یہ بات کہ عدت طلاق میں انتظارِ رضا بھی مقصود ہوتا ہے اور خاوند کی رضا بھی ہے) عدت وفات میں فقط انتظارِ حمل ہے۔ یہ خود ظاہر ہے رجعت کا طلاق

میں مقرر ہونا اور بے نکاح زوج کو زوجہ پر تصرف کر لینا خود اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح بالکل منقطع نہیں ہوا اور کیوں ہو حقیقت نکاح تراضیِ ظریفین تھی اور بنا بر تراضی اتحادِ نوعی اور احتیاجِ طرفین ہے جو ایک کو دوسرے سے لگی ہوئی تھی پھر احتیاج بھی ایسی ویسی نہیں بلکہ اس احتیاج کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ مرد و عورت کا دل مجتہد بنا یا گیا اور عورت منظرِ جمالِ محبوبیت بنائی گئی تاکہ احتیاج اپنے کمال کو پہنچ جائے۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر احتیاج کی کوئی صورت ہی نہیں کہ ایک عاشق ہو اور اہل فہم جانتے ہوں گے کہ جذبِ محبوب جذبِ محبوب سے کہیں زیادہ ہے۔ اس صورت میں یہ کب ہو سکتا ہے کہ محبتِ محبوب محبتِ محبوب سے کم ہو۔ ورنہ ضعفِ جذب جو آنا طلبِ محبت میں سے ہے ادھر ہوتا اور ادھر نہ ہوتا۔ اس صورت میں محبتِ محبوب، محبوب یکدگر ہوں گے اور محتاج یکدگر، مگر سوا اس کے اور احتیاجیں یا اس کے برابر ہوں گی یا اس سے کم تر وجہ اس کی یہ ہے کہ بنا بر احتیاجِ محبت پر ہی یا تو ہو یعنی عدت طلاق رجعی میں انتظارِ حمل رضا اگر لیے واسطہ محبت ہے تو وہ احتیاجِ عشق کی ہم وزن ہے بلکہ خود عشق ہے اور اگر بواسطہ ہے جیسے روپیہ وغیرہ وسائل و ذرائع رزق کی محبت جو بذاتِ خود فرض کرد محبوب ہے یا متعلقاتِ اشیاء وغیرہ محبوبہ ہی کی محبت۔ تو وہ اس سے کم تر، بہر حال احتیاجِ عشق و محبتِ جمال سے بڑھ کر کوئی احتیاج نہیں اور بنا بر طلاق ناخوشی اور شکر رنجی معاملات خانگی پر ہے اور ظاہر ہے کہ اتحادِ نوعی اور محبتِ عشقی کوئی امر تا پایدار نہیں جو یوں کہے کہ آج ہے کل نہیں۔ ہاں شکر رنجی معاملات بیشتر ایک امر تا پایدار ہوتا ہے اس لیے انتظارِ رضا نکاحِ ثانی کے لیے ضروری تھا۔ بالکل تقررِ رجعت جو عدمِ انقطاعِ نکاح پر دلالت



کرتا ہے ضرورت انتظار رضا کے لیے دلیل کامل ہے۔ ہاں جب دوبار یا تین بار پاک صاف ہو کر لباس زیر سے آراستہ ہو کر عورت پیش نظر ہے اور پھر بھی زوج کو ادھر التفات نہ ہو تو لیوں کو یہ ناخوش دلی بھتی اور یہ نفرت نہ دل کی بھتی جو باوجود اس بھلنے کے کچھ خیال نہ آیا۔ الغرض عدت طلاق میں ایسی ت مقرر کی گئی جس میں حفظ و نسب بھی ہاتھ سے نہ جائے اور نوبت تا مقدور مفارقت کو بھی نہ آئے جو مخالف اصل طبیعت اور منجملہ البغض المباحات ہے وجہ ثانی کا اس حکم میں ملحوظ ہونا تو آشکارا ہو چکا۔

(عدت میں حفاظت نسب کی کیفیت) | پر حفظ نسب کی کیفیت بیان کرنی ضرور ہے حالت حمل میں

سب جانتے ہیں کہ حیض بند ہو جاتا ہے۔ اس لیے ان ایام کے خون کو اگر اتفاق سے آجائے تو حیض میں شمار نہیں کرتے، مرض استحاضہ میں محسوب ہوتا ہے سو جب مکرر سہ کر حیض آیا تو احتمال حمل اصلاً نہ رہا، بایں ہمہ تقریباً یہ مدت بھی دس دن چار مہینے کے قریب آ پڑتی ہے۔ کیونکہ اکثر عورتوں کی عادت یہی ہے کہ مہینے میں ایک بار آئے اور زیادہ سے زیادہ دس دن آئے سو اگر شروع عطر میں کسی نے اپنی زوجہ کو طلاق دی تو ایک ایک ماہ کے تین طر اور تین حیض کا ایک ماہ جس کا ماحصل وہی چار ماہ نکلے مگر چونکہ خاوند یہاں زندہ ہے اور اس کو سب سے زیادہ اپنے نسب کے رہنے بگڑنے کا خیال ہے تو اس قسم کی احتیاط عورت کو کرنی ضرور نہ ہوئی جس قسم کی احتیاط عدت وقات میں ضروری تھی جو اور دس روز کا بھی حساب لگایا جاتا۔ (طلاق مغلطہ میں عدم انتظار رضا) | اب شاید یہ شبہ باقی ہو کہ طلاق مغلطہ میں تو احتمال رجعت باقی نہیں زوج کے شبہ کا ازالہ) پھر یہ عدت کا ہے کے لیے ہے اس کا جواب یہ ہے کہ چار ماہ

دس روز بغرض کمال احتیاط مقرر ہوئے تھے اور وجہ اس احتیاط کی یہی تھی کہ صاحب نسب مرگیا دوسروں کو ایسا کیا خیال ہوگا اور نہ حیض اس امر میں کافی تھا۔ کیونکہ حیض کا آنا خود حاملہ نہ ہونے کی دلیل ہے۔ سو جب صاحب نسب زندہ ہو تو پھر اس احتیاط کی کیا ضرورت۔ وہ خود تحقیق کرتا ہے گا بہت ہوگا تو مزید ہوگا کہ دو باتوں میں ایک ہے۔ خود محتاج ایہ سے بے واسطہ محبت ہو یا بواسطہ۔ اور انتظار تھا دونوں ہی کا۔ طلاق مغلطہ میں فقط انتظار حمل ہی رہ گیا۔

(طلاق مغلطہ میں عدت کا فائدہ خاوند کو ناشکری کی منرا میں ذہنی کوفت میں مبتلا کرنا بھی ہے) | بدلے ایک اور غرض ساتھ لگ گئی وہ کب زورج کا جلانا۔ یعنی جب طلاق ثالث کے بعد عورت نے مکرر (دل) بٹھایا تو اگر اس کو کچھ بھی محبت ہوگی



تو اب بجز سوز و گداز اور کیا ہاتھ آئے گا۔ اپنے جی میں حل بھن کر رہ جائے گا۔ اور اس کا یہ اضطراب و قلق اور یہ سوز و گداز آگے کو تو اس کے یوں کام آئے گا۔ اور عورت کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کرے گا۔ اور اوروں کو یوں مفید ہو گا کہ انہیں بھی اپنے دن نظر آئیں گے اور عبرت پکڑ کر ایسے خیالات سے باز رہیں گے کہ ہر حال طلاق خلاف مرضی خداوندی تھی اس لیے یہ جبر مانہ مقرر ہوا۔ سو یہ بات حیض و طہر ہی کے ساتھ خوب مربوط ہے دس دن چار ماہ کو اس سے علاقہ نہیں۔ کیونکہ اس عدد کو بچانے میں کچھ دخل نہیں علاوہ بریں کسی طلاق کا ثانی یا ثالث ہونا ایک امر اضافی ہے بلحاظ ماقبل یہ وصف اس پر عارض ہوتا ہے ورنہ فی حد ذاتہ اول اور دوم اور سوم سب برابر ہیں اور عدت مذکورہ حسب بیان بالا طلاق کے مقتضیات ذات میں سے ہے۔ یعنی یہ انتظار رضا بوجہ اتحاد نوعی محبت باہمی وقت تاخوشی قابل لحاظ تھا اور حرمت مغلطہ بوجہ امر اضافی مذکور عارض ہوئی اس لیے عدت جوں کی توں رہی۔ کیونکہ مقتضیات ذات عوارض خارجیہ کے باعث زائل نہیں ہو سکتے۔ ہاں جیسے نور شمس وقت کسوف زائل نہیں ہوتا چاند کی اوٹ میں ستور ہو جاتا ہے لازم مقتضیات ذات بھی عوارض خارجیہ کی آڑ میں مستور ہو جاتے ہیں اور اپنا اثر نہیں کرتے سو یہاں بھی بعینہ قصہ ہے کہ عدت وہی کی وہی رہی پر فائدہ عدت متفرع نہ ہو یعنی انتظار رضا بے کار گیا اور زوج اول کے ہاتھ پلے کچھ نہ پڑا۔ بالجمہ حالت عدت میں خاص کر عدت وقات اور عدت طلاق مغلطہ میں نکاح باقی نہیں رہتا اگر رہتا ہے۔ تو اس کا اثر یعنی احسان باقی رہتا ہے۔ سو اگر لفظ والمحصنات نہ فرماتے بلکہ والممتزوجات یا والمنکوحات فرماتے تو بارہ واجل لکم ما وراء ذلکم معتدہ طلاق مغلطہ اور معتدہ وفات دونوں حلال سمجھی جاتیں پر علت حرمت جوں کی توں باقی رہتی۔ چنانچہ بخوبی واضح ہو گیا۔ اس لیے جناب باری تعالیٰ نے لفظ والمحصنات اختیار فرمایا اور سو اس کے اور خدا جانے کیا کیا حکمتیں ہوں گی۔

(علت احسان سے متعہ حرام ہے) | لیکن جب وجہ اختیار لفظ والمحصنات معلوم ہو گئی اور معنی احسان بخوبی ظاہر ہو گئے تو اب التماس دیگر یہ ہے کہ یہی وجہ اور یہی معنی واجل لکم ما وراء ذلکم ان تبتنخوا یا موالکم محصنین غیر مصافحین (اور حلال ہیں تم کو سب عمر تیں ان کے سوا



بشرطیکہ طلب کردان کو اپنے مال کے بدلے قید میں لانے کو نہ مستی نکلنے کو) میں ملحوظ رکھنے چاہئیں بلکہ یہاں یہ لحاظ بدرجہ اولیٰ ضروری ہے اس لیے کہ غیر مسافحین بھی یہاں تو ساتھ لگا ہوا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ شہوت رانی مقصود نہ ہو غرض یہاں احصان مذکور زیادہ تر ملحوظ رکھنا ضروری ہے اور باوجود اس دلالت سیاق اور تاکید غیر مسافحین اگر احصان معنی مذکور ملحوظ نہ ہو تو یوں کہو کہ منکوحات امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم منجلد و ملحنت نہ ہوں اور سوا ان رشتہ داروں کے جن کے ساتھ نکاح کرنا حسب ارشاد سابق حرام ہو چکا ہے اور سب کو منکوحات امت محمدیہ سے حالت نکاح اول میں بھی نکاح درست ہو نعوذ باللہ منہا۔ ہاں اگر احصان کے یہ معنی نہ ہوتے اور وجہ امر احصان یہ نہ ہوتی جو بندہ کمترین عرض کر آیا ہے تو البتہ کسی صاحب کو مجال دم زندن بھی تھی مگر قطع نظر اس بات کے کہ اشارہ حفظ نسب جملہ احکام متعلقہ نکاح سے مترشح ہے۔ چنانچہ معروضات سابقہ اس باب میں کافی ہیں۔ اور وہ اشارات ارادہ معنی معروض پڑشل آفتاب روشن دلالت کرتے ہیں اور کوئی معنی یا وجہ اگر حکم احصان کے لیے تجویز کی جائے تو بجز اس کے اور کیا ہو کہ وجہ احصان انتساب فی ما بین یعنی عورت کا مرد کے نام لگ جانا موجب حکم احصان ہو اور تفسیر احصان غیرت جاہلیت اہل ہند ہو۔ یعنی تمام عمر کی عدت عورت کے ذمے پڑے۔ سو پہلے مضامین نے تسلیم کرنے کے لیے عقل جاہلانہ اور مذہب ہندوانہ کی ضرورت ہے اہل اسلام کو ایسے خرافات سے کیا مطلب۔

کون نہیں جانتا کہ باندی غلام بلکہ اور اموال مملوکہ بھی بعد مرگ مالک اس کی ملک خارج ہو جاتے ہیں۔ اجارات بعد موت مستاجر فسخ ہو جاتے ہیں سو ملک منافع بضعہ یا اجارہ نکاح ایسا کیا پائیدار اور مستحکم ہے جو بعد مرگ بھی باقی ہے ادھر طلاق خود قطع نکاح کے لیے موضوع ہے۔ نہایت کار ایک دار میں عقدہ نکاح منقطع نہ ہو۔ تین بار میں منقطع ہو جائے۔ آخر کلمہ تیسرہ وغیرہ آلات تجارت بھی جو قطع اشجد وغیرہ کے لیے موضوع ہوئے ہیں ایک بار اور ایک دار میں تو نہیں قطع کر دیتے۔ بالجلہ طلاق تو قطع نسبت عقد کے لیے موضوع ہے اور موت اگرچہ بالذات قاطع نسبت نہیں پر قاطع رشتہ حیات منتبین ہے مگر منتبین یا احد المنتبین نہ ہوں تو نسبت منقطع کیا معدوم ہی ہو جائے گی اس صورت میں بقار علاقہ نکاح کی تو کوئی صورت ہی نہیں۔

(وضع حمل سے پہلے حرمت نکاح کی حسی مثال) | ہاں ایسے کہے کہ جیسے ظروف مبیعہ میں بائع کا روغن پاشند و شیر وغیرہ مثلاً رکھا ہوا ہو۔ اور اس وجہ سے مشتری اپنا روغن وغیرہ تا وقتیکہ وہ ظروف خالی نہ ہوں۔



ان میں ڈال نہیں سکتا کیونکہ ڈال دے تو اتلاف حق غیر اور افساد حق غیر لازم آتا ہے یعنی بعد اختلاط تمیز حق مشکل ہے ایسے ہی تابقائے حمل زوج اول، زوج ثانی زراعت ولد یعنی جماع جس میں البقاء تحم ولد یعنی لطفہ ہوتا ہے۔ نہیں کر سکتا۔ ہاں مگر اتنا فرق ہے کہ روغن و شیر و غیرہ کا برتنوں میں رکھنا کوئی خواہش طبعی اور لذت قلبی نہیں جو بعد بیع قبل استفسار غلط و اندیشہ اختلاط ہو۔ ادھر روغن و شیر و غیرہ ایسی اشیاء نہیں کہ سوا ظرف اول بے نقصان اور کسی طرف میں منتقل ہی نہ ہو سکیں، بایں ہمہ قطع نظر تعلق حق غیر سے روغن و شیر و غیرہ ایسی اشیاء نہیں کہ زمین پر گرا دیجئے تو یہ گرا دینا اس کے حق میں کوئی ظلم و ستم سمجھا جائے اس لیے قبل استفسار یعنی خالی کرنے سے پہلے ان کی بیع میں کوئی نقصان یا اندیشہ نہ تھا البتہ قبل وضع حمل اگر نکاح تجویز کیا جائے تو یہ ساری عریاں موجود ہیں نہ یہ ہو سکے کہ شکم زوجہ سے نکال کر کسی اور شکم میں رکھ دیں نہ یہی ہو سکے کہ اگر زوج اول اپنے حمل کے نکلوانے میں دیر کرے تو زمین پر ہی گرا دیجئے کیونکہ قطع نظر حق زوج اول سے حمل کا گرا دینا بھی تو منجملہ خون ہے جو اول درجہ کا ظلم ہے بایں ہمہ یہ زراعت یعنی البقاء تحم لطفہ جو بوسیدہ جماع ہوتا ہے، ایسی خواہش غالب اور لذت عجیبہ ہے کہ بعد قدرت، صبر قریب محال ہے۔ اس لیے ایسے وقت میں اجتناب زنا کے وہ فضائل مقرر ہوئے کہ کیا کیئے، بایں نظر نکاح ہی ایسے اوقات میں ممنوع ٹھہرا یا گیا نہ یہ کہ بقاء نکاح، مانع نکاح ثانی ہے اور ظاہر ہے کہ بعد انقطاع نکاح اول سوا اندیشہ اتلاف حق غیر یا افساد حق غیر دوسروں سے نکاح کا ممنوع ہونا ایسا ہی ہے جیسا بعد انقطاع علاقہ ملک کسی غلام باندی کا کسی سے عقد اجارہ خدمت کا ممنوع ہونا سو جیسا اس کو کوئی عاقل تجویز نہیں کر سکتا ایسے ہی قطع نظر اتلاف و افساد حق غیر سے بعد انقطاع نکاح اول ممانعت نکاح ثانی کوئی تجویز نہیں کر سکتا۔ ورنہ قطع نظر مخالفت ہدایت کے پھر عدت ہی کی کیا تخصیص تھی مثل بیوگان، مہند ساری عمر ہی نکاح ممنوع ہونا تھا۔

بہر حال سوا اندیشہ اختلاط نسب وجہ ممانعت نکاح وقت بقاء نکاح اول یا وقت عدت اور کوئی امر نہیں اس لیے ایسے نکاح کی تحریم کے وقت ایسا لفظ جامع اختیار فرمایا جو اس وجہ مشترک پر دلالت کرے اور پھر اس کے بعد وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا دَرَأَ ذَلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرُ مُسَافِحِينَ۔ ارشاد کیا تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ جو عورتیں باقی رہیں وہ کیف ما اتفق حلال نہیں بلکہ بشرط ارادہ احصائے حلال ہیں ورنہ موافق قاعدہ مذکورہ لازم آتا ہے کہ منکوحا



اہل اسلام اوروں پر حرام نہ ہوں۔ کیونکہ جب احسان ملحوظ نہ رہا تو وہ منجملہ محسنات نہ ہوئیں سو جو لوگ ایسے ہوں کہ ان سے کوئی رشتہ موجب حرمت منجملہ رشتہ ہائے مذکور الصدر نہ ہو ان سے نکاح حرام نہ ہو۔

(حرمت متعہ کی وجہ شہوت رانی ہے) | مگر جب معنی احسان اور تفسیر احسان یہ ٹھہری جو اوپر معرض ہوئی تو نکاح متعہ حلال نہیں ہو سکتا کیونکہ وہاں شہوت رانی مقصود ہوتی ہے۔ احسان مقصود نہیں ہوتا۔ اگر احسان مقصود ہوتا تو عدت ضرور مقرر ہوتی کیونکہ تا بقار مدت متعہ خاوند جماع کا مجاز ہے اور کیوں نہ ہو عورت کو اور نوکر ہی کلمہ کے لیے رکھا ہے اور جب آخر ساعت مدت متعہ میں جماع کی نوبت آئی تو پھر احتمال حمل باقی ہے اس صورت میں عدت کا مقرر ہونا ضرور تھا حالانکہ باقرار شیعہ متعہ میں عدت نہیں ہوتی اور کلام اللہ میں اس کی عدت کہیں مذکور نہیں۔ یعنی جیسے عدت طلاق اور عدت وفات جدا جدا کلام اللہ میں مذکور ہیں عدت متعہ جدا گانہ کلام اللہ میں کہیں مذکور نہیں۔ الغرض نہ شیعہ اس بات کے قائل ہیں کہ عدت متعہ مثل عدت طلاق یا عدت وفات ہے اور نہ کلام اللہ سے اس کا کہیں پتہ نکل سکتا ہے۔

(از روئے عقل متعہ عدت کا متقاضی نہیں) | اور یہ عدم عدت متعہ بروئے عقل بھی دیکھئے تو بجائے خود ہے کیونکہ یہاں نکاح متعہ وقت اختتام مدت تمام ہو چکا اور ظاہر ہے کہ کسی شے کے تمام ہو جانے کے بعد اس کے آثار باقی نہیں رہ سکتے ہاں انقطاع شے کے بعد وہ آثار بواسطہ اتصال ظاہر ہوتے تھے کسی قدر باقی رہتے ہیں مثلاً ایک تو درخت کا تمام ہو جانا ہے اس صورت میں تو آثار نموبھی مثل تازگی وغیرہ ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اگر شاخ درخت سے ٹلی ہوئی کوئی چوب خشک رکھی ہوئی ہو تو آثار نمو یعنی تازگی اس میں نہیں جاتی اور اگر درخت کو یا اس کی شاخ کو قطع کر دیجئے تو وہ تازگی جو اوپر کے کسی ٹکڑے کو بوجہ اتصال نیچے کی طرف پہنچی تھی کس قدر دیر تک باقی رہتی ہے اور پھر ایک زمانہ معین کے بعد مبدل خشکی ہو جاتی ہے۔ سو ایسے ہی نکاح حلال اور متعہ میں فرق ہے۔ متعہ میں تو ملک منافع اختتام کو پہنچ جاتی ہے اور طلاق و وفات میں ملک نکاح منقطع ہو جاتی ہے اگر ان دونوں کی نوبت نہ آئی تو نکاح کے بقا میں کوئی شک نہیں اور متعہ میں ظاہر ہے کہ طلاق دو یا نہ دو مر و یا نہ مر و بعد اختتام مدت مثل دیگر اجارات تمام لازم آجاتا ہے سو یہ عدم جواز نکاح ثانی جو آثار و لوازم نکاح اول میں سے تھا نکاح متعہ میں باقی ہے تو کیونکہ یہاں اگر نکاح حلال کے انقطاع کے بعد جو کسی قدر باقی رہے تو بجائے خود ہے



(استبراء کا عذر لنگ مفید نہیں) | اس صورت میں اگر کوئی شیعہ بوجہ دور اندیشی آج استبراء کی کچھ بھی لگائے تو اس کا کیا جواب دیں گے کہ یہاں استحقاق استبراء زوج اول کو باقی نہیں کیونکہ اس کا حق تمام ہو چکا منقطع نہیں ہوا اگر منقطع ہو جاتا تو مضائقہ بھی تھا غرض نہ نکاح اول باقی ہے نہ اثر نکاح اول پھر استحقاق زوج اول ہی کیا ہے جو ثانی سے معاملہ نہ ہو سکے۔ ہاں اگر ممانعت نکاح محضات کی علت سواہ پاس زوج اور کوئی امر ہوتا تو مضائقہ بھی نہ تھا مگر ناظران تقاریر گذشتہ پر یہ بات بخوبی واضح ہے کہ یہ ممانعت بے شک بوجہ حق زوج ہے اور کیوں نہ ہو۔ ازواج متعدد ہوں تو شہوت رانی میں چندال صرح نہیں تولد اولاد میں کچھ نقصان نہیں اگر شہوت رانی کو تعدد ازواج مانع ہوتا تو زندگیوں کی دوکان کا ہے کہ چلتی۔ تولد اولاد میں نقصان کا خیال تو غلط۔ ہاں اُمید کیے تو بجا ہے ایک زوج ہو تو یہ بھی احتمال ہے کہ عنین ہو یا اس کا نطفہ صالح نہ ہو متعدد ہوں تو یہ احتمال بھی اٹھ جاتا ہے غرض تکثر بنی نوع اور تکثر نسل حضرت آدم میں یہ امر خارج نہیں۔ ہاں بنی آدم بوجہ اتلاف و افساد حقوق یقینی تھا اس لیے ممنوع ٹھہرا گیا۔ (زن متعہ کو باندی پر قیاس کرنا باطل ہے) | باقی رہا باندیوں پر قیاس کرنا اس سے بھی بڑھ کر جہالت ہے۔ کیونکہ وہاں نکاح زوج اول یعنی کا فہم نہیں ہوتا۔ علیٰ ہذا القیاس ملک ملک اول تمام نہیں ہوتے یہ دونوں منقطع ہو جاتے ہیں اگر تمام ہوتے تو بے اثر نہ رہا بے معنی بھی وقت معلوم پر زوج اول اور ملک اول سے زمان معلومہ جدی ہو جاتیں اور جب انقطاع کھڑا تو اب عدت بوجہ مذکور بجائے خود ہے مگر چونکہ بشادت آیت۔

فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ (پ ۴۷)

(تو اگر کہیں بے حیائی کا کام تو ان پر آدھی سزا ہے)

(بیبیوں کی سزا سے)

جو چند آیتوں کے بعد آگے موجود ہے یہ بات معلوم ہوئی کہ احترام اِماء مثل احترام حرائر نہیں بلکہ باندیوں کا احترام حرائر سے آدھا ہے تو عدت اور طلاق بھی ان کی آدھی مقرر ہوئی کیونکہ یہ دونوں باتیں بھی بوجہ احترام ہی مقرر ہوئی ہیں یعنی بایں نظر کہ اولاد حرائر زیادہ مرغوب و معزز سمجھی جاتی ہے۔ تو ان کی اولاد کا نسب بھی زیادہ قابل حفاظت سمجھا گیا اس لیے ان کے لیے پوری عدت مقرر ہوئی یعنی وہ مقدار مقرر ہوئی جو بشادت عقل زیادہ سے زیادہ ہے مگر جب باندیوں کی اولاد زیادہ معزز اور محترم نہ ہوئی تو بقدر کمی احترام احتیاط اور حفظ میں کمی آئے گی سو وہ کمی چونکہ بقدر نصف تھی تو طلاق عدت میں بھی



مثل حدود و تناصف لازم آیا۔ اس لیے کہ علت تنصیف دونوں جا موجود ہے یعنی تناصف

احترام ہی باعث تناصف عذاب ہوا تھا۔

قاعدہ ہے جن کا اعزاز زیادہ کیا جاتا ہے انہی سے مواخذہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ع

نزدیکاً نرا بیش بود حیرانی

انسان کو ترک صوم و صلوٰۃ اور ارتکاب ظلم و فساد اور زنا اور شرب خمر وغیرہ پر عذاب ہوگا  
جانوروں کو نہ ہوگا۔ وجہ کیا ہے؟

یہی احترام و اکرام بنی آدم اور عدم احترام و اکرام حیوانات ہے اسی طرح تناصف احترام  
موجب تناصف طلاق اور تناصف عدت ہونا چاہیے۔

(باندی میں طلاق کی تجزی نہ ہونے کی وجہ) | ہاں اتنا فرق ہے کہ ماہیت عذاب مشار الیہ یعنی حدود اگرچہ

قابل تنصیف حقیقی نہیں پر عدد عذاب یعنی حدود قابل تنصیف حقیقی ہے۔ اس لیے تو ستودہوں کی  
جاپچاس اور اسی کی چالیس مقرر ہوئے مگر طلاق کو دیکھا تو زمانہ ماہیت طلاق قابل تنصیف ہے اور  
نہ عدد طلاق لائق تنصیف۔ عدد کا قابل تنصیف نہ ہونا تو اس کے طاق ہونے سے ظاہر ہے اور اگر  
کسی کو بوجہ تجویز کسور شبہ واقع ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسور محدود میں ہوتی ہیں عدد میں نہیں ہوتی  
ورنہ وحدات یا احاد عدد، وحدت، واحد نہ رہیں مرکب اور متعدد ہو جائیں اس سے زیادہ علماء کو  
ضرورت نہیں اور کم فہم زیادہ بھی بدقت ہی سمجھیں گے رہی ماہیت طلاق اس میں تنصیف درکنار  
مطلق انقسام ہی کی گنجائش نہیں۔ ہاں وہ اگر منجملہ کمیات ہوتی ہو تو یہ بات ہوتی البتہ بوسیۃ عدد انقسام  
عددی متصور ہے۔ اس لیے اس کی طلاق مغلطہ دوسری طلاق ہوگی کیونکہ اگر بالفرض کوئی شخص بزوجہ خود  
آدھی طلاق دے تو اس کے اقرار کے موافق وجود مادہ طلاق تو ہوا مگر طلاق واحد حسب بیان بالانہ باعتبار  
ماہیت قابل تقسیم ہے نہ باعتبار عدد جو یوں کہا جائے کہ آدھی آدھی نہیں اس لیے جب ہوگی تو پوری  
ہی ہوگی۔

(حیض و طہر بذات خود قابل انقسام نہیں) | علیٰ ہذا القیاس عدت طلاق کو خیال فرمائیے کیونکہ حیض و  
طہر بذات خود تو قابل انقسام ہی نہیں اگر ہیں تو باعتبار زمانہ قابل انقسام ہیں وجہ اس کی اسی سے  
ظاہر ہے کہ ان کے لیے کوئی مقدار معین نہیں یعنی کوئی ایک زمانہ مقرر نہیں کہ اس سے کچی بیشی متصور  
www.jmmpak.tk



نہ ہو قلیل و کثیر سب پر ان دونوں کا اطلاق درست ہے سو یہ بات کہ قلیل و کثیر دونوں پر برابر اطلاق ہو  
 سکے اشکال و صورت یعنی حدود کے خواص میں سے ہے خواہ وہ شکل و صورت مدرکات بصری میں سے ہو  
 یا کسی اور حاسہ کے مدرکات میں سے ہو۔ غرض اس جگہ صورت مصطلع اہل منطق سمجھنی چاہیے صورت  
 حاصلہ فی العقل سے جو وہ مراد لیتے ہیں وہی مراد لیتا ہوں۔ اور وجہ اس اختصاص کی کہ اس قسم کا اطلاق  
 انہیں کے ساتھ مخصوص ہے یہ ہے کہ حدود و صورت اگرچہ حدود و صورت کمیات و مقادیر کیوں نہ ہوں اقسام  
 کیف میں سے ہیں اقسام کم میں سے نہیں جو مقدار کی کمی بیشی باعث اختلاف مقصود ہو جائے اگر مثال سے  
 تسکین خاطر مقصود ہے تو سینے کسی کی تصویر اس سے چھوٹی ہو یا اس سے بڑی، صورت وہی کی وہی  
 رہتی ہے ورنہ تبدیل صورت ہوا کرتا تو پھر اس کا تصویر ہونا اور اس پر اس کا دلالت کرنا غلط ہو جاتا۔  
 اس سے صاف ظاہر ہے کہ کمی بیشی معروض تصویر میں ہوتی ہے خود تصویر میں نہیں ہوتی اس صورت میں  
 حیض و طہر کا انقسام بھی بذات خود ممکن نہ ہوا جو ثلاثہ قرد کی جگہ باندیوں کے لیے ڈیڑھ قر، بلاکم و کاست  
 مقرر ہو اس صورت میں جب ڈیڑھ قر کسی کے ذمہ رکھا جائے گا تو پورے دو ہی قر لازم آئیں گے۔  
 (معنی قر میں حنفی شافعی اختلاف اور اگر قر بمعنی حیض ہے جیسے حنفی کہتے ہیں تو دو حیض۔ اور  
 علم ریاضی سے اس کی وضاحت) بمعنی طہر ہے جیسے شافعیوں کا مذہب ہے تو دو طہر ہاں  
 معروض طہر و حیض یعنی زمانہ مثل معروض تصویر البتہ محل انقسام ہوتا ہے سو وہ اور چیز ہے اس سے یہاں  
 بحث نہیں۔ بحث کے قابل یہ بات ہے کہ تصویر یعنی وہ صورت جو کاغذ وغیرہ پر مرقوم ہوتی ہے۔  
 قطع نظر کاغذ سے بھی قابل انقسام ہے یا نہیں۔ سوال فہم سلیم پر روشن ہو گا کہ اگر وہ اس طرح قابل انقسام  
 ہوتی تو لاریب اس کے لازم ذات بھی قابل انقسام ہوتے اگر صورت حسین ہو تو حسن بھی بعد انقسام منقسم  
 ہو اور قبیح ہو تو قبیح بھی بعد انقسام منقسم ہو۔ علیٰ ہذا القیاس در صورت حسن جس قدر محبت پوری صورت  
 سے ہٹتی وقت تنصیف وہ بھی نصفاً نصفی ہو جائے حالانکہ تنصیف میں تو بہت کچھ نقصان آجاتا  
 ہے۔ یہاں تو فقط ایک آنکھ ناک کی کمی بیشی میں حسن مبدل بقیح ہو جاتا ہے۔ اور محبت مبدل بنفرت  
 سو وجہ اس تبدیل و انقلاب کی یہی ہے کہ صورت سابقہ منقسم نہیں ہوتی بلکہ بدل جاتی ہے اور  
 کیونکہ نہ ہو بعد انقسام منقسم کا اقام پر صادق آنا ضرور ہے۔ غلہ آب زمین وغیرہ اشیاء کو اگر تقسیم کرتے  
 ہیں تو تمام اقسام اور اجزاء کو بعد تقسیم بھی غلہ، آب، زمین ہی کہتے ہیں اور صورت کا یہ حال ہے کہ بعد



عروض اس حالت کے جس کو بظاہر انقسام کہتے طلاق مقسم درست نہیں ہوتا بلکہ اس کا اور کچھ نام ہو جاتا ہے مثلاً مربع کو اگر قطر وغیرہ سے تقصیف کیجئے تو پھر ان ٹکڑوں کو جو بعد انقسام مشار الیہ حاصل ہوئے ہیں مربع نہیں کہہ سکتے بلکہ شدت یا منحرف کہیں گے۔ وجہ اس انقلاب کی وہی ہے کہ یہ تقسیم صورت مربع پر عارض نہیں ہوتی بلکہ معرض مربع اعنی سطح پر عارض ہوتی ہے۔ اس لیے طلاق سطح ہنوز بدستور ہے۔ مگر چونکہ سطح مذکور کو بوجہ عروض صورت مربع، مربع کہہ دیتے ہیں اس لیے عوام کو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مربع اعنی صورت مشار الیہ منقسم ہو گئی اسی طرح آب و زمین وغیرہ اشیاء جنس کو سمجھئے کہ جو چیز قلیل و کثیر پر برابر بولی جاتی ہے وہ صورت آب و زمین ہے مگر وہ قابل انقسام نہیں اور جو چیز قابل انقسام ہے وہ معرض صورت آب ہے وہ بیوٹی ہو یا اجزاء لایتمزبی یا بعد مجرد۔ سو کوئی صاحب اس بات سے کہ آب بعد انقسام پھر آب ہی رہتا ہے حالانکہ قلیل کثیر پر بولا جاتا ہے دھوکا نہ کھائیں اور اس بات کو غلط نہ سمجھیں کہ جو چیز قلیل و کثیر پر یکساں بولی جائے وہ مثل صورت حدود قابل انقسام نہیں ہوتی وجہ اس شبہ کی یہ ہے کہ کبھی حدود خود محدود ہو جاتی ہیں۔ جیسے سطح حد جسم ہے اور بہ نسبت خطوط خود محدود ہے۔ سو ایسی ہی چیز میں ایک حد ہوتی ہے ایک محدود ایک صورت ہوتی ہے، ایک معرض۔ صورت انقسام تو عوارض محدود و معرض میں سے ہوتا ہے۔ اور اطلاق علی القلیل و الکثیر لازم و موجبات صورت و حدود میں سے ہوتا ہے اور جہاں دونوں باتیں مجتمع ہو جاتی ہیں یعنی ایک شے کسی کی حد اور صورت ہو اور کسی کی محدود اور دو صورت۔ تو انقسام اور عدم انقسام کا بھی یہی حال ہو گا کہ ایک اعتبار سے انقسام ہو گا اور ایک اعتبار سے نہ ہو گا۔ مثلاً سطح اگر منقسم ہے تو عرض و طول میں منقسم ہے مگر اس اعتبار سے وہ حد اور صورت جسم نہیں۔ حد اور صورت جسم ہے تو باعتبار عمق ہے اور ظاہر ہے کہ اس اعتبار سے سطح قابل انقسام نہیں۔

القصة حیض و طہر طہارت و نجاست منجملہ صور و حدود ہیں اور احکام دینے میں بحیثیت صورت ہی ملحوظ ہیں۔ کیونکہ ان سے یا تحدید زمانہ مقصود ہے جیسے عدت میں ہوتا ہے یا تقیید مکلفین مثلاً جب یوں کہتے ہیں کہ نماز بے وضو درست نہیں تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ مومن مطلق کی نماز صحیح نہیں بلکہ مومن ظاہر کی نماز صحیح ہے سو جیسے غسل، وضو قابل انقسام نہیں ورنہ آدھے وضو سے آدمی نماز صحیح ہو جایا کرتی اور آدھے غسل سے اس کے متعلق آدھے کام نکل آیا کرتے۔ ایسے ہی حیض و طہر



کو سمجھئے۔ سو جب ان میں انقسام ہی نہیں تو اگر کہیں نصف حیض یا نصف طہر لازم آئے گا تو سارا ہی حیض و طہر لازم آئے گا کیونکہ آدھا کہو یا ستائی وجود مادہ پر دلالت کرتا ہے مگر مادہ چونکہ قابل انقسام نہیں اور صرف قلیل و کثیر پر اطلاق برابر درست ہے تو آدھا ہے جب سارا ہوگا اور ستائی ہے جب سارا ہوگا۔

(استبراء بیک حیض اور عدت کامل میں فرق) اور استبراء بیک حیض جو بعد ملک باندیوں کے باب

میں ضرور ہوا اور تین حیض بے نہ دو۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عدت طلاق میں فقط حفظ نسب ہی مقصود نہ تھا بلکہ انتظارِ رضا زوج بھی ملحوظ تھا تو یہاں انتظار تو ہے نہیں اگر ہے تو فقط حفظ نسب ہے اس کے لیے ایک حیض کافی ہے کیونکہ حیض آنا حمل کے نہ ہونے کے لیے دلیل کامل ہے بایں ہمہ اندیشہ اثبات افساد حق غیر نہیں کیونکہ اگر حمل ہوا بھی تو وہ بھی اپنی والدہ کے ساتھ داخل ملک مالک ہو چکا۔ اس لیے زیادہ احتیاط کی ضرورت نہ ہوئی مگر بہر حال یہاں بھی القطار نکاح ہے اتمام نکاح نہیں جو زن متعہ کو ملک یمین پر قیاس کر کے استبراء کا قائل ہو جائے۔ اس تقریر سے یہ شبہ بھی مرفوع ہو گیا کہ عدت متعہ کلام اللہ میں مذکور نہیں تو کیا ہوا استبراء زن غنیمت اور باندیوں کی عدت بھی مذکور نہیں۔ کیونکہ یہ سب کلام اللہ ہی سے ثابت ہوا۔ بایں ہمہ ان وجوہ میں سے ایک وجہ بھی مذکور ایسی نہیں جو زن متعہ کو اس وجہ سے ان احکام میں سے کسی میں شریک کر دیجئے اور نہ اشارۃً بقیامت تک علماء شیعہ کو کوئی وجہ مقتضی استبراء عقتل و نقل سے ہاتھ آئے بلکہ برعکس آرزو شیعہ وجوہ عدم استبراء عقتل و نقل سے نمایاں ہیں۔ سو اگر علماء شیعہ کو عقتل و نقل سے سرکار ہے اور اس دین کو موافق اشارہ و یَعْلَمُہُ الْکِتَابُ وَالْحِکْمَةُ عین حکمت سمجھتے ہیں تو عدم وجوب استبراء کے قائل ہوں گے اور پھر وجہ عدم دخول فی المحصنات متعہ کی حرمت پر ایمان لاویں گے۔ ورنہ وہ جانیں۔

بالجملہ جملہ محصنین الخ اس پر شاہد ہے کہ وہ عورتیں جن کو مَا وَرَاءَ ذَٰلِکُمْ کیے اگر حلال ہیں تو بشرط احصان حلال ہیں اور ظاہر ہے کہ رعایت احصان ان عورتوں کے محصنات بنانے کو مقتضی ہے اور بالاتزام زن متعہ کی حرمت پر دلالت کرتا ہے۔ غرض یہ مضمون البیاعہ نہیں کہ زن نکاح اور زن متعہ دونوں کو شامل ہو اور تفریع فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ از قسم بیان احکام خاص بعد ذکر العام ہو۔



(استملاء کا مفہوم و مطلب) ہزار افسوس علماء شیعہ نے استمتعہ کی میم تا عین کو تو دیکھا پر نہ دیکھا کہ اگر یہ کلمہ متعہ پر دلالت کرے گا تو یہ قصہ ایسا ہو جائے گا۔ جیسے کہا کرتے ہیں "بیابان میں بیچ کا لیکھا" اول کلام معارض کلام آخر، اور آخر معارض اول ہو جائیں گے۔ مگر ہاں شاید علماء شیعہ نحوذ باللہ نحوذ باللہ خدا کو بھی اپنی طرح دروغ گو سمجھتے ہیں۔ اور اپنی شرم اتارنے کہ حافظہ نباشد کا الزام خدا کے ذمہ لگاتے ہیں۔ سبحان اللہ اس خوش فہمی کے قربان جائیے کہ میم، تا، عین کے بھروسے سینوں سے الجھنے کو تیار ہیں۔ اگر ان خرابیوں پر نظر نہ تھی جو مذکور ہوئیں تو معنی لغوی استملاء کو دیکھتا تھا کہ کیا ہے۔ بوستان گلستان کے پڑھنے والے بھی اتنا تو جانتے ہیں کہ یہ مادہ بمعنی انتقل آتا ہے۔ بوستان کا یہ مصرعہ "تمتع زہر گوشہ نیا فتم" علماء شیعہ کو بھی یاد ہو گا۔ اور استاد کے بتلائے ہوئے معنی بھی محفوظ ہوں گے۔ اگر لغات عرب اور محاورات کلام اللہ سے جاہل تھے۔ تو گلستان بوستان تو عربی کی کتاب بھی نہ تھی۔ جیسے زبان اردو میں عربی فارسی وغیرہ الفاظ داخل ہو گئے ہیں ایسے ہی حضرت سعدی کے زمانہ کی فارسی میں سینکڑوں الفاظ عربی داخل ہو گئے تھے منجملہ ان کے لفظ تمتع بھی تھا۔ اگر اسی قرینہ سے یہ سمجھ لیتے کہ لفظ استمتعہ بمعنی انتفعم ہے تو کوئی بڑی بات نہ تھی مگر ہاں یوں کیے بھولوں کہ دو اور دو چار روٹیاں ہی سمجھ میں آتی ہیں جہاں میم، تا، عین ہو وہاں موافق آرزو پنہانی شیعوں کے مرد عورت کو متعہ سمجھ میں آتا ہے لیکن یہ بات تھی تو اس مطلب کے لیے آیت فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحُلِّ زِيَادَةً مِّنَ الْحُلِّ بِإِذْنِ اللَّهِ بیان مدت اور تحدید زمانہ کے لیے عمدہ ماخذ تھا کیونکہ آیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَلَهُنَّ أَجُورُهُنَّ فَرِيضَةٌ مِّمَّنْ لَّكُنَّ لَفْظُهَا ایسا نہیں جو تحدید مدت پر دلالت کرے اور متعہ کے لیے وجہ ثبوت بن جاتی۔ اور اگر قرأت عبد اللہ بن مسعودؓ میں الی اجل مبین بھی ہے تو وہ مثل الی الحج متواتر نہیں بلکہ قرأت شاذہ میں سے ہے اور جب سینوں کے نزدیک وہ قرأت شاذ ہوئی تو پھر اس کے بھروسے ان کا الزام دنیا شیعوں کی غلط فہمی ہے۔

(شیعہ کے نزدیک متعہ نکل سے افضل ہے) دوسرے نکاح اور متعہ میں اگر بظاہر ایک نوع کا تجانس ہے تو درحقیقت بون بعید اور فرق زمین و آسمان ہے۔

نکاح ایک ہو یا ہزار نہ حضرت امام الشہداء (در کر بلا) امام حسین رضی اللہ عنہ کا رتبہ بڑے نہ حضرت سبط اکبر رضی اللہ عنہ کا درجہ میسر آئے نہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا مقام حاصل ہونہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام حاصل ہونا۔



اللہ و علی آلہ و سلم کا منصب نصیب ہو۔ اور متعہ کا یہ رتبہ کہ ایک (مرتبہ) کرے حضرت سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ کی مسند اڑائے اور دو کرے تو حضرت سبط اکبر کی گدی اڑائے اور تیسرا کرے تو پھر حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی قدر و منزلت میں شریک ہو اور چوتھی میں تو خود حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہیمہ بوجائے۔ اور پھر قیاس کو دوڑائے تو حسب خیالات و افہام شیعہ پانچویں متعہ میں خدا ہونے کی امید کا موقع ہے۔ ادھر غسل میں یہ پاکیزگی کہ ہر قطرہ خمیر یک ملک (فرشتہ) ہے جس کو سوا تبیع و تقدیس ربانی اور کچھ کام نہ ہو۔ اس صورت میں متعہ کا نکاح کے ساتھ بیوند ایسا ہے جیسا خراب مرد بازاری سے تاج شاہانہ کو سی دیکھئے۔

لے کتب شیعہ سے متعہ کے ان فضائل کا ثبوت موجود ہے۔ دیکھو شیعہ مفسر اپنی تفسیر منہج الصادقین میں نقل کرتا ہے "من تمتع مرقکان درجۃ الحسن علیہ السلام ومن تمتع مرتین فدرجۃ الحسن علیہ السلام ومن تمتع ثلاث مرات کان درجۃ علی بن ابی طالب علیہ السلام ومن تمتع اربع مرات فدرجۃ کدرجۃ یعنی ہر ایک مرتبہ کو درجہ و چون حسین علیہ السلام باشد و ہر کہ دو بار متعہ کند درجہ و چون مرتبہ باشد و ہر کہ سہ بار متعہ کند درجہ و چون مرتبہ باشد و ہر کہ چار بار متعہ کند درجہ او مانند درجہ من باشد۔ تفسیر منہج الصادقین ص ۲۹۳ مطبوعہ تہران - ۱۲ محمد شرف لکھنؤ ہر کہ بچار در مدت عمر خود متعہ کند از اہل بہشت باشد و ہر کہ گاہ و متمتع و متمتع باہم بنشیند فرشتہ برایشاں نازل گردد و حر است ایشاں کند تا آنکہ از آن مجلس برخیزند و اگر باہم سخن کنند سخن ایشاں ذکر و تسبیح باشد و چوں یکہ گرہ بوسہ بند حق تعالی بہر بوسہ حجتی و عمرہ برائے ایشاں بنویسد و چوں خلوت کنند بہر لذتے و شہوتے حسنہ برائے ایشاں بنویسد مانند کہ ہمارے برفراشتہ، بعد از اں فرمود کہ جبریل مرا گفت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ می فرماید کہ چوں متمتع و متمتع بر خیزند و بغسل کردن مشغول شوند و بغسل در حالتیکہ عالم باشند یا آنکہ من پروردگار ایشاں گواہ شوید بر آئینہ من آئینہ ایشاں را و آب برہیج موئے از بدن ایشاں نگرند و مگر کہ حق تعالیٰ بہر موئے دہ حسنہ برائے ایشاں بنویسد و دہ سیئہ محو کند و دہ درجہ رفع نماید۔ پس امیر المؤمنین علیہ السلام برخاست و گفت "انا مصدقک" من تصدیق کنندہ ام تر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چیست جزائے کسے کہ در این باب سعی کند؟ فرمود "لے اجرہا" مراد را باشد اجر متمتع و متمتع۔ گفت یا رسول اللہ اجر ایشاں چه چیز است؟ فرمود چوں بغسل مشغول شوند بہر قطرہ آب کہ از بدن ایشاں ساقط شود حق تعالیٰ فرشتہ بریافتند کہ تبیع و تقدیس او سجاہ کند و ثواب آل از برائے غاسل ذخیرہ باشد تا روز قیامت۔



دامتہ سے متعہ کے فضائل دراصل ہاں اگر حج کعبہ سے متعہ کو چڑیئے تو برفے باطن تو یہ مناسبت کرج متعہ حج کے لیے ہیں) اگر موجب مغفرت معافی ہے تو متعہ سرمایہ ترقی مدارج ہے وہ اگر عنوان محبت ہے تو یہاں مصداق محبوبیت ہے۔

تفصیل اس اجمال کی احکام حج اور فضائل متعہ سے عیاں ہے۔ احرام۔ سر و پا پر ہنہ نعرہ لبیک زبان حجر اسود کا بوسہ اور ملتزم کی ہم آغوشی اور کعبہ کا طواف اور کوچہ صفائیں مائے مائے پھرنا۔ رمی جملہ، ناصح نادان کو سنگ باراں کرنا اور پھر آخر کار قربانی۔ یعنی جان و مال کو قربان کر دینا یہ سب عاشقوں کے کام ہیں اور مقامات حسنین رضی اللہ عنہما اور مناصب حضرت امیر رضی اللہ عنہ، اور مدارج حضرت بشیر و نذیر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام میں سرمایہ محبوبیت ہے۔

ادھر نکاح میں بجز حصول اولاد یا قضا بہتوت اور کچھ منفعت دینی ہے نہ دنیوی اس لیے وہاں اگر مہر میں زخارف دنیوی مقرر کئے جائیں تو بجائے خود ہے۔ پر متعہ جیسی افضل العبادات کے اجر میں مال دنیا کا دینا لاریب موجب تو نہیں ہے۔ ہاں جیسے نکاح میں باموال حکم فرمایا ہے متعہ میں اگر بالعمرة فرمائیں تو البتہ کچھ ٹھکانے کی بات ہے پھر اگر الی الحج کو غایت تمتع نہ کیئے بلکہ بیان تحدید عوض متعہ ہو یعنی عمرہ سے لے کر حج تک جو کچھ ثواب اور برکات میسر آئیں وہ سب اجر و مہر متعہ قرار دیا جائے اور تحدید مدت مثل لفظ استمتعتم لفظ تمتع کے مدلولات میں سے کیئے تو گو تحدید مدت متعہ کہیں سے بتصریح ثابت نہ ہوگی اگر ہوگی تو بدلات وضع مادہ متعہ ثابت ہوگی مگر اس صورت میں فضیلت متعہ کی طرف زیادہ تر اشعار ہو جائے گا ادھر جزا فہما استیس من الہدٰی کی وجہ موجب ہاتھ آجائے گی یعنی در صورتیکہ اس متعہ کو جو آیت فہم تمتع میں اس کی طرف اشارہ ہے متعہ حج کیسے جیسا تمام امت کہتی ہے۔ تو یہ حکم ہدیٰ بوجہ شکر توفیق جمع عمرہ و حج سمجھا جاتا تھا اور جب اس متعہ کو متعہ زن قرار دیا جائے اور اس کے لیے اس قدر ثواب و مدارج تجویز کئے جائیں تو پھر بدرجہ اولیٰ شکر مذکور لازم آئے گا کیونکہ اس صورت میں اپنی جان بھی قربان ہو جائے تو بجا ہے وصال جاناں اور رضائے جان آفریں دونوں موجود ہیں۔ بہر حال اگر یہی نخل بے جوڑ قصہ ہے تو مطلب برآر ہی شیعہ آیت فہما استمتعتم بہ منہ من سے اس قدر متصور نہیں جس قدر آیت فہم تمتع سے اس مطلب کے حصول کی امید ہے۔



(آیت تمتع حج کی طرح آیت فہما استمتعتم | ہاں اگر اس پر نظر ہے کہ کلام ربانی میں تحریف معنوی نہ ہونے سے بھی متعہ مراد لینا بالکل باطل ہے) پائے اور تعارض اول آخر کی نوبت نہ آئے بلاغت کلام ہاتھ سے نہ جائے اور حکمت عقلی قانون نقل سے ٹکرنہ کھائے تو پھر نہ آئے فَمَنْ تَمَتَّعَ سے یہ مطلب نکل سکتا ہے اور نہ آیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِہِ مِنْہُمْ سے یہ کام چلتا ہے آیت فَمَنْ تَمَتَّعَ میں بشادت سیاق و سباق انتفاع دو عبادتوں سے ایک احرام میں مراد ہے۔ اور آیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ میں انتفاع جماع و خلوت مقصود ہے یعنی اگر بعد نکاح خلوت صحیحہ کی نوبت آجائے تو پھر جتنا مہر مقرر ہو لیا ہے سارا کا سارا دینا آئے گا چنانچہ اَجُودَہُنَّ کے بعد لفظ فَرِیضَۃً اسی لیے بڑھایا ہے اور وجہ اس ارشاد کی یہ ہے کہ اگر بالفرض بعد نکاح قبل خلوت زن منکوحہ کو اس کا شوہر طلاق دیدے۔ تو موافق ارشاد آیت

وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْہُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمْسُوْہُنَّ  
وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَہُنَّ فَرِیضَۃً فَنِصْفُ  
مَا فَرَضْتُمْ اِلَیْہِ (بقرہ ۷۳)

(اور اگر طلاق دواں کرنا کھانے سے پہلے اور کھڑا چلے تم ان کے لیے مہر تو لازم ہوا آدھا اس کا کہ تم مقرر کر چکے تھے)

آدھا مہر دینا آتا ہے سارا مہر واجب نہیں ہوتا سارا مہر بھی واجب ہوتا جب کہ خلوت صحیحہ بھی میسر آجائے۔

(قرأت شاذہ ابن مسعود کا محمل) | اس صورت میں قرأت حضرت عبداللہ بن مسعود اسی مضمون کی مبین اور مفسر ہوگی اور یہ قاعدہ بھی درست ہے گا کہ قرأت شاذہ حکم تفاسیر رکھتی ہیں اور وجہ تفسیر کی خود ظاہر ہے کیونکہ الیٰ اَجَلَ غایت اسْتَمْتَعْتُمْ ہوگی۔ سو اَجَلَ منکر (نکرہ) کو غایت و نہایت استمتاع یعنی انتفاع خلوت رکھا جائے گا تو یہی معنی ہوں گے کہ کسی قدر مدت تک بھی نوبت استمتاع آئیگی تو سارا ہی مہر لازم آئے گا۔ بالجلہ لفظ اَجَلَ بھی مثل زمانہ قلیل و کثیر پر بولا جاتا ہے۔ ایک ساعت قلیل سے لے کر زمانہ دراز تک کو اَجَلَ کہہ سکتے ہیں۔ سو قدر خلوت صحیحہ بھی ایک مصداق الیٰ اَجَلَ ہے۔ الغرض شیعر الیٰ اَجَلَ کو انتہا عقد سمجھ کر بکے اگر انتہا۔ انتفاع سمجھ جاتے تو ساری باتیں ٹھکانے لگے۔ اور اس تجویز کی بھی نوبت نہ آتی کہ اسْتَمْتَعْتُمْ میں تضمین معنی عقد کر کے اپنا کام بنایا معنی حقیقی استمتاع سے کام نہ چل سکا۔ الغرض اگر آیت استمتاع کو ماخذ حدت متعہ تجویز کیجئے تو اوّل تو معنی مجازی ہے



کی ضرورت یعنی تفصیل معنی عقد کیجئے تو کام چلے سوا اس کے کلام اللہ کی بے ربطی۔ نظم قرآنی کی بے انتظامی  
آیت مُحْصِنَاتٍ اور آیت الْمُحْصَنَاتُ کے مخالف آیت نِسَاءُ مَوْحِرَاتٍ لِّكُلِّ مَعَارَضٍ  
حالت تعدد ازواج زن واحد کو مستلزم۔ اتنی خرابیاں سر دھریئے تو متعہ کے جواز کا آیت اِسْتَمْتَعْتُمْ سے  
نام لیجئے۔ سو یہ بات سوا شیعوں کے اور کس سے ہو سکے۔

(لفظ اُجُوْدَهُنَّ سے تعین مدت کے | باقی وہ شبہ جو لفظ اُجُوْدَهُنَّ سے دوبارہ تعین مدت  
بارے میں واقع ہونے والے شبہ کا جواب) واقع ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری آیت

میں متصل ہی یوں ارشاد ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّكُنْ  
الْمُحْصِنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فِهِنَّ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ  
مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ  
بَاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِنْ اَبْعَدُ فَاَنْكِحُوهُنَّ  
بَاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاَلُوْهُنَّ اُجُوْدَهُنَّ (پ ۱۷۱)

ان سے نکاح کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے اور دولہے مہر  
اس آیت میں بتصریح ذکر نکاح ہے اور پھر بایں ہمہ لفظ اُجُوْدَهُنَّ موجود ہے اور ظاہر ہے کہ نکاح  
ومتعہ کی حقیقت میں تو یہی فرق ہے کہ متعہ میں مدت محدود ہوتی ہے نکاح میں مدت نکاح محدود نہیں  
ہوتی سو جس طرح یہاں لفظ اُجُوْدَهُنَّ مقتضی تحدید مدت نہیں ایسے ہی آیت استمتاع میں بھی سی۔

علاوہ بریں عقد نکاح کو عقد نزع تو کہہ ہی نہیں سکتے اگر کہیں گے تو عقد اجارہ ہی کہیں گے اور یہ بھی ظاہر  
ہے کہ متعہ کو تو سوا شیعہ اور کوئی جائز نہیں کہتا پر نکاح کے جواز میں کسی کو کلام ہی نہیں سوجب اس کو عقد  
اجارہ کہا اور مدت معین نہ ہوئی تو لفظ اُجُوْدَهُنَّ نہ شیعوں کو مفید ہوا نہ سینوں کو مضر۔ بلکہ یہ شبہ الٹا  
شیعوں کو مضر پڑا۔ اس لیے کہ تصحیح متعہ کے پتے (لیے) نکاح متفق علیہ کافہ نام غلط ہو گیا۔ یعنی جب  
لفظ اُجُوْدَهُنَّ اس بات کو مقتضی ہے کہ عقد مذکور عقد اجارہ ہو اور عقد اجارہ کو تعین مدت اس صورت  
میں لازم ہوئی کہ تعین کار کسی اور طرح نہ کیا گیا ہو۔ تو پھر اس صورت میں نکاح امام کا بطلان آپ ظاہر  
ہو گیا۔ لفظ اُجُوْدَهُنَّ موجود ہے۔ اس لیے ضرور ہے کہ عقد نکاح عقد اجارہ ہو اور بھ نکاح مدت محدود  
کار کی کوئی صورت نہیں تو اب بجز بطلان اور کیا ہو گا۔



(نکاح اور ملک یمین میں ملک اصلی ہے | اور ہم سے پوچھئے تو تحقیقی بات یہ ہے کہ جیسے روشنی  
 متعہ اور عاریت میں صرف اخذ منافع) کی دو صورتیں ہیں۔ ایک ذاتی دوسری عرضی۔ یعنی ایک

تو یہ کہ روشنی کہیں اور سے ماخوذ اور مستعار نہ ہو جیسے بظاہر نور آفتاب کا حال ہے۔ دوسرے یہ کہ کہیں اور سے  
 ماخوذ ہو جیسے دھوپ کے وقت زمین کی روشنی۔ ایسے ہی ملک منافع کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ نوبت  
 استعارہ نہ آئے جیسے اپنے ملک میں ہوتا ہے دوسرے یہ کہ کہیں اور سے حاصل کیجئے پھر اس کی بھی دو صورتیں  
 ہیں ایک تو یہ کہ ملک منافع بعوض مال ہو جیسے اجارہ میں۔ دوسرے یہ کہ بے عوض ہو جیسے عاریت میں  
 ہوتا ہے۔ بہر حال ملک منافع جو بطور اخذ و استعارہ ہو اس کے لیے ماخذ اور معیر کی ایسی ہی ضرورت  
 ہے جیسے روشنی ماخوذ کے لیے ماخذ کی ضرورت ہوتی ہے سو جیسے منافع ماخذ اخذ کی ملک ہو جاتے ہیں۔  
 ماخذ منافع معطل کی ملک ہوتا ہے۔ اس تحقیق کے بعد گزارش یہ ہے کہ متعہ میں تو مرد اخذ منافع بعوض ہوتا  
 ہے اور نکاح میں مرد ملک ماخذ ہوتا ہے۔ سو جیسے اپنی باندی غلام سے انتفاع بوسیہ ملک ماخذ  
 ہے بوجہ اخذ منافع نہیں اور دوسرے کی غلام سے انتفاع یا کسی اور محسن یا اجیر سے انتفاع بوجہ اخذ  
 منافع ہے بوسیہ ملک ماخذ نہیں اور اس لیے احسان و اجارہ میں بعد مرد وقت انتفاع یعنی احسان  
 و اجارہ ملک خود بخود منقطع ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی باندی غلام کے منافع کی ملک بعد مرد وقت انتفاع  
 بھی باقی رہتی ہے۔ البتہ بوجہ اعتاق یعنی ازالہ ملک ماخذ منافع ملک زائل ہو جاتے ہیں ایسے ہی اپنی  
 زوجہ منکوحہ سے انتفاع بوسیہ ملک ماخذ ہے اخذ منافع نہیں۔

(متعہ میں طلاق اور اعتاق نہیں ہوتا) | اور یہی وجہ ہے کہ بعد مرد وقت انتفاع بھی، ملک اور

اختیار انتفاع باقی رہتا ہے۔ مرد وقت انتفاع سے ملک زائل نہیں ہوتی طلاق یعنی ازالہ ملک  
 ماخذ منافع سے ملک منافع زائل ہو جاتی ہے اور زن متعہ سے انتفاع بطور اخذ منافع ہے اس لیے  
 زوال وقت، موجب زوال ملک و زوال اختیار انتفاع ہو جاتا ہے۔ طلاق کی حاجت نہیں۔ اور اس  
 تقریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ متعہ میں طلاق کیوں نہیں ہوتی اور نکاح میں کیوں ہوتی ہے۔ القصہ جیسے  
 ملک یمین کے لیے اعتاق ہے ملک اجارہ کے لیے نہیں ایسے ہی ملک ماخذ منافع زن کے لیے  
 طلاق ہے ملک منافع یعنی اجارہ متعہ کے لیے نہیں بہر حال جیسے ملک یمین میں انتفاع کے لیے  
 کوئی مدت معین اور محدود نہیں ہوتی ایسے ہی ملک ماخذ منافع میں بھی انتفاع کے لیے کوئی وقت



معین نہیں ہوتا۔

(متعہ و نکاح میں بیع کا شبہ بھی باطل ہے) | ہاں یہ شبہ باقی رہا کہ اگر یہی ملک ماخذ اور تناسب طلاق و عتاق ہے تو یوں کہو کہ نکاح میں عورت اپنے آپ کو یا کسی عضو خاص کو شوہر کے ہاتھ بیع کر دیتی ہے سو اول تو اصرار و حرائر کی بیع یا ان کے اعضاء کی بیع درست نہیں نہ خود ان کو نہ کسی اور کو کیونکہ حر و حرہ کسی کے مملوک نہیں ہوتے نہ اپنے نہ کسی بیگانہ کے اور بضر محال ہوتے بھی تو اپنے تو ہو ہی نہیں سکے کیونکہ مالک اور مملوک اور بائع اور مبیع میں تقابل و تضالیف ہے۔ اور متضالیفین میں تغایر ضرور ہے اتحاد و مقصور نہیں چنانچہ مقنوم مالک و مملوک و بائع و مبیع بشہادت وجدان بھی ہر خاص و عام کے نزدیک تغایر پر دلالت کرتا ہے۔

(منکوحہ میں بیع و شرائر مہبہ اور عاریت کے اختیار کیوں نہیں؟) | علاوہ بریں بیع و شرائر اور مہبہ اور عاریت کا اختیار کیوں نہیں اس کا جواب ایک مقدمہ لطیفہ پر موقوف ہے اول اس کا عرض کرنا ضرور ہے۔

(مقدمہ لطیفہ تمام اشیاء میں قبضہ علی ملک قبضہ ہے سوا اس کے اور کوئی امر موجب ملک نہیں ہی سے ملک تام حاصل ہوتا ہے) | اموال منقولہ و غیر منقولہ اول اگر مملوک ہوتے ہیں تو اسی قبضہ کے بدولت ہوتے ہیں جانور ان وحشی اور نباتات خورد روئیدہ اور آب چاہ و دریا کے مملوک ہونے کا طریقہ کب قبضہ اور کچھ نہیں۔

(اسباب معروفہ بیع و شرائر وغیرہ انتقال ملک کا سبب ہیں نہ کہ حدوث ملک کا) | باقی رہی بیع و شرائر و مہبہ اجارہ وصیت میراث اسباب معروفہ اسباب انتقال ملک ہیں اسباب حدوث ملک نہیں یعنی ملک موجود ایک جاسے دوسری جا چلی جاتی ہے یہ نہیں کہ پہلی ملک کا نام و نشان کچھ نہ تھا اسباب مذکورہ کے سبب از سر نو حادث ہو جاتی ہے بایں ہمہ ان اسباب میں بھی قبض کی ضرورت

لے اس سوال کا جواب ص ۲۴۵ پر موجود ہے - ۱۲۔ لے ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ منکوحہ میں اسباب معروفہ بیع و شرائر وغیرہ نہیں پائے جاتے پھر یہ اسباب انتقال ملک کا سبب ہیں۔ حدوث ملک کا سبب نہیں جیسا کہ بادی النظر میں شبہ ہوتا ہے - ۱۲ محمد عیسیٰ گورمانی



حصول ملک کے لیے اہل فہم پر مخفی نہیں قبل قبض جو بیع بیع مشتری کو ممنوع ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ملک قبض ہی سے حاصل ہوتی ہے قبل قبض حاصل نہیں ہوتی پھر بیع کس چیز کی کی جائے بیع مالا ملک نقل درست ہے چنانچہ احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں۔ اور نہ عتلا زیا اس لیے کہ بیع میں مبادلہ ملک بالملک ہوتا ہے۔ جب ملک ہی نہیں تو مبادلہ کیونکر ہو سکے اور اگر قبل قبض بیع ملک پیدا ہو جاتی ہے تو پھر ممانعت کی کیا وجہ تھی ارکان بیع سائے موجود بائع موجود مشتری موجود۔ بیع موجود۔ مٹن موجود۔

حرمت ربا کی وجہ یہ ہے کہ ربا میں ایک طرف سے عوض ملک نہیں پایا جاتا۔ اگر صورت ربا ہوتی تو یوں بھی کہہ سکتے تھے کہ اگر فرض کر دے سیر گھریوں کو سوا سیر گھریوں سے مثلاً فروخت کریں

گے تو پاؤ سیر کے مقابلہ میں کچھ نہ ہوگا۔ اس صورت میں اس کو بیع کہو گے تو مٹن ندارد ہے اور مٹن کہو گے تو بیع نیست و نابود ہے اور پوئے سوا سیر کو سیر کے مقابل نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ جس صورت میں جنس واحد ہے تو موجبات رغبت دونوں طرف برابر ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ ایک طرف سیر بھر ہو اور ایک طرف زیادہ اس لیے عدالت خداوندی اس بات کو مقتضی ہوئی کہ اتحاد جنس کی صورت میں مقدار میں کمی بیشی نہ کی جائے۔ ہاں در صورت اختلاف جنس بجز تساوی وزن و پیمانہ رغبت کی اور کوئی صورت نہ تھی۔ اس لیے وہاں اجازت دی گئی۔ اور اگر کسی صاحب کو رضا طیفین کے سبب کچھ تامل ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ تراضی بنیت ثواب و مواسات ہوگی تو وہ معاملہ بیع نہیں قدر زائد کو مہیہ سمجھو اور اگر نظر عوض مال ہے تو کوئی صاحب فرمائیں قدر زائد کے عوض میں کیا ہے۔

(بیوع فاسدہ میں بھی ربا ہے) | علیٰ ہذا القیاس بیوع فاسدہ کو سمجھو کیونکہ وہاں بھی علاوہ متقابلین ایک طرف کچھ اور بھی مشروط ہوتا ہے مثلاً گھوڑا، بھینس، لگائے، مکان کی کسی قدر روپوں کے عوض بیع کر کے بائع یہ شرط لگائے کہ ایک ماہ تک مثلاً میں قبضہ نہ دوں گا اپنے ہی قبضہ میں رکھوں گا۔ سویر ایک مہینہ کے منافع بے عوض بائع کو حاصل ہوں گے کیونکہ جب بیع واقع ہو چکی تو اب بیع کو بائع سے کیا علاقہ وہ مشتری کے باپ دادے کی ہو چکی اس کے منافع میں بائع کا استحقاق منجملہ محالات ہے اس لیے بنا چاری ان منافع کو بلا عوض کہنا پڑے گا اور اگر فرض کر دیں بیع ابھی ہوئی ہی نہیں تو مشتری کو دعویٰ استحقاق جیسا اب ناروا ہے ایسا ہی بعد ماہ بھی ناروا ہوگا بالکلہ بیوع فاسدہ اور معاملات سود کے ممانعت کی ایک ہی وجہ ہے۔ قدر زائد اور شل زائد میں ارکان بیع واجارہ سائے موجود نہیں ہوتے۔



اگر بیع یا منافع عقد لہذا کو گے تو ثمن اہر کا پتہ نہیں ملے گا تو بیع و منافع کا نشان نہیں غرض بیع فاسد میں وہ بیع سود ہو یا کچھ اور ظاہر میں ایک ہوتی ہے۔ اور کہنے کو ایک معاملہ ہوتا ہے پر حقیقت میں ایک تو بیع صحیح ہوتی ہے اور ایک بیع باطل اس کے ساتھ اور لگی ہوئی ہوتی ہے۔ یعنی وہ معاملہ لگا ہوتا ہے جس کے تمام ارکان موجود نہیں ہوتے اگر ہوتے ہیں تو بعضے موجود ہوتے ہیں بعضے نہیں ہوتے سو بیع قبل القبض کو اگر موجب ملک کما جائے تو پھر کون سا رکن بیع مفقود ہو گیا ہے جو اس کو ممنوع کیے بلکہ معاملہ بیع موجب استحقاق قبض ہو جاتا ہے اور قبض موجب ملک علیٰ ہذا القیاس مہبہ کو سمجھو فرق ہو گا۔ تو اتنا ہو گا کہ کسی کے نزدیک مثل بیع قبضہ مثل بھی موجب ملک سمجھا جائے اور کسی کے نزدیک قبضہ مثل کافی نہ ہو بلکہ ہاں نظر کہ اشتراک کے لیے تساوی مراتب ضرور ہے ورنہ مالک اور مستغیر اور خدائے مالک الملک اور بندگان مالک و قابض اسوال شریک دیگر سمجھے جاتے تقسیم کی ضرورت پڑی تاکہ موہوب کے لیے کوئی مزاحم باقی نہ رہے ورنہ اشتراک باوجود عدم تساوی مراتب قبضہ جملہ قابضان لازم آئے گا۔

(اجارہ عاریت، میراث اور وصیت) جب بیع اور مہبہ کا حال معلوم ہو گیا تو اجارہ اور عاریت میں بھی قبضہ پایا جاتا ہے کے حال کی تحقیق کی کچھ ضرورت نہیں کیونکہ یہاں بعینہ وہی معاملہ ہے جو وہاں ہے یعنی اجارہ میں بیع منافع ہوتی ہے اور عاریت میں مہبہ منافع فقط۔ نوع بیع اور نوع موہوب جدا جدا ہے۔ ہاں میراث اور وصیت باقی ہیں۔ سوال میں بظاہر اگرچہ حصول ملک کے لیے قبض کی ضرورت نہیں پر غور سے دیکھئے تو وہاں بمجر د موت مورث موصی قبضہ ذات وارث و موصی لہ حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ قابض اول کا قبضہ نو کیا خود ہی اٹھ گیا اور کوئی مزاحم حال نہیں احکام سب کا وکیل اور اس کا قبضہ موجود، اور ظاہر ہے کہ قبضہ وکیل وہ قبضہ موکل ہی ہوتا ہے۔ بالجلہ حاکم بوجہ حکم خداوندی وادث اور موصی لہ کے دلانے کو موجود۔ اور کوئی دعویٰ استحقاق نہیں رکھتا۔ ہاں بیع و مہبہ میں قبضہ بالغ و واجب ہنوز موجود ہے جب تک اس کا قبضہ باقی ہے۔ مشتری اور موہوب لہ کا قبضہ ممکن نہیں۔

(مال غنیمت میں بھی قبضہ علت ملک ہے) القصہ تمام احکام و آثار ملک قبضہ کے علت ملک ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ اصرار کا ملک غنیمت کے لیے مشروط ہونا اور قبضہ کفار کا ارفع ایک اہل اسلام ہو جاتا ہے۔ اسی جانب مشیر ہے۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ کسی کے نزدیک بعد غلبہ کفار اگرچہ



اہل اسلام مسلط ہو جائیں تو ملک سابق اہل اسلام عود نہیں کرتی بعض اموال مقبوضہ ملک مالکان سابق نہیں ہو جاتے بلکہ حسب قانون غنیمت تقسیم کیے جائیں گے اور بعضے علماء کے نزدیک وہ ملک سابق پھر عود کرتی ہے۔ جیسے بدو دت آب بعد زوال حرارت پھر عود کرتی ہے بالجلہ جس طرف دیکھتے قبض ہی کا موجب ملک ہونا نکلتا ہے تمام احکام دین اور اقوال علماء دین اس پر شاہد ہیں۔

(بدن کے واسطے سے اموال پر روح کا قبضہ ہوتا ہے | اس صورت میں بدن انسانی کا مملوک اور مرلے سے بوجہ اٹھ جانے قبضہ کے ملک چلی جاتی ہے) روح انسانی ہونا ضروری التسلیم ٹھہرا کیونکہ روح انسانی کا اپنے بدن پر قبضہ بدیہی (ہے) اگر ہاتھ کو اشارہ کرتی ہے تو وہ چلتا ہے اور پاؤں کو اشارہ ہوتا ہے تو وہ چلتا ہے۔ آنکھ۔ کان سب اسی کے زیر فرمان ہیں اسی کے احکام کی بجا آوری ہیں شب و روز مشغول ہیں۔ بلکہ قبضہ روح جو اور اشیاء پر ہوتا ہے اس کے لیے قبض علی البدن شرط ہے یعنی جب تک روح کا قبضہ بدن پر نہ ہو چکے تب تک کسی چیز پر قبضہ روح نہیں ہو سکتا اس سے زیادہ اور کیا تصرف ہو گا جس کا تحقیق قبضہ کے لیے انتظار ہے ادھر بدن انسانی کا قابل الملک ہونا اور روح کا لائق ملکیت ہونا ایسا نہیں جو گنجائش انکار ہو اگر روح لیاقت ملکیت نہ رکھتی تو کسی چیز کی نسبت ملکیت متحقق نہ ہو سکتی۔ اموال منقولہ وغیرہ منقولہ سب آزاد ہی ہوتے اس لیے کہ سوا روح اور ہے تو بدن ہے اور بدن کا حال ظاہر ہے کہ وہ تنہا مالک تو کیا مملوک ہونے کے قابل نہیں۔ القصہ بعد انتقال و انفکاک روح۔ بدن جوں کا توں رہتا ہے۔ اگر مالک خود بدن ہوا کہ تا تو نہ صرف مورث کی ملک زائل ہوتی اور نہ وارث کی ملک اس کے قائم مقام ہو سکتی ملکیت روح ہی کے متعلق تھی مگر چونکہ سرمایہ ملک وہ قبضہ ہے اور اموال پر قبضہ بوسیلہ بدن تھا اور وقت انتقال۔ بدن سے قبضہ اٹھ گیا تو اموال سے بھی قبضہ اٹھ گیا۔ بالجلہ روح کا مالک اور لائق ملکیت ہونا ایسا نہیں کہ انکار ہو سکے۔

(بدن کے مملوک ہونے کی پہلی دلیل) اگر بدن اس کا مملوک ہونا اول تو اسی سے ظاہر ہے کہ ملک یمین اس دین کے مسلمات میں سے ہے۔

(دوسری دلیل) ادھر مملوک ہونے کے لیے مالیت شرط ہے اور مالیت کے لیے میلان خاطر ضرور ہے غرض مال اس میلان ہی سے مشتق ہے اور موجب میلان طبائع سلیمہ بھی منافع ہوتے ہیں



(خمر، خنزیر اور میتہ وغیرہ ناپاک اشیاء غیر نافع ہونے کی وجہ سے مسلمان کی ملکیت نہیں بن سکتے)

یہی وجہ ہے کہ میتہ اور دم اور ناپاکی کو مال نہیں کہتے اور ان کی بیع کو باطل کہتے ہیں کیونکہ بیع میں بھی مبادلہ

مال بالمال ہوتا ہے جب ان اشیاء میں منافع ہی نہیں تو مال بھی نہیں کہہ سکتے۔

علیٰ ہذا القیاس خمر و خنزیر میں اگرچہ منافع موجود ہیں مگر مسلمان کے حق میں خمر و خنزیر نافع نہیں بلکہ ایسے مضر ہیں جیسے سمیات اگرچہ کسی نہ کسی بات میں نافع ہیں لیکن مزاج انسانی کے لیے مضر ہیں بالجملہ مدار ملکیت مالیت پر ہے اور مدار مالیت منافع پر ہے اور ظاہر ہے کہ منافع بدن انسانی منافع ابدان دیگر سے بدرجہا زیادہ ہیں۔ اس کے صنائع و بدائع ایسے نہیں جو کوئی نہ جانتا ہو۔ اس صورت میں بدن انسانی کو اسی روح کا مملوک کہنا جو اس پر قابض ہے اور متصرف ہے اور حاکم اور بادشاہ ہے ہر عاقل کے ذمہ ضرور ہے۔ ہاں اتنی بات ہے کہ جیسے مملوکات خداوندی قابل بیع و مہبہ و میراث نہیں ایسے ہی بدن انسانی بھی قابل بیع وغیرہ نہیں۔ علاوہ بریں جیسے چھت کی کڑی کا بیچنا قبل انفصال ناجائز حالانکہ اس کا مملوک ہونا بدیہی اسی طرح باوجود مالکیت و مملوکیت بیع بدن قبل انفصال روح تو اس لیے ناجائز ہے کہ قبضہ منشری متصور نہیں اور بعد انفصال اس لیے جائز نہیں کہ اول تو اختیاری بیع مالک کو ہوتا ہے مالک وہ روح تھی سو وہ اور عالم کو چل دی۔ دوسرے معنی مالیت بعد انفصال روح باقی نہ ہے کیونکہ اس وقت بدنی انسانی ایک میتہ اور جیفہ ہے اور میتہ اور جیفہ کو مال نہیں کہہ سکتے کیونکہ اب کوئی منفعت اس میں باقی نہ رہی۔

(بدن اور روح کے تعلق کی مثال) بالجملہ جب تک بدن میں پر تو روح اور اثر روحانیت ایسی طرح موجود تھا جیسے زمین میں دھوپ کے وقت پر تو آفتاب اور اثر آفتاب ہوتا ہے تب تک اس میں منافع حیات موجود تھے۔ بعد موت نہ اثر روحانیت یعنی حیات رہا نہ وہ منافع باقی ہے مگر ہاں اگر بوجہ کفر موافق اشارہ اُولَئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ کوئی شخص طمعی یا حیوانات ہو جائے اور اس لیے داخل حبالہ ملک اہل ایمان ہو تو گو تنہا بدن ان کے حق میں بھی نافع نہیں۔ مگر جیسے اور حیوانات سے بوسلہ پر تو روحانی انتفاع ممکن ہے۔ یہاں بھی ممکن ہے۔ اور یہ بات اگرچہ اپنے بدن کی بیع و شرا میں کبھی خیال میں آسکتی ہے۔ لیکن جب اس بات کا لحاظ کیجئے کہ در صورت بیع خود روح بائع ہوگی اور ظاہر ہے کہ بیع غیر بائع ہوتی ہے کیونکہ بیع ایک معنوم اصنافی



ہے۔ جس کی ایک جانب بائع ہے اور ایک طرف بیع اور یہ دونوں متحد نہیں ہو سکتے ورنہ حالتیں اضافت کا تغایر ہی اور ضروری ہے محض غلط ہو جائے اس لیے خود روح تو بیع بن نہیں سکتی پھر اگر روح کی امداد شرط ہے تو وہی فساد اور بطلان مشار الیہ لازم آئے گا اور امداد مشروط نہ ہو اور کجبر کام لیا جائے تو ظلم صریح کا فتویٰ دینا پڑے گا۔

(روح کفار پر بوجہ جائز ہونے جبر کے | اور جہاد میں بیع نہیں ہوتی جو فساد و بطلان کا اندیشہ ہو غلام اور باندی میں ملک آجاتا ہے) | ظلم کا کھٹکا فضیلت جہاد نے رفع کر دیا غرض جیسے نکات

دنبل اور قطع عضو بوسیدہ اور یم غرورہ نہ دنبل و عضو کے حق میں ظلم ہے نہ صاحب دنبل و عضو کے حق میں۔ بلکہ صاحب دنبل و عضو کے حق میں احسان ہے ظلم نہیں ایسے ہی قتل و قمع کفار نہ ان کے حق میں ظلم نہ اور عالم کے حق میں ظلم ہے بلکہ اور عالم کے حق میں احسان ہے اس لیے وہاں اگر روح کفار پر جبر کیا جائے تو بدرجہ اولیٰ جائز اور بجائے خود ہوگا۔ آئندہ بعد اسلام غلام یا اس کا آزاد نہ ہو جانا اگر کسی کو موجب تامل ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو حق ملک یقینی اور اسلام میں یہ احتمال کہ بغیر صل و عتق ہو۔ اور امر یقینی امر محض سے حقوق غیر میں مرتفع نہیں کر سکتی دوسرے اسلام ضد کفر ہے ضد رقیب نہیں جو بے رفع کے مرتفع ہو جائے جیسے کفر خود ضد عتق نہ تھا جو بے مملوک بنائے یعنی بے قبضہ کئے کافر مملوک ہو جائے ایسے ہی اسلام ضد مملوکیت نہیں جو بے رفع کیے مرتفع ہو جائے یعنی بے آزاد کئے آزاد ہو جائے۔ ہاں جیسے کفر موجب قبول ملک ہے اور یہی وجہ ہوئی کہ قتل و سلب و قبض جان و مال کی ترغیب دی گئی۔ ایسے ہی اسلام میں ضعف قبول مذکور آجاتا ہے اس لیے اعتاق کی ترغیب دی گئی۔ اور اس تقریر سے حقیقت معاملہ کتابت جو مکاتیب کے ساتھ ہوتا ہے معلوم ہو گئی ہوگی۔

(کتابت میں مملوک اپنے آپ کو خرید لیتا ہے) | غرض یہ ہے کہ معاملہ کتابت میں مالک کی جانب سے بیع اور مکاتیب کی جانب سے شرائط بدن خود ہوتا ہے مگر چونکہ موانع مذکورہ میں سے یہاں سب مفقود ہیں تو کجبر جواز معاملہ اور کوئی حکم نہ آیا۔

بالجملہ روح انسانی اس بدن کی ضرور مالک ہوتی ہے جس کے ساتھ اس کو تعلق حاصل ہے اور جب مالکیت اور مملوکیت متحقق ہو گئی تو اس جسم سے تو اس بیع میں تامل زیبا نہیں جو تحقیق حقیقت



نکاح مفہوم ہوتی ہے۔ ہاں کوئی اور وجہ ہو تو مضائقہ نہیں سوا اور کوئی وجہ اگر متصور تھی تو وہی عدم امکان قبضہ تھا وہ بھی غور سے دیکھا جائے تو یہاں مفقود ہے کیونکہ کل بدن کی بیع میں تو بوجہ عدم امکان قبضہ جس کی تشریح بقدر کفایت ہو چکی ممانعت کی گئی تھی بوجہ عدم مالکیت و مملوکیہ نہیں کی گئی تھی۔ رہی حریت وہ اصل میں صفت روحانی تھی صفت جسمانی نہ تھی بلکہ جسم تو مملوک روح تھا اور روح احرار کسی کی ملک نہ تھی۔ اس لیے بیع ارواح تو بوجہ حریت ممنوع تھی اور بیع اجسام خود روح کو تو بوجہ عدم امکان قبضہ اور سوا اس کے اور دل کو بوجہ ملک غیر ممنوع ہوئی۔ ہاں جب بوجہ کفر۔ کفار کے اموال کی اجازت ہوئی اور ان پر جبر و تعدی جائزہ ہوا تو بدن مملوک روح پر تو قبضہ اور خود روح پر دوبارہ اعمال جسمانی جبر میں کچھ حرج نظر نہ آیا بلکہ ملازمان خاص یعنی اہل ایمان کی کار برآری کے لیے مثل قبضہ و اکراہ حیوانات قبض و اکراہ کفار کی اجازت دی گئی۔ الغرض بیع اجسام احرار بوجہ عدم مملوکیہ ممنوع نہ تھی بوجہ عدم امکان قبضہ یہ بیع ممنوع تھی مگر نکاح میں یہ قبضہ بے ظلم و جبر برضار و رغبت بالغ یعنی زن منکوحہ متصور ہے چنانچہ ظاہر ہے۔

(احرار کے اجسام کی بیع بوجہ تذلیل جائز نہیں) ہاں اگر احرار کو خصوصاً مردوں کو اور دلوں کی خدمت گاری ایسی طرح مرغوب ہوتی جیسے عورت کو خدمت فراش یعنی جماع مرغوب ہے تو پھر علی العموم بیع ابدان احرار جائز ہو جاتی۔ مگر یوں دیکھا کہ ارواح احرار کو اور دلوں کی خدمت مرغوب تو کیا ہوگی ایسی مکروہ ہے کہ اس کے برابر دنیا میں کوئی مکروہ ہی نہیں۔ اگرچہ بوجہ طمع یا اندلیٹہ نسبت اضطراب نہ پہنچے یا امید رضائے خدا تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معارض نہ ہوں تو پھر اہل ہمت کو نفس خدمت گزاری سے مرگ بہتر ہے کیونکہ اس میں ہتک عزت ہے اور عزت کے پتے ہی اکثر جانیں جاتی ہیں۔ بادشاہوں کی لڑائی بھوک و پیاس کے تقاضے سے نہیں عزت ہی کے لیے ہے وقت غیرت مردوں کا زہر کھالینا اور گولی کھا کر مر جانا اس عزت ہی کی بدولت ہے بلکہ عورتیں جن کا خوف و جبن ان کی حُب زندگانی پر گواہ ہے غیرت کے وقت ڈوب کر مر جاتی ہیں تو اس عزت کی محبت میں مر جاتی ہیں اس صورت میں اگر بالفرض بیع ابدان ارواح کو جائز ہوتی تو اس بیع کے سبب وہ ذلت اٹھانی پڑتی کہ خدا کی پناہ القصہ عزت کے برابر بدوئل کے نزدیک کوئی چیز نہیں بلکہ بندے کیا خدا کے یہاں بھی اگر بوجھ بھی ہے تو اسی کی ہے۔ وہاں بھی اگر مطلب ہے تو یہ عزت مطلب ہے۔ چنانچہ آیت۔



وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِعِبَادِي ۚ وَمَا أَمْرُهُ إِلَّا لَعِبِئُهُ ۚ وَاللَّهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۔

(اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سوا اپنی بندگی کو) اور ایت (اور ان کو حکم یہی ہوا کہ بندگی کریں اللہ کی خالص حق کے اس کے واسطے بندگی۔)

اسی حصر طلب پر دلالت کرتی ہیں۔ کیونکہ تعبد اسی تذل کو کہتے ہیں اور تذل میں بھی (خدا کے آگے) صرف عزت ہوتا ہے اور کیا ہوتا ہے۔ اور نعمتوں کی داد و دہش کے لیے مخلوقات کو رکھا اور عزت کا مصرف کسی اور کو نہ بنایا بلکہ اوروں کے لیے صرف عزت سے مطلقاً منع فرمایا۔

خدا نے تمام قوتوں کو مخلوق کے لیے صرف کرنے کا حکم دیا ہے لیکن عزت کو اپنے لیے مخصوص کر دیا) تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ نعماء داخلی ہوں جیسے ہاتھ پاؤں آنکھ ناک یا نعماء خارجی

جیسے روپیہ روٹی پکڑا خدا کے کسی مصرف کا نہیں اس کی اگر ضرورت ہے تو مخلوقات ہی کو ہے ہاں بایں نظر کہ حوائج ضروریہ سد باب عبادت اور نیز موانع ہر کار ہیں کھانے پینے کو سامان عبادت کہئے اور ہاتھ پاؤں کی عبادت کو رفع موانع قرار دیجئے تو پھر اس داد و دہش اور اس امداد کو خدا ہی کے لیے بہر حال صرف نعماء خارجی و داخلی سوا نعمت عزت، مخلوقات کے لیے تجویز کیا اور اس پر کیا کیا ثواب عنایت فرمایا۔ مگر ہاں عزت بنی آدم خاص اپنے لیے رکھی یہاں تک کہ سوال سے منع فرمایا اور وجہ اس اختصاص کی یہ ہوئی کہ عزت کے لیے استغناء کی ضرورت ہے اور ذلت کے لیے احتیاج کی حاجت اور استغناء۔ اس سے زیادہ متصور نہیں کہ سب خوبیاں موجود ہوں اور ذلت اس سے زیادہ ممکن نہیں کہ ہر خوبی میں دوسرے کا محتاج۔ سو در صورتیکہ خدائے تعالیٰ اور بندہ ناکارہ میں یہ فرق ہو تو پھر جس کے محتاج ہوں وہی عزت کا مستحق ہے سوا اس کے اور کسی کے سامنے ذلیل نہ ہونا چاہیے یا یوں کہئے خدا تعالیٰ کے خزانہ میں سب کچھ ہے ایک عجز و نیاز ہی نہیں اسی کی طلب گاری ہے اس لیے جتنا عجز و نیاز بن پڑے اسی کے سامنے بجالانا چاہیے اور کسی کے لیے سر جھکانا اور گڑ گڑانا نہ چاہیے بالکل عزت سے بہتر کوئی چیز نہیں خدا کے یہاں بھی اسی کی پوچھ پاچھ ہے اس لیے مع بدن تو ممنوع رہی کیونکہ ذلت خدمت گاری کے برابر کوئی چیز بُری اور نامطبوع نہیں اور اس کا لزوم مع میں ضروری۔ اور اس کے ساتھ کوئی لذت یا منفعت ایسی نہیں کہ اس کی لذت کی مکافات ہو جائے اور نکاح میں جو چیز لازم آتی ہے وہ بائع یعنی زن منکوحہ کے حق میں ایسی مطبوع کہ اس کے پتے (یعنی) عزت جیسی عزیز چیز



بھی لیا اوقات خاک میں رل جاتی ہے علاوہ بریں جیسے مافی الارض لبشادت۔

آیت۔ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ  
جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ  
سَبْعَ سَمٰوٰتٍ (بقرہ ۳۶)

روہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے جو کچھ زمین  
میں ہے سب پھر قصد کیا آسمان کی طرف سو ٹھیک  
کر دیا ان کو سات آسمان

زمین و آسمان خصوصاً ارض و مافیہا بنی آدم کے لیے مخلوق ہوا۔ ایسے ہی لبشادت

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ  
اَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ  
مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً (روم ۳۰)

اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ بنا دیے تمہارے  
واسطے تمہاری قسم سے جوڑے کہ چین سے رہو ان کے  
پاس اور رکھا تمہارے بیچ پیار اور مہربانی

عورتیں مردوں کے لیے مخلوق ہیں اس لیے کہ بقدرینہ آیت۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ  
وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا  
لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا (اعراف ۱۲۳)

روہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ایک جان سے  
اور اُسی نے بنایا اس کا جوڑا تاکہ اس کے  
پاس آرام پکڑے

ازواج سے آیت مذکورہ میں عورتیں ہی مراد ہیں۔

(عورتیں مردوں کے لیے پیدا کی گئیں ہیں) | ادھر عقل صائب کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ عورتیں مردوں

کے لیے مخلوق ہیں مرد عورتوں کے لیے مخلوق نہیں ہوئے وجہ اس کی یہ ہے کہ عورت کا جی چاہے یا

نہ چاہے مرد اس سے کامیاب ہو سکتا ہے اور مرد کو اگر رغبت نہ ہو تو پھر عورت کی آرزو پوری

نہیں ہو سکتی اس صورت میں عورت کو ایسا سمجھو جیسا فرض کرو کسی گھوڑے کو مثلاً یہ آرزو ہو کہ مجھ پر فلاں

شخص سوار ہو جیسی آرزوئے براق بہ نسبت سواری حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مشہور ہے

یٰ ذُرِّیُّ کُلُوا وَشَرَبُوا وَغَیْرُ نَعْمًا اَرْضٰی کَیْہَ تَمْنٰہُ ہُو کہ ہم کو فلاں شخص استعمال کرے اس صورت

ہیں جیسے آرزوئے اسب وغیرہ نعام کا حصول ہی استعمال کرنے والوں کی مرضی پر موقوف ہے اور بنی

آدم کا استعمال کرنا ان اشیاء کا مرضی پر موقوف نہیں۔ ایسے ہی کامیابی زن و مرد ہے۔ عورت کو رغبت

ہو کہ نہ ہو مرد اپنی آرزو پوری کر سکتا ہے اور مرد کا اگر جی راغب نہ ہو تو عورت سے کچھ نہیں ہو سکتا

پھر تیسرے نعام دنیوی کو اپنے منافع سے کچھ مفاد نہیں اگر ہے تو استعمال کرنے والوں کو مفاد ہے



ایسے ہی عورت کے منافع معلومہ سے خود عورت کو کچھ مفاد نہیں البتہ مرد کو اس کے منافع سے مفاد ہے یعنی اولاد جو اس زراعت اور اس زمین کی پیداوار ہے۔ عورت کے ذریعے سے خداوند عالم مرد کو عنایت کرتا ہے عورت کو اس سے کچھ علاقہ نہیں چنانچہ کلمہ قرآنی یعنی اَلْمَوْلُوْدُ لَکَ اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اَنْتَ وَمَالُکَ لِکَ بِبَيْتِکَ اسی جانب مشیر ہے کہ اگر اولاد کی نسبت کچھ شائبہ مالکیت ہے تو والد کو ہے والدہ کو نہیں اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ سلسلہ نسب والد کی طرف کو چلتا ہے اور اسی سے متعلق ہوتا ہے والدہ کی طرف کو نہیں چلتا اور نہ اس سے متعلق ہوتا ہے چنانچہ تمام علم۔ تمام اقوام۔ تمام مذاہب اس پر متفق ہیں۔

(نکاح میں منافع کا ماخذ ملک میں آجاتا ہے) | اس صورت میں جیسے اور نعام ملک میں آجاتی ہیں ایسے ہی ماخذ منافع جماع بھی قابل ملک ہے اگرچہ عورت حرہ ہی کیوں نہ ہو۔ ہاں منافع مردان احرار خود ان کے لیے مفید ہیں یعنی ان کے وسیلہ سے اپنی حاجتیں بھی رفع کر سکتے ہیں۔ بلکہ اول اپنی ہی رفع کرتے ہیں۔ آنکھ۔ ناک۔ کان سب میں اول اپنے ہی کام آتے ہیں ان اعضاء کا اپنے حق میں ضروری ہونا ایسا نہیں جو کسی پر مخفی ہو اس لیے یوں نہیں کہہ سکتے کہ یہ اعضاء اور ان کے منافع اور یہ جسم اور اس کے فوائد خود صاحب عضو کے لیے موضوع نہیں کسی اور کے لیے مخلوق ہوئے ہیں اور اسی کے ملک میں آسکتے ہیں اس صورت میں اوروں کی کار برداری میں لحاظ اجرو اجرت ضرور ہوگا۔ ہاں کار برداری مرد میں جو بوسیلہ عورت ہوتی ہے ایسی ضرورت نہ ہوگی۔

(ان قابل احترام منافع میں اجرت اور شاید یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اور اجارات میں تعین خود بخود ثابت اور لازم ہو جاتی ہے) | اجرت صحت اجارہ کے لیے ضروری ہے پر عقد نکاح میں تعین مہر تو کیا خود ذکر مہر ضروری نہیں بلکہ نفی مہر بھی کی جائے اور یہ شرط لگائی جائے کہ مہر نہ ہو گا تب بھی نکاح درست ہو جاتا ہے۔ ہاں جب یہ لحاظ کیا جاتا ہے کہ زن عرہ کے منافع جسمانی میں سے مردوں کیلئے مخلوق ہوئے ہیں تو یہی منافع جماع یا ماخذ منافع جماع مخلوق ہیں تو معاوضہ کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کیونکہ اور منافع میں زنانہ عرائہ مردان احرار کے جسم پر ہیں۔ جیسے مردان احرار اپنے جسم کے مالک ایسے ہی زنانہ عرائہ اپنے جسم کی مالک۔ اور ظاہر ہے کہ منافع معلومہ اور ماخذ منافع معلومہ جسم سے متعلق ہیں بالجلہ ماخذ منافع معلومہ اور جسم زنانہ عرائہ زوجہ میں معلوم ہوتا ہے سو کچھ تو اس وجہ سے تملک کے لیے عوض کی







(مہر کو منفع کے عوض ہونے کی وجہ سے) | ہاں یہ بات باقی ہے کہ عوض معلوم کو اجرد مہر کیوں  
 اُجُورَہُنَّ فرمایا اَتَشَاءُہُنَّ نہ فرمایا) | کہتے ہیں قیمت و ثمن کیوں نہیں کہتے سواجر و مہر کہنے

اور ثمن و قیمت نہ کہنے کی یہ وجہ ہے کہ منافع از قسم مہر اور ہیں اور مصدر کا اطلاق مرتبہ بالقوۃ اور مرتبہ  
 بالفعل پر برابر شائع۔ اور یہ نہ ہو تو مشتقات میں بھی یہ فرق باقی نہ ہے۔ کیونکہ جار و بار و مثلاً بالقوۃ اور بالفعل  
 دو طرح کے ہوتے ہیں تو عرارت اور برودت ہی کے بالقوۃ اور بالفعل ہونے کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ سو  
 جس کو ماخذ منافع کہیے وہ مرتبہ بالقوۃ ہے اور منافع حاصلہ وہ منافع بالفعل۔ اور اسے مرتبہ مابہ  
 المنفعت کہتے ہیں یعنی جیسے علم میں ایک مرتبہ مابہ العلم اور مابہ الانکشاف اور مبدأ  
 العلم اور مبدأ الانکشاف اور ماخذ العلم یعنی مرتبہ بالقوۃ ہے خواہ وہ قوت علیہ ہو یا  
 زمین یا کچھ اور۔ اور ایک مرتبہ انکشاف متجدد اور علم متجدد۔ یعنی مرتبہ بالفعل ہے۔ اس لیے ہی منافع  
 معلومہ کے لیے دو مرتبہ ہیں ایک مرتبہ بالقوۃ اور ماخذ المنافع اور مبدأ المنافع ہے اور ایک مرتبہ  
 بالفعل یعنی منافع متجددہ۔ لیکن اہل سان عوض منافع کو اجر اور اجرت کہتے ہیں اور عوض اعیان کو ثمن  
 اور قیمت۔ معقود علیہ اگر اعیان ہو تو بیع کہتے ہیں اور منافع ہوں تو اجارہ اس لیے قرآن شریف  
 میں لفظ اُجُورَہُنَّ فرمایا اَتَشَاءُہُنَّ نہ فرمایا۔

(نکاح میں منافع بالقوۃ بیع اعیان) | ہاں یہ بات مسلم کہ اعیان اور مرتبہ بالقوۃ قار الذات ہونے میں  
 کی طرح پورے موجود ہوتے ہیں) | شریک ہیں یعنی جیسے اعیان اُن واحد میں بتماہ موجود ہوتے ہیں  
 اس لیے ہی مرتبہ بالقوۃ مذکور بتماہ اُن واحد میں موجود ہو جاتے ہیں یہ نہیں کہ انا فانا مثل حرکت ادھر موجود  
 ہو جائیں اور ہر معدوم ہوتے جائیں۔ اور مرتبہ بالفعل میں زمانہ کے ساتھ ساتھ تجدد ہوتا جاتا ہے اس لیے  
 مرتبہ بالفعل تو شیئاً فشیئاً ملک میں آتا جاتا ہے اسی طرح ملک سے نکلتا جاتا ہے۔ کیونکہ جب موجود  
 ہی نہیں تو مملوک کیوں کہ ہوں اور مرتبہ بالفعل بالقوۃ ایک دفعہ سارا کا سارا ملک میں آ جاتا ہے۔  
 اور پھر بوجہ القضاء زمانہ ملک سے نہیں نکلتا ہاں جیسے اعیان میں باندی غلام اصل میں قابل ملک  
 نہ تھے بلکہ آزاد اور حُر تھے فقط بوجہ عروض عوارض معلومہ ملک ان پر عارض ہو جاتی ہے۔ اور اس  
 لیے فعل مالک جس کو عتیق کہیے ملک عارض کو زائل کر دیتا ہے۔ اور اس وجہ سے حریت سترہ  
 پھر ظاہر ہو جاتی ہے اس لیے ہی ماخذ منافع معلومہ اصل میں بوجہ حریت نیکو قابل ملک نہ تھی پھر بوجہ



مذکورہ ملک عارض آزادی اور بے قیدگی معلوم کر دباہیتی ہے اور فعل طلاق اس کو زائل کر کے آزادی اصل کو ظاہر کر دیتی ہے ورنہ جیسے باندی غلام کی ملک اپنے آپ مثل تعلق اجارہ قابل زوال نہ تھی ایسے ہی ملک نکاح مثل تعلق متعہ اپنے آپ زوال پذیر نہیں۔

(منکوحہ میں حق حبس ہوتا ہے اور باندی میں حق ملک) | ہاں یہ بات باقی رہی کہ اگر یہ ہے تو پھر بیع وہبہ اس لیے منکوحہ میں بیع وہبہ کا اختیار نہیں) | کا اختیار کیوں نہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ حسب تقریر بالاتمام منافع بالقوہ زن بلکہ خود جسم زن شوہر کی حبس میں آجاتا ہے اور ایک منفعت کے ماخذ کے پتے سائے ماخذ بلکہ محل تمام ماخذ محسوس ہو جاتا ہے۔

سو جہاں عورت خود راغب ہو وہاں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس کی رضا مندی سے حبس کی نوبت آئی ہے۔ ظلم و ستم نہیں کہہ سکتے جو منع کیا جائے مگر خاوند اگر بطور خود کسی کے حوالہ کرے تو ماخذ مملوک میں تو اس کو اختیار تھا ماخذ محسوس میں اس کو کیا اختیار جو اپنے حبس سے نکال کر اوروں کے حوالے کر دے۔

(منکوحہ میں حق ملک مفقود ہونا اور احسان کا ضروری) | ہاں اگر ماخذ منافع معلومہ پر قبضہ نہائی ہو ہونا بیع و شرار سے مانع ہیں اور حق حبس کا قیام نہ ہوتا ہے) | سکتا تو پھر وجہ ممانعت بیع وہبہ تصرف فی ملک الغیر تو نہ تھی البتہ احسان مذکور الصدر حبس کی ضرورت بدلائل عقلیہ و نقلیہ اور پر ثبات ہو چکی ہے مانع بیع وہبہ ہوگا اور یہ ایسی وجہ ہے کہ اگر بالفرض عورت حبس غیر شوہر پر راضی ہو جائے تو پھر بھی اجازت بیع وہبہ نہیں ہو سکتی۔ الغرض تملک ماخذ معلوم کو بذات خود تو وہبہ اور بیع سے انکار نہیں پر فرضیت احسان اور ثمول حق زن مانع بیع وہبہ و عاریت ہے اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ جو شیعوں نے اعادہ فروج جواری تجویز کیا ہے تبیس شیطانی ہے سراسر فحش ہے قابل جواز نہیں مگر جب مرتبہ احسان اس درجہ کو پہنچا کہ لازم تملک کو بھی بیکار کر دیا یعنی اختیار بیع و شرار وہبہ و عاریت جو اصل مقتضا مالکیت ہے احسان کے باعث بیکار ہو گیا تو پاس شہوت پرستی جو سراسر اس قاعدہ کے مخالف ہے جو آیت نِسَاءُكُمْ حَرَّتْ لَكُمْ سے منتزع ہوتا ہے کیونکہ ناسخ ضرورت احسان ہو سکتا ہے۔

بالجملہ یہ آیت حسب بیان بالا اولاد کے مطلوب ہونے اور قضاء شہوت کے اس کی نسبت وسیلہ ہونے پر وال ہے اور ظاہر ہے کہ اس مادی ناسخ مطالب نہیں ہو سکتا۔ ہاں رعایت مطالب



دافع لحاظ وسائل ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ایام شیرخوارگی اولاد میں بعض اشارے کنائے بہ نسبت ممانعت جملعہ پائے جاتے ہیں علیٰ ہذا القیاس اِکسال کا غیر محمود ہوتا بھی ایسا نہیں جو کوئی نہ جانتا ہو ادھر عورتوں میں دود و دود (محبت کرنے والیوں کے جننے والیوں) کا پتہ مدوح ہونا اور عقائم (بائچہ عورتوں) کا کسی قدر غیر محمود ہونا اسی پر مبنی ہے۔ ادھر زنان دیندار کا دربارہ نکل محمود ہونا بھی اسی جانب مشیر ہے کیونکہ حسب بیان بالا امر جبہ اولاد میں احوال و اخلاق والدین کے دخل تام ہے اس صورت میں دیندار عورت ہو تو دینداری اولاد کی اُمید ہے بالجملہ ثنوت پرستی کو دیکھتے تو عقیمہ اور دود اور دیندار اور بے دین اور عورت شیردہ اور غیر شیردہ سب برابر ہیں ہاں اولاد کے حساب سے جو کچھ فرق ہے وہ معلوم ہی ہو چکا۔

الحاصل جس حکم متعلق زنان کو دیکھتے مراعات اولاد اس سے ٹپکتی ہے اور خود مراعات اولاد ہی سبب فرضیت احسان ہوا ہے چنانچہ مفصل اوپر مرقوم ہو چکا اور کیوں نہ ہو غرض اصلی خلق نسا سے جب زراعت معلوم نکلی چنانچہ آیت نِسَاءُ کُمْ حَرِّثُ لَكُمْ اس پر شاہد ہے اور دلائل عقلیہ جو اوپر مذکور ہو چکے اس کے مؤید تو پھر اس کا منسوخ کتنا اغراض اصلیہ اور مقتضیات ذاتیہ اور لازم ذاتیہ کے امکان انفکاک پر فتویٰ دینا ہے۔ کیونکہ احکام شرعیہ حقائق خارجیہ پر مبنی ہیں خدائے تعالیٰ کی عبادت موافق اشارہ۔

اَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا (کیا تم ایسی چیز کی بندگی کرتے ہو اللہ کو چھوڑ کر جو مالک نہیں تمہارے برے کی اور نہ بھلے کی) مالکیت نفع و ضرر پر مبنی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و صف رسالت پر مبنی ہے۔ خلیفہ کی اطاعت اس کی خلافت اور اولوالامری پر موقوف۔ زکوٰۃ کے وجوب کے لیے غنا کی ضرورت ہے حج کی فرضیت کے لیے کعبہ کے بیت اللہ ہونے کی حاجت، یعنی ثروت مالی پر زکوٰۃ کی بنا ہے اور کعبہ کے بجلی گاہ خداوندی ہونے پر طواف کی بنا ہے۔ زنا بوجہ فحش ممنوع ہے اور شراب بوجہ سکر ممنوع اور قتل و غضب بوجہ ظلم ممنوع ہے

لے مثلاً اولاد کا حاصل کرنا مقصد ہے اور یہ مقصد بغیر مباشرت کے حاصل نہیں ہو سکتا لیکن جب کہ بچہ پیدا ہو گیا ہو اس کے ایام شیرخوارگی میں مباشرت کے نقصان دہ ہونے کے باعث اصل اولاد یعنی مباشرت کی روک ٹوک لگائی جائے۔ ۱۲۔ محمد عینی گورانی۔



اور حرکات لایعنی بوجہ لغو و بے سود ہونے کے ممنوع ہیں۔ بر والدین کے وجوب کی بنا حق محبت و تربیت پر ہے اور عقوق والدین کے ممنوع ہونے کی بنا اطلاق حق مذکور ہے۔

علیٰ ہذا القیاس اور اوامر و نواہی کو سمجھے اس صورت میں بنا حکم جس بات پر ہوگی اگر وہ بات دائم و قائم ہے تو وہ حکم بھی دائم و قائم ہے گا۔ اور اگر وہ بات قابل زوال ہے تو وہ حکم بھی زوال پذیر ہوگا مگر ہرچہ باد اباد۔ ہر حکم کے لیے ایک مبنی اور اصل ضرور ہے جس کو علت حکم کہتے محکوم علیہ اصلی وہی ہوتا ہے اور اسی کے پہچان لینے کو اصطلاح شرع میں حکمت اور حکم کہتے ہیں اور بخور دیکھئے تو آیات۔  
 یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاتَّيْنَاهُمْ حُكْمًا وَعِلْمًا وغیرہ میں حکمت و حکم سے اسی علم کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

(حسن بالذات اور قبیح بالذات کے | اس تقریر کو دیکھ کر اہل فہم کو یقین ہو گیا ہوگا کہ امر و نہی حسن  
 اوامر و نواہی ناقابل تفسیح ہیں) بالذات و قبیح بالذات قابل نسخ و تغیر نہیں۔ یہی وجہ معلوم  
 ہوتی ہے کہ ایمان اور اطاعت خدا و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور احسان اور عدل اور بر والدین اور  
 صلہ رحمی اور مروت اور سخاوت اور عفت ہمیشہ ہر زمانہ میں ہر دین میں محمود ہے ہیں اور شرک اور بدعت  
 اور ظلم اور عقوق والدین اور قطع رحم اور بخل اور زنا اور چوری۔ فحشاء وغیرہ ہر زمانہ میں ہر دین میں مذموم ہے۔  
 کیونکہ علت امر و نہی اور سبب وجوب و حرمت وغیرہ امر و نہی اور وجوب حرمت وغیرہ سے بوجہ حسن و قبیح  
 ذاتی کبھی جدا نہیں ہو سکتے ہاں حسن بالغیر اور قبیح بالغیر قابل نسخ و تغیر ہیں۔

یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ لباس و کنار وغیرہ امور معلومہ جو اکثر مواقع میں داعی الی المجامعت ہوتے  
 ہیں علی العموم ممنوع نہیں اپنی اولاد کا بوسہ اور احباب کا معانقہ اور مردوں کا مردوں کو دیکھنا اور عورتوں  
 کا عورتوں کی طرف نگاہ کرنا اور تنہا بیٹھنا ہرگز ممنوع نہیں بلکہ لبا اوقات یہ امور کسی اور وجہ سے اور محمود ہو  
 جاتے ہیں۔ اگر یہ امور بھی مثل زنا و افلام بذات خود مذموم ہوتے تو ہر جا ہر طرح سے ممنوع اور مذموم  
 ہاں خود زنا اور افلام چونکہ بذات خود ممنوع ہیں تو محارم کے ساتھ اس کی ممانعت اور اشد ہے پر لباس و  
 کنار وغیرہ امور ایسے مواقع میں اکثر محمود سمجھے جاتے ہیں۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ حسین رضی اللہ عنہما پر بوسہ دینا اور حضار مجلس الذکر  
 میں سے اگر ایک شخص نے یہ کہا کہ میرے دس بیٹے ہیں کبھی کسی کا بوسہ نہیں لیتا تو آپ کا اس کے  
 www.jmmpak.tk



جواب میں یہ ارشاد کہ میں کیا کروں جو خدائے تعالیٰ نے تیرے دل میں سے رحمت نکال لی ہو؟ صفت اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایسے مواقع میں یہ امور محمود ہیں۔ حالانکہ زنا و اعلان ایسے مواقع میں اور مواقع سے زیادہ تر ممنوع ہیں۔ بہر حال امر حسن بالذات اور نہی قبیح بالذات قابل نسخ و تغیر نہیں اگر ہیں تو امر و نہی حسن بالغیر و قبیح بالغیر قابل نسخ و تغیر ہیں۔

(نسخ و تغیر میں پہچان آسان نہیں) لیکن یہ پہچاننا کہ نسخ و تغیر کس کو کہتے ہیں ہر کسی کا کام نہیں اس لیے یہ گزارش ہے کہ نسخ و تغیر اور چیز ہے اور استتار حکم اور چیز ہے نسخ میں حکم اول کا مٹا دینا ہوتا ہے اور استتار میں چھپا لینا۔ نسخ میں حکم باقی نہیں رہتا زائل ہو جاتا ہے اور استتار میں حکم مستور بجنسہ باقی رہتا ہے کسی اور حکم کے تلے دب کر چھپ جاتا ہے۔

اول کو ایسا سمجھو جیسا چراغ گل ہو جاتا ہے اور دوسرے کو ایسا سمجھو جیسا کہ چراغ گل تو نہ ہو پر کسی برتن میں دھکر کر اوپر سے سر پوش رکھ دیجئے۔ سفر و مرض میں اگر افطار کی اجازت ہے تو اس کو نسخ فرضیت صوم رمضان نہیں کہہ سکتے یہاں وہ حکم فرضیت بجنسہ باقی رہتا ہے پر حکم رخصت کے تلے دبا ہوا ہے غرض مرض و مشقت درگاہ رحمانی سے تخفیف ہو گئی جس وقت یہ مشقت مرض و سفر گئی اسی وقت سے پھر تقاضا ہے۔

(علت حکم کبھی ظاہر ہوتی ہے کبھی مخفی) جب یہ بات ذہن نشین ہو گئی تو اور سنئے کبھی علت حکم ایسی ظاہر و باہر ہوتی ہے کہ اس کے علت ہونے میں کسی کو شک و شبہ نہیں ہوتا۔ پھر بایں ہمہ وہ علت ایسی پائیدار اور ضروری الوجود یا دائم الوجود نہیں ہوتی جو کبھی اس کا عدم متصور ہی نہ ہو ایسی صورت میں زوال و بقا حکم محتاج بیان نہیں ہوتا مثلاً زکوٰۃ کے وجوب کے لیے ثروت مالی کا علت ہونا ایسا نہیں کہ کوئی نہ جانتا ہو اس لیے بعد افلاس اگر کوئی غنی ہو جائے یا بعد غنا کوئی مفلس ہو جائے تو دوبارہ تغیر حکم سابق حکم جدید اور وحی تازہ کی ضرورت نہ ہوگی یعنی وقت افلاس زکوٰۃ فرض نہ تھی اور بعد غنا زکوٰۃ فرض ہوئی یا وقت غنا زکوٰۃ فرض تھی اور بعد افلاس پھر فرض نہ رہی تو اس تغیر کے لیے حکم جدید کی ضرورت نہیں اور اس وجہ سے اس تغیر کو عرف شرع میں نسخ نہیں کہتے اگرچہ نسخ میں بھی یہی تغیر حکم بوجہ حدوث علت حکم یا زوال علت حکم ہوتا ہے

ہاں علت حکم اگر ایسا امر ہے جس کا علت ہونا ہر کوئی نہیں سمجھ سکتا یا خود اس علت کا ہونا



نہ ہونا ہی ہر کسی کو معلوم نہیں ہوتا تو پھر تغیر مذکور کو نسخ کہتے ہیں۔

(احکام کو منسوخ کرنا قادر مطلق کی شان ہے) | بالجلہ نظر ظاہر بین نسخ کو ثمرہ بے نیازی و اختیار کلی احکام الحاکمین

سمجھتی ہے۔ اور علت و اصل حکم سے کچھ بحث نہیں کرتی۔ اور عقل حقیقت شناس اگرچہ بے نیازی و اختیار

کلی کو ایسا حق سمجھتی ہے کہ علل احکام اس کے آگے اس سے زیادہ مرتبہ نہیں رکھتیں جتنا سائل درپوزہ

اس کے سامنے رکھتا ہے جس سے سائل ہے۔ بلکہ اس سے بھی کم۔ لیکن اسم حکم و عدل اور صفت

حکمت و عدالت خداوندی پر ایمان ضروری جانتی ہے اور اس لیے ہر حکم کے واسطے جدید ہو یا قدیم ہو

کسی نہ کسی وجہ کا ہونا اس کے نزدیک ایسی طرح ضروری ہے جیسے شہنشاہ ہفت اقلیم جس کو نظم و نسق

ہفت اقلیم اور عزل و نصب میں اختیار کلی ہو ہر طرح سے سیاہ و سفید کر دینے کا مختار ہو بھلا کرے یا برا کرے

اس کے آگے مجال و مزون کسی کو نہ ہو بوجہ عقل و دانش و عدل خداوند جو کرتا ہے مناسب ہی کرتا ہے

لائق عطا کو عطا کرتا ہے اور سزاوار کو سزا دیتا ہے قابل عزل کو معزول اور لائق منصب کو مامور کرتا ہے

مستحقان کرم سے درگزر اور مستحقان غضب پر قہر کرتا ہے اگرچہ ان سب باتوں میں بوجہ شوکت و دبیرہ

و بے نیازی شہنشاہی اختیار برعکس حاصل ہے۔

الغرض حکمت و عدل خداوند علیم و حکیم و عدل کریم باوجود بے نیازی مذکور جس کے ثبوت کے لیے

قطع نظر شہادت عقل آیت **لَفَعَلَ اللَّهُ مَا يَشَاءُ** (اللہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے) کی گواہی

بھی بالضرور اس بات کو مقتضی ہے کہ ہر کسی کے ساتھ وہ معاملہ کیجئے جس کی قابلیت رکھتا ہے

اور ہر زمانہ میں وہ حکم کیجئے جو مناسب وقت ہو۔

(نسخ احکام طبعیہ کے نسخہ بدلنے کی مانند ہیں) | الغرض جیسے یہاں گرم مزاج و سرد مزاج والوں کو

امراض متحدہ و مختلفہ میں ایک دوا نہیں دیتے وہاں بھی اختلاف اوضاع بنی آدم پر نظر ہے جیسے یہاں

موسم گرم یا سرد کا فرق وقت علاج ملحوظ رکھتے ہیں وہاں دوبارہ احکام فرق زمانہ ملحوظ نظر ہے ہاں جیسے

جاہلوں کو اطباء کا یہ فرق سمجھ میں نہیں آتا ایسے ہی اکثر افراد بنی آدم کو جن کی شان میں **إِنَّهُ كَانَ**

**ظَلُومًا جَهْلًا** وارد ہوا ہے فرق احکام خداوندی سمجھ میں نہیں آتا۔ اس تقریر سے یہ بات

روشن ہو گئی ہوگی کہ نسخ احکام خداوندی بوجہ تدارک غلطی سابقہ نہیں ہوتا جو یوں کہئے خداوند علیم کی

نسبت غلطی کا احتمال نہیں پھر نسخ حکم سابق ہوا تو کیوں ہوا۔ بلکہ یہ نسخ و تغیر بوجہ تغیر علل اسباب ہوئی

نسبت غلطی کا احتمال نہیں پھر نسخ حکم سابق ہوا تو کیوں ہوا۔ بلکہ یہ نسخ و تغیر بوجہ تغیر علل اسباب ہوئی



جو بوجہ اختلاف افراد و القلاب زمان اکثر ہوتا رہتا ہے۔

بہر حال احکام مختلفہ کے لیے اختلاف علل ضروری ہے اور تغیر احکام کے لیے تغیر علل ضروری ہے مگر اسی طرح استتار حکم کے لیے استتار علل ضروری ہے۔ ہاں وہ استتار اگر ممکن ہے تو کسی علت ہی کے عروض کے باعث ممکن ہے مثلاً استطاعت صوم جو اصل و علت فرضیت صوم ہے صعوبت مرض و مشقت سفر کے تلے دب جاتی ہے چنانچہ بجز زوال مرض و اختتام سفر وہ استطاعت پھر خود کو آتی ہے اگر مستور نہ ہوتی بلکہ زائل ہو جاتی تو دوبارہ استطاعت کے لیے مثل صعوبت و مشقت مذکورہ کسی امر خارجی کی ضرورت ہوتی بجز زوال و اختتام اس کا ظہور نہ ہوتا اور ظاہر ہے کہ یہ صعوبت و مشقت ہی علت رخصت افطار ہے جس کے رتلا وہ استطاعت مستور تھی اس صورت میں وقت رخصت افطار بوجہ مرض و سفر استتار علت فرضیت اور استتار فرضیت ہو گا اور وقت فرضیت صوم بعد زوال مرض و سفر زوال علت رخصت و زوال حکم رخصت ہو گا۔

(اجازت متعہ از قسم رخصت تھی از قسم نسخ نہیں تھی) | مگر (جب بات) یوں ٹھہری تو بعد حصر ادا علی ازواجہم او ما ملکت ایمانہم اجازت متعہ از قسم رخصت ہے از قسم نسخ نہیں کہہ سکتے کیونکہ علت حصر مذکور اولاد کا مقصود ہونا ہے جس کو حکم معروضات گذشتہ احصان لازم ہے۔ اولاد کا مقصود ہونا ایسا نہیں جو قابل الفساک ہو۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ نِسَاءُ کُمْ حَدَثٌ لَّکُمْ قَضِیۃٌ طَبِیْعِیۃٌ ہاں ذوق سلیم نہ ہو تو اس کا کچھ علاج نہیں بائیں ہمہ کون سنیں جانتا کہ اس جا احتمال تخصیص نہیں ایسی کون عورت ہے جس کے شکم میں رحم مخلوق نہ ہوا ہو اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ مقصود اصلی پیدائش زمان سے توالد و تناسل ہے۔

(عوارض خارجیہ کے نیچے احکام اصلیہ مستور ہو) | البتہ عروض عوارض گاہ بیگاہ مانع تولد اولاد ہو جاتے ہیں زائل اور منسوخ نہیں ہوتے، جاتا ہے مگر عوارض خارجیہ سائر آثار و احکام اصلیہ

ہوتے ہیں دافع اور مزیل نہیں ہو سکتے جو یوں کہا جائے کہ مرض عقم وغیرہ موانع اولاد، توالد کے مقصود نیچے ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

اور اگر یوں کہے کہ اولاد کا مقصود ہونا اس کے منافی نہیں کہ شہوت پرستی مقصود نہ ہو تو اس شبہ



کا جواب نقلی تو یہ ہے کہ اس قضیہ میں حرث مقدم ہے اور ملک مؤخر جس سے بیاد علم معانی موافق محاورہ اہل لسان حصر فی الحرثیت نکلتا ہے اور ظاہر ہے کہ حصر فی الحرثیت بعینہ حصر فی مقصودۃ التوالد ہے۔ اور جواب عقلی یہ ہے کہ ثنوت پرستی اور مجامعت مبادی و اسباب اور ذرائع و وسائل توالد میں سے ہیں اور توالد و تناسل ذرائع ثنوت پرستی و مجامعت میں سے نہیں اور ظاہر ہے کہ اسباب بذات خود مقصود نہیں ہو سکتے خاص کر ثنوت پرستی۔ چنانچہ توضیح مرقوم ہو چکا ہے۔ اور ظاہر ہے جب عورت سے اولاد مقصود بالذات ہوگی تو احصان مذکور خود بخود لازم آئیگا۔ چنانچہ ناظران اوراق گذشتہ اس امر سے بخوبی آگاہ ہو چکے ہیں۔

بالجملہ قطع نظر اس امر کے کہ حدیث غیر متواتر کوناسخ قرآن شریف نہیں سمجھ سکتے۔ اس جار گنجائش نسخ ہی نہیں۔ ہاں اگر صفت ولودیت عورتوں سے ممکن الانفکاک ہوتی تو البتہ اس اجازت متعہ کوناسخ حصر الہ علیٰ انواچہو کہہ سکتے (تھے)۔ اس صورت میں بجز اس کے کہ رخصت کئے اور اور کیا کیئے۔ یعنی جیسے وقت حالت محصرہ اجازت اکل میتہ ناسخ حرمت میتہ نہیں بلکہ بوجہ ضرورت عارضہ جو علت اباحت لحاظ پاکیزگی طبع انسانی جو موجب حرمت میتہ وغیرہ ہے مستور ہو گیا اور اس وجہ سے حکم حرمت متعہ جو حصر مذکور سے صاف روشن ہے۔ زیر پردہ رخصت متعہ مستور اور روپوش ہو گیا تھا چنانچہ لفظ رخصت کتا بھی جو روایات متعہ میں موجود ہے اس ستار و عدم نسخ پر شاہد ہے۔

(متعہ کے عارضی طور پر مباح ہونے کی علت) | رہی یہ بات کہ ضرورت کیا تھی وہ ہم سے سنیئے اکل میتہ میں فقط ضرورت عبادت تھی اور یہاں ضرورت عباد اور ضرورت معبود دونوں تھیں۔ علاوہ بریں اکل میتہ میں فقط ضرورت دنیوی تھی یہاں ضرورت عباد بھی تھی تو فقط ضرورت دنیوی ہی نہ تھی۔ ضرورت دینی اور ضرورت دنیوی دونوں تھیں۔

ضرورت عباد تو اس باب میں اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ بشادات احادیث صحیحہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے خصی ہو جانے کا ارادہ کیا اور یہ ان کا ارادہ اگرچہ اہل ہند کو تعجب انگیز ہو کیونکہ یہاں ایسی قوت کہاں جو اس درجہ کو بے قراری اور اضطراب کی نوبت آئے مگر اس باب میں اول تو عرب والے مشہور ہیں۔ دوسرے وہ ملک گرم طبائع، عشق آمیز مزاج محبت خیز قیس اور لیلیٰ اور واثق اور عذرا کا افسانہ مشہور و معروف ہے۔ بنی غنہ کا قصہ ابولہب و زینب بھی سننا ہو گا کہ ان میں اکثر آدمی مرض عشق میں



مبتلا ہو کر مر جاتے تھے کسی نے ان میں سے کسی سے وجہ پوچھی تو یہ کہنا کہ نساءنا وعفت فتنانا یعنی مرض عشق میں مبتلا ہو کر جو ہماری قوم کے لوگ اکثر مر جاتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری قوم میں عورتیں حسین ہوتی ہیں اور مرد عقیقت یعنی پاکباز ہوتے ہیں۔

بالجملہ صحابہ کا ارادہ اختصار کوئی امر مصنوعی نہ تھا صحیح تھا اور ظاہر ہے کہ خواہش جماع خواہش دنیوی ہے۔ ہاں ضرورت عباد بھی ہو اور پھر ضرورت دینی ہو اس کے بیان کی ضرورت ہے اس لیے معروض ہے کہ خواہش جماع مرجعت وطن کے لیے متقاضی تھی تاکہ اپنی ازواج سے جا کر ہم آغوش ہوں اور فرضیت جہاد اور فضائل معیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم فی الجہاد اور نیز فضائل صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مانع تھے اور ظاہر ہے کہ یہ سب امور خصوصاً فرضیت جہاد کے لیے نہیں کہ موجب ضرورت و احتیاج نہ ہوں۔

دہی ضرورت مجبوری۔ ہر چیز یہ لفظ بظاہر مؤہم گستاخی ہے مگر بایں نظر کہ مبادی مقصود اس کے حق میں ضروری ہوتے ہیں اور اس لیے بالیق مقصود ہو جاتے ہیں یہاں بھی یوں کہہ سکتے ہیں کہ عبادت جملہ نبی آدم بشہادت ماخلقت الجن والانس الا لیعبداً وین۔ خدا کے یہاں سے مطلوب ہے۔ اور جہاد اس کے لیے ضروری ہے مگر ظاہر ہے کہ جہاد اگر ہو سکتا ہے تو بعد اجتماع مجاہدین ہو سکتا ہے۔ اس لیے اگر کوئی امر موجب تفرق ایسے دنوں میں پیش آیا کہ اسلام کی تونو (بنیاد) رکھی جاتی ہو اور اہل اسلام جن سے امید جہاد ہو گئے چنے ہوئے ہوں اگر وہ چلے جائیں تو پھر جہاد کی کوئی صورت نہیں۔ ایسے دنوں میں موجب تفرق کا انداد ضروری ہو جائے گا ہاں اگر اسلام شائع ہو جائے اہل اسلام بکثرت ہوں۔ ایک گروہ چلا جائے تو دوسرا آسکتا ہے۔ ایسے دنوں میں انداد موجب تفرق اتنا ضروری نہیں یعنی پہلی صورت میں تو اجازت بعض محرمات اگر ضرورت ہو تو قرین قیاس ہے پر دوسری صورت میں ضروری نہیں ہوتی جو اجازت ہو۔

(اباحت متعہ کی وقتی ضرورت اور وجوہ) | القصہ وقت ضرورت اباحت محرمات ممکن ہے مگر ضرورت متعہ سوا ابتداء زمانہ اسلام کبھی نہیں ہوتی اور انشاء اللہ نہ ہوگی۔ جو حضرات شیعہ کو اس پاکبازی کے لیے دتا ویزہ ہو جائے۔ ہاں یہ مسلم۔ وقت اباحت متعہ ضرورت متعہ شدید تھی۔ مجاہدین گھر چلے جائیں تو جہاد کون کرے اور کیوں کر ہو اور نہ جائیں تو کیا کریں خفی ہو جانے کی اجازت نہ ملی زنا پر یہ تشدد کہ



سنگار ہوں یا سوتا زیا نہ کھائیں اور نکاح کریں تو کہاں سے کریں ضرر کی مقدار نہیں اگر ہوتی تو ایک ایک چادر پر متعہ کرنے کی نوبت کا ہے کہ آتی پھر نان نفقہ کی ایسی صورت نہیں کہ زوجہ اول و ثانی کو برابر بن جائیں اور ہر اس مقام کی عورتوں سے یہ توقع نہیں کہ اپنے مولد و اقرباء کو چھوڑ کر دور دراز چلی جائیں۔ اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ ضرورتِ مخصوصہ سے یہ ضرورتِ شدید تھی کیونکہ اول تو وہ ضرورت اور سو طرح سے مرتفع ہو سکتی ہے۔ محنت، مزدوری، قرض، سوال، کسی طرح قدر قوت میسر نہ آ سکے تو گھاس بھونس کھا کر تو اپنا پیٹ بھر سکتے ہیں یہاں رفع ضرورت کی بجز اجازت متعہ یا مراجعت وطن اور کوئی صورت نہ تھی سو جیسے بوجہ جہاد و قتل و قتال امور ممنوعہ کی اجازت ملی تھی اس وقت بوجہ معلوم متعہ کی بھی اجازت ضروری ہو گئی۔

العرض ضرورتِ مذکورہ غزواتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بے شک قابلِ لحاظ تھی۔ اس زمانہ قلتِ اہل اسلام و کثرتِ اعداء میں اگر اس امر قبیح کو بوجہ ضرورت بالعرض بھی حسن نہ سمجھتے تو ترقی دین میں سو طرح کے کھٹکے تھے۔

جس وقت قتل و قتال کو بوجہ حسن بالغیہ جائز کر دیا تو فساد متعہ پر ایسے وقت ضرورت میں کیا لحاظ کیا جائے ایسے وقت ضرورت میں اباحت متعہ اس سے زیادہ قابلِ لحاظ ہے کہ حالتِ مخصوصہ میں اباحتِ اکل میتہ۔

(بالفرض متعہ جائز ہوتا تو اہل سنت کے لیے جائزہ ہوتا) اس تقریر سے اہل فہم کو خوب واضح ہو گیا ہوگا۔ کہ اگر بالفرض و التقدر متعہ جائز بھی ہوتا تو اہل سنت کے لیے جائزہ ہوتا جہاد میں جانفانیوں اور جانبازیاں تو اہل سنت کمریں یہ پاکبازیاں بھی ہوتیں تو انہیں کے لیے ہوتیں۔ مگر تماشا ہے کہ جانبیں کون گنوائیں اور مزے کون اڑائیں۔ حق یہ ہے کہ دقیقہ سنجی اور انصاف پرستی اور صدق فی الروایت اہل سنت ہی کے لیے ہے بہر حال اباحت متعہ بوجہ ضرورت تھی اور وہ ضرورت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ میں تھی اور پھر وہ بھی وقت سفر تھی وقت حضر نہ تھی اور وقت سفر بھی انہی لوگوں کے لیے تھی جن کی بیبیاں ان کے ساتھ نہ تھیں چنانچہ روایات صحاح اہل سنت اس بات پر شاہد ہیں صحیح مسلم میں ہے۔

عَنْ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ يَقُولُ  
صحيح مسلم میں حضرت قیس فرماتے ہیں میں نے عبد اللہ



كُنَّا نَعْزُدُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ لَنَا نِسَاءٌ فَقُلْنَا أَلَا نَسْتَخْصِي فَمَهَانَا عَنْ ذَلِكَ ثُمَّ رَخَّصَ لَنَا أَنْ نَنْكِحَ الْمُرَاةَ بِالثَّوْبِ إِلَى أَجَلٍ  
 راتنی مقام الحاجۃ منہ ۴۵۱ مسلم

اور نیز صحیح مسلم میں ہے۔

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي خَالِدُ بْنُ الْمُهَلَّبِ بْنِ سَيْفِ اللَّهِ أَنَّهُ بَيْنَا هُوَ جَالِسٌ عِنْدَ رَجُلٍ جَاءَهُ رَجُلٌ فَاسْتَقَاةً فِي الْمَتَعَةِ فَأَمَرَهُ بِهَا فَقَالَ لَهُ ابْنُ أَبِي عُمَرَ الْأَنْصَارِيُّ مَهْلًا قَالَ مَا هِيَ وَاللَّهِ لَقَدْ فَعَلْتُ فِي عَهْدِ إِمَامِ الْمُتَّقِينَ قَالَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ أَلَيْسَ كَانَتْ رَحْصَةً فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ لِمَنْ اضْطُرَّ إِلَيْهَا كَالْمَيْتَةِ وَالْدَّمِ وَلَحْمِ الْخَنْزِيرِ ثُمَّ أَحْكَمَ اللَّهُ الدِّينَ وَنَهَى عَنْهَا۔

راتنی مقام الحاجۃ (مسلم ص ۴۵۲)

(اجازت متعہ ایسی ہی تھی جیسے حالت اضطراری | اب ۱۰۰ روایتوں سے صاف روشن ہے کہ میں مردار کھانے کی اجازت ہے۔) | ابتداء اسلام میں وقت سفر جہاد لوجہ ضرورت شدید

متعہ جائز تھا علی العموم جائز نہ تھا اور پھر وہ جواز بھی ایسا ہی تھا جیسے میتہ اور خنزیر کا حالت مجتہد میں کھانا جائز ہے یعنی رخصت تھا عزیمت نہ تھا جو امید ثواب رکھیے اور ایک متعہ پر حضرت ام حسین رضی اللہ عنہ کے مرتبہ کا امیدوار ہے اور دوسرے متعہ پر حضرت ام حسن رضی اللہ عنہ کے مرتبہ کی توقع باندھیے اور تیسرے متعہ پر حضرت ام المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے مقام کا انتظار کیجئے اور چوتھے

بن مسعودؓ سے سافر ملتے تھے ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ غزوہ میں تھے ہمارے ساتھ بیویاں نہ تھیں تو ہم نے پوچھا کیا ہم خصی نہ ہو جائیں تو آپ نے اس سے روکا پھر ہم کو اجازت مل گئی کہ ہم کسی عورت کے ساتھ مدت مقررہ تک نکاح کر لیں۔)

ابن شہاب کہتے ہیں مجھے خالد بن ماجر بن سیف اللہ نے بتایا کہ وہ ایک آدمی کے پاس بیٹھے تھے تو ایک شخص نے متعہ کے بارے میں آکر مسئلہ پوچھا تو اس آدمی نے اسے اجازت دی ابن ابی عمرہ انصاری کہنے لگے چھوڑو وہ کہنے لگے ایسا کیوں اہم المتقین کے زمانہ میں ہم نے کیا تھا تو ابن ابی عمرہ نے کہا یہ اسلام کے دور آغاز میں رخصت تھی اس شخص کے لیے جو مجبور ہو جیسے کوئی آدمی مردار خون اور خنزیر کھانے پر مجبور ہو پھر اللہ نے دین کو پختہ کر دیا اور ہمیں متعہ سے (خدا نے) روک دیا)



میں منصب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی آرزو پکڑے۔

بالجملہ زمانہ نبوت میں بھی متعہ عزیمت نہ تھا بلکہ رخصت تھا اور وہ بھی سفر میں نہ حضر میں اور سفر میں بھی تھا تو فقط سفر جہاد ہی میں اور وہ بھی ان لوگوں کے لیے جن کی عورتیں نہ تھیں اور ان میں سے بھی انہی کے لیے جن کو ایسی ضرورت ہو جیسے حالت محضہ میں پیٹ بھر لینے کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ یہ تمام مضامین دونوں روایتوں کے الفاظ سے مثل آفتاب روشن ہیں۔

(اکل میتہ حالت اضطراری میں اب بھی جائز ہے اور متعہ مگر چونکہ حالت محضہ کا احتمال آئندہ بھی تھا کو بوجہ ارتفاع علت ہمیشہ کے لیے منسوخ کر دیا گیا ہے) پر بعد فتح مکہ احتمال ضرورت متعہ کسی طرح نہ تھا کیونکہ بعد فتح مکہ معظمہ تمام ملک عرب مسلمان ہو گیا تمام اقوام فوج فوج داخل زمرہ اسلام ہونے لگیں خدا کی مدد نے چاروں طرف سے ظہور کیا۔ چنانچہ سورت۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ  
النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا (پ)

جب پہنچ چکے مدد اللہ کی اور فسطح اور تو دیکھے لوگوں کو داخل ہوتے ہیں دین میں فوج فوج

اس مضمون پر شاہد ہے اور شاہد فوج شام و مصر و عراق و فارس وغیرہ اس کے مصداق ہیں۔ اس لیے اکل میتہ میں تو بشرط حالت محضہ رخصت بحال خود باقی رہی اور متعہ کو قیامت تک منسوخ کر دیا۔ چنانچہ وہ روایتیں کے جو اس حرمت ابدی پر دلالت کرتی ہیں پیش کش ناظرانِ اوراق ہیں منجملہ اور روایتوں کے ایک روایت تو مرقوم بھی ہو چکی یعنی دوسری روایت جس میں یہ لفظ ہیں۔ ثُمَّ أَحْكَمَ اللَّهُ الدِّينَ وَلَمْ يَلْبَسْ عَنْهَا اس روایت سے صاف روشن ہے کہ متعہ زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اول ہی جائز تھا پھر دین کو محکم اور مضبوط کر دیا یعنی متعہ سے انجام کار ہمیشہ کے لیے منع فرما دیا سوا اس کے اور روایت لیجئے صحیح مسلم میں موجود ہے۔

حَدَّثَنِي الرَّبِيعُ بْنُ سَبْرَةَ الْجَمْعِيُّ عَنْ  
أَبِيهِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ إِلَى مَكَّةَ

اس کے بعد پھر یہ روایت ہے۔ حَدَّثَنِي الرَّبِيعُ بْنُ سَبْرَةَ الْجَمْعِيُّ أَنَّ أَبَاهُ

ربیع بن سبرہ جھنی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ فتح مکہ کے دن نکلے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے لوگو میں نے تم کو عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی اور

www.jmmpak.tk



أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ  
إِلَيَّ قَدْ كُنْتُمْ أَذِنْتُ لَكُمْ فِي الْإِسْتِمَاعِ  
مِنَ النَّسَاءِ وَإِنَّ اللَّهَ قَدْ حَرَّمَ ذَلِكَ  
إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ فَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ مِنْهُنَّ  
شَيْءٌ فَلْيُحْدِثْ سَبِيلَهُ وَلَا تَلْخُذُوا بِهَا  
اتَّخِذُوا مِنْ شَيْءٍ (مسلم ص ۵۱۴)

تک حرام کہ دیا پس جس کے پاس ایسی چیز (عورت)  
ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دے اور جو کچھ تم نے مہر دیا ہو  
وہ بھی ان سے واپس نہ لینا۔

ان دونوں روایتوں کے ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بھی بھی غزوہ مکہ ہی میں واقع ہوا ہے  
یعنی اول تو غزوہ فتح میں بعد بھی خیبر اجازت ہوئی اور پھر بعد تین روز کے ہمیشہ کے لیے یہ ارشاد فرمایا  
چنانچہ ماہر ان کتب احادیث پر محقق نہ رہے گا۔

الغرض بعد تحقیق یوں معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ متعہ کی اجازت ہوئی اور دوبارہ نہی ہوئی مگر دوری  
دفعہ کی نہی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تھی مگر چونکہ وہ بات رقم کر چکا ہوں جس سے بعد فتح مکہ حرمت ابدی  
کا مناسب ہونا معلوم ہو جائے تو یہ مناسب آپ ہی معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ ارشاد اس وقت کیوں ہوا۔  
پس و پیش فتح مکہ یہ ارشاد کیوں نہ فرمایا ہاں اب تیسری روایت کا نمبر ہے۔ سو وہ تیسری روایت  
نور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم وغیرہ کتب احادیث میں مروی ہے۔

(محمد بن حنفیہ اپنے والد حضرت علیؑ سے سن کر راوی  
ہیں کہ حضرت علیؑ نے ابن عباسؓ سے فرمایا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے متعہ کرنے سے اور  
پالتو گھوڑوں کا گوشت کھانے سے خیبر کے دن منع  
فرمایا۔)

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى يَعْنِي ابْنَ الْحَنَفِيَّةِ  
أَنَّهُ سَمِعَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ يَقُولُ لَمَّا بَلَغَ  
عَبَّاسُ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ عَنْ مَتْعَةِ النَّسَاءِ يَوْمَ خَيْبَرَ وَ  
عَنْ أَكْلِ لَحْمِ الْخُمُرِ الْوُسَيْيَةِ۔

(مسلم ص ۵۱۴ بخاری ص ۶۴)

یہ روایات مذکورہ اہل سنت کے لیے تو دربارہ رخصت ہونے متعہ کے سرمایہ تکیین و یقین  
ہوں گی اور اس لیے وہ الزام شیعہ جس کے دفع کے لیے یہ اوراق مرقوم ہوئے ہیں خود بخود ان کے  
نزدیک ساقط ہو جائے گا اور پھر اس باب میں انشاء اللہ شیعوں کو مجال دم زدن نہ رہے گی۔ اور



شیعوں کے لیے یہ روایات منجملہ ہدایات و ارشاد و یقین ہوں گی۔

(روایات مذکورہ شیعہ کے لیے بھی ہدایت | وجہ اس کی یہ ہے کہ جب کسی مذہب و مشرب کا کوئی کلیہ  
وارشاد کا باعث ہیں) | یا قاعدہ یا ان کے دین کی کسی بات کی کوئی اصل و نشین اور

ذہن نشین ہو جاتی ہے اور پھر اس کے مناسب ہی اور احکام اس مذہب میں نظر پڑتے ہیں۔ تو اہل مذہب  
کو تو اس کی حقیقت کا یقین ہو جاتا ہے۔ اور مخالفان مذہب مذکور کو بشرط طلب حق و رشد و ہدایت  
کا سامان ہو جاتا ہے۔ اگر کلام اللہ میں اور اس کے احکام اور اخبار میں یہ تناسب نہ ہوتا تو سب میں  
پہلا اعتراض یہ ہوتا کہ خود باللہ و مقررہ الفاظ نہ باشد اور جب یہ اعتراض نہیں تو یہاں اہل اسلام کو سامان فریقین یقین ہو گا اہل اہل کے حق میں شرط تدریج  
یقین و تنبیہ پہنچی بائیں تنبیہ و ہوش ہوگی خاص کر روایات اخیرہ کیونکہ حضرت علیؑ کا نام ہی شیعوں کے  
مرٹنے کو کافی ہے۔

سینوں کو یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ غزوہ فتح بعد فتح خیبر ہے۔ اور غزوہ فتح مکہ میں بشادوت  
بعض روایات مذکورہ پھر اجازت ہو گئی تھی۔ اس صورت میں نہی غزوہ فتح سے اگر قطع نظر کی جائے تو  
اجازت غزوہ فتح ناسخ نہی خیبر ہوگی۔ اور حضرت علیؑ کا یہ ارشاد بوجہ بے خبری ہو مگر شیعوں کو اس عذر  
کی گنجائش نہیں ان کے نزدیک اماموں سے غلطی کا احتمال نہیں اور پھر وہ بھی دین کی باتوں میں خاص کر  
اس وقت جب کہ نسخ کا بھی احتمال نہ رہا ہو یعنی بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی کا آثار و قوت  
ہو گیا نسخ کی کوئی صورت نہ رہی دین پائیدار ہو گیا۔

اس صورت میں وہ متعہ کا رخصت ہونا اور عزیمت نہ ہونا جو بدلائل واضحہ انشاء اللہ ہر خاص و  
عام پر واضح ہو جائے گا۔ اس تناسب کے ساتھ مل کر جو حضرت علیؑ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے شیعوں  
کے حق میں بالضرور موجب تنبیہ ہو گا اور انشاء اللہ اب اس خواب غفلت سے جس میں مدت سے بے ہوش  
ہیں ہوشیار ہو کر حرمت متعہ کو علیؑ و اس الٰہی و تسلیم کریں گے اور یہ بھی نہ ہو گا تو اس سے تو خالی ہی نہیں  
کہ یہ روایتیں دافع الزام اباحت ہو جائیں یعنی حضرات شیعہ جو بدستاور روایات اباحت۔ اہل سنت  
پر الزام لگاتے تھے وہ الزام روایات سے مندرج ہو جائے۔

(حاصل کلام) | اس صورت میں حصل تقریر یہ ہو گا کہ ایک زمانہ میں متعہ کا ایسی طرح حلال ہو جانا  
جیسے میتہ کبھی حلال ہو جاتا ہے۔ مسلم الیکر اول تو وہ اجازت وقت ضرورت بوجہ ضرورت تھی۔



کوئی امر تعبدی نہ تھا جو ہمیشہ کے لیے رہتا اور ایسا ثواب پا پاں اس پر تفرع ہوتا کہ ایمان سے لے کر اعمال تک کسی عبادت اور طاعت اور زہد و تقویٰ کا وہ ثواب نہیں کیونکہ نہ ایمان کا یہ رتبہ کہ بہ ترتیب معلوم چوتھی دفعہ میں ثانی خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہو جائے اور ہر قطرہ غسل سے فرشتہ پیدا ہو نہ کسی عبادت میں یہ اثر نہ زاہد سے یہ امید نہ تقویٰ سے یہ توقع یہ پاکیزگی تو اسی (متعہ کی) پاکبازی میں ہے۔

اور اگر فرض کیجئے حضرات شیعہ میر فتح اللہ شیرازی کی تفسیر کو معتبر نہ جائیں اور اس وجہ سے ان کی روایات کو نہ مانیں تب بھی شیعوں کے نزدیک متعہ کے منجملہ حنات ہونے میں تو کچھ تامل ہی نہیں۔ بہر حال بوجہ ضرورت، وقت ضرورت متعہ کے لیے اجازت دے دینا خود اس بات کو مقتضی ہے کہ بعد ضرورت یہ حکم نہ رہے گا اور ایسا حکم منجملہ حنات نہیں ہو سکتا دوسرے حرمت ابدی اور حدیثوں سے ثابت۔ جس کا حاصل یہ ہو گا کہ وہ اباحت ثابت من الاحادیث جو شیعہ کے نزدیک اس حرمت کو نسخ تھی جو آیت اَلَا عَلَىٰ اَزْوَاجِهِمْ اِلَّا عَلَىٰ اَزْوَاجِهِمْ الخ سے ثابت ہوتی تھی احادیث ہی سے پھر منسوخ ہو گئی (حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس) | باقی رہا حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود عباس کے فتاویٰ کی حیثیت (رضی اللہ عنہما) کا بعد وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم متعہ کی اباحت پر فتویٰ دینا اہل سنت کے حق میں کچھ مضرت نہیں کیونکہ اول تو اہل سنت کے مجتہد سے خطاب بھی ہو جاتی ہے دوسرے ان کا یہ فتویٰ قبل اطلاق نہ تھا بعد اطلاق انہوں نے بھی رجوع فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباس کا حدیث بھی سے مطلع نہ ہونا تو حضرت علیؓ کی روایت سے ثابت ہے اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود کو خیال فرمائیے۔

لے حضرت عبداللہ بن عباس کے متعلق حضرت علیؓ کی روایت ۲۵۶ پر گزر چکی ہے علاوہ انہیں ترمذی شریف میں حضرت ابن عباسؓ کا قول مذکور ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ”متعہ شروع اسلام میں تھا آدمی کسی شہر میں جاتا جہاں اسکی جان پہچان نہ ہوتی تو جتنی دیر اس نے قیام کرنا ہوتا اتنی دیر کے لیے کسی عورت سے نکاح کر لیتا وہ عورت اس کے سامان کی حفاظت کرتی اور اس کے لیے کھانا بھی تیار کرتی یہاں تک کہ جب آیت اَلَا عَلَىٰ اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُہُمْ نازل ہوئی قال ابن عباسؓ فَكُلُّ فَرْجٍ سِوَاهَا حَرَامٌ (ترمذی ص ۱۸۱ باب نکاح المتعہ)

باقی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مسلم ص ۴۵ میں مروی ہے قال سمعتُ عبد اللہ يقولُ كُنَّا نَغْرُومُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ لَيْسَ لَنَا نِسَاءٌ فَقُلْنَا اَلَا نَسْتَعْصِي فَنَهَانَا عَنْ ذٰلِكَ ثُمَّ رَخَّصَ (باقی ص ۲۵۹ پر)



اور اگر بالفرض حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو رجوع کا اتفاق نہیں ہوا تو اس کی یہ وجہ ہے کہ احادیث نسخ ان کو پہنچی نہ تھیں اور اجماع ان کے بعد منعقد ہوا۔ بہر حال انجام کار سب نے رجوع کیا اور حرمت متعہ پر اجماع منعقد ہو گیا۔

(حرمت متعہ پر امت کا اجماع ہے) [چنانچہ کتب اہل سنت میں موجود ہے (علامہ) نووی شراح مسلم باب نکاح المتعہ میں بحوالہ قاضی عیاض رقم فرماتے ہیں۔

قَالَ الْقَاضِي وَاتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلَى أَنَّ  
هَذِهِ الْمُتْعَةُ كَانَتْ نِكَاحًا إِلَى أَجَلٍ  
لَمْ يَرِثَتْ فِيهَا وَفِرَاقُهَا يَحْصِلُ بِالنِّقَاطِ  
الْأَجَلِ مِنْ غَيْرِ طَلَقٍ وَوَقَعَ الْإِجْمَاعُ  
بَعْدُ عَلَى تَحْرِيمِهَا مِنْ جَمِيعِ الْعُلَمَاءِ

(قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ علماء کا اتفاق ہے کہ یہ متعہ  
وقتی نکاح (مبتعہ گواہ) تھا اس میں میراث نہ تھی اور  
بلا طلاق مدت مقررہ کے ختم ہونے پر جدائی ہو جاتی  
تھی اس کے بعد اس کی حرمت پر تمام علماء کا اتفاق  
ہوا۔ بجز رودافض کے۔ حضرت ابن عباسؓ کچھ عرصہ

بقیہ حاشیہ ص ۳۰۔ لَنَا أَنْ نَنْكِحَ الْمَرْأَةَ بِالتَّوْبِ إِلَى أَجَلٍ ثُمَّ قَدْ عَدَّ اللَّهُ يَأْكُلُهَا الَّذِينَ  
أَمَنُوا تَحْرِيمًا مَوَاطِنَاتٍ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ۔ حضرت  
ابن مسعودؓ وَلَا تَعْتَدُوا سے ان لوگوں کا رد فرما ہے ہیں جو بعد حرمت متعہ کے بھی علت متعہ کے قائل ہیں ابن  
مسعودؓ کا مطلب یہ ہے کہ جیسے طہبات کو حرام کرنا درست نہیں ایسے ہی حدود سے تجاوز بھی درست نہیں اس لیے  
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت ضرورت غزوات میں اور سخت مجبوری کے وقت جب کہ عورتیں پاس نہ تھیں  
اجازت فرمائی اور بعد میں اِنَّهَا حَرَامٌ اِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فرما کر قیامت تک کے لیے حرام ہونے کا اعلان کر دیا  
اب جو شخص متعہ کی اجازت سے اس نے حدود اللہ سے تجاوز کیا وَانَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ۔ کا اشارہ الیہ  
ابن القیمؒ۔ حافظ ابن حجرؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں روایت نقل کرتے ہیں "فِي رِوَايَةٍ اِلَى  
مَعَاوِيَةَ عَنْ اِسْمَاعِيلَ بْنِ اَبِي خَالِدٍ فَعَلْتُ ثُمَّ تَرَكْتُ ذَلِكَ وَفِي رِوَايَةٍ لَاحِدَةٍ  
عَيْنَةٍ عَنْ اِسْمَاعِيلَ ثُمَّ جَاءَ تَحْرِيمُهَا بَعْدُ وَفِي رِوَايَةٍ مَعْمَرٍ  
عَنْ اِسْمَاعِيلَ ثُمَّ لَمْ يَنْزُ - (فتح الباری ص ۸۷) - ۱۲۔



إلا الروافض وكان ابن عباس يقول  
بابا حقهما وروى عنه انه رجع عنه

اباحت کے قائل تھے پھر آپ سے مروی ہے کہ  
آپ نے جواز سے رجوع کر لیا۔

انتہی (نوی علی مسلم ص ۴۵)

اور شریع باب مذکور میں بحوالہ قاضی ہی یہ بھی مرقوم ہے۔

قَالَ الْمَازِرِيُّ ثَبَتَ أَنَّ زِنَاحَ الْمُتَّعَةِ كَانَ  
جَائِزًا فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ ثُمَّ ثَبَتَ بِالْأَحَادِثِ  
الصَّحِيحَةِ الْمَذْكُورَةِ هُنَا أَنَّهُ لَيْسَ  
وَأَنَّكَ إِجْمَاعٌ عَلَى تَحْرِيمِهِ وَلَكِنْ  
يُخَالَفُ فِيهِ إِلَّا طَائِفَةً مِنَ  
الْمُبْتَدِعَةِ - انتہی مقام الحاجة

(مازری نے کہا ہے کہ نکاح متعہ اسلام کے ابتدائی  
دور میں جائز تھا پھر صحیح احادیث سے ثابت ہے  
کہ وہ منسوخ ہو گیا اور اس کی حرمت پر اجماع واقع  
ہو گیا۔ اور اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا بجز  
اہل بدعت کے ایک گروہ کے)

(نوی علی مسلم ص ۴۵)

خلاصہ مرام یہ ہے کہ نہ کلام اللہ میں متعہ کا نشان ہے نہ اس کی خوبی یا اباحت کا کہیں بیان  
ہے کوئی آیت اس کے استحبات یا اباحت پر دلالت نہیں کرتی بلکہ کلام اللہ سے اگر نکلتی ہے  
حرمت نکلتی ہے۔ ہاں احادیث سے ایک زمانے میں تھوڑے دنوں کے لیے مباح ہونا ثابت  
ہوتا ہے۔ مگر جیسا تھوڑے دنوں کے لیے اباحت کا ثبوت احادیث سے نکلتا ہے ایسا ہی بعد  
اباحت چند روزہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کا حرام ہو جانا نکلتا ہے۔

چونکہ جمیع مالہ و ماعلیہ بحث متعہ سے بحمد اللہ فراغت حاصل ہوئی تو اب لازم یوں ہے کہ خدا کا  
شکر ادا کیجئے اور بنام خدا ختم کیجئے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی  
رسوله سید المرسلین خاتم النبیین وآلہ وصحبہ وازواجه وذریئہ  
اجمعین۔



# سوال چہارم

(بحث فدک و وراثت انبیاء علیہم السلام) بیٹیوں کا وارث ہونا قرآن میں سورت نساء رکوع دوم

اعنی یُوَصِّیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ لِلَّذِکْرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنثٰیْنِ میں منصوص ہے فرماتے ہیں فَإِنْ کَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ جس کے یہ معنی ہیں کہ اگر اولاد میں ایک ہی بیٹی ہو تو اس کا آدھا حصہ ہے اس صورت میں حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آدھے ترکہ کی مالک تھیں پھر کیا سبب ہوا کہ خلیفہ اول نے ان کو بالکل جواب دیا یہ بھی ظلم نہیں تو اور ظلم کس کا نام ہے؟

اور اگر یہ کہیں کہ حدیث میں آیا ہے نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِیَاءِ لَا نُورِثُ مَا تَرَکْنَا صَدَقَہُ یعنی انبیاء کے مال میں میراث نہیں ہوتی تو یہ معنی ہوئے کہ حکم قرآنی حدیث سے منسوخ ہو گیا تو اول تو حدیث واحد سے یعنی ایسی احادیث سے جن کو محدثین احاد کہا کرتے ہیں قرآن کا منسوخ ٹھہرانا سینوں کے نزدیک بھی جائز نہیں دوسری حدیث اور آیات قرآنی کے معارض ہے جن میں سے ایک تو وَدِرِثَ سَلَمَانَ دَاوُدَ ہے۔ دوسری وَهَبُ لِيْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا یٰرِثْنِیْ وَیَرِثُ مِنْ آلِ یَعْقُوْبَ۔ اول کا مطلب تو یہی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور دوسری دعا حضرت زکریا علیہ السلام ہے اور مطلب اس کا یہ ہے۔

کہ اے اللہ میرے مجھ کو ایسا جانشین جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کا بھی وارث ہو۔ اور ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے خلافت قاعدہ بغداد و حمی دعا متصور نہیں اور اگر بالفرض انبیاء کرام سے کوئی دعا خلافت قاعدہ مقرر صادر بھی ہو تو مثل دعا حضرت نوح علیہ السلام یعنی۔

رَبِّ اِنَّ اَبْنٰی مِنْ اَهْلِیْ وَاِنْ وَعَدَکَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْکَمُ الْحٰکِمِیْنَ۔ راتے رب میرا بیٹا ہے میرے گھر والوں میں اور بیشک تیرا وعدہ سچ ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے۔

قابل عتاب ہے چنانچہ جملہ فَلَا تَسْأَلْنِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ اِلٰی اَعْطٰکَ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِیْنَ۔ سورت پوچھ مجھ سے جو تجھ کو معلوم نہیں میں نصیحت کرتا ہوں تجھ کو کہ نہ ہو جائے تو جاہلوں میں سے ظاہر ہے مثل دعا زکریا علیہ السلام قابل اجابت نہیں تھی سو ایجابات



دعاے مذکور جس پر جملہ لیتے کہ **اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ یَحْیٰی شَہِدَہٗ ہِیَ**۔ یاں لطف معیت جو لفظ **نُبَشِّرُ** سے ظاہر ہے در صورت صحت و صدق خبر لا نورث ہرگز متصور نہیں کیونکہ اگر انبیاء کا کوئی وارث نہ ہو کرتا تو حضرت زکریا علیہ السلام کو اس قاعدہ کی اطلاع بھی ضرور ہوگی پھر ایسی دعا کیوں کرتے بہر حال حضرت زکریا اور حضرت داؤد علیہما السلام دونوں بالیقین نبی ہیں اور ان کے مال میں وراثت جاری ہونا کلام اللہ سے ثابت ہے اس صورت میں حدیث مذکور مخالفت کلام اللہ ہوئی۔ سو کلام اللہ کو غلط نہیں کہہ سکتے ہونہ ہو حدیث مذکور یہی غلط ہوگی۔

**جواب (میراث کی بناتین شرطوں پر ہے) | بعد حمد و صلوات راقم حروف عرض پر داز ہے کہ میراث کی بناتین باتوں پر ہے۔**

(شرط اول۔ مورث کی روح کا اس کے ایک تو یہ کہ جس کے مال میں کسی کو استحقاق میراث ہو جسم سے علاقہ حیات باقی نہ ہے) | اس کی روح کو اس کے جسم سے علاقہ حیات باقی نہ ہے اگر علاقہ مذکور باقی ہے تو اس کا مال اسی کی ملک رہتا ہے اور اس کی ازواج اس کے نکاح میں، اقرباء کو اس کے مال میں تصرف کا اختیار نہ ہوگا کسی اور کو اس کی ازواج سے نکاح کی اجازت نہ ہوگی یہی وجہ ہے کہ جب تک دم میں دم ہے آدمی اپنے مال کا مالک ہے اس کی زوجہ کا نکاح منقطع نہیں ہوتا۔ ہاں اگر علاقہ مذکور منقطع ہو جائے تو اموال سے بھی علاقہ ملک منقطع ہو جاتا ہے اور ازواج سے بھی علاقہ نکاح ٹوٹ جاتا ہے اس لیے کہ روح کو بذات خود تو اموال و ازواج کی ضرورت ہی نہیں۔ بلکہ جیسے سوار کو گھاس دانہ کی ضرورت بوجہ اسپ سواری ہوتی ہے روح کو کھانے پینے اور اموال و ازواج کی حاجت بوجہ بدن ہے۔ جب بدن سے علاقہ ہی نہ رہا تو مال و ازواج روح کے کس مصرف کے ہیں۔

(شرط دوم۔ مورث کا **یُوَصِّیْکُمُ اللّٰہُ** | دوسری بات جس پر بنا میراث ہے یہ ہے کہ خطاب کے خطاب میں شمول۔) | **یُوَصِّیْکُمُ اللّٰہُ** میں مورث داخل ہو۔ یہ نہ ہو کہ جیسے

حج، زکوٰۃ کا خطاب مثلاً اغنیاء کے لیے ہے فقراء خارج ہیں خطاب مذکور سے مورث خارج ہو۔ (شرط سوم۔ مورث کا ترکہ اس کی ملکیت ہو) | تیسری بات یہ ہے کہ متروکہ مورث اسی کا مملوک ہو کسی کی امانت یا مال وقف نہ ہو۔

(صورت مسؤلہ میں تینوں شرائط مفقود ہیں) | جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو آگے سینے کہ اس جھگڑے



میں تینوں باتوں کا پتہ نہیں اور ظاہر ہے کہ ثبوت دعویٰ میراث کے لیے اول حضرات شیعہ کو ان تین باتوں کا اثبات ضروری ہے اس کے بعد اگر سنیوں سے جواب مانگیں تو بجائے خود ہے۔ اور قبل اثبات مذکور سنیوں کی طرف سے لَا نِسْلُ کافی ہے ان تینوں سے اگر مقدمہ واحد ہی ثابت نہ ہوگا تو پھر سنیوں کے سامنے منہ کرنے کی گنجائش نہ ہوگی۔ اور یہاں ذہن سلیم ہو تو ان تینوں باتوں کی تضاد کلام اللہ ہی سے ثابت ہیں اور احادیث کثیرہ اس کی مؤید۔ خیر یہ بات تو بہت طویل ہے قابل گزارش یہ ہے۔

(حدیث لا نورث اخبار کے قبیل سے ہے | کہ حدیث میں نفی امر اول کی طرف اشارہ ہے اور اور اخبار ناسخ و منسوخ نہیں ہوتیں) صورت اس کی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے

مال میں میراث کا جاری نہ ہونا اگر حدیث مذکور سے ثابت ہے تو بایں معنی ثابت ہے کہ عدم موروثیت کی خبر دیتی ہے یہ نہیں کہ ان کے لیے جدا امر و ارشاد ہے کہ حدیث کو ناسخ، قرآن کو منسوخ کہیں۔ بالکلہ امر وہی ناسخ امر وہی ہوا کرتے ہیں اخبار ناسخ اور امر و ارشاد ہی نہیں ہوتیں۔

ہاں اگر کوئی ایسی خبر ہو جس سے وقوع امر وہی معلوم ہو جیسا کُتِبَ عَلَيْكُمْ الصِّيَامُ يَحْرِمُ عَلَيْكُمْ اٰمِيَّتَهُ تو وہ خبر تو پھر بھی ناسخ امر وہی ہوتی البتہ وہ امر وہی جو بذریعہ خبر مذکور معلوم ہوتے ہیں بشرط مخالف امر وہی دیگر ناسخ ہوا کرتے ہیں سو یہاں نہ کسی امر کی خبر ہے نہ کسی نہی کا بیان۔

(بنیاء میراث کی شرط اول کا فقدان حدیث لا نورث | بلکہ مطلب اصلی یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام فوت کی رو سے حیات انبیاء علیہم السلام ہی مانع میراث ہے) موت بھی بدستور بقید حیات رہتے ہیں چنانچہ

بہدایت عقل صائب جملہ لا نورث سے یہ بات عیاں ہے اور ہم بھی انشاء اللہ بیان کریں گے۔

اس لیے ان کے مال میں میراث نہیں چلتی۔ سو سنی نہ سہی علماء شیعہ ہی فرمائیں کہ اس میں کیا خرابی ہے اور

اس صورت میں کس طرح نسخ قرآن لازم آتا ہے زندہ کے مال میں نہ تو شیعوں کے نزدیک میراث ہوتی

ہے نہ سنیوں کے نزدیک جب تک جان کو تن سے علائقہ باقی ہے تو کیسا ہی کوئی ضعیف و نحیف

بدتر از مردگان کیوں نہ ہو اپنے مال کا مالک اپنی زوجہ کا خاوند رہتا ہے نہ اس کے مال میں وارثوں کو

گنجائش تصرف ہے نہ اس کی ازواج کے ساتھ کسی کو نکاح کی اجازت جب ہمارا تمہارا باوجودیکہ

ہماری حیات بدتر از موت ہے کہ حالت نزع میں اپنے مال کے مالک اور اپنی زوجہ کے خاوند رہتے

ہیں انبیاء علیہم السلام اگر بقید حیات اپنے مال کے مالک اور اپنی ازواج کے خاوند رہیں تو کیا بے جا ہے۔



(دواہم سوال) | ہاں یہ بات قابل تحقیق ہے کہ جملہ لانورث بقار حیات پر کیوں کر دلالت کرتا ہے۔ اور دوبارہ بقار حیات انبیاء وقت موت بھی احادیث احاد سے کام چل سکتا ہے نہیں؟

(جواب سوال اول) موروثیت کی | سو جواب امر اول تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفی کا سبب حیات ہے) لانورث فرمایا ہے لا یرثنا احدٌ، نہیں فرمایا غرض نفی وارثیت وراثہ نہیں کی اپنی موروثیت کی نفی فرماتے ہیں۔ اگر نفی وارثیت فرماتے تو یہ بھی احتمال تھا کہ معاذ اللہ قتل یا کفر وغیرہ اسباب حرمان کے باعث وراثت سے محروم رہ جائیں پر مانع موروثیت مورث بجز حیات اور کوئی امر ہی نہیں۔ اس لیے کہ موجب تعلق وراثت فقط انقطاع تعلق فیما بین روح و جسم ہے کسی اور شرط یا سبب کی ضرورت ہی نہیں جو اس کے نہ ہونے کا احتمال ہو۔

اس صورت میں بجز اس کے اور کسی بات کی گنجائش ہی نہیں کہ حیات مانع میراث قائم ہو اور یہ فرق نفی وارثیت اور موروثیت میراث میں ایسا ہے جیسا البصار میں نہ دیکھنے اور نہ دکھلائی دینے کا فرق موجود ہے یعنی اندھا اگر کسی شکل و صورت کو نہیں دیکھتا تو وہاں اندھے کا قصور ہے اس شکل کا قصور نہیں اور اگر ہوا یا روح وغیرہ اشیا بغیر مبصرہ کو کوئی آنکھوں والا نہیں دیکھتا تو وہاں آنکھوں والے کا اس بات میں کچھ قصور نہیں بلکہ ہوا اور روح کا قصور ہے یعنی ہوا اور روح دیکھنے کے قابل نہیں سو پہلی صورت میں اندھے کے بصیر ہونے کی نفی کہنی چاہیے اور دوسری صورت میں ہوا اور روح کے مرئی ہونے کی نفی مناسب ہے۔

بہر حال بد دلالت نفی موروثیت حقیقت شناسائی معانی سنچ تو اس طرف گئے کہ انبیاء میں موروثیت ہی نہیں یعنی انقطاع تعلق روح و جسم کی نوبت ہی نہیں آتی اور ظاہر پرستان کم فہم نفی موروثیت کو نفی وارثیت پر محمول کر کے لڑنے کو تیار ہیں کہ بیٹی کا وارث ہونا قرآن میں منصوص ہے حدیث واحد سے منسوخ یا مخصوص نہیں ہو سکتا۔ یہیں تفاوت رہا نہ کجا است تا بجایا۔

کوئی پوچھے اس حدیث کو نفی وارثیت سے کیا علاقہ جو اعتراض نسخ لے دوڑے۔

(جواب سوال دوم) موت و حیات | اور امر ثانی کا جواب یہ ہے کہ موت و حیات کے باب کے باب میں خبر واحد بھی معتبر ہے | میں تو ہر عادل کی گواہی مقبول ہے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات دوبارہ حیات مقبول نہ ہو گھڑات شیعہ ہی فرماتیں یہ بات سچ ہے یا جھوٹ۔



ایک اور سوال موت و حیات کا اجتماع ممکن ہے؟ | ہاں یوں کہتے ہیں کہ انہیں یوں بھی ارشاد ہے  
 كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (ہر جی کو چھنی ہے موت) جس سے بے تخصیص انبیاء علیہم السلام  
 کے لیے موت کا آنا ثابت ہے بلکہ خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتے  
 ہیں۔ إِنَّكَ مَيِّتٌ (تجھے بھی مرنا ہے) پھر اس بار پر فرماتے ہیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ  
 قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ  
 انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ (پت)  
 (اور محمد تو ایک رسول ہے جو چکے اس سے پہلے  
 بہت رسول پھر کیا اگر وہ مر گیا یا مارا گیا تو تم پھر  
 جاؤ گے لٹے پاؤں۔)

اور ظاہر ہے کہ موت و حیات باہم متضاد ہیں اور تضاد باہم مجتمع نہیں ہو سکتے۔ ظاہر ہے  
 کہ نور و ظلمت اور حرارت اور برودت ایک محل واحد میں جو جمع نہیں ہوتے تو بوجہ تضاد ہی باہم  
 مجتمع نہیں ہوتے۔

(دلیل نقلی) | سو اس کا جواب اول تو نقلی ہیجے اگر کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کلام اللہ میں ہے  
 تَوَدُّ لِحَسْبِ الْكَافِرِ قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ  
 يُدْزِقُونَ (اور تو نہ سمجھ ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مرنے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے  
 پاس کھاتے پیتے) بھی کلام اللہ ہی کی آیت ہے انجیل یا تورات کا دوسرا نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ  
 بشہادت کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ شہداء کی موت کا فرار لازم ہے ورنہ بایں ہمہ کلیت  
 جملہ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اگر شہداء منجملہ اموات ہوں گے تو اس قضیہ کا کلیہ ہونا دربارہ موت  
 انبیاء کرام علیہم السلام کیونکر مفید ہو سکتا ہے۔ سو جیسا شہداء میں موت و حیات کا اجتماع ممکن ہے  
 ایسا ہی انبیاء علیہم السلام میں بھی سہی۔

(ایک خدشہ) | اس تقریر کو سن کر شاید علما شیعہ آیت لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ  
 اللَّهِ أَمْوَاتًا کی تفسیر میں درپے تغیر ہو کر یہ فرمائیں کہ قُتِلُوا اصیغہ ماضی ہے اس لیے الَّذِينَ  
 قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ سے وہ لوگ مراد ہیں جو قبل نزول آیت لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا  
 خدا کی راہ میں مارے گئے علی العموم تمام شہداء مراد نہیں۔ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ  
 ایک بار مر گئے ہوں اور پھر بعد مرگ ان کو زندہ کراٹھا یا ہو اور اس لیے یہ ارشاد ہوا کہ لَا تَحْسَبَنَّ



الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَدَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ، مگر اس کا جواب اول تو اپنے مفسروں سے پوچھیں۔

(جواب خدشہ) حضرت من! باتفاق مفسرین فریقین آیت مذکورہ تمام شہداء کو عام ہے بالیقین ہوں یا لاحقین اور کیوں نہ ہو۔ اگر لوگوں نہ کہتے تو آیت اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِيْ هٰذَا النِّسْبِ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ شیعان مابعد کو بزرگم خود بھی اپنے آپ کو اس قسم کی بشارت سے محروم و بے نصیب کتنا پڑے گا۔ بالجلہ اس قسم کی آیات میں زمانہ کا ماضی ہونا باعتبار وقت جزاء و تفریق ہوتا ہے باعتبار وقت تکم نہیں ہوتا۔ سو جیسے آیت اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِيْ هٰذَا النِّسْبِ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ سے مثلاً تقدم ملحوظ ہوگا اس آیت میں ہم حبان اور رزق اور فرحت وغیرہ امور مندرجہ آیت۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَدَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ  
فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ (پ ۹۷)

اور تو نہ سمجھ ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مردے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے پیاتے خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور خوش وقت ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی تک نہیں پہنچے ان کے پاس ان کے پیچھے سے اس واسطے کہ نہ ڈر ہے ان پر اور نہ ان کو غم

سے تقدم اعتبار کیا جائے گا ورنہ ہم تو نہیں کہہ سکتے یہی تفسیر دانی ہوگی تو حضرت امام الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کی حیات سے شیعوں کو انکار ہی کتنا پڑے گا بہر حال جملہ الَّذِيْنَ قُتِلُوا کی تعمیم ضرور ہے۔

(شہداء اور انبیاء علیہم السلام میں موت کے بعد دوبارہ حیات کی دو قسمیں متصل اور منقطع) پھر اس صورت میں دو حال سے خالی نہیں کہ مقتولان فی سبیل اللہ کی حیات اول ہی

بستور ہو اور اس لیے بَدَلْ أَحْيَاءٌ فرمایا ہو یا حیات اول منقطع ہو گئی ہو پر حیات ثانی کے اعتبار سے ان کو احیاء فرمایا ہو۔ صورت اول میں تو ظاہر ہے کہ بعد قتل موت و حیات کا اجتماع لازم آئے گا۔ (منقطع کی پھر دو قسمیں متصل اور منفصل) پر صورت ثانی کی پھر دو صورتیں۔ ایک تو یہ کہ حیات

اول کے ختم ہوتے ہی دوسری حیات شروع ہو گئی ہو یعنی حیات اول کا انتہا اور حیات ثانی



کا ابتداء اسی طرح متصل اور چپاں ہو جیسے رات اور دن بطور اور عصر مثلاً۔ دو سکر یہ کہ حیات اول کے اختتام کے بعد ایک زمانہ تک موت ہی رہتی ہو اور پھر حیات ثانی آتی ہو ان دونوں میں سے پہلی صورت میں اگر موت انتہا حیات اور حد حیات اور طرف حیات ہے تو جیسے خط و سطح مفروض علی السطح المتصل اور سطح مفروض علی الجسم المتصل یا آن مفروض فی الزمان للتصل اتصال سطح اور اتصال جسم و اتصال زمان میں قاصر نہیں ایسے موت مفروض بین الحیوتین کو خیال فرمائیے کیونکہ اس صورت میں تعدد حیوۃ باعتبار فرض موت ہے اور موت ایک انتہا غیر منقسم کا نام۔ سو جیسے تعدد سطح جو وقت فرض خط مستدیر مثلاً لازم ہے اتصال سطح داخل و خارج مستدیر میں قاصر نہیں۔ ایسے ہی موت بھی اتصال حیات سابق و لاحق میں قاصر نہ ہوگی اور اگر موت کیفیت مستمرہ کا نام ہے تو پھر وہی صورت ہے یہاں بھی موت و حیات باہم مجتمع ہوں گی۔ ہاں صورت ثانی میں البتہ اجتماع موت و حیات نہ ہوگا بلکہ حیات اول تک تو موت بھی ہے نہیں اور حیات ثانی کے وقت موت زائل ہوگئی اور یہی احتمال شیعوں کو مفید بھی معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس کو کیا کیجئے کہ دونوں حیاتوں کے مابین جو زمانہ موت ہوگا۔ تو اس موت کے معروض وہی الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ہیں۔ جن کی شان میں لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءُ فَرَمَاتے ہیں۔ القصہ خود آیت لَا تَحْسَبَنَّ یہی احتمال مذکور کی مکتذب ہے۔

(دلیل عقلی) | اور دلیل عقلی موت و حیات کے اجتماع کے ممکن ہونے پر مطلوب ہے تو سنئے کہ اجتماع اضداد کے محال ہونے کے لیے ضرور ہے کہ جہت و زمان بھی واحد ہو ورنہ مختلف زمانوں میں جیسے پانی کا گرم سرد ہونا اور زمین کا ماضی و مظلم ہونا ممکن کیا مشہور ہے ایسے باعتبار جہات مختلفہ بھی حرارت بہودت اور نور و ظلمت کا اجتماع موجود ہے۔ علی ہذا القیاس ادویہ بارودہ بالطبع اور آب جو بالطبع بارود ہے بوسیدہ آتش گرم ہو جاتے ہیں اور علی ہذا القیاس ادویہ حارہ بالطبع مثل مرج و گوگل شدت سرما میں بارود ہو جاتی ہیں اور طبیعت وہی کی وہی رہتی ہے تاثیرات جوں کی توں رہتی ہیں اگر اجتماع مفہومات مذکورہ ہر طرح محال ہی ہوتا تو یہ اجتماع کیوں کر ہو سکتا اس لیے بنا چارمی اتحاد جہت کا شرائط تضاد میں سے کہنا ضرور ہے سو جیسے یہاں حرارت ذاتی اور بہودت طبعی زائل نہیں ہوتی بلکہ بہودت عارضہ اور حرارت غریبہ کے تلے دب جاتی ہے اور زیر پردہ اضداد مستور ہو جاتی



ہے۔ ایسے ہی اگر حیات ذاتی زیر پردہ موت مستور ہو جائے تو کیا عجب ہے۔ کیونکہ موت بشارتِ آیت خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاتِ امر وجودی ہے عدمی محض نہیں جو یوں کہا جائے کہ ساتھ ہونے کے لیے وجودی ہونا ضروری ہے اور موت امر عدمی ہے اس کے ساتھ ہونے اور حیات کے مستور ہونے کے کیا معنی؟

اور اگر بولیں کہ موت تو امر عدمی ہی ہے پر یہاں وہ چیز مراد ہے جس سے یعنی عدم الحیات لازم آیا ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ حیات منجملہ اوصاف عوارض ہے، اقسام موصوفات اور جو اہر میں سے نہیں اور ظاہر ہے کہ اوصاف وجودی دو حال سے خالی نہیں ہوتے یا اوصاف ذاتیہ ہوں گے یعنی ذات موصوف کے حق میں خانہ زاد ہوں کسی اور کا فیض نہ ہوں جیسے فرض کر حرارت آتش، اس قسم کے اوصاف تو اہل علم و عقل جانتے ہیں کہ موصوف سے جدا ہی نہیں ہوتے اور اگر اوصاف وجودی اوصاف ذاتیہ نہ ہوں گے تو اوصاف عرضیہ معنی بالعرض ہوں گے یعنی کسی اور کا فیض ہوں گے جیسے فرض کر حرارت آب گرم کہ آب گرم میں فیض آتش ہے آپ کے حق میں وصف خانہ زاد نہیں اس قسم کے اوصاف البتہ زوال پذیر ہوتے ہیں اور موصوفات سے ان کا عدم متصور ہوتا ہے لیکن اس قسم کے اوصاف اگر ایک جاسے معدوم ہو جائے ہیں تو جہاں کا فیض ہے وہاں سے معدوم نہیں ہوتے۔ الغرض ہر وصف عرضی معنی بالعرض کے لیے ایک موصوف بالذات ضرور ہے سو جس کسی کی ایسی حیات ہوگی اس کی حیات معدوم نہیں ہو سکتی اگر ہوگی تو مستور ہی ہوگی۔ اور وہ چیز جو آیت مذکورہ میں لفظ موت سے مراد ہوگی اس کے حق میں ساتھ ہی ہوگی مزیل نہ ہوگی۔

دعالم اسباب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ذاتی ہے اور | سو ہم کہتے ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوروں کی حیات آپ کے فیض سے عرضی ہے | کی حیات عالم اسباب میں خانہ زاد ہو اور اوروں کی حیات علم

امکان میں اسی طرح اس کا فیض ہو جیسے چاند میں آفتاب کا فیض تو اس صورت میں آپ کی حیات وقت موت زائل نہ ہوگی تو مستور ہوگی یعنی جیسے وقت کسوف یعنی گھن کے وقت نور آفتاب چاند کی اوٹ میں مستور ہو جاتا ہے۔ اور چاند کا نور وقت خسوف یعنی چاند گھن میں بائیں وجہ کہ زمین اس کے اور آفتاب کے بیچ میں حائل ہو گئی ہے۔ بالکل زائل ہو جاتا ہے۔ ایسے وقت موت آپ کی حیات تو زیر پردہ موت مشار الیہ فی الآت مستور ہو جائے اوروں کی حیات بالکل زائل ہو جائے۔



بالجملہ موت اور حیات بوجہ اختلاف جہات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اگر مجتمع ہو جائیں  
تو کون فحال لازم آئے گا۔ حیات۔ ذاتی اور اصلی ہوگی اور موت عرضی۔

اس صورت میں حدیث نہ نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا جو حیات انبیاء پر دلالت کرتی ہے  
جیسے آیت یُوْصِيْكُمْ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ کی مخالف نہ تھی لیے آیت اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّرَكْلٌ  
نَفْسٌ ذٰلِقَةٌ اَمُوْتُ کی بھی مخالف نہ ہوگی۔

(آیت وُوْرَثُ سُلَيْمٰنُ سے وراثت | رہا تعارض حدیث مذکور اور آیت وُوْرَثُ  
علمی اور خلافت مراد سے) سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ اور آیت۔

فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يٰرَبِّ اِنِّيْ  
وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ (پہا سورہ صافات ۱۱) میری جگہ بیٹھے اور یعقوب کی اولاد کی)

یہ تعارض ظاہر شیعوں کو بوجہ قلت مزاولت کلام اللہ تعارض حقیقی معلوم ہوتا ہے اگر کلام اللہ  
کی تلاوت کبھی نصیب ہوتی اور ان کے لیے کہاں نصیب تو یہ دھوکہ نہ پڑتا خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں  
آیتوں میں بھی مثل آیت۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوْا  
الْكِتٰبَ (پہا اعراف ۳۱) اور آیت ثُمَّ  
اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْۢ  
عِبَادِنَا (پہا سورہ فاطر ۴) (پہا ان کے پیچھے آئے ناخلف جو وارث بنے کتاب کے)  
(پھر ہم نے وارث کے کتاب کے وہ لوگ جن کو چن لیا ہم نے اپنے بندوں میں سے)

وراثت علمی مراد ہے یا وراثت خلافت و ولیعهدی۔ وراثت مالی مراد نہیں چنانچہ آیت وَرِثَ سُلَيْمٰنُ  
دَاوُدَ سے پہلے متصل ہی یہ ارشاد

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا وَّ  
قَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰی  
كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ  
(اور ہم نے دیا دَاوُدَ اور سُلَيْمٰن کو ایک علم اور بولے  
شکو اللہ کا جس نے ہم کو بزرگی دی اپنے بہت سے  
بندوں ایمان والوں پر)

(پہا) سورہ نمل ۲۴

اور بعد جملہ وُوْرَثَ سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ متصل ہی یہ ارشاد



وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلِمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ (اور بولناے لوگو ہم کو سکھائی ہے بولی اڑتے جانوروں کی)۔  
 اس ارادہ کے لیے قرینہ بھی ہے ورنہ وراثت مالی مراد ہو تو پھر وہی قصہ ہو جائے جیسے گنوار کہا کرتے ہیں ”بیاد میں بیچ کا لیکھا“، سو اگر کسی گنوار کی کلام ہوتی تو احتمال بھی تھا خدا کے کلام میں ایسی بے ربطی انہیں کے نزدیک متصور ہے جن کے نزدیک خدا تعالیٰ کو کلام گفتگو کا سلیقہ نہ ہو اور کلام اللہ معجز نہ ہو۔

بائیں ہمہ حدیث کلینی جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اس بات پر شاہد ہے کہ آیت وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ میں وراثت علمی مراد ہے وراثت مالی مراد نہیں وہ حدیث یہ ہے وَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ وَوَرِثَ أَخْنُ سُلَيْمَانُ کہ حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت سلیمان حضرت داؤد کے وارث ہوئے تھے اور ہم حضرت سلیمان کے وارث ہوئے اور ظاہر ہے کہ وراثت مالی کے لیے ان رشتوں اور قرابتوں میں سے کسی رشتہ دار اور قرابت کا ہونا ضرور ہے جن پر وراثت موقوف ہے۔ سو حضرت شیخ ہی فرمائیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تو حضرت داؤد علیہ السلام کے فرزند تھے ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کون تھے جو ان کے مال کے وارث ہوئے اور پھر وارث بھی ہوئے تو کیا فداک وغیرہ مترکہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کے ترکہ میں سے آپ کو ملا تھا۔

(آیت بَرِثْنِي وَبَرِثْ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ | اب آیت فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا بَرِثْنِي سے بھی وراثت علمی مراد ہے) وَبَرِثْ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ کا حال بھی سنئے۔ اس آیت میں میراث مالی مراد ہو تو یہ معنی ہوں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا مال حضرت زکریا علیہ السلام کے لئے مشہور کہاوت ہے یعنی ایک کام میں دوسرا بے محل کام کرنا۔ ۱۲۔ محمد اشرف

۱۳۔ حدیث کلینی کی یہ روایت بالمعنی ہے اصل عبارت یہ ہے۔ اِنَّ دَاوُدَ وَرِثَ عَلَمَ الْاَنْبِيَاءِ وَاَنَّ سُلَيْمَانَ وَرِثَ دَاوُدَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِثَ سُلَيْمَانَ وَاِنَّا وَرِثْنَا مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ بے شک حضرت داؤد علیہ السلام انبیاء کے علم کے وارث بنے اور سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے وارث بنے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سلیمان علیہ السلام کے وارث بنے اور ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث بنے۔  
 اصول کافی ص ۲۲۵ طبع تہران ۱۲۔ محمد اشرف



زمانے تک غیر مقسوم رکھا ہوا تھا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے فرزند کا انتظار تھا سو اس عرصہ دراز تک جو کچھ اوپر دو ہزار برس ہوتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا مال ویسے رکھا رہا ہو کسی عاقل کے فہم میں تو آنہیں سکتا۔ ہاں کہیں سے جنون مایخو یا بھی مل جائے تو کیا مضائقہ ہے۔ بایں ہمہ اس صورت میں فقط جملہ یرثنی کافی تھا۔ جملہ ثانیہ یرث من ال یعقوب کی کیا ضرورت تھی کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی وراثت بے وساطت حضرت زکریا علیہ السلام متصور نہیں اور اگر کسی اور کے واسطے سے متصور بھی ہے تو ان کا نام لینا تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر پھر بھی بے محل ہے یہ تو اس صورت میں ہے کہ لفظ آل آیت مشار الہا میں حسب محاورہ عرب زائد ہو اور اگر لفظ آل زائد نہیں تو یوں کہو کہ تمام بنی اسرائیل سے جو اس وقت تک لاکھوں ہوں گے حضرت زکریا علیہ السلام کے فرزند کو وہ قرابت تھی جس کے وسیلہ سے ان سب کے وارث ہو سکتے تھے اور پھر ان سب کا انتقال بھی حضرت زکریا علیہ السلام کے فرزند کے رو بہ و ہونا چاہیے جو یرث من ال یعقوب صحیح ہو۔

علاوہ بریں وہ خوف جو جملہ خفۃ الموالی سے ثابت ہوا اگر بایں نظر تھا کہ آپ کے کہنے کے لوگ آپ کو سرف نظر آتے تھے ان سے بے جا خرچ کرنے کا کھٹکا تھا تو اس دعائے نیک وراثت کی حاجت نہ تھی اپنے آپ خدا کی راہ میں خرچ کر جاتے اور اگر چھوڑ ہی جاتے تو کیا تھا بعد موت تکلیف شرع باقی ہی نہیں رہتی جو کچھ خوف حساب آخرت ہو۔ دوسرے دوسروں کا کیا انہیں پر پڑتا جو کرتا وہی بھرتا لا تذر روادیرہ وذر اخری کلام اللہ میں موجود ہے دعائے مذکور میں یہ اہتمام کہ۔

رَبِّ اِنِّیْ وَهَنْ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاسْتَعَلَ الرَّاسُ شَيْبًا وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَاؤِكَ رَبِّ شَقِيًّا وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَزَائِیْ (پا مریم ۱۰)

میرے رب بڑھتی ہو گئی ہیں میری ہڈیاں اور شعلہ نکلا سر سے بڑھاپے کا اور تجھ سے مانگ کر اے رب میں کبھی محروم نہیں رہا اور میں ڈرتا ہوں اپنے بھائی بندوں سے اپنے پیچھے۔

کاتب کے لیے کیا گیا۔ ہاں اگر وراثت علمی مراد ہو تو دونوں آیتوں کا سیاق سابق بھی درست ہو جائے اور کوئی غرابی بھی پیش نہ آئے



حاصل اس صورت میں یہ ہو گا کہ جو منصب انصاف و ارشاد پہلے حضرت داؤد علیہ السلام کو حاصل تھا ان کے بعد حضرات سلیمان علیہ السلام کو ملا اور جو منصب ہدایت ذکر یا علیہ السلام رکھتے تھے بعد اس منصب کے لیے کسی ولی عہد پسندیدہ کے خواستگار ہیں۔ چنانچہ لفظ ولی کو پریشانی کے ساتھ ذکر کرتا عاقلوں کے نزدیک اس جانب مشیر ہے کہ ولی عہد چاہتے ہیں۔ مثل اہل دنیا فقط فرزند ہی کے آرزو مند نہیں۔۔۔ کیسا ہی ہو بلکہ بیٹا ہو یا کوئی اور جو ہو ولی عہد ہو یہ ایسا نہ ہو کہ امت کے لوگوں کو خراب کر دے۔ ایسے ولی عہد تو ان کے اقربار میں بھی بہت تھے چنانچہ جملہ اِلٰی نَحْفَتُ الْمَوَالِیٰ سے ظاہر ہے بلکہ ولی عہد بھی ہو تو پسندیدہ خدا ہو اس لیے جملہ وَلَجَعَلَهُ رَبِّ رَضِیًّا بڑھایا۔ اور جب یہ بات ٹھہری تو اب حضرات شیعہ ہی انصاف فرمائیں کہ ولی عہد اور خلیفہ کی وراثت کون سی قسم ہوتی ہے۔ وراثت مالی ہوتی ہے۔ یا مثل خلقا ابیداء، علماء و فقہاء فقط وراثت ارشاد و تقویٰ، انصاف و حفظ جان و مال رعایا۔ مگر مٹوں شیعوں کے نزدیک شاید ولی عہد انبیاء کرام علیہم السلام ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے نواب و امراء لکھنؤ و ایران۔ یعنی جس کسی کا مال ملک آیا ہے دریغ لیا خواہشات نفسانی میں صرف کیا۔

بہر حال لفظ ولی اور لفظ مولیٰ خود شاہد ہیں کہ وراثت مالی نہیں وراثت علمی اور وراثت ارشاد و ہدایت ہے۔ اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ بعد ذکر شہادت تولد یوں فرمایا۔ یَا یَحْیٰی خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَاَتَيْنَاكَ الْحِكْمَ صَبِيًّا (اے یحییٰ اٹھلے کتاب زور سے اور دیا ہم نے ان کو حکم کرنا لڑکپن میں) تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام اپنے قرب زمانہ وفات کی طرف دعا رپ اِنِّیْ دَوَّھَنْ الْعَظْمُ مِیْنِیْ وَاَشْتَقَلَّ الرَّأْسُ شَيْبًا میں اشارہ کر چکے تھے۔ اور غرض یہ تھی کہ ولی عہد مذکور کی جلدی ہی ضرورت ہے تاکہ اس منصب کو سنبھالے سو خداوند کریم نے ان کی خاطر لڑکپن ہی میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کو کمال علمی اور عملی عنایت فرما کر اُمتیان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی تاکہ معلوم ہو جائے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی مراد یَرِثُنِیْ سے کیا تھی۔ الغرض خداوند کریم تو حضرت زکریا علیہ السلام کا یہ مطلب سمجھے جو اس خاکسار نے عرض کیا۔

حضرات شیعہ اگر کچھ اور سمجھیں تو سمجھیں کہ مگر ماں حضرات شیعہ کا بھی قصور نہیں خدا کو جب



بدار واقع ہو تو اگر کسی بندہ کی مراد بھی نہ سمجھے تو کیا بے جا ہے۔ علاوہ بریں وراثت ایک معنی اضافی ہے جس کے لیے دو ماشیوں یعنی مضاف اور مضاف الیہ کی ضرورت ہے سو ایک طرف تو یہی وارث ہے دوسری طرف کبھی مورث کو کہتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں شخص کا وارث ہے اور کبھی مال مورث کو مثلاً کہتے ہیں۔ اور یہ مطلب ہوتا ہے کہ یہ مال مثلاً اس کو اس سے میراث میں ملا۔

(قرآن مجید میں وراثت کا استعمال) | بہر حال معنی میراث اس صورت میں یہ ہوتا ہے کہ فلاں شخص قائم مقام میں بکثرت آیا ہے) فلاں مال میں فلاں شخص کا قائم مقام ہوا اور اس پر متسلط ہوا۔

چنانچہ خداوند کریم جابجا مادہ میراث کو اپنے کلام پاک میں انہیں معنوں میں استعمال کرتا ہے۔

إِنَّا خَنُّ فَرِثُ الْأَرْضِ وَمَنْ عَلَيْهَا (پا)

(ہم وارث ہوں گے زمین کے اور جو کوئی ہے زمین پر)

وَكُنَّا خَنُّ الْوَارِثِينَ (پا)

(اور ہم ہیں آخر کو سب کچھ لینے والے)

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا

(پھر ہم نے وارث کیے کتاب کے وہ لوگ جن کو چن

مِنْ عِبَادِنَا (پا)

لیا ہم نے اپنے بندوں میں سے)

مُخَلَّفَ مِنْ أَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ

(پھر ان کے پیچھے آئے ناخلف جو وارث بنے

کتاب کے)

(پا اعراف ۲۱)

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا (پا زمر ۷۰)

(اور یہ وہی بہشت ہے جو میراث پائی تم نے)

وغیرہ آیات کو دیکھ لیجئے۔ حسب مراد شیعہ میراث مالی تو بطور معلوم تو ہو ہی نہیں سکتی چنانچہ ظاہر

ہے خاص کر دو اوّل کے جملوں میں خداوند پاک کو نہ کسی سے قرابت نسبی حاصل ہے نہ میراث مالی

بطور معلوم بن پڑے ہاں معنی قائم مقام اور متسلط ہونے کے لیجئے تو البتہ تمام آیات میں برابر چل پڑے۔

(کتب شیعہ میں مادہ وراثت کا) | بلکہ شیعوں کو یاد نہیں ان کی احادیث میں بھی یہی مادہ وراثت

میراث علمی میں استعمال) | میراث علمی میں متعل ہے کلینی کی ایک حدیث میں جس کو پورا

پورا انشاء اللہ آگے نقل کروں گا یہ لفظ بھی ہیں۔

إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يَوْرِثُوا دُھَا وَلَا دِیْنَارًا

(بے شک انبیاء کرام کسی کو درہم کا وارث نہیں بناتے

وَأِنَّمَا أُورِثُوا أَحَادِیْثَ مِنْ أَحَادِیْثِهِمْ

اور نہ دینار کا وہ تو صرف احادیث (دعالم) کا وارث

(ناکرتے ہیں)

(اصول کافی ص ۲۳ طبع تہران)



کو دیکھتے میراث مالی پر دلالت کرتا ہے یا میراث علمی پر بھی اس لطفت سے دلالت کرتا ہے کہ انبیاء کی نسبت میراث مالی کی سلسلہ نفی کر دی جس کے بعد انصاف سے دیکھتے تو شیعوں کو مجال و منزلت باقی ہے۔ اور نہ سنیوں کو اور کسی جواب کی ضرورت۔

مگر اس پر بھی شیعہ نہ مانیں تو پھر ان کو موافق مثل مشہور ”گوہ کی دار و موت“ خواجہ ہی کے حوالہ۔

دراشت علمی اور وراثت مالی میں کوئی تلامزم | بالجملة میراث ایک معنی اضافی ہے اور حاصل اس کا نہیں کہ ایک دوسرے پر ضرور دلالت کریں | قائم مقام اور مستلط ہو جانا ہے۔ سو اول تو قائم مقام

ہونا الخ ایہ مضمون ہے کہ اموال ہی کے ساتھ مخصوص نہیں جو لفظ وراثت اور میراث کو دیکھ کر

دھوکہ کھائیے۔ دوسرے اضافت اور نسبت اور ہے اور اطراف اضافت و نسبت اور۔ جو ایک

کے لیے لفظ موضوع ہو وہ دوسرے پر دلالت نہ کرے گا اور بطور التزام اگر دلالت کرے گا۔ بقدر

لزوم و التزام دلالت کرے گا جیسا مضمون غسل مفہوم آب پر۔ بالالتزام دلالت کرتا ہے مگر

ظاہر ہے کہ دلالت التزامی وہیں متصور ہے۔ جہاں لزوم ہو جیسے غسل کے لیے آب لازم ہے اور جہاں

نہ ہو جیسے قائم مقام ہونے کے لیے مال لازم نہیں وہاں دلالت مطابقی تو کیا دلالت التزامی بھی متصور نہیں

بالجملة اضافت مطلقہ، مطلق مضاف یا مضاف الیہ قابل انتساب و اضافت کی خواستگار ہے۔

خصوصیت مال کہاں سے نکال لی۔ ہاں یوں کیسے کہ بوجہ کثرت وقوع میراث مالی لفظ میراث کا

استعمال میراث مالی میں بکثرت ہوتا ہے اس لیے عوام اسی کو میراث سمجھنے لگے۔ مگر علماء شیعہ کو

دیکھتے کہ یہ بھی عوام ہی کے مقلد ہو گئے۔ اس تقریر کو سن کر اہل فہم کو یہ یقین ہو گیا ہو گا کہ میراث وراثت

مالی اور وراثت علمی وغیرہ سے عام ہے اس لیے مدعیان میراث مالی کا کام نہیں چل سکتا نہ آیت

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ اِنْ كُوْفِيْدَ هِيَ نَهْ اَيْتْ فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَرِثُنِيْ وَيَرِثُ

مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ اِنْ كُوْيِدَ اور نہ حدیث بخاری جس میں حضرت علیؑ کا خلافت ثانیہ میں طالب

میراث ہونا موجود ہے۔ ان (شیعہ) کے کار آمد ہے۔ اس لیے کہ اس وقت اگرچہ حدیث لا نورث

کے بھول جانے کا احتمال بہت مستبعد ہے۔ حضرت فاطمہؑ اور خلیفہ اولؑ کا جھگڑا طشت ازہام

ہو چکا تھا مگر بقرینہ سیاق و سباق بعد ثبوت عموم مذکور میراث تو لیت تھی جس کا ثبوت بہ نسبت حضرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے انشاء اللہ معلوم ہو جائے گا۔



جب اس بحث سے بحمد اللہ فراغت پائی تو خلاصہ تقریر گذشتہ کی طرف اشارہ کر کے آگے چلتا ہوں۔  
 حاصل بحث۔ آیت یُوَصِّیْکُمُ اللّٰہُ مِیْن وَّرَاسَتِکُمَا مَرُوسَتِہِ | مخدوم من! یہ بات تو روشن ہو گئی  
 اور حدیث لَا نُورِثُ مِیْن حَیَاتِکَا اِثْبَاتِہِ اور اسکی عقلی مثال) کہ حدیث لَا نُورِثُ نہ آیت  
 یُوَصِّیْکُمُ اللّٰہُ کی ناسخ نہ آیت وَرِثَ سُلَیْمَانُ اور آیت یَرِثُنِیْ کے معارض۔ ناسخ  
 نہ ہونے کی توجہ یہ ہے کہ آیت یُوَصِّیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوَّلَادِکُمَا بَقْرِیْنِہِ آیت سابقہ  
 اِنَّ الَّذِیْنَ یَا کُلُوْنَ اَمْوَالَ الْاِیْمٰی ظُلْمًا (جو لوگ کہ کھاتے ہیں مال یتیموں کا ناحق وہ لوگ اپنے  
 اِنَّمَا یَا کُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمَا نَارًا وَیَصْصَلُوْنَ  
 سَعِیْرًا (پکے سورہ نساء ۱۰۴) آگ میں) (آگ میں)

اور نیز باجماع جملہ فرقہ اہل اسلام اس تقسیم پر دلالت کرتی ہے جو بعد انقطاع علاقہ فیما بین  
 رزق و جسم ہونی چاہیے اور حدیث لَا نُورِثُ عدم انقطاع علاقہ پر دلالت کرتی ہے۔ اس  
 صورت میں یہ قصہ ایسا ہو گیا۔ جیسا کوئی طبیب حاذق کسی مریض سکتہ کو یوں کہے کہ یہ شخص مرا  
 نہیں اس کو مردہ سمجھ کر اس کے مال کو میراث میں تقسیم مت کرو۔ سو جیسا قول طبیب مذکور ناسخ آیت  
 یُوَصِّیْکُمُ اللّٰہُ اور رافع حکم مذکور نہیں ایسے ہی قول نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ناسخ حکم مذکور نہیں۔  
 بلکہ مثل قول طبیب مذکور عدم تحقق شرط میراث مالی یعنی عدم انقطاع علاقہ حیات کی خبر دیتا ہے۔ اور  
 آیت وَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاوُدَ اور آیت یَرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اِلِیٰہِ عَقُوْبِہِ کے معارض  
 نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں تو بوجہ مذکورہ میراث علم و ارشاد و خلافت مراد ہے۔  
 اور حدیث لَا نُورِثُ میں بقرینہ جملہ مَاتَرَکْنَا صَدَقَہٗ میراث مالی مراد ہے اگر دونوں جا  
 ایک ہی قسم کی میراث مراد ہوتی تو بے شک تعارض ہوتا۔

جب خلاصہ تقریر جواب معلوم ہو گیا۔ تو آگے سینے اہل سنت و جماعت کو بمقابلہ طعن فذک  
 جو حضرات شیعہ کرتے ہیں تصحیح حدیث لَا نُورِثُ کے لیے ایک احتمال ممکن بہ نسبت بقائے  
 حیات کافی ہے بلکہ حدیث لَا نُورِثُ ہوتی یا نہ ہوتی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے فذک  
 نہ مینے کے لیے احتمال بقائے حیات بطور معرض مدافعت طعن شیعہ کے لیے بہت تھا اثبات  
 حیات کی ضرورت نہ تھی۔



کیونکہ وجہ ثبوت مدعی کے ذمہ ہوتی ہے مدعا علیہ کو بعد امکان احتمال مخالفت دعویٰ مدعی فقط لا نسبہ کافی ہوتا سو دعویٰ میراث میں شیعہ مدعی ہیں اور سنی مدعی علیہ۔ دلیل لائیں تو شیعہ لائیں سنیوں سے بقائے حیات کی دلیل طلب نہ فرمائیں مگر بایں ہمہ خاطر حضرات شیعہ غریب نہ ہوں ان کی تسکین کے لیے کسی قدر اثبات حیات سرور کائنات علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ افضل الصلوات والتسلیمات بھی سہی اس لیے معروض ہے۔

(مسئلہ حیات سرور کائنات) کہ صورت اجتماع موت و حیات کی سمجھا دینے کے بعد ہم اس صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم) بات کے بھی مدعی ہیں کہ علاقہ فیما بین روح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم و جسم باریک عرض موت سے منقطع نہیں ہوا۔ دلیل بکار ہے تو ایک ایسی لیجئے دوسری ملتی۔ (دلیل الٰہی) | اوّل کی تقریر تو یہ ہے کہ سورہ نسا میں لَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ فَمَا كُنْتُمْ وَحِدًا لَّكُمْ مَا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ سے گرفتار نہ ہوا، ہوس کی تسکین فرمائی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ سوائے محرمات مندرجہ آیات سابقہ اور سب تمہارے لیے حلال ہیں اس کے بعد سورت احزاب میں یہ ارشاد ہوا۔

مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنكِحُوا أَنْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا۔ (پ ۲۲ سورۃ احزاب ع ۷) (اور تم کو نہیں پہنچا کہ تکلیف دو اللہ کے رسول کو اور نہ یہ کہ نکاح کرو اس کی عورتوں سے اس کے پیچھے کبھی)

اور ظاہر ہے کہ یہ حکم حرمت بھی مثل حکم حلت مثلاً الیہ تمام امت کی نسبت ہے۔ کسی ایک دو کی تخصیص نہیں۔ اور ظاہر ہے اور فریقین کے نزدیک مسلم کہ نسخ و تخصیص کا اسی وقت قائل ہونا چاہیے کہ تطبیق کی کوئی صورت نہ ہو یہاں اگر یوں کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لے قاضی ثناء اللہ پانی پتی اسی آیت میں إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ازواج مطہرات نکاح کرنے کو بہت بڑا گناہ فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اسی وجہ سے آپ کی وراثت نہیں اور نہ ہی آپ کی ازواج سے نکاح درست ہے۔ (تفسیر مظہری ص ۱۲)۔ محمد اشرف۔



کی حیات جسمانی اور علاقہ مذکور عرض موت سے زائل نہیں ہوا اور اس وجہ سے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا نکاح منقطع نہیں ہوا تو ہرگز کوئی صورت تعارض کی نہ ہے گی جو نسخ یا تخصیص کے قائل ہونے کی ضرورت پڑے بلکہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اس صورت میں منجلہ والمحصنات من النساء ہو جائیں گی۔

(سوا حیات کے موجبات تحریم میں سے کوئی وجہ | ہاں اگر کوئی وجہ تحریم موجبات تحریم میں سے ایسی نہیں کہ تمام امت کے حق میں عام ہو سکتی کہ تمام امت کے حق میں موجب

حرمت ہو جاتی تو البتہ ممکن تھا کہ باوجود انقطاع علاقہ دنیا میں روح پر فتوح و جسم منور حضرت ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم اور باوجود زوال حیات جسمانی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تمام امت کے حق میں حرام ہو جاتیں مگر موجبات حرمت مندرجہ آیات مشاء الیہ میں کوئی ایسی وجہ نہیں جو اس کے بجز کسی عورت کو تمام جہاں کے حق میں حرام کہہ سکیں کیونکہ نہ کوئی عورت سائے جہاں کے بالوں کی منکوحہ ہو سکے نہ سائے جہاں کی والدہ نہ سائے جہاں کی دختر علیٰ ہذا القیاس۔ البتہ کسی کی منکوحہ یا بقائے نکاح سائے جہاں کے حق میں حرام ہوتی ہے۔ یا متوفی عنہا زوجہا یا بقائے عدت۔ اور ظاہر ہے کہ محصنات کی یہی دو قسمیں ہیں مگر بحکم

وَالَّذِينَ يَتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ  
أَزْوَاجًا يَتَرَكِبْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ  
أَشْهُرٍ وَعَشْرًا۔ (پہلے بقرہ ۳۰)

(اور جو لوگ مر جائیں تم میں سے اور چھوڑ جاویں۔  
اپنی عورتیں تو چاہیے کہ وہ عورتیں انتظار میں رکھیں  
اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن)

سائے جہاں کے اموات کی ازواج کی عدت کل دس دن چار مہینے ہیں اور حاملہ ہو تو بحکم  
وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ عدت مذکورہ تا وضع حمل ہے۔ اور  
ظاہر ہے کہ حمل کی مدت نو مہینے ہیں زیادہ ہو تو دو برس اور اس سے زیادہ ہو سکے تو چار پانچ  
برس کہہ لو قیامت کا حساب کتاب تو ہوتا ہی نہیں۔

بایں ہمہ ازواج مطہرات میں دم وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم باتفاق مؤرخین فریقین کوئی  
ام المؤمنین حاملہ تھی بھی نہیں۔ اس صورت میں پھر وہی گزارش ہے کہ نسخ و تخصیص تو جہی جائز ہے  
کہ تطبیق ممکن نہ ہو اور یہاں بوجہ امکان احیاء موت و حیات الطباہ ممکن۔ یعنی جب یوں



کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی بدستور عالم دنیا (روضہ مبارک) میں زندہ ہیں آپ کا  
 علاقہ حیات روحانی جو جسم اطہر سے منقطع ہوا ہی نہیں جو عدت مذکورہ کی نوبت آئے۔ اور یہی وجہ  
 معلوم ہوتی ہے کہ وَالَّذِينَ يَتَوَفَّوْنَ كَے بعد مِنْكُمْ بھی بڑھایا۔ علیٰ ہذا القیاس اِنَّكَ مَیِّتٌ  
 جِدا فرمایا اور اِنَّهُمْ مَیِّتُونَ جِدا فرمایا اور دونوں کو مثل جملہ لاحقہ ثُمَّ اَنْتُمْ یَوْمَ الْقِیَمَةِ  
 عِنْدَ رَبِّکُمْ تَحْصَمُونَ (پھر تم قیامت کے دن اپنے رب کے آگے جھکنا دو گے) ایک  
 خطاب میں اکٹھا نہ کر دیا تاکہ وقائع ثنا سال معانی سنچ کو اس جانب تنبیہ ہے کہ موت نبوی صلی  
 اللہ علیہ وسلم اور قسم کی ہے اور موت امت اور قسم کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت میں  
 استتار حیات زیر پردہ موت یا زیر پردہ موجب موت ہوتا ہے اور امت کی موت کے وقت زوال  
 حیات کل یا بعض ہو جاتا ہے۔ مثال درکار ہے تو وہی کسوف و خسوف (کی) ہے یا چراغ کا کسی ہٹایا  
 میں بوسیلہ سرپوش بند ہو کر مکان میں اندھیرا ہو جانا یا گل ہو کر چاندنی کا زائل ہو جانا ہے سو جیسے کسوف  
 میں استتار نور اور خسوف میں زوال نور ہوتا ہے اور نور چراغ پہلی صورت میں مستور اور دوسری صورت میں  
 زائل ہو جاتا ہے اور اندھیرا ہو جانے کے لیے خسوف و کسوف اور چراغ کا بند ہو جانا اور گل ہو جانا دونوں  
 برابر ہیں ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب استتار حیات ہو اور امت کی جانب زوال حیات  
 اس لیے اخبار وقوع موت کے وقت اِنَّكَ مَیِّتٌ جِدا کہا اور اِنَّهُمْ مَیِّتُونَ جِدا کہا۔

اور بیان احکام متفرعہ علی الموت کے ہر ایک وقت کا حکم جِدا بتلایا یعنی نکاح مستوفی عنہا زوجہا  
 میں تو یوں تفریق فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے کوئی نکاح نہ کرنے پائے۔  
 چنانچہ ارشاد لَا اَنْ تَنْکَحُوْا اَنْوَاجَہُ مِنْ اَبْدَ اَسَ ظاہر ہے اور ازواج امت کے  
 حق میں یہ ارشاد کر دیا۔ وَالَّذِينَ يَتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ الْخ۔

آیت توفی میں مِنْكُمْ کا خطاب امت کو ہے اور عدت | چونکہ ان لا تنکحوا کی  
 موجب حرمت ہے اور ازواج مطہرات میں اقبات ہونا موجب حرمت ہے | مخاطب امت ہے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں۔ یہاں بھی منکم کے مخاطب وہی ہوں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 خارج ہوں گے ورنہ اضافہ مِنْكُمْ لغو و بیکار تھا اتنا کام تو فقط وَالَّذِينَ يَتَوَفَّوْنَ سے بھی  
 چل سکتا تھا اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ آیت وَاُولَئِکَ اَجَلُہُمْ میں مِنْ اَزْوَاجِکُمْ  
 www.jmmpak.tk



نہ بڑھایا کیونکہ اس حکم میں مطلقاً اور متوفی عنہن ازواجہن دونوں داخل ہیں اور ظاہر ہے کہ طلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی متصور ہے۔ بایں ہمہ مطلقاً نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مدخول رہا جو امت پر حرام رہیں تو بوجہ بقا عدت حرام نہیں بلکہ وجہ اس کی جملہ وازواجہ امہاتہم سے ماخوذ ہے۔ یعنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا امہات المؤمنین ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابو المؤمنین ہونے کو مقتضی ہے اور اس وجہ سے منجملہ مانکح آبائکم ہیں اور حکم لا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ سب پر حرام ہیں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابوت بہ نسبت مؤمنین خود اس بات کو مستلزم ہے کہ آپ بدستور زندہ ہیں۔ چنانچہ انشاء اللہ یہ بات عنقریب روشن ہونے والی ہے۔ مگر اس صورت میں یہ قصہ ایسا ہوگا کہ کوئی متوفی عنہا زوجہا بعد القضا عدت بوجہ نسبت یا رضاع وغیرہ اسباب کے کسی پر حرام ہے سو جیسے وہ حرمت بوجہ عدت نہیں اور اس وجہ سے منجملہ المحصنات نہیں کہہ سکتے۔ ایسے ہی یہاں یہ بھی سمجھیے۔ غرض عدت مطلقہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اگر حاملہ ہوتی وہی وضع حمل تھی آپ کی ازواج کی کوئی جدا عدت نہ تھی۔ اس لیے وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ کے بعد مِنْ أَوْلَاجِكُنَّ نہ فرمایا۔ اور عدت وفات چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں متصور ہی نہ تھی تو وَالَّذِينَ يَسْتَوْفُونَ کے بعد مِنْكُمْ بھی بڑھایا۔ (عدت کی اصل وجہ نِسَاءُكُمْ رہی متصور نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وفات و موت اگرچہ نبی صلی حَرَّتْ لَكُمْ کی آیت سے ماخوذ ہے) اللہ علیہ وسلم اور امت دونوں کو عارض ہوتی ہے مگر عدت کی علت فقط موت اور وفات ہی نہیں بلکہ علت عدت وہ امر ہے جو نِسَاءُكُمْ حَرَّتْ لَكُمْ سے ماخوذ ہے جس کے باعث منکوحات غیر کانکح ناجائز۔

(ایک وقت میں ایک عورت کھیلے | رہا مردوں کی طرح عورتوں کو ایک وقت میں متعدد متعہ و خاوندوں کے نہ ہونے کی وجہ | نکاحوں کی اجازت نہ ملی تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ بارشادِ نِسَاءُكُمْ حَرَّتْ لَكُمْ اس جانب اشارہ فرمایا کہ نکاح سے مقصود اولاد ہے فقط شہوت رانی اور لذت جملع مقصود نہیں بلکہ شہوت اس پیداوار کے حق میں ایسی ہے جیسے کھیتی کا سامان غلہ کے لیے یا کھانے کی خواہش بدل مانتھل کے لیے موافق شعر مشہور ہے

خوردن برائے زلیتن و ذکر کردن است | تو محقق کہ زلیتن از بہر خوردن است



جیسے اصل بدل یا متحمل ہے اور مجھوک اور کھلانے کا مزہ اسکے حصول کا سامان، یا کھیتی میں اصل مقصود پیداوار ہوتی ہے اور کھیتی کا سامان اس کے حصول کی تدبیر۔ ایسے ہی اصل مقصود عورتوں سے اولاد ہے اور ثنوت اور لذت جمیع اس کے حصول کی تدبیر اور اگر لذت جماع اور ثنوت رانی ہی مقصود ہوتی تو زنا بھی غیر اضنی طرفین ہرگز ممنوع نہ ہوتا۔ بالجملہ نکاح سے مقصود اصلی اولاد ہے کیونکہ عورتیں اگر کھیت ہیں تو اسی پیداوار کی کھیت۔ اس صورت میں اگر عورتوں کو زمانہ واحد میں متعدد نکاحوں کی اجازت ہو تو اس کے سامنے خاوند اولاد میں اسی طرح شریک ہوں گے جیسے ایک زمین کی پیداوار میں تمام زراعت کے تمام شریک مگر غلہ کی تقسیم میں تو کوئی دقت نہ تھی اس کی اجازت رہی۔ اولاد کی تقسیم کی کوئی صورت نہیں اگر ایک ہی بچہ ہوا تب تو ظاہر کہ کاٹ سکیں نہ پھانٹ سکیں نہ وقت واحد میں ایک بچہ دونوں کے پاس رہ سکے۔ اور اگر نوبت بہ نوبت ہر ایک کے پاس رہا کرے تو یہ بھی بن نہیں پڑتا اس لیے کہ غلام و زوج وغیرہ اشیاء جن میں نوبت جاری ہوتی ہے بذات خود مقصود نہیں ہوتے غلام سے خدمت اور خاوند سے قناعت حاجت یا اولاد مقصود ہوتی ہے اس لیے ان سے ولی محبت نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ غلام کی بیع و شراء اور خاوند سے خلع جائز رہا۔ اگر بذات خود مقصود ہوتے تو جدائی کسی کو گوارا نہ ہوتی اور خدا کی طرف سے جدائی کی اجازت نہ ملتی۔ اور اولاد خود بذات خود مقصود ہوتی ہے ان کی محبت بے واسطہ ہے اس لیے حقوق والدین اور اپنے نسب کا انکار ممنوع بلکہ کبیرہ گناہ ٹھہرا اور پدر والدین منجہ سنات اور باقیات صحاحات۔ اور جب اولاد مقصود بالذات ٹھہری چنانچہ جملہ نِسَاءُكُمْ حَرَّتْ لَكُمْ ہی خود اس جانب شیر ہے تو اب تقسیم بطور نوبت میں حصول مقصود بوجہ اتم معلوم۔ ایک اگر کامیاب ہوگا تو دوسرا مبتلا۔ و فراق ہے گا اور اگر اولاد کثیر ہوئی اور اور ازواج پر صحیح تقسیم بھی ہو سکی تب بھی یہ نہیں کہ مثل غلہ آدھا مثلاً یہ لے جائے آدھا وہ۔ کیونکہ غلہ سے قضا حاجت مقصود ہے بذات خود مقصود نہیں اور اس امر میں یہ ڈھیر ہوا وہ سب برابر ہیں اور اولاد سب کی سب بذات خود مقصود سب سے برابر محبت ہے در صورت تقسیم اگر ایک کے وصال سے مسرور ہوگا تو دوسرے کا فراق ستائے گا۔ اس لیے در صورت جواز تعدد نکاح تقسیم اولاد کی کوئی صورت نہ تھی۔

(متعدد خاوندوں کی صورت میں غرابیاں) اور یہ بات کہ جب تک حمل رہ کر بچہ پیدا ہو۔



ایک تو یہ کہ استحقاق دونوں کا برابر، باوجود ملک لضعہ ایک کو اجازت ہو دوسرے کو نہ ہو خلافت  
انصاف ہے۔ ہاں انتفاع بقدر معتد بہ یعنی جماع وقت واحد میں دونوں سے متصور نہیں۔ سو  
اگر تہائی اور تناوب ہو یعنی نوبت بہ نوبت منتفع ہونے کی اجازت ہوتی تو بضرورت عدم امکان  
اجتماع فی الجماع مثل نوبت زمان شب و شب کی نوبت مقرر ہوتی۔  
اتنا زمان طویل جو ایک کے حق میں عیش طویل دوسرے کے حق میں حسرت دراز ہو ہرگز قابل تقرر  
نوبت نہ تھا۔

دوسرے حمل کے پہننے کے لیے کوئی زمانہ ایسا مقرر نہیں کہ خواہی نخواہی اس موسم میں یا اس  
قدر مدت میں علوق لطفہ ہو ہی جایا کرے پھر وضع حمل کے لیے کوئی مدت ایسی معین نہیں جو اس سے  
کم و بیش متصور نہ ہو اس لیے نوبت کی تساوی اور عدل فی النوبت کی کوئی صورت نہ نکلی جو مثل غلام  
و زوج کہ نوبت بہ نوبت سب آقاؤں اور تمام بی بیوں کے پاس رہ سکتا ہے۔ ایک عورت سب  
خاوندوں کے پاس برابر رہ سکتی اور کوئی فساد اس وجہ سے پیش نہ آتا اگر تھی تو یہی ایک صورت تھی  
کہ نوبت بہ نوبت طہر واحد میں متعدد خاوندان واحد سے منتفع ہوا کرتے۔ مگر ظاہر ہے کہ اس صورت  
میں در صورت تولد اولاد یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ کس کے لطفہ سے پیدا ہوا ہے اور اگر کسی قرینہ  
سے معلوم بھی ہو جائے تو اتنی بات معلوم ہوگی کہ اول کس کا لطفہ رحمہاں میں ٹھہرا۔ یہ بات کیونکر  
معلوم ہو کہ دوسروں کا لطفہ بعد میں بھی شامل نہیں ہوا۔ بایں ہمہ دوسروں کا منہ اتنی بات سے بند  
نہیں کر سکتے۔ ہر خاوند کو اس وقت میں دعویٰ کی گنجائش ہوگی اور ایک نزاع عظیم برپا ہوگا۔ بالجلد وجہ  
عدم جواز تعدد نکلج عورت کے وقت واحد میں یہ ہے۔

رعدت وفات چار ماہ اور | مگر یہ بات بعد وفات زوج جب تک باقی ہے کہ بالیقین  
دس دن مقرر کرنے کی حکمت) حاملہ ہو تو وضع حمل ہو جائے اور شبہ حمل ہو تو وہ شبہ مرٹ جائے  
مگر شبہ حمل کے مرٹ جانے کی عمدہ صورت اگر ہے تو یہ ہے کہ کچھ اوپر تین چلوں تک انتظار کیا جائے  
وجہ اس کی یہ ہے کہ بشادات احادیث صحیحہ ایک چلتہ تک لطفہ اپنی ہیئت اصلی پر رہتا ہے  
یعنی لطفہ رہتا ہے گو کسی قدر کیفیت اصلی بدل جاتی ہو اور ایک چلتہ تک علقہ (خون بستہ) رہتا  
ہے اور ایک چلتہ تک مضغہ (گوشت کا لٹھلا) رہتا ہے بعد تینوں چلے پورے ہو جانے کے نفع



روح کی نوبت آتی ہے۔ سو مجروح نفع روح اتنی طاقت کہاں کہ حرکات ظاہر ہوں البتہ دس روز میں اتنی طاقت متصور ہے اور پھر جوں جوں دن زیادہ ہوتے جائیں گے طاقت بڑھتی جائے گی۔ چنانچہ نفع روح سے جوانی تک روز بہ روز زور افزا رہتا ہے۔ بالجلہ شروع حرکات بعد نفع روح کسی قدر دیر کے بعد متصور ہے سو خداوند علیم کو معلوم ہوگا کہ دس دن میں یہ بات ہوتی ہے اب دیکھیے کہ چار مہینوں کے تو وہی تین چلے ہوئے دس دن اور اوپر بڑھا کر عدت مقرر کی تاکہ بوسیلہ مشاہدہ حرکات جو رحم میں بچہ کرتا ہے کسی کو یہ احتمال باقی نہ رہے کہ حمل نہیں مرض رجائے ہے اور ظاہر ہے کہ سوا اس کے اور کسی طرح یہ یقین نہیں ہو سکتا کہ حمل نہیں۔ خون آنے کی علامت عدم حمل رکھیے تو خون ایام حمل میں بھی آجاتا ہے حیض کہو یا استحاضہ یا نفاس سو بعد مرور ایام عدت یعنی چار ماہ دس دن کے بعد اگر حمل نہ نکلا تو اختیار ہے ورنہ موافق اشارہ **وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ** دربارہ نکاح وضع کا اور انتظار کرنا پڑے گا۔

(عدت وفات ظہور حمل کے لیے ہے اور بہت جلد وضع حمل تک سے اس صورت میں آیت لہذا سورۃ بقرہ اور سورۃ طلاق کے حکم میں تعارض نہیں) **وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ** اور آیت **وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ** میں کچھ تعارض نہ ہے گا کیونکہ یہ **يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ** کا مفعول اس صورت میں ظہور الحمل مثلاً ہوگا اور ادھر کوئی ایسا مضمون نہیں جس سے اجازت نکاح بمجرور ایام عدت معلوم ہو باقی جملہ لاحقہ۔

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ  
فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ  
(پہ بقرہ ص ۳۰)  
دیکھ جب پورا کر چکیں اپنی عدت کو تو تم پر کچھ گناہ نہیں  
اس بات میں کہ کریں وہ اپنے حق میں قاعدہ کے موافق

سے کوئی دھوکہ نہ کھائے۔ اس لیے کہ لفظ **بِالْمَعْرُوفِ** میں معروف موجود ہے پھر باوجود آیت **وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ** حاملہ متوفی غنا زوجہا کے حق میں بمجرور مرور دس دن چار ماہ کے نکاح کو کون معروف کہہ دے گا۔ علاوہ بریں مطلقات کی عدت میں اقل تو یہ ارشاد فرمایا۔



وَالْمُطَلَّقاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ  
 قُرُوءٍ بَعْدَ إِذَا ارْتَضَىٰ لَهُنَّ أَنْ  
 يُكْتَمَنَّ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ  
 كُنَّ يُؤْمِنَنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (پہلے قرآن)

(اور طلاق والی عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو  
 تین حیض تک اور ان کو حلال نہیں کہ چھپا رکھیں جو پیدا  
 کیا اللہ نے ان کے پیٹ میں اگر وہ ایمان رکھتی ہیں  
 اللہ پر اور کچھ دین پر۔)

جب یہاں یہ ارشاد ہے حالانکہ وجہ انتظار ثلثہ قروء یہاں امیر رضا زوج ہے۔  
 اندیشہ اختلاط نطفہ نہیں تو جہاں وجہ انتظار عدت، خود اندیشہ اختلاط نطفہ ہے وہاں حاملہ سے رجعت  
 کیونکہ منجملہ معروضات ہو سکتی ہے۔

(مطلقہ میں تین حیض تک انتظار کی  
 وجہ خاوند کی رضا اور اس کا رجوع ہے)

تفصیل اس اجمال کی سنی ہے تو سنئے ارباب وجدان صحیح  
 اور اصحاب طبائع سلیمہ کو معلوم ہو گا کہ اصل نکاح تراضی طرفین  
 اور اصل طلاق تحالف طرفین ہوتا ہے۔ مگر تراضی تو مقتضیات طبعی میں سے ہے کیونکہ زن و مرد علاوہ  
 اتحاد نوعی کے ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ احتیاج مباشرت و جماع تو ظاہر کیا اظہر ہے۔ اس کے  
 سوا عورت نان و نفقہ میں مرد کی محتاج۔ کھانا اصل میں مرد دل ہی کا کام ہے اور مرد کھانے پکانے  
 انتظام امور خانہ داری وغیرہ میں عورت کا محتاج ہے اس صورت میں شکر ربی یا بھی اکثر امر عارضی  
 ہوا کرتی ہے جس کے زوال کی توقع اور اُمید بے جا نہیں بجائے اور ظاہر ہے کہ اس وقت اس  
 تراضی کو جو اصل موجب نکاح بنتی زائل نہیں کہہ سکتے بلکہ اگر ہوتا ہے تو گمان غالب اس کے استتار  
 کا ہوتا ہے۔ ہاں یہ بھی ایک احتمال ہوتا ہے کہ تنفر کی کوئی وجہ قوی ہو جس کے زوال کی کوئی صورت  
 نہ ہو اس لیے کسی قدر انتظار ضرور ہوا۔ سو انتظار کے لیے عمدہ زمانہ وہ ہے جس میں مکرر رجعت  
 رغبت کا ظہور ہو یعنی تین حیض یا تین طہر مقرر ہوئے۔ تاکہ تین طہر کی نوبت آئے اور عورت پاک صاف  
 ہو کر نہا دھو کر پوشاک و زیور سے آراستہ ہو کر مکرر سے کہ خاوند کو لبھائے اس حال میں اگر اس کی  
 ناخوشی اور پروا پر کی تھی تب تو ظاہر ہے کہ خاوند اس دلربائی پر پھر دل سے بیٹھنے کا اور اگر اب بھی وہی  
 کشیدگی رہی تو معلوم ہوا کہ نکاح ٹوٹ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعد مرد عدت رجعت  
 کا اختیار نہیں اگر ہو تو نکاح جدید ہو اور طلاق مغلطہ میں باوجود قطع امیر رجعت، جو عدت  
 وہی تین قروء رہی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ احکام اصلیہ موانع خارجہ سے زائل نہیں ہو جاتے۔



اگر یہ نہ ہوتا تو دائم الجس بھی مثل مردہ سمجھا جاتا۔ اس کا نکاح ٹوٹ جاتا اس کا مال میراث میں بٹ جاتا اور جب احکامِ اصلیہ عوارضِ خارجیہ سے زائل نہیں ہوتے تو یہاں بھی کسی طلاق کا مرتبہ اولیٰ یا ثانیہ، ثالثہ میں واقع ہو جانا ایک حالتِ عرضی ہے۔ تیسرا ہونا طلاق کی ذاتیات یا اوصافِ ذاتیہ میں سے نہیں۔ بہر حال مطلقات میں علتِ تقررِ عدت، انتظارِ رضا، زوج ہے جب وہاں یہ حکم ہے کہ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ تَوْ مَتَوَفَّيْنَهُمَا زَوْجَهُمْ لِيَسْمَعُوا وَجْهَهُ تَقَرَّرْ عِدَّتُ مَعْلُومَةٌ خُودِیْهِ اِنْ اِنْشِئَتْ اَخْطَا طَلْفَةٌ غَيْرُ هِيَ يِهَاں كِیونكِرُ وَهْ حَكْمٌ نَبْ هُوْكَ۔ مگر طلاق میں چونکہ وجہِ عدت کچھ اور تھی تو وہاں لَا يَحِلُّ لَهُنَّ کی تصریح ضرورتی اور یہاں علتِ تقررِ عدت خود وہی اندیشہ تھا جس کی مدافعت کے لیے لَا يَحِلُّ لَهُنَّ فرمایا اس لیے مصرح کہنے کی حاجت نہ ہوئی۔ الحاصل آیت مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُنْكِحُوا زَوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا اَرْسَايَتْ وَاحِلٌ لَكُمُ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ كَمَا يَنْتَ تَعْلَمُ تُوْبَعْدُ لِحَاظِ كَرَامَتِ اس امر کے کہ سوا محسنات وہ منکوحات ہوں یا متوفی عنہا زوہبا اور عورتیں ساسے جہاں پر حرام نہیں ہو سکتیں۔

(حاصلِ کلام) | اہل علم کو اس میں شبہ نہیں رہ سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدستور ازل زندہ ہیں اور آپ کا علاقہ حیات جو فیما بین روح پر فروع اور جسم اطہر تھا ہنوز اسی طرح قائم ہے جس طرح تھا۔ اور اگر کسی نے بوجہ ام المؤمنین ہونے کے بلحاظ آیت وَلَا تُنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاءُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ اَنْ كُنْتُمْ اَمَامُ الْمُؤْمِنِينَ ہونا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابوالمؤمنین ہونے کو مستلزم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوالمؤمنین ہونا ان کے زندہ ہونے کو مقتضی ہے چنانچہ دلیل ملی سے جو بنسبت حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہے یہ امر آشکارا ہو جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ دلیل یہ ہے۔

(دلیل ملی سے حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت) | خداوند کریم نے سورۃ اہزاب میں فرمایا ہے۔  
 اَللّٰہِ اَوَّلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ  
 اَنْفُسِهِمْ وَازْوَاجُهُ اُمَّهَاتُهُمْ  
 (پا اہزاب ع ۱)  
 (نبی سے لگاؤ ہے ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے اور اس کی عورتیں ان کی مائیں ہیں)

دلیل ملی: علت واقعہ کو لفظوں میں علت بنانا۔ دلیل ثانیہ: علت بنانا کہ لفظوں میں علت بنانا محمد شرن



(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مومنین کیلئے) اولیٰ کی تفسیر اقرب ہے اور حاصل مطلب یہ ہے  
ان کی جانوں سے اقرب اور محبوب ہونا) کہ بنی مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ مومنوں سے

نزدیک ہے مگر سب جانتے ہیں کہ نبوت و ولایت و اولویت بمعنی اقربیت ہو یا بمعنی اجیتیت  
 و اولویت بالتصرف اصل میں اوصاف روحانی ہیں۔ اوصاف جسمانی نہیں۔ نبوت و ولایت و اولویت  
 بالتصرف اور اولویت بمعنی اقربیت کا حال تو خود ظاہر ہے ہاں اجیتیت میں شاید کسی کو شبہ ہو۔ سو اس کے  
 مٹانے کی یہ تدبیر ہے کہ محبوبیت جسمانی تو البتہ احوال و اوصاف جسمانی میں سے ہے مگر محبوبیت  
 فی اللہ بالیقین ہر خاص و عام کے نزدیک اوصاف و احوال روحانی میں سے ہے اور ظاہر ہے کہ  
 محبوبیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حب فی اللہ کے سبب کسی جمال و کمال جسمانی کے باعث نہیں۔

(روح پر فتوح صلی اللہ علیہ وسلم ارواح مومنین کی نسبت ذات اور فشا) ہاں یہ بات باقی رہی کہ یہاں  
انتزل ہے اور ارواح مومنین اوصاف ذاتیہ اور انتزاعیات ہیں) اولویت کے کیا معنی ہیں

سو ہمارے نزدیک اولیٰ بمعنی اقرب ہے اور یہ اقربیت اس بات کو مقتضی ہے کہ روح پر فتوح صلی اللہ  
 علیہ وسلم منشا انتزاع ہو اور ارواح مومنین انتزاعیہ روح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم علت معنی مصدر وجود ارواح مومنین معلول معنی صادر۔ بہر حال علت کہو  
 یا منشاء انتزاع معلول کہو یا امر انتزاعی مطلب ایک ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اقربیت اور البعدیت کے یہ معنی ہیں کہ اگر اس  
 طرف کو حرکت کی جائے تو جو اقرب ہو وہ پہلے آئے جو البعد ہو وہ بعد میں آئے سو ایسی اقربیت  
 کہ اپنے سے بھی زیادہ قریب ہو وہیں متصور ہے جہاں اقرب بہ نسبت اقرب منہ کے علت اور فشا  
 انتزاع ہو کیونکہ امور متباینہ میں تو یہ قرب متصور ہی نہیں۔ ہے اوصاف عرضیہ بمعنی بالعرض مقابل  
 بالذات وہ بھی فی الحقیقت موصوف سے یہ قرب نہیں رکھتے ورنہ اس قرب پر جدائی دشوار تھی۔  
 حالانکہ اوصاف مذکورہ کا منفک ہو سنا خود ان کے بالعرض ہونے سے ظاہر ہے ہاں اوصاف  
 ذاتیہ بمعنی مقتضائے ذات معلول ذات ہوتے ہیں اور ذات ان کی نسبت علت اور منشاء  
 انتزاع، اور لوازم ذات مذکورہ انتزاعیات۔

خیر ان کے انتزاعیات اور ذات کے منشاء انتزاع ہونے کو تو کوئی مانے یا نہ مانے پر اوصاف  
 ذاتیہ کا معلول اور ذات کا علت معنی مصدر وجود ہونا ایسا نہیں جو کوئی عاقل اس کا انکار کرے۔  
 سو یہ اتنی بات کافی ہے۔ اس لیے کہ معلول کا وجود ایسی علت کے وجود پر خارج ہیں تو سب کے نزدیک  
 سوچیں اتنی بات کافی ہے۔



موقوف ہوتا ہے پر وجود ذہنی کا حال بھی یہی ہے اس لیے کہ عقل مخبر ہے منشی نہیں موجودات خارجیہ کی خبر دینے کے لیے عقل کو بنایا ہے نئی باتوں کی ایجاد اس کا کام نہیں۔

(ذہن میں حاصل شدہ مضمون کی خبر میں | سو جاننے والے جانتے ہیں کہ اسی مرتبہ حاصل اخبار کا بھی محکی عنہ یعنی علت پائی جاتی ہے) نام وجود ذہنی ہے اور کیفیت اخبار حصول اشیا بالفسہا

یا باشباحہا پر موقوف ہے۔ سو اگر تنہا معلول یا اس کی شیع ذہن میں ہو۔ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ معلول اپنے وجود خارجی میں علت کا محتاج نہیں۔ در صورتیکہ وقت علم سے بذات خود ذہن میں آئی۔ اور جب تو یہ بات ظاہر کیا اظہر ہے۔

(نور شمس سے علم۔ مبداء علم اور عالم کی مثال) | اگرچہ کم فہموں اور ان لوگوں کو جنہوں نے مثل

متشابہات دینی مسئلہ حصول الاشیا بالفسہا کو تسلیم کر رکھا ہے اس بات میں تین پانچ کرنے کی گنجائش ہو۔ مگر اہل اذہان صافیہ پر یہ بات روشن ہے کہ جیسے اشیا منورہ بنور شمس بذات خود نور میں حاصل ہوتی ہیں۔ ایسے ہی اشیا معلومہ بذات خود نور علم میں آجاتی ہیں اور وہ نور علم بذات علماء کے ساتھ

اسی ہی طرح قائم ہے جیسے نور شمس خود شمس کے ساتھ۔ جیسے مبداء تنور اشیا منورہ بالنور، وہ نور شمس ہے ایسے ہی مبداء علم یعنی مبداء انکشاف وہ نور علم قائم بالعالم ہے اگرچہ کم لامشاحتہ فی الاصطلاح۔ صور حاصلہ

یا کیفیت انکشاف فیما بین کہ مبداء انکشاف کہنے کی گنجائش ہے۔ القصہ در صورت حصول اشیا بالذات، تو تنہا معلول کا ذہن میں آنا محال ہے اگر آئے گا

تو علت کے ساتھ آئے گا اور در صورت حصول اشیا باشباحہ کے یہ معنی ہوں گے کہ وقت حصول اشیا بالفسہا مطابق ظاہر اشیا، باطن مبداء انکشاف میں ایک صورت کا پیدا ہونا اسی طرح ضرور ہے جیسے

وقت حصول اشیا منورہ فی النور، باطن نور میں مطابق ظاہر صورت اشیا ایک صورت کا حاصل ہونا یا مطابق صورت اشیا حاصلہ فی الماء یعنی آب۔ باطن آب میں اس صورت کا پیدا ہو جانے کا جملہ صورت

اصلیہ اور صورت شیع میں وہ نسبت ہے جو قالب اور مقلوب کی صورت باطن اور ظاہرہ میں نسبت ہوتی ہے۔

(مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں ذہن میں | الحاصل ذہن میں بالذات اور بالشیع دونوں طرح حاصل شدہ صورت ہی سے علم حاصل ہوتا ہے) صورت ہی ہوتی ہے ذی صورت نہیں ہوتا۔



علم بالکنہ اگر ہوتا ہے تو صورت کا ہوتا ہے ذی صورت کا علم بالوجہ ہوتا ہے۔ سو یہ وجہ کون ہے صورت ہے مگر سوا اس طریق کے حصول شیع کی اور کوئی صورت نہیں معنی انعکاس بھی حقیقت میں یہی ہے یعنی شیع عکس اصل ہوتا ہے چنانچہ ملاحظہ مثال قالب و مقلوب کے ظاہر ہے۔

(بصورت تقابل عکس (پر تو) کی صورت کے وقت اصلی شے اور اگر بالفرض انعکاس صورت اور یعنی علت کی صورت ذہن میں موجود ہوتی ہے) حصول شیع کے لیے تقابل صورت اور

محاذات ذی شیع کافی ہے تب بھی ہمارا مطلب کہیں نہیں گیا وقت تقابل معلول علت کے جدا نہ ہوگا سو ان میں اگر یہ قرب ہوگا کہ معلول کی نسبت علت خود معلول سے بھی زیادہ قریب ہے تو یہ ممکن نہیں کہ شیع معلول اور عکس معلول تو ذہن میں حاصل ہو اور شیع علت اور عکس علت ذہن میں حاصل نہ ہو۔ ورنہ یہ قرب مبدل بہ بعد ہو جائے گا کیونکہ ایک کے شیع کا ذہن میں آنا اور دوسرے کے شیع کا ذہن میں نہ آنا سوا اس کے متصور نہیں کہ ایک کو تقابل میسر آئے دوسرے کو میسر نہ آئے اور یہ بات اس قسم کی اقر بیت میں ممکن نہیں۔ چنانچہ ظاہر ہے۔ بالجلہ اوصاف ذاتیہ اپنے موصوف سے اور انکی شیع اور ان کا عکس موصوف کے عکس اور شیع سے جدائی نہیں ہو سکتے۔

(حصول معلول فی الذہن حصول علت پر موقوف ہے جب یہ بات مقرر ہو چکی تو اس بات کا اور ان کے مابین کوئی واسطہ نہیں) تسلیم کرتا ہوں کہ حصول فی الذہن حصول

علت پر موقوف ہے۔ حصول اشیاء بالفسا میں تو اس بات کے کہنے کی حاجت ہی نہیں اور باشباحہ کی صورت میں اس لیے کہ ذی شیع، شیع کے تابع ہے۔ اگر وہاں تقدم یا توقف ہے تو یہاں بھی اس کا ہونا ضرور ہے ورنہ تقدم اور توقف اصل غلط ہو جائے گا۔ چنانچہ واضح ہو چکا اس صورت میں اس کا اقرار ضروری ہے کہ تعقل معلول تعقل علت پر موقوف ہے۔ اس سے اصنافی اور انتزاعی ہونا معلول اور لازم ذات کا بھی واضح ہو گیا۔ اس صورت میں اگر خود معلول اور لازم ذات ہی اپنے اور اک کی طرف متوجہ ہو تو قبل تصور علت و ملزوم اپنا تصور ممکن نہیں۔ سو اس حرکت علمی میں معلول کو اول علت پیش آئے گی اس کے بعد اپنی ذات۔ اور ظاہر ہے کہ سوائے حرکت علمی اور کسی حرکت کی فیما بین معلول و علت گنجائش نہیں اگر ممکن ہے تو یہی حرکت علمی اور انتقال فکری ممکن ہے اور اس صورت میں وہ اقر بیت مذکورہ مشارا الیہا موجود ہے۔



روح محمدی کا اروح مومنین کیلئے علت ہونا اس کا مقتضی | اس لیے خواہ مخواہ اس صورت  
 ہے کہ آپ کی روحانیت اور حیات اصلی اور امت کی عارضی ہے | میں اس بات کا اقرار لازم ہو گا۔  
 کہ روح پر فتوح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم علت ہو اور اروح امت محمدیہ مثلاً معلول بمعنی مذکور۔ اور ظاہر ہے  
 کہ جو بات معلول میں بحیثیت معلولیت ہوتی ہے وہ علت ہی سے مستعار ہوتی ہے۔ چنانچہ معلول ہونا  
 اور توقف وجود خود اس پر شاہد ہے۔ کیونکہ توقف وجود تمام اوصاف وجودیہ کے توقف کا خواستگار  
 ہے۔ اس صورت میں حیات اور روحانیت اروح امت عرضی اور مستعار ہوگی مگر جیسے کمالات معلول  
 مستعا اور عرضی ہوتے ہیں کمالات علت، اصلی اور خانہ زاد ہوتے ہیں۔ اور اگر یہ نہیں تو وہ علت بھی نہیں۔  
 جہاں یہ اوصاف مشترکہ بین العلة والمعلول وجود ہوں یا غیر وجود۔ ذاتی اور خانہ زاد ہوں گی۔  
 وہی علت ہوگی۔ اور اقربیت مذکورہ ایسی ہی علت کے لیے ہو سکتی ہے چنانچہ ظاہر ہے۔ مگر  
 کسی وصف کے ذاتی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ وصف بالعرض نہ ہو چنانچہ سیاق سے ظاہر ہے  
 یہ نہیں کہ مخلوق بھی نہ ہو۔

(تقریر مذکورہ بالا کا آیت النبی اولیٰ بالمؤمنین والہ اباق) | مگر جب اقربیت بمعنی مذکور۔  
 مساوی علیت نکلی تو اور سنئے ملاحظہ جملہ معروضہ قرآنی۔ النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسہم  
 اقربیت مذکورہ آپ کو حاصل تھی اس لیے علیت بھی ہونی چاہیے۔ مگر یہ بھی تو وصف حیات کا آپ  
 میں ذاتی ہونا بھی ضرور ہے۔ لیکن اوصاف ذاتیہ کا انفکاک خود ظاہر ہے کہ محال ہے ورنہ اوصاف  
 ذاتیہ اور اوصاف عرضیہ میں کیا فرق رہ جائے اس صورت میں حیات روحانی حضرت خاتم المرسلین  
 صلی اللہ علیہ وسلم جاودانی ہوگی۔ جب یہ بات مقرر ہو چکی تو اور سنئے کہ در صورتیکہ اروح امت، روح  
 پر فتوح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ٹھہریں اور اس سے پیدا ہوئیں چنانچہ علیت و معلولیت کے  
 ظاہر ہے۔ تو ابوت روحانی اور نبوت روحانی کا تسلیم کہ نا ضرور ٹھہرایہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ بعد اس  
 جملہ کے وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ فرمایا کیونکہ آپ کی ابوت کو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن  
 کا امہات المؤمنین ہونا لازم ہے بلکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کی قرأت میں جو فی ما بین جملتین  
 جملہ وَهُوَ آبٌ لَّهُمْ اور زائد ہے اور بھی اس بات کا مؤید ہے کہ ادلویت مذکورہ کا مقتضی  
 ابوت روحانی اور ابوت روحانی مذکورہ ازواج مطہرات کے امہات المؤمنین ہونا خواستگار ہے۔



(آیت مذکورہ میں تصرف اور جبریت کے معنی علت اور قربیت میں لازماً پائے جاتے ہیں) مگر ہاں شاید کسی کو یہ شبہ دامنیگر ہو کہ بعض مفسروں نے اولیٰ کو اس آیت میں بمعنی اقرب

لیا ہے تو بعض نے بمعنی احب لیا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس بعض نے بمعنی اولیٰ بالتصرف قرار دیا ہے۔ اس صورت میں آپ ﷺ کی علیت اور امت کی معلولیت یقینی نہ رہی مگر اول تو التصاق سیاق و سباق چنانچہ معروض ہو چکا معنی معروض کا مؤید ہے۔ ادھر اس امت کا غیر امت ہونا چنانچہ کلام اللہ میں فرمایا ہے کُنْتُ خَيْرَ اُمَّةٍ اَخْرَجْتُ لِنَفْسِي مِنْ دُونِ النَّبِيِّينَ اس پر شاہد۔ اس لیے کہ جب علت مصدر معلول ٹھہری تو اگر ایک علت دوسری سے افضل ہوگی تو اس کا معلول بھی اس کے معلول سے افضل ہوگا۔ چنانچہ تفاوت و صوب اور چاندنی جو تفاوت فیما بین الشمس والقمر پر متفرع ہے اس کی نظیر ہو سکتا ہے بایں ہمہ معینین آخرین کا رجوع تو معنی معروض کی طرف ضرور ہے اور ان کا توقف بمعنی اول پر لازم۔ اور اٹا کیجئے تو بن نہیں ٹپتا وجہ اس کی یہ ہے کہ کسی کے احب اور اولیٰ بالتصرف ہونے کے لیے کوئی علت ضرور چاہیئے نہ محبت بے موجبات محبت اور محبوبیت بے موجبات محبوبیت ہو سکے نہ اولویت بالتصرف بے موجبات اولویت بالتصرف۔ اور ظاہر ہے کہ اس قدر اجیت اعنی محبوبیت کہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہو قرابت بقدر اقربیت مذکورہ میں موجود۔ اور قرابت کا موجبات محبت میں سے ہونا بدیہی ہے قابل انکار نہیں۔

علیٰ ہذا القیاس معیر کا مستعیر سے استعار میں اولیٰ بالتصرف ہونا ضروری ہے اور علت کا معیر اور معلول کا مستعیر ہونا خود اس مضمون سے آشکارا ہو چکا۔ جس میں وجود اور کمالات وجود معلول کا مستعار ہونا ذکر کیا گیا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قرب مذکور کے لیے اجیت اور اولویت بالتصرف علت نہیں ہو سکتی البتہ معاملہ بالعکس ہے چنانچہ مثل آفتاب نیروز روشن ہو گیا۔ بلکہ اقربیت مذکورہ کے لیے برائے نام علیت کو علت کہہ لو ورنہ اس کی کوئی علت ہی نہیں۔ کیونکہ علیت اور اقربیت میں اگر فرق ہے تو اعتباری فرق ہے اور علیت کے لیے کوئی علت ہو ہی نہیں سکتی ورنہ علت اولیٰ کی جانب اختیار نکلتی گی۔ (لفی میراث کے بارے میں حیات جب یہ مضامین بھی ذہن نشین ہو گئے تو اور سنئے کہ حیات جسمانی کے اثبات کی ضرورت)

روح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہونا تو اس قدر معلوم ہو گیا کہ بارہ لفظی میراث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم



حیات روحانی سے کام نہیں چلتا یہاں تو حیات جسمانی کی ضرورت ہے اس لیے کہ اموال و اندولج و لاحق و  
توابع اور تعلقات بدن میں سے ہیں۔ ان چیزوں کی اگر ضرورت ہے تو جسم ہی کو ضرورت ہے روح کو  
بالذات کچھ حاجت نہیں چنانچہ اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ اس لیے اثباتِ دوام حیات جسمانی کی ضرورت ہے۔  
(آپ کا وجود باوجود بواسطہ جسم اطہر مصدر حیات ہے | مگر چونکہ یہ بات ایک تمہید پر موقوف  
جس سے روحانیت کے آثار علم و عمل صادر ہوتے ہیں) ہے اس لیے معروض ہے کہ اوصاف

کو اپنے موصوفات سے کبھی تو علاقہ صدور ہوتا ہے جیسے تعلق حرارت باتش و تعلق نور بافتاب۔ ظاہر  
ہے کہ یہاں وصف حرارت و نور خارج سے آکر آتش و آفتاب پر واقع نہیں ہوا بلکہ انہی میں سے  
یہ اوصاف صادر ہوئے ہیں اس قسم کے تعلق کو تو ہم تعلق فعلی و فاعلی کہتے ہیں اور کبھی اوصاف کو  
اپنے موصوفات سے علاقہ وقوع ہوتا ہے جیسے تعلق حرارت با آب گرم اور تعلق نور بزمین۔ مثلاً  
ظاہر ہے کہ یہاں اوصاف مذکورہ آب و زمین سے صادر نہیں ہوئے بلکہ آتش و آفتاب سے صادر ہو  
کر آب و زمین پر واقع ہوئے ہیں۔ اس قسم کے تعلق کو ہم تعلق انفعالی اور تعلق مفعولی کہتے ہیں اور  
پھر یہ کہتے ہیں کہ تعلق روح و جسم کی حقیقت کو دیکھا تو جسم کو منظر افعال روح پایا یعنی غرض اصلی  
اس علاقہ بندی سے یہ ہے کہ روح سے افعال جو روح صادر ہوں جیسے نور اور جسم آفتاب میں  
باہم تلازم رکھنے سے غرض یہ ہے کہ اس سے اوروں کی طرف نور صادر ہوا کرے۔ الغرض جیسے  
نور لوازم ذاتِ آفتاب میں سے نہیں۔ اگر ہے تو لوازم وجود میں سے ہے اور غرض اس تلازم  
سے صدور نور ہے۔ ایسے ہی جسمانی لوازم ذاتِ جسم اطہر حضرت ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم میں سے  
نہیں لوازم وجود جسم مبارک میں سے ہے۔

اور غرض اس تلازم میں سے صدور آثار روحانیت ہے اور وہ ظاہر کہ بجز ایصالِ علم و عمل اور  
کچھ نہیں مگر چونکہ بے اعانت منظر یعنی جسم یہ افعال نہ ہو سکتے تھے تو اس اسکیل کی ضرورت پڑی۔

(جسم انسانی سے افعال کا ظہور دراصل | الحاصل اس صورت میں جسم انسانی بمنزلہ جسم آفتاب  
فاعلیت حیات کے سبب سے ہے) کو اکب و آئینہ مقابل آفتاب ہوگا۔ یعنی جیسے وہاں ایصال

و افاعنہ و صدور نور الی الغیر مد نظر ہوتا ہے ایسے ہی یہاں بھی ایصالِ منافع علمی و عملی مطلوب۔ اور اگر بوسیلہ جسم  
کوئی افعال بھی پیش آجائے تو ہم ایسے ہی ایصالِ منافع مد نظر متلوئے۔ الوان مختلفہ نور پر عارض ہوں



اور وہ ان سے منفعل ہو سوجیسے یہ افعال اتفاقی ہے۔ یہاں بھی اتفاقی سمجھے۔ اغراض اصلیہ میں سے نہیں کہہ سکتے چنانچہ اعمال کا وار دنیا میں مطلوب ہونا اس پر خود شاہد ہے اور بعد خروج از دہر مذکور تکلیف شارع کا ساقط ہو جانا اس کے لیے عمدہ دلیل ہے۔

ادھر حاصل جسم و تعلق مذکور سوا اس کے اور کچھ نظر بھی نہیں آتا جو اعضاء مظاہرہ قوت عملیہ میں مثل دست و پا ان کا نتیجہ تو بجز عمل اور کچھ ہے ہی نہیں اور جن اعضاء کو مظہر قوت علمیہ بنایا مثل چشم و گوش وغیرہ جو اس خمسہ انکا قصہ سنئے کہ اول علم کا فعل متعدی ہونا اس کے فعل ہونے پر دال ہے وقوع علی الغیر فعل ہی کی شان ہے افعال میں یہ بات کہاں اور اگر یہ ہو تو یوں کہو کہ مفعول اور منفعل فاعل ہیں۔ مفعول و منفعل نہیں۔ دوسرے علم بغرض عمل مقصود ہے بذات خود مقصود نہیں۔ اگر علم منافع ہے تو فعل طلب صادر ہونا چاہیے۔ اور علم مضرت ہے تو فعل ہرب صادر ہونا چاہیے بہر حال علم سے مقصود اصلی اعمال ہیں۔

(روح و جسم کے درمیان علاقہ فعلی ہے درمیان میں اس لیے علاقہ فیما بین روح و جسم حائل کے وجود سے آثار حیات سمٹ جاتے ہیں ملتے نہیں علاقہ فعلی ہے علاقہ انفعالی نہیں۔

اس صورت میں اگر کوئی چیز مانع وصول فعل فاعل اور مفعول میں حائل ہو تو فعل بمعنی مبداء فعل مثل نور آفتاب مثلاً فاعل کی طرف سمت جائے گا۔ اور اگر سمتے گا نہیں تو زائل بھی نہ ہوگا ہاں مفعول سے زائل اور منفک ہو جائے گا۔ مثلاً آفتاب اور زمین یا آفتاب اور آئینہ میں اگر کوئی جسم کشیف حائل ہو جائے تو وہ نور جو آفتاب سے کر زمین اور آئینہ تک متصل تھا۔ سمت کر زمین اور آئینہ سے جدا ہو جائے گا۔ اور آفتاب کی طرف چل دے گا نہ دونوں میں ادھول ادھ منقسم ہوگا نہ تنہا زمین اور آئینہ کی طرف ہے گا اور اگر فرض کرو نور آفتاب بوسیلہ آئینہ یا کسی کوکب کے واسطے پہنچا ہو تو در صورت حیولیت جسم کشیف وہ نور جو آئینہ یا کوکب سے اس چیز کی طرف آتا تھا اس چیز سے جدا ہو کر آئینہ اور کوکب کی طرف چل دے گا۔ القصہ جس طرف علاقہ فاعلیت اور فعلیت ہوگا وہ علاقہ بوجہ حیولیت ضد موجبات تضاد منفک نہ ہوگا البتہ جس جانب علاقہ

لے ہاں اگر علاقہ فعلی اگر علاقہ انفعالی پر مقرر ہے تو یہ ہو سکتا ہے کہ علاقہ انفعالی منقطع ہو اور اس وجہ سے وہ علاقہ فعلی منقطع ہو جائے مثلاً نور کو قمر کے ساتھ اول علاقہ انفعالی ہے یعنی نور آفتاب اس پر واقع ہوتا ہے باقی حاشیہ ص ۲۹ پر



انفعال اور مفعولیت ہو گا وہ علاقہ بوجہ حیولیت مشا الیہ زائل اور منفک ہو جائے گا۔

روح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بدن میں تعلق انفعال ممکن نہیں) | اس صورت میں علاقہ فیما بین روح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم و جسم اطہر بوجہ حیولیت موت یا موت یا موت

موت قابل انفکاک نہیں بلکہ موجب استتار ہے چنانچہ اول اس کی طرف اشارہ کر چکا ہوں اور حیولیت ابر و غبار کی مثال کے ملاحظہ سے واضح ہے۔ اور اگر بالفرض والتقدیر انفعال کو کبھی اعتراض اعلیہ تعلق روح و بدن میں سے کیے تو جسم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تو اس بات کے کہنے کی گنجائش ہی نہیں کیونکہ تکمیل روح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بوسیکہ جسم کسی اور کامل سے تو ہو ہی نہیں سکتی بلکہ اور نہ

بقیہ حاشیہ :- دوسرا علاقہ فعلی ہے جو علاقہ اول پر متفرع ہے یعنی وہ واقع علی القمر قرعے صدر ہو کر اور اشیا پر واقع ہوتا ہے۔ سو یہ علاقہ ثانی اگرچہ بوجہ حیولیت اجسام کثیف ممکن الانقطاع نہیں پر بوجہ زوال علاقہ اول و انفکاک علاقہ ثانی منقطع ہو جاتا ہے چنانچہ واقفان حقیقت خسوف خوب جانتے ہیں مگر جہاں عالم اسباب میں علاقہ ثانی منقطع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ واقفان حقیقت خسوف خوب جانتے ہیں مگر جہاں عالم اسباب میں علاقہ ثانی علاقہ اول پر متفرع ہی نہ ہو جیسے علاقہ نور الشمس تو وہاں حیولیت اضداد متصور ہی نہیں جو اسی طرح انقطاع کا اندیشہ ہو۔ مگر یہ بھی تو علاقہ روح و جسم محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ بوجہ حیولیت موت حیات کے ممکن الانقطاع نہیں کیونکہ جیسے شمس اور اس کے نور میں حیولیت اجسام کی گنجائش ہی نہیں تو یوں کہیں کہ نور شمس اس میں اور اس کے نور کے بیچ میں آگیا۔ ایسے ہی غشا موت جو ضد روح ہے جسم نبوی اور روح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیچ میں آسکتا ہے۔ ہاں جیسے غشا نور آفتاب وغیرہ موجبات ظلمت۔ نور آفتاب کو اوپر سے دبا لیتے ہیں ایسے ہی غشا موت یعنی مابہ الموت جو اصل موت ہے حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اوپر سے دبا سکتی ہے۔ سو اسی کو استتار کہتے ہیں اور وجہ اس کی وہی ہے جیسے نور آفتاب عالم اسباب میں مبداء اول نورانیت ہے اور یہی وجہ ہے کہ نور کا علاقہ فعلی جو اس کے ساتھ ہے کسی علاقہ انفعالی پر متفرع نہیں ایسے ہی روح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم عالم اسباب میں مبداء اول حیات ہے اور اسی لیے یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ کی روح کا علاقہ جو آپ کے جسم کے ساتھ خاص ہے علم اسباب میں علاقہ انفعالی پر ہو ہاں عالم اسباب سے قطع نظر کیجئے تو خدا کے اعتبار سے سب منفعول ہیں واللہ اعلم ۱۲



ارواح کی تکمیل بوسیہ اجسام روح باکمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے کی گئی ہے۔

(جو عوارض خارجیہ بواسطہ حیات کے لاحق | اور سوا اس کے اور انفعالات جو مثلاً وقت خورد و نوش  
نہیں ہوتے وہ اغراض اصلیہ میں سے نہیں) | و مشاہدہ مرغوب و غیر مرغوب و استماع اخبار

مختلفہ وغیرہ اسباب پیش آتے ہیں اغراض اصلیہ اولیہ میں سے نہیں اتفاقیات و لوازم و آثار اوقات  
میں سے ہوتے ہیں۔ اس لیے ان امور میں سے تمام بنی آدم تک یکساں نہیں۔

اگر انفعال مقاصد اصلیہ میں شمار ہو تو بھی حائل کے وجود سے | اور یہ بھی نہ سہی۔ ہم کہتے ہیں کہ  
فاعل منفعل تک نہیں پہنچ سکتا لیکن علاقہ مابین قائم رہتا ہے) | انفعال منجملہ مقاصد اصلیہ اور

اغراض اولیہ ہے مگر ہر انفعال کے لیے ایک فاعل کی ضرورت ہے جس کی طرف سے فعل صادر  
ہو اور منفعل پر واقع ہو سو وہ فاعل اسی صورت میں کوئی غیر ہی ہوگا۔ جیسے زیہ کے لیے عمر و مثلاً تو  
اس صورت میں اس فاعل اور اس منفعل میں کوئی چیز حائل ہوئی تو فاعل کو منفعل تک آنے  
نہ دے گی۔ پر کوئی صاحب فرمائیں اس سے علاقہ فیما بین روح و جسم کو کیا نقصان۔

(لازم وجود (حیات) کا ملزوم (وجود خارجی) منفعل ہوتا ہے) | ہاں یہ صحیح ہے کہ لازم وجود کا  
ملزوم اصل میں منفعل ہی ہوتا ہے ورنہ منفعل نہ کہیے۔ اور جمیع الوجوہ اور من جمیع الخیثات مصدر  
ہی کہئے تو پھر ملزوم فیما بین ملزوم ذات ہوگا۔ اور لازم مذکور لازم ذات ہوگا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ہر  
انفعال کے لیے ایک فعل اور ایک فاعل کی ضرورت ہے۔

(حائل کی ایک مثال) | سو وہ اگر سوا خالق کائنات کوئی اور ہے جیسے قمر و کوکب و آئینہ  
وزمین وغیرہ کے لیے آفتاب۔ تو اگر کوئی اور ہم جنس قمر و کوکب و آئینہ و زمین نیچ میں حائل  
ہو جائے گا تو وہ نور قمر و کوکب و آئینہ و زمین وغیرہ سے زائل ہو کر اس ہم جنس میں آجائے گا۔  
(حائل کی صورت میں تبدیل و تغیر منفعل | الغرض منفعل کی جانب تبدیل متصور ہے اور یہ جو  
میں پایا جائے گا نہ کہ فاعل میں) | دور بینوں وغیرہ میں کئی کئی آئینے آگے پیچھے ہوتے

ہیں اور بشرط تقابل آفتاب نور آفتاب سب میں سے نکلا چلا جاتا ہے اور ایک دوسرے  
کے حق میں حاجب نہیں ہوتا تو وجہ اس کی یہ ہے کہ جس قدر نور ادھر سے ادھر کو نکلا چلا جاتا  
ہے اس نور سے آئینہ ہائے مذکورہ منفعل نہیں ہوتے اگر انفعال ہوتا تو وہ نور یہیں رُک جاتا



آگے نہ جانے پاتا اور جس قدر نور آئینہ کے ساتھ لگا رہ جاتا وہ نور بشرط حیولیت ہم جنس دیگر ضرور زائل ہو کر اس کے ساتھ لاحق ہو جاتا ہے۔

کائنات کے حق میں ارادہ خداوندی ہی منشأ اور اگر فاعل مذکور سوا خالق کائنات اور فیض اس صورت میں حائل کا وجود ممتنع ہے کوئی نہیں بلکہ خود خداوند عالم ہی منشأ فیض ہے۔ تو وہاں بجز تعلق ارادہ اور کسی سامان کی ضرورت نہیں چنانچہ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ (لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہے) اور

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (پہا انحل ۶۸) (ہمارا کتنا کسی چیز کو جب ہم اس کو کہنا چاہیں یہی ہے کہ کہیں اس کو ہو جاتا وہ ہو جائے۔)

اور لَمَّا نَفَع لِمَا أَعْطَيْتَ وَغَيْرَ أَحَادِيثِ اس پر شاہد ہیں اور ظاہر ہے کہ ارادہ خداوندی کار و کمنے والا سوائے ارادہ خداوندی اور کوئی چیز نہیں جو یہ احتمال ہو کہ کوئی چیز کائنات اور عالم اسباب میں ہوگی چنانچہ آیات مشار الیہا اور حدیث مذکور اس پر شاہد ہیں اور یہی وجہ ہے کہ نور آفتاب بجز سلب خداوندی اور کسی چیز سے زائل نہیں ہو سکتا کیونکہ نور آفتاب سوائے خزانہ خداوندی عالم اسباب کے خزانے سے مستعار نہیں یعنی مثل نور قمر و کوکب و آئینہ فلکی دار زمین وغیرہ فیض آفتاب ہے نور آفتاب اسی طرح کسی اور جسم سے مستعار نہیں۔

(نور آفتاب کی مانند آپ صلی اللہ علیہ وسلم مگر جب یہ بات بٹھری تو پھر دوام حیات جسمانی نبوی کی حیات مبنی ہریت ہے) صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضرور پڑا اس لیے کہ

جیسے نور آئینہ آفتاب کی یہ صورت ہوئی کہ ماہہ النور آئینہ اعنی نور اور آفتاب میں خداوند کریم نے علاقہ رکھا ایسے ہی ماہہ الحیات والروحانیت اعنی روح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور جسم اطہر میں خود خداوند کریم نے علاقہ بندی کی ہے۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ جیسے منشأ و منبع نور آئینہ قمر و کوکب نور آفتاب ہے ایسے ہی منشأ و منبع روحانیت یعنی حیات جسم اطہر کسی اور کی روح ہے چنانچہ اول تو اس مضمون کے اثبات کے لیے کسی امتی کو سنی ہو یا شیعہ یا کوئی اور استدلال اور دلیل کی ضرورت نہیں۔ دوسرے وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ سے بشرط فہم و انصاف و ترک تقلید زید و عمرو یہ بات ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی



طرف سے وقت ارسال جو وہی وقت حیات جسمانی تھا۔ اور ان کی طرف افاضہ اور فیض ہے۔  
 اور انکی طرف سے اس طرف کو افاضہ اور فیض نہیں چنانچہ مقتضائے حصر الہی کسی کے نزدیک  
 یہی ہے۔ بایں ہمہ ارواح امت کی روحانیت کا مستعار ہونا آیت النَّبِیُّ اَوَّلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ  
 مِنَ الْاَنْفُسِ کے وسیلہ سے ثابت ہو چکا اور ارواح انبیاء علیہم السلام میں فیض نبوی محمدی صلی اللہ  
 علیہ وسلم کا ہونا جملہ خاتم النبیین سے بشرط اہل انصاف و فہم ظاہر و باہر۔ اہل کوئی حجتی امتی نئی بات سن کر  
 بے وجہ گردن ہلائے تو ہلائے۔ مگر ان سے کیا کام ہے۔ اہل فہم و انصاف سے سروکار ہے سوال کی  
 خدمت میں یہ عرض ہے کہ موافق حدیث اِنَّ لِّکُلِّ اَیَّۃٍ ظَہْرًا وَبَاطِنًا (ہر آیت کا ایک ظاہر  
 ہے اور ایک باطن ہے) خاتمیت زمانہ کے لیے جواز قسم ظہر ہے یعنی محض ظاہری ہے۔ کوئی باطن یعنی  
 معنی باطنی بھی۔ چاہیے۔ سو باعتبار باطن خاتمیت نبوت یہ ہے کہ آپ پر سلسلہ فیض نبوت ختم ہو جاتا  
 ہے یعنی جیسے مثلاً نور محمد کو اکب فیض آفتاب ہے اور نور آفتاب عالم اسباب میں کسی اور کا فیض نہیں الیہ  
 ہی نبوت انبیاء سابق علیہم السلام تو فیض محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ پر نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم  
 عالم اسباب میں کسی اور کا فیض نہیں جیسے آفتاب پر سلسلہ نور ختم ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے خاتم النبیین  
 کہے تو بجائے۔ ایسے ہی روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت اختتام پاتا ہے اور اس وجہ سے  
 آپ کو خاتم النبیین کہنا زیبا ہے۔ یہ تقریر خاتم بکسر التاء کی صورت میں دو قرأت البوکری ہے محتاج تفصیل  
 نہیں پر خاتم بفتح التاء کی صورت میں جیسے قرآۃ محض ہے۔ البتہ بظاہر کم فہمول کو چپاں معلوم نہ ہوتی۔  
 ہوگی۔ اس لیے اتنا اور معرض کہ جیسے خاتم بفتح التاء یعنی مٹر کا اثر مختوم علیہ میں ہوتا ہے اور حروف مٹر  
 مختوم علیہ میں منتقش اور منعکس ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی منبع فیض کا اثر مستفیض میں منتقش اور منعکس ہوتا ہے۔  
 (خاتم النبیین کے معنی منشا اور فیض نبوت کے ہیں اور اب اہل فہم کی خدمت میں یہ گندارش  
 خاتمیت زمانی بھی اس سے خود بخود ثابت ہو جاتی ہے) ہے کہ جب خاتم النبیین کے یہ معنی ہوئے  
 تو آپ کی فضیلت اور سیادت اور تأخر زمانی سب بجائے خود ہوئی۔ افضلیت اور سیادت کا حال تو  
 بے کبے ظاہر ہے۔ رہی خاتمیت زمانی۔ اس کی یہ وجہ ہے کہ مہمان کو اگر متعدد کھانے کھلاتے ہیں اور  
 مختلف قسم کی نعمتیں اس کے سامنے لے جاتے ہیں تو عمدہ اور افضل سب کے بعد دیتے دلاتے ہیں۔  
 سو ایسے ہی مہمان دار دنیا کے لیے ہیں اور کتب دین اور مردمان دین پر در نعمت خدا داد ہیں جن میں



سے سب سے افضل اور عمدہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ قرآن اور یہ دین و ایمان تھا اس لیے سب کے بعد آپ کا ظہور مناسب ہوا۔ اور ظاہر ہے کہ یہی مفاد خاتمیت زمانی ہے۔

دخاتم النبیین کے معنی سے ثابت ہوا کہ آپ کی نبوت کی | مگر جیسے اس تقریر سے آپ کی افضلیت طرح تمام انبیاء کی ارواح بھی آپ کی روح پاک سے مستفید ہیں اور سیادت اور خاتمیت زمانی ثابت ہوئی۔

ایسے ہی یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ کی روح پر فتوح اور آپ کی حیات فیض انبیاء سابقین علیہم السلام نہیں۔ کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ جسم تو آب سے پیدا ہو اور حرارت آب۔ آتش سے حاصل ہو۔ بلکہ اگر حرارت آتش فیض آب ہو تو حرارت بھی آب ہی کا فیض ہو گا۔ یہ برعکس کی کہ حرارت فیض آتش ہو ممکن نہیں۔ ایسے ہی یہ کیونکہ ہو کہ روح محمدی تو ارواح انبیاء سابقین علیہ السلام سے پیدا ہوئی ہو اور نبوت انبیاء سابقین علیہم السلام فیض محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہو۔

بالجملہ ارواح انبیاء سابقین علیہم السلام روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفید ہیں پر روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی روح سے مستفید نہیں آپ کے سارے کمالات بالقوہ مجملہ لوازم ذات اور طبائع ذاتیہ ہیں۔ ہاں مرتبہ بالفعل البتہ شرائط فعلیت پر موقوف ہے اس میں قوت و فعلیت نبوت و ولایت ہو یا کسی اور کمال کی قوت و فعلیت ہو۔

ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ نفس روحانیت انبیاء سابقین علیہم السلام آپ کی روح پر فتوح صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض نہ ہو بلکہ علاقہ بندی۔ ارواح و اجساد انبیاء سابقین علیہم السلام خاص خداوند حشلاق کی طرف منسوب ہو یعنی ارواح انبیاء سابقین بے واسطہ فیض خداوندی ہوں اور ارواح اقیال بواسطہ ارواح انبیاء کرام علیہم السلام پیدا ہو گئی ہوں۔ اس میں یہ امت اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یا کوئی اور امت اور اس کے نبی ہوں۔

(نبوت سے پہلے انبیاء علیہم السلام | بلکہ جب اس بات کا لحاظ کیا جائے کہ ہر افاضہ اور فیض یعنی میں مادہ روحانیت موجود تھا) | عبودیت میں وصف عارض کے سوا مفیض اور مستفیض پہلے

سے ہونے چاہئیں تو یہ بات بروئے محفل واجب التسلیم ہوگی کہ قبل افاضہ نبوت انبیاء سابقین علیہم السلام میں مادہ روحانیت چاہیے۔ کیونکہ مستفیض کا قابل فیض ہونا ضرور ہے اور ظاہر ہے کہ وصف نبوت کے لیے سوا ارواح و نفوس کے قابل نہیں



رہی نفسِ روحانیت اور حیاتِ سوا اس کے قبول کے لیے پہلے سے روحانیت اور حیات کی ضرورت نہیں اجسامِ نامیہ اور مادہ بھی اس کے لیے قابل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ حیاتِ جسمانی بنی آدم و غیر بنی آدم و حنین جذع (ستونِ کافراقِ نبوی میں زونام و غیرہ معجزات و کرامات۔ اور آیت **وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ** اس باب میں تسکین کے لیے کافی ہے۔ غرض فیضِ روحانیت امت کے لیے کچھ ضرورت نہیں کہ پہلے سے حیات حاصل ہو جو یہ شبہ پیش آئے کہ اسی طرح امت کے لیے روحانیت سابقہ چاہیئے۔ اور چونکہ وہ حیات اور روحانیت بلا واسطہ فیضِ خداوندِ عالم ہے تو اس کے اور جسم کے بیچ کا علاقہ قابلِ انفکاک و انقطاع نہیں۔

الغرض حیاتِ جسمانی انبیاءِ کرام علیہم السلام کو دوامِ لازم ہوا اور منجملہ لوازم وجود کہنا پڑا۔  
 (تصرف پر قادر نہ ہونا نکاح | اس صورت میں متعلقاتِ جسم یعنی ازواج و اموال سے علاقہ منقطع اور ملک کے منافی نہیں) نہ ہوگا۔ مالِ مملوک اور ازواجِ منکوحات سمجھی جائیگی اور یہ عدمِ قدرت تصرفِ مثلِ عدمِ قدرت تصرفِ محسوس و متحرک و مجبور، ملک اور نکاح میں رخنہ انداز نہ ہوگی۔ غرض ہماری ازواج و اموال کی طرح بوجہ عرضِ موت ملک اور نکاح سے خارج نہ سمجھے جائیں گے۔  
 (حیاتِ شہداء اور انبیاء علیہم السلام میں فرق | اور شہداء اگرچہ موافق ارشادِ خداوندی ہمارے نزدیک منجملہ احوال ہیں پر ان کی حیاتِ جسمانی بوجہ تعلقِ جسم دینا نہیں بلکہ اجسامِ جثث سے ان کی ارواح کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے چنانچہ احادیث میں مصرح ہے اور لفظِ قرآن **اعْنَى عَنِ دَيْلِمٍ** اس کی طرف مشیر اس لیے متعلقاتِ جسم دنیائے ان کو کیا سر و کار جو ملے میراثِ اموال و نکاح ازواج ہو اور اگر حیاتِ شہداء سے مراد حیاتِ روحانی ہے اور ان کی موت فقط یہی ہے کہ روح کو جو علاقہ جسم سے تھا اس کو توڑ ڈال پر وہ کیفیت اساک جو بشادۃ آیت۔

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فِيمِمْ  
 الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْفَرَىٰ  
 إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى (پہلے سورۃ الزمر ۵)  
 (اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے کا اور جو نہیں مریں ان کو کھینچ لیتا ہے ان کی فیند میں پھر رکھ چھوڑتا ہے جن پر مرنے کا حکم دیا ہے اور بھیج دیتا ہے اور ان کو ایک وعدہ مقرر تک)

حقیقت موت ہی ان کی ارواح پر عارض نہیں ہوتی تو اس صورت میں اعتراض ہی وارد نہیں ہوتا جو



حاجتِ جواب ہو مگر تقریرِ اول تحقیقی بات ہے اور اجسامِ انبیاء علیہم السلام کا زمین پر حرام ہونا اس پر شاہد اور شہدائے بقاء کے اجسام کا وعدہ نہ ہوتا یعنی زمین پر ان کے اجسام کا حرام نہ ہونا اور اس کے مؤید ہے۔  
باقی بعض شہداء اور صلحاء کے اجسام کا بعد قرون دراز سالم نکل آنا اس کے مخالف نہیں۔ اول تو کیا معلوم کہ بعد میں ان کے اجسام سالم رہیں یا نہ رہیں۔ دو سکر نہ کھانے کے لیے اسباب کثیر ہیں۔ فقط حرمت ہی نہیں۔ حرم کے جانور اصل میں حلال حرم کے سبب حرام ہیں۔ شہد کے لیے لکھیاں محافظ ہیں۔ بوڑھوں سے چنے کے دانے نہیں چیتے۔ غرض نہ کھانے کی بیس صورتیں ہیں۔ یہ جو بات مستلزم حیات ہو یہاں بجز حرمت اجساد اور کچھ نہیں اس لیے کہ مادرِ جن و انس زمین و آسمان وغیرہ کا محکوم و مخاطب مامور خداوندی۔ مثل آیت۔

وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَ  
لِسَاءَ أَقْلَعِي (پ ۴ ہود ۴۷) (تھم جا۔)

سے معلوم ہوتا ہے اور چونکہ محکوم و مخاطب ہونے کے لیے ادراک و شعور کی ضرورت ہے تو اس باب میں تسکین کے لیے قرآن مجید و غیرہ آیات و احادیث و معجزات و کرامات و حکایات کافی ہیں۔ اور جب زمین و آسمان بھی مامور و مخاطب ہوئے تو پھر حرمت و حلت معانی حقیقت ہی مراد لینے چاہئیں مجاز کی کیا ضرورت۔

(حدیث اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلٰی الْاَرْضِ الْحَيٰۃَ) مگر حرمت حقیقی کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ احترام میں حرمت کی اقسام) حرام مد نظر ہو جیسے حرمت لحم بنی آدم میں احترام بنی آدم ملحوظ ہے دو سکر یہ کہ احترام محرم علیہم مقصود ہو جیسے حرمت خنزیر و کلب و نجاسات میں ہوتا ہے۔ یعنی غرض اصلی یہ ہے کہ بنی آدم جیسے عالمی مراتب کو ان اشیاء کا کھانا مناسب نہیں۔ سو حرمت اجساد انبیاء علیہم السلام میں احترام زمین تو مقصود ہو ہی نہیں سکتا ورنہ اجساد انبیاء کو ہمارے اجساد سے (معدلاً) زیادہ ناپاک اور ناقص کہنا پڑے گا۔

الغرض ہمارے اجساد کا زمین پر حرام نہ ہونا اور اجسامِ انبیاء کرام علیہم السلام کا زمین پر حرام ہونا اس صورت (احترام محرم علیہم) میں خواہ مخواہ اس بات کو مقتضی ہے کہ عوام الناس کے اجسام پاک و طیب ہوں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام ناپاک اور جلیث ہوں۔ سو ایسی بات بجز کفار اور کسی کے



منہ سے صداور نہیں ہو سکتی۔

راہبیار علیہم السلام میں حرمت کی پہلی قسم | اس لیے اس کا قاتل ہونا ضرور پڑا کہ احترام اجسام انبیاء  
احترام اجساد انبیاء علیہم السلام ملحوظ ہے | علیہم السلام ملحوظ ہے۔ مگر ظاہر کہ احترام اجسام

زمین کی نسبت جمعی متصور ہے کہ وہ زندہ ہوں ورنہ اجسام حیوانات میں در صورت موت بھی متصور  
نہیں جو یوں کہا جائے کہ زندہ نہیں تو کیا ہونا نامی تو ہیں۔ زمین سے پھر بھی افضل ہیں اس لیے کہ وہ منجملہ  
عبادات ہے۔ غرض اجسام حیوانات میں نما اور حیات دونوں متلازم ہیں۔ ہوں جب دونوں ساتھ  
ہوں۔ نہ ہوں جب دونوں ساتھ نہ ہوں۔ سو اگر بہ نسبت اجسام انبیاء علیہم السلام موت کا قاتل ہو جائے  
اعنی حیات جسمانی کی نفی کیجئے تو پھر احترام اجساد بھی متصور نہیں ورنہ حالت جمادیت کی رو سے تو ہمارے ان کے  
اجسام سب برابر ہیں۔ اور تعلق سابق کا لحاظ کیجئے تو پھر ایسا قصہ ہو کہ بول و براز میں حالت سابقہ یعنی  
حال وقت مطعمیت کا لحاظ کیا جائے۔

راہبیار علیہم السلام کے اجساد کی سلامتی کو کسی | اور اگر فرض کیجئے حرمت سے حدیث مشاء الیہ میں  
دوا کی طرف منسوب کرنا بے دلیل ہے | حرمت حقیقی مراد نہیں بلکہ اجسام کے بالطبع محفوظ

ہونے یا زمین کی بالطبع نگہبانی کی طرف مجازاً اشارہ ہے تب محفوظیت بالطبع یا نہ مین کا ان کو طبعاً کھانا  
بھی حیات جسمانی ہی پر دلالت کرے گا۔ اس لیے کہ سوا اجسام اشیاء سب حیوانات کے اجسام بعد موت  
بالطبع محل فساد اور قابل انقلاب ہیئت ارضی ہوتے ہیں۔ بعد موت اگر محفوظ رہتے ہیں تو کسی اور  
دوا و حافظ قومی مثل روغن و شند و سرکہ وغیرہ کے سبب محفوظ رہتے ہیں بالطبع محفوظ نہیں رہتے۔ اور  
کسی دوا حافظ قومی کی طرف سلامت اجسام انبیاء کو سلام کو منسوب کرنا قبل اقامت دلیل، اقول  
تو مدعیان میراث کو مفید نہیں۔ دوسرے تجوز بکرمیت اس صورت میں زیبا نہیں کیونکہ اس صورت میں روغن  
وغیرہ کا حافظ رہنا ایسا ہو گا جیسے کوئی جابر کسی حلال چیز کو کسی کو نہ کھانے دے۔

داحتمال ناشی عن غیر دلیل مفید ہو تو پھر | بایں ہمہ احتمال ناشی عن غیر دلیل بھی مناظرہ  
ضروریات دین سے اعتماد اٹھ جائے گا | میں مفید ہوا کرے تو اعجاز اور دعوے نبوت

اور کتب آسمانی میں بھی ایسے احتمال تو موجود ہیں کیونکہ یہ سب امور بدلائل انیثہ ثابت ہوتے  
ہیں اور دلیل انی میں ظاہر ہے کہ احتمال عموم لازم بہ نسبت ملزوم ہوتا ہے۔ بایں ہمہ



شواہد کا منقوض ہو سکتا استدلال میں ضرر نہیں بلکہ نفس شاہد اگرچہ منقوض ہو سکے مفید ہوتا ہے۔

(حیات انبیاء علیہم السلام میں تعلق | القصہ حیات جسمانی انبیاء علیہم السلام کا بعد موت بھی اقرار  
روح مع الجسد اور اس کے آثار) ضروری ہے اور غرض حیات جسمانی بھی یہی ہے کہ بوجہ

تعلق روح، جسم پر روحانیت اور حیات ایسی طرح عارض ہو جائے جیسے تعلق نور سے زمین پر نورانیت  
عارض ہو جاتی ہے یا تعلق آتش سے آب وغیرہ پر حرارت عارض ہو جاتی ہے۔ سو اس صورت میں  
جیسے زمین کو منور اور آب وغیرہ کو حار کہتے ہیں ایسے ہی وقت تعلق معلوم جسم کو حتیٰ اور زندہ کہیں گے  
اور چونکہ اموال و ازواج ضروریات اجسام احیاء یعنی ان اجسام کی ضروریات ہیں سے ہیں جن پر بوجہ تعلق  
روح روحانیت عارض ہو جاتی ہے۔ تو اگر وہ تعلق ٹوٹ جائے اور اس وجہ سے حیات عارضہ اسی  
طرح زائل ہو جائے جیسے بعد زوال تعلق نور زمین سے نورانیت زائل ہو جاتی ہے تو روح کو ازواج و اموال  
بلکہ خود ان اجسام کو ازواج و اموال کی کچھ ضرورت نہ رہے گی۔ اور اگر وہ تعلق نہ ٹوٹے تو پھر حیات جسمانی  
جوں کی توں رہے گی اور ازواج و اموال بکلی نکل جائیں اور اموال بدستور سابق ملک میں رہیں گے اور اس  
سبب سے نہ اموال میں میراث جاری ہو سکے گی نہ ازواج سے کوئی نکاح کا مجاز ہوگا۔

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ اول | ہاں جیسے کوئی صاحب مال اگر سفر کو جاتا ہے یا چلہ میں  
حضرت صدیق اکبرؓ کو وکیل بنایا) بیٹھ جاتا ہے تو اپنے محصلوں اور محتاجین کو جمع خرچ کا وکیل  
کر جاتا ہے ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ اول کو بایں وجہ کہ خلیفہ اموال و ازواج مسلمین  
کا محافظ اور محل ہوتا ہے بوقت ارادہ چلہ نشینی روضہ مبارک یہ ارشاد فرمایا۔

نَحْنُ مَعَ الشُّرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورَثُ | (ہم گروہ انبیاء کسی کو وارث نہیں بناتے جو چھوڑ  
مَاتَرَكْنَا صَدَقَةً | جائیں صدقہ ہوتا ہے)

اس تقریر سے یہ شبہ بھی مرتفع ہو گیا ہو گا کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور حضرات اہل بیت  
کو کیوں نہ بتایا غرض ہم لوگ بھی اپنی اراضی کا جمع خرچ اپنے محصلوں اور وکیلوں ہی کو بتلایا کرتے ہیں۔

لے شواہد کا خارجی دلائل سے معارضہ اور نقض۔ شواہد میں استدلال کے لیے مضر نہیں البتہ نفس شاہد ہی ثابت  
نہ ہو سکے تو پھر خصم کو مفید ہے۔ ۱۲۔ محمد عینی گرامانی



زمان پر وہ نشین عفت گزریں کو یہ تکلیف نہیں دیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کو ایسی تکلیف یہودہ کا ہے کہ دیتے۔ بایں ہمہ کتب فریقین سے اس مضمون پر اہل بیت کا شہاد ہونا ثابت ہے۔

دلی شہادت کتب فریقین ترکہ نبوی کے | اہل سنت کی کتابوں کو پوچھئے تو حضرت امیر اور حضرت عباس میراث نہ ہونے پر اہل بیت متفق ہیں) رضی اللہ عنہا کا حضرت عمرؓ کے سامنے

هَلْ تَعْلَمَانِ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُورَثُ مَا تَرَكَنَا صَدَقَةً (بخاری ص ۳۶۶ و ص ۹۹۶)

دکھا تم نہیں جانتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم جو چھوڑیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔)

کے جواب میں یہ کہنا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ بخاری میں موجود ہے اور شیعوں کی کتابوں کو پوچھئے تو حضرت ام جعفر صادقؑ کا بیان شاورہ

اَنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ وَذَاكَ اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُورَثُوْا دِرْهَمًا وَلَا دِينَارًا وَاِنَّمَا اُوْرَثُوْا اَحَادِيْثَ مِنْ اَحَادِيْثِهِمْ، فَمَنْ اخَذَ بِشَيْءٍ مِنْهَا وَفَقَدَ اخَذَ حَظًّا وَاِفْرًا۔

د علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ کیونکہ انبیاء نے کسی کو وارث نہیں بنایا اور ایک نسخہ میں ہے کہ درہم و دینار کا وارث کسی کو نہیں بنایا۔ ہاں احادیث کا وارث بنایا جس نے ان احادیث (علوم) میں سے کچھ حاصل کر لیا اس نے بہت کچھ پالیا۔)

(اصول کافی ص ۳۲ طبع تہران)

بروایت ابوالنختری کافی میں موجود ہے۔ موصوفہ ائمہ سے دیکھئے کیا نکلتا ہے۔ انصاف ہو تو حدیث کافی حدیث بخاری یعنی لَا تُورَثُ سے زیادہ ہے کم تو کیا ہوگی۔ اب شیعہ ہی فرمائیں کہ ام جعفر صادق کون ہیں اور کیسے ہیں اگر ان کی بات بھی قابل تسلیم نہ ہو تو پھر بجز یزید و اتباع یزید اور کس پر نظر ہوگی۔

اب اور گزارش سنئے کہ ائمہ سابق خاص کر حضرت امیر اور حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت ام جعفر صادق رحمہ اللہ سے زیادہ تھے کم نہ تھے۔ اگر حدیث مسطور حضرت ام جعفر صادق رحمہ اللہ کو ائمہ سابق کی روایت سے پہنچی تب تو ان کی شہادت مضمون مذکور پر ظاہر ہے ورنہ بطریق وحی یا بذریعہ الہام اگر حدیث مذکور کا مضمون ان کو معلوم ہوا تھا تو ائمہ سابق کو بطور مذکور اس کی



اطلاع پہلے ہونی چاہیئے۔ اور یہ بھی نہ سہی تو ناظران وصیت نامہ خداوندی (ملاحظہ کریں) جو مختوم بخواتین  
الذہب حضرت جبریل علیہ السلام حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تھے اور کلینی میں  
مفصل مرقوم ہے شیعوں کو یاد ہی ہوگا کچھ کلام اللہ تو نہیں جو یاد ہی نہ ہو۔

اس میں حضرت ام جعفر صادقؑ کی نسبت یہ ارشاد ہے **وَالشُّرُحُومُ أَهْلُ بَيْتِ اس سے**  
متبادر یہی ہے کہ علوم جعفری علوم جدیدہ نہیں علوم سابقہ ہیں۔ خاص کر وہ علوم جو متعلق بوقائع سابقہ  
ہوں جیسے یہی حدیث ہے اس لیے کہ لفظ انما حصر پر دلالت کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ تصحیح حضرت ابراہیم  
بعد لحاظ اس امر کے کہ اور انبیاء علیہم السلام تو کیا خود سرور انبیاء علیہم السلام بہت کچھ چھوڑ کر اس علم سے  
تشریف لے گئے ہیں۔ جبھی منظور ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی طرف سے موجبات ارث میں سے ہرگز  
کوئی امر ظاہر نہ ہوا ہو جو ان کی طرف فاعلیت ایراث منسوب ہو سکے اور یوں کہہ سکیں **أَوْرَثُوا دَرَهًا**  
**أَوْرَثُوا مَالًا**۔ مگر موجب ارث مورث کی جانب اگر ہے تو وہی انفکاک علاقہ روح و جسم ہے  
اس لیے مقتضی انما **أَوْرَثُوا أَحَادِيثَ مِنْ أَحَادِيثِهِمْ** یہی ہوگا کہ انبیاء کرام علیہم السلام  
کی ارواح طیبہ کو اجہم مظہر سے علاقہ معلوم دستور حاصل ہے۔

بہر حال کتب فریقین حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہیں اور حدیث **لَا تَوْرَثُ** کا مضمون  
کتب معتبرہ شیعہ میں موجود ہے۔

(ایک شبہ کا ازالہ)  
ہاں اس صورت میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر علاقہ مذکور منقطع نہیں ہوا  
اور اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث نہیں بن گئے

علیہ وسلم کے ترکہ میں میراث جاری نہیں ہو سکتی تو اس وجہ سے لازم یوں تھا کہ آپ کے اقربا کے ترکہ  
میں سے آپ کا حصہ نکالا جاتا کیونکہ آپ زندہ ہیں اور زندہ اموات کا وارث ہوا کرتا ہے مگر جب  
اس بات کا لحاظ کیا جائے کہ جیسے مورث کے لیے انقطاع علاقہ معلوم کافی ہے اسی طرح وارث  
ہونے کے لیے وجود علاقہ معلوم کافی نہیں ورنہ جو بچہ بعد مورث قبل وضع حمل مر جائے وارث قرار  
دیا جاتا کرے۔ لہذا حدیث صحیحہ تین چلوں کے بعد روح ڈالی جاتی ہے اور بالیقین یہ بات  
معلوم ہے کہ اگر بچہ پیٹ میں مر جائے تو ساعت دو ساعت تک تو خیر پر اس سے زیادہ اگر بچہ



شکم مادر میں ہے تو پھر اس کی زندگی معلوم۔ چہ جائیکہ کئی مہینے بعد مرگ بچہ شکم مادر میں ہے اور والدہ بحال خور  
باقی ہے، غرض یہ احتمال نہیں ہو سکتا جو ایام قرب وضع حمل میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ شاید بچہ کئی مہینے  
مردہ شکم میں موجود ہو پھر کیونکر اس کے لیے ترکہ والدین سے مثلاً حصہ تجویز کریں۔ غیروں کی حق تلفی کا اندیشہ  
ہے۔ زندگی کافی متحمل پر میراث جو ایک امر یقینی ہے متفرع نہیں ہو سکتی۔ بالجملہ اگر بعد تین چلوں کے کسی عورت  
کا خاوند مر جائے اور بعد نو ماہ بچہ مرا ہوا اس عورت کے پیدا ہو تو بالیقین یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ بچہ اپنے  
والد کے بعد مرا ہے۔ اگر وارث ہونے کے لیے فقط علاقہ مذکور کافی ہو سکتا ہے تو لاریب ایسے اطفال  
اپنے والد وغیرہ کے وارث ہوا کرتے یعنی ان کے لیے موافق استحقاق حصہ نکالا جایا کرتا اور پھر موافق قواعد  
میراث جس کسی کو پہنچتا اس کو حوالہ کیا جایا کرتا۔ لیکن جب علاقہ مذکور کافی نہیں تو پھر بجز اس کے اور  
احتمال نہیں کہ وقت تعلق میراث مال میراث پر وارث کا قبض و تصرف ممکن ہو اگرچہ بوجہ نقصان قتل  
یا کمی عقل وغیرہ اسباب قبض و تصرف مال میراث پر قبض و تصرف نہ کر سکے بالجملہ مال میراث بہ نسبت  
وارث محل قبض و موقع تصرف میں ہو مگر یہ بات جیسے بچہ شکم میں مفقود ہے ایسے ہی مدفون بلکہ محروض موت  
میں یہ بات مفقود ہے بلکہ غور سے دیکھئے تو اس شخص میں جس کی حیات زیر پر وہ موت مستور ہو اور پھر  
اس پر مدفون بھی ہو چکا ہو۔ بمذارج زیادہ قبض و تصرف ممکن ہے۔ کیونکہ بچہ شکم کے باہر آنے کی امید ہے اور  
مدفون میں اس امید کی گنجائش نہیں بچہ شکم اگرچہ ضعیف و ناتواں ہے اور بے عقل و نادان ہے پر اسباب  
قبض یعنی یہی عقل و طاقت جس قدر ہے بطور خود ہے کسی عارض کے تلے دبی ہوئی نہیں کسی پر وہ کئے پیچھے  
مستور نہیں اور مدفون میت میں اگر حیات بھی ہے تو موت کے تلے دبی ہوئی ہے بہر حال علت ملک  
قبض و تصرف ہے اپنا ہو یا کسی اپنے ولی یا وکیل کا ہو۔ جہاں دونوں نہ ہو سکیں۔ وہاں تصور حدوث  
ملک ایک خیال خام ہے اپنا قبضہ تو ظاہر ہے ان دونوں صورتوں میں یعنی بچہ شکم ہو یا میت و مدفون ممکن  
ہی نہیں۔

رہا وکیل کا قبضہ یا ولی کا قبضہ، وہ قبضہ اصلی کا ظل و فرع ہوتا ہے وہ نہیں تو یہ بھی نہیں۔

(ایک سوال)

رہی یہ بات کہ اگر حدوث ملک بے حصول

کی موت کے بعد زوال قبض سے ملک باقی رہتا ہے؟ قبض ممکن نہیں تو بقائے ملک بھی بعد

زوال قبض ممکن نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ سوال اصل اللہ علیہ وسلم کی ملک مہوز باقی ہے۔



(جواب - اپنی زندگی میں لَا تُؤْذُتُ فرمایا بغرض توکیل تھا لہذا قبضہ بذریعہ وکیل باقی رہا) | اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد لَا تُؤْذُتُ فقط بغرض توکیل تھا اور ظاہر ہے کہ اس وقت توکیل صحیح تھی اور بقا توکیل و وکالت کے لیے فقط بقا بشعور و قوی قابضہ کافی ہے۔ ہاں حدود توکیل کے لیے بالبداہت مَوَکَل کا مقام توکیل میں ہونا ضروری ہے۔ اور ولی کا مقام تولیت میں ہونا لازم۔ سو ضروریات حصہ توکیل و تولیت و وکالت و ولایت قبل وضع حمل بچہ میں مفقود ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں قبل وفات سب موجود۔ ہاں بعد وفات یہاں بھی وہ سب امور مفقود ہو گئے۔ اس لیے وصیت و توکیل لا نورث تو صحیح رہی اور وراثت بعد کے لیے کوئی صورت نہ نکلی۔

(جواب ۱: مالک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں | علاوہ بریں یہ گزارش ہے کہ مالک اصلی تو جناب خداوند کرم ہماری ملک احتیاج کی وجہ سے ہے) | وحدہ لا شریک لہ ہے اور ملک مخلوقات فقط اس کے ملک کا پر تو ہے بلحاظ حاجت نبی آدم ان کو اپنا خلیفہ بنایا یعنی ان کو حاجت مند دیکھ کر اجازت تصرف عنایت فرمائی اور بقدر قبضہ جس کا ملک کے لیے علت ہوا اوراق میں سے ہی واضح ہو جائے گا ملک عرضی تخت فرمائی۔ لیکن جب حاجت کا لحاظ کیا جائے تو پھر وہی اشیاء قابل سمجھی جائیں گی۔ جن میں منافع بھی ہوں اور جو اشیاء خالی از منفعت ہوں یا الٹی ان میں مضرتیں ہوں جیسے میوہ اور دم اور خنزیر اشیاء قابل حدیث ملک وغیرہ تو وہ ملک نہ ہوں گی۔

(ملک جدید کے لیے حاجت مندی ضروری ہے لیکن | لیکن جیسے در صورت حاجت بوجہ عدم بقائے ملک بغیر احتیاج کے بھی ہو سکتا ہے) | منافع محتج الیہا ملک حادث نہیں ہو سکتی ایسے ہی بوجہ عدم احتیاج یا زوال حاجت، تعلق ملک قابل تسلیم نہ ہو گا۔ کیونکہ وہاں اگر شرط قابلیت نہیں تو یہاں وجہ فاعلیت کچھ نہیں۔ ہاں یہ مسلم کہ علت ملک فقط وہ قبضہ تام ہے جس کی طرف ان اوراق میں اشارہ ملے گا۔ اور احتیاج موجب تحرک و تعلق قبضہ مذکور ہے اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ ملک باقی ہو اور احتیاج باقی نہ ہو۔ کیونکہ اسباب تعلق قوی فاعلیت مثل نور چراغ وغیرہ کا ہونا حادث تعلق کے لیے ضرور ہے بقا تعلق کے لیے ضرور نہیں۔ اگر کسی مکان میں چراغ نہ ہو تو اس کے در دیوار کے ساتھ تعلق نور کے لیے چراغ کا لانا مثلاً ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ بقا نور کے لیے حرکت



مذکورہ ضرور نہیں بلکہ الٹی وہ حرکت اس وقت سبب زوال تعلق ہے چنانچہ ظاہر ہے بالجملہ احتیاج موجب حدوث ملک یعنی سبب تعلق جدید ملک ملک ہے خود سبب ملک نہیں ورنہ خداوند کریم ملک نہ ہوتا۔ اس صورت میں ملک سابق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم زائل نہ ہوگی اور جدید پیدا نہ ہوگی۔

اب ناظران اوراق کی خدمت میں یہ گزارش ہے کہ وہ مقدمات ٹکٹہ جن پر دعوت میراث راست ہو سکتا ہے ان میں سے ایک تو انقطاع علاقہ فیما بین روح و جسم مورت تھا اس کا حال تو معلوم ہو گیا۔ غرض اس کا اثبات تو شیعہ کیا کریں گے جواب دلائل بقار علاقہ مذکور کا فخر فرما دیں۔

(بنامیراث کی دوسری شرط کا فقدان) | ہے دو مقدمہ باقیہ۔ ایک تو ان میں عموم خطاب یُوصِیْکُمْ اللہ ہے جس کا اثبات شیعوں کے ذمہ ضروری ہے مگر شیعہ تو اس کو کیا ثابت کریں گے ہاں ہم سے دلائل و شواہد مخصوص سنئے ہم کلا پکے کہتے ہیں۔

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ کی طرح | کہ یہ خطاب فقط امتیوں ہی کے لیے ہے رسول یُوصِیْکُمْ اللہ کا خطاب بھی صرف امتیوں کو ہے) اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عام نہیں اگر مجتہد ان شیعہ کو غیرت مذہب ہو تو ہماری گزارش کا جواب محقول سورج کہ لائیں ورنہ فقہ عاقبت فرمائیں اور سنی بن جائیں۔ وجہ خصوص کا شاید کسی کو انتظار ہو اس لیے معروض ہے۔ شروع سورہ نسائیں اول یہ نذر ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ الْخ (پہ نساء ع ۱) (اے لوگو ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے)

اس کے بعد اس نذر کے ذیل میں بہت سے خطاب ہیں ان میں سے ایک تو یہی خطاب یُوصِیْکُمْ اللہ ہے اور اس سے پہلے خطاب۔

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ (پہ نساء ع ۱) (تو نکاح کرو جو اور عورتیں تم کو خوش آویں دو دو متثنی وثلاث ورباع۔ (پہ نساء ع ۱) (تین تین چار چار)

سو اگر خطاب یوصیکم اللہ عام ہوگا تو خطاب فانکحو اہلے عام ہوگا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہی چار ازواج کی تحدید ہوگی۔ اس صورت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کو فنک نہ دینا اتنا محمل اعتراض نہ ہوگا جتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔



اللہ علیہ وسلم کا چار سے زیادہ (بیویوں) کا جمع رکھنا مورد اعتراض ہو سکتا ہے۔

کیونکہ اول معتقدان خلیفہ اول ان کی معصومیت کے قائل نہیں اگر معتقد ہیں تو ان کی ولایت کے معتقد ہیں اور ولایت کے لیے ان کے نزدیک معصوم ہونا ضرور نہیں اگر ضرور ہے تو نبوت و رسالت کے لیے ضرور ہے بایں ہمہ فہم ہو تو کلام اللہ اس پر شاہد ہے۔ اولیاء کی تعریف میں تو یہ ارشاد ہے۔  
 اِنْ اَوْلِيَآءُ هَٰؤُلَاءِ اَلْمُتَّقُوْنَ اَوْ رَسُلِ الْتَعْرِيفِ فِيْ يَوْمِ اَرْشَادِ فَرَمَتے ہیں۔

فَلَا يُظْهِرُ عَلٰی غَيْبِهِٗ اَحَدًا اِلَّا مِّنْ اُرْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (پ ۲۹ الجن ۲۸) (یہ کسی رسول کو)

غرض حاصل ولایت القاسم ہے اور حاصل رسالت الرضا کیونکہ من رسول بیان و تفسیر من الرضا ہے اور ظاہر ہے کہ القاسم مذکور فعل اولیاء ہے کیونکہ متقون صیغہ فاعل ہے اور اولیاء پر محمول اور الرضا مشار الیہ فعل خداوندی ہے چنانچہ رجوع ضمیر فاعل الرضا الی اللہ اس پر گواہ عادل ہے اور سب جانتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ اطاعت سے راضی ہوتا ہے اور معصیت سے ناخوش

فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰی عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ (اور اللہ راضی نہیں ہوتا نافرمان لوگوں سے) کلام اللہ میں موجود ہے۔ سوا اطلاق من الرضا سے یہ بات نمایاں ہے کہ رسول بجمع الوجوہ مرتضیٰ ہوتے ہیں اور جب مرتضیٰ کا رسول ہونا لازم ہوا چنانچہ مِنْ رَّسُوْلٍ کا بیان من الرضا ہونا ہے اس کے بن ہی نہیں پڑتا تو یہ بات آپ لازم آگئی کہ اولیاء بجمع الوجوہ مرتضیٰ نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اطلاق الرضا وہی حاصل معصومیت ہے۔

بایں ہمہ القاسم مبنی للفاعل۔ القاسم مبنی للمفعول کو مستلزم نہیں آگ سے۔ کھائی کنویں سے ہر کوئی پچھتا پھرتا ہے اور پھر کبھی بغیر پیش قدمی سے یا کسی کا جبر موجب وقوع ہو جاتا ہے کوئی کسی کے تلوار یا تیر یا نیزہ مارتا ہے تو بچنے کے لیے اپنے سے بھی تدبیریں کرتا ہے مگر کبھی اس پر بھی زخمی ہو ہی جاتا ہے غرض اولیاء میں القاسم مبنی للفاعل کا ہونا چاہیے۔ چنانچہ متقون کا صیغہ فاعل اس کے لیے دلیل کافی ہے۔ اور القاسم مبنی للفاعل کو القاسم مبنی للمفعول لازم نہیں چنانچہ ایک



شاعر دو بھی اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

زہد و تقویٰ دھرا ہی رہا ہاتھ اس کے سے پیتے ہی بنی

القصہ البکر صدیق رضی اللہ عنہ ولی تھے نبی نہ تھے اور ولایت کو اقرار مبنی للفاعل کافی ہے اقرار مبنی للمفعول ضروری نہیں اور جب مرتبہ مبنی للمفعول تک نوبت نہ پہنچے تو پھر معصومیت کہاں۔ علاوہ بریں صاحب دوستان در دل: عجیب نہیں کسی حق کے عوض میں خلیفہ اول نے فدک کو مجر کر لیا ہو اور یہ بھی نہ سہی ادھر سے اگر تعدی ہوئی تھی تو ادھر عفو کر دیا ہو۔

دہر روایت علامہ حلی (شیخ) حضرت صدیق اکبرؑ نے فدک حضرت فاطمہؑ کو دیا اور وہ راضی ہو گئیں

یا حسب روایت علامہ حلی خلیفہ اول نے اگرچہ فدک کے دینے میں تامل کیا تھا مگر انجام کار حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کو واپس کر دیا ہو چنانچہ کتاب منہج الکرامۃ مصنفہ شیخ ابن مطہر حلی میں وہ روایت باس الفاظ موجود ہے۔

لَمَّا وَعَظَتْ فَاطِمَةُ أَبَا بَكْرٍ فِي فِدْكَ كَتَبَ بِهَا كِتَابًا وَدَّهَا عَلَيْهَا۔ (منہج الکرامۃ ص ۶۳)

اور اگر فرض کیجئے حضرت فاطمہؑ کو خلیفہ اول نے فدک پر قبضہ نہیں دیا تو اس کی آمدنی تو بالضرر حسب دستور زمانہ نبوت حضرت زہراؑ اور اہل بیت ہی کے تصرف میں آتی رہی۔ چنانچہ فریقین اس بات پر متفق ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آمدنی فدک کو اپنے آپ خور و برد نہیں کیا اور کتب فریقین اس پر شاہد ہیں ایک روایت مجاہد الساکین جس سے دعوئے مذکور اور نیز قصہ تراویحی طرفین معلوم ہو جائے نقل کرتا ہوں وہ یہ ہے۔

انَّ اَبَا بَكْرٍ لَمَّا رَاَ اَنَّ فَاطِمَةَ اِنْقَبَضَتْ عَنْهُ وَهَجَرَتْهُ وَلَمْ تَتَكَلَّمْ بِعَدْوٍ لَكَ فِي امْرِ فِدْكَ كَبُرَ ذَلِكَ عِنْدَهُ فَاَرَادَ اِسْتِزْصَادَهَا فَاتَاهَا وَقَالَ لَهَا صَدَقْتَ يَا بِنْتَ رَسُولِ اللَّهِ فِيمَا ادَّعَيْتَ وَلَكِنِّي

حضرت ابو بکرؑ نے جب دیکھا کہ حضرت فاطمہؑ ان سے خفا ہو گئی ہیں تو رک ملاقات کر دی ہے اور فدک کے بارے میں پھر کوئی بات نہیں کی تو یہ بات آپ کو گراں گذری حضرت فاطمہؑ کو راضی کرنے کا ارادہ کیا تو آپ کے پاس آئے اور فرمایا آپ نے سچ کہا



رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقْسِمُهَا  
فَيُعْطِي الْفُقَرَاءَ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ بَعْدَ  
أَنْ يُؤْتِيَ مِنْهَا قُوتَكُمْ وَأَنَا صَانِعُ بِهَا  
فَقَالَتُ أَفَعَلُ فِيهَا كَمَا كَانَ ابْنُ رَسُولِ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ فِيهَا  
فَقَالَ ذَلِكَ عَلَى أَفْعَلُ فِيهَا مَا كَانَ  
يَفْعَلُ ابْنُكَ فَقَالَتُ وَاللَّهِ لَتَفْعَلَنَّ فَقَالَ  
وَاللَّهِ لَأَفْعَلَنَّ ذَلِكَ فَقَالَتُ اللَّهُمَّ  
أَشْهَدُ فَرَضَيْتَ بِذَلِكَ وَأَخَذْتَ الْعَهْدَ  
عَلَيْهِ وَكَانَ الْوَكِيلُ يُعْطِيهِمْ مِنْهَا  
قَوْلَهُمْ وَيُقْسِمُ الْبَاقِي فَيُعْطِي الْفُقَرَاءَ  
وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ - انتہی

اے رسول کی بیٹی! جو تو نے دعویٰ کیا ہے لیکن میں  
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ تقسیم کرتے  
اور فقراء اور مساکین اور مسافروں کو دیتے تھے اس  
کے بعد کہ تمہارا راستہ بھی نکالتے تھے میں بھی یہی کچھ  
کروں گا حضرت فاطمہؓ نے فرمایا آپ فدک میں وہ  
کام کریں جو میرے باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم کرتے تھے۔ فرمایا بالکل ٹھیک! ضرور میں وہی  
کروں گا جو آپ کے والد کرتے تھے فرمانے لگیں خدا کی قسم  
تم ضرور کرو گے۔ فرمایا ہاں اللہ کی قسم میں یہ ضرور کروں  
گا فرمانے لگیں اے اللہ تو گواہ رہ پھر حضرت فاطمہؓ  
اس پر خوش ہو گئیں اور عہد و پیمان لے لیا۔ حضرت  
ابوبکر اہل بیت کو فدک سے راستہ دیتے تھے اور بقیہ قحط  
مکیوں اور مسافروں میں بانٹ دیتے تھے۔

مگر اس قسم کے عذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متصور ہیں۔  
(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں  
بیک وقت چار سے زائد بیویاں تھیں)  
ہوں باقی منجملہ ممالک ائمانہم ہوں۔ یا زماں واحد میں چار سے زیادہ نکاح نہ کئے ہوں۔ ہاں علیؓ لیل  
التعاقب زیادہ کی نوبت آئی ہو مگر ایسا کون ہو گا جو اس دام فریب میں آجائے۔ کون نہیں جانتا کہ نہ حضرت  
خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی متعہ کیا نہ ائمہ اطہار میں سے کسی نے یہ کام کیا۔ بایں ہمہ چار سے زیادہ  
میں گننے دیتا ہوں جو اتفاق فریقین عرہ منکوحہ تھیں متعہ نہ تھیں اور پھر زماں واحد میں مجتمع تھیں حضرت  
عائشہؓ (صدیقہ) حضرت حفصہؓ حضرت ام سلمہؓ حضرت سودہؓ حضرت میمونہؓ حضرت زینبؓ حضرت  
ام حبیبہؓ یہ سب کی سب منکوحہ بھی تھیں اور سب کی سب عرہ بھی تھیں اور پھر سب کی سب ایک ہی  
زمانہ میں مجتمع بھی تھیں اس لیے احتمالات ثلاثہ میں سے ایک بھی نہیں چل سکتا۔



اس کے بعد شاید کوئی مجتہد العصر آیت **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ النَّبِيِّ** اتَّيْتِ أَجُودَهُنَّ (اے نبی ہم نے حلال رکھیں تجھ کو تیری عورتیں جن کے مرتبے چکا ہے) کے بھروسہ تخصیص عموم خطاب فانکحو یا نسخ کا خیال پکائے مگر وہ آیت تو دوسرے چوتھا سپارہ الکرسیوں پارہ میں بہت فاصلہ ہے۔ آیت **فَانكحُوا مَا طَابَ لَكُمْ** اگر ربع اخیر پارہ چہارم میں ہے تو **وَاحِلَ لَكُمْ مَا وَدَّ ذَلِكَ** اول پارہ پنجم میں موجود ہے اور ظاہر ہے کہ عموم کلمہ ما بہر حال عموم کلمہ ازواج وغیرہ کلمات مندرجہ ذیل خطاب **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ** سے کہیں زیادہ ہے سو اگر آیت **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ** مخصوص یا نسخ حکم فانکحو ما طاب ہے تو آیت **وَاحِلَ لَكُمْ مَا وَدَّ ذَلِكَ** بدرجہ اولیٰ مخصوص یا نسخ حکم فانکحو ما طاب ہوگی۔

(سورۃ نسا کا اول رکوع سورۃ فاتحہ کی طرح) | ہاں ایک صورت نجات ہے وہ یہ ہے کہ جیسے گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا ہے) سورۃ فاتحہ خدا نے بندوں کی طرف سے تصنیف

کر کے ان کے حوالے کر دی ہے تاکہ وقت حضور دربار عینی وقت ادا نماز اس طرح سے آداب مجربا لایا کریں ایسے ہی سورۃ نسا کو یوں سمجھو کہ خداوند کریم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک وعظ و پند تصنیف کر کے آپ کے حوالے کر دیا تاکہ وقت خطاب امت اس طرح ان کو سمجھائیں۔ غرض باعتبار تصنیف الحمد سے لے کر سورۃ والناس تک سارا کلام قرآن کلام خداوند رحمان ہے مگر باعتبار تکلم مقابل خطاب وغیبت سب خدا ہی کا کلام نہیں بندوں کا بھی کلام ہے سو جیسے کسی وکیل کا مسودہ عرضی جو اپنے کسی موکل کی طرف سے یا کسی منشی کا مسودہ جو کسی کی طرف سے مثلاً تحریر کرے یا کسی شاعر کا کسی عاشق و معشوق کی مثنوی میں ان کی گفتگو کو نظم کرنا۔ اس وکیل اور اس منشی اور اس شاعر کی طرف منسوب ہوتا ہے اور ان کا کلام کہلاتا ہے چنانچہ وقت مذاکرہ اکثر کہتے ہیں کہ یہ فلاں نے وکیل کی تقریر ہے اور فلاں نے منشی کی تحریر اور فلاں نے شاعر کا کلام ہے بایں ہمہ تکلم، مقابل مخاطب وہ موکل اور وہ جاہل اور وہ عاشق و معشوق ہوتے ہیں ایسے باعتبار انشاء و تصنیف تو قرآن سارے کا سارا خدا کا کلام ہے مگر باعتبار مخاطب کہیں اپنا ہی کلام ہے کہیں کسی اور کا۔ سو سورۃ الحمد تو باعتبار مخاطب تمام جہان کا کلام سمجھئے۔



چنانچہ آیاتِ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ الخ اس پر شاہد ہے اگر باعتبار مخاطب نعوذ باللہ اس سورت کو کلام خداوندی سمجھنے تو یہ معنی ہوں کہ خدا بھی کسی کا بندہ ہے نعوذ باللہ منہا۔ خدا بھی نعوذ باللہ کسی کی عبادت کرتا ہے خدا بھی کسی سے مدد مانگتا ہے خدا تعالیٰ بھی کسی سے طالبِ ہدایت ہے علیٰ ہذا القیاس آیت وَمَا نَزَّلْنَا إِلَٰهَ بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ (پہلے سورہ ۴۸) جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے اور جو اس کے پیچ میں ہے۔

باعتبار مخاطب فرشتوں کا کلام ہے چنانچہ قرینہ باہر رکب ہے اور قصہ شان نزول اس پر دلیل کامل ہے۔ علیٰ ہذا القیاس سورت نسا۔ اول تو تمام و کمال در نہ یُوَصِّیْکُمُ اللّٰهُ تک تو بالضرور باعتبار مخاطب کلام حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اول تو وہی قرینہ فَاَنْذِرْکُمْ اِس پر شاہد ہے اگر باعتبار مخاطب کلام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہے کلام خدا کیسے تو پھر اول درجہ کے معصوم کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا ضرور ہو کہ وہ سے بڑھ کر نعوذ باللہ منہا فاسق و فاجر و عیاش تھے۔ دوسری نذایا ایتھَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّکُمْ کو غائب رکھا ہے اور ظاہر ہے کہ ہر کلام کے لیے ایک متکلم اور اور ایک مخاطب مغایر یک دگر ہوتا ہے اور اگر غائب بھی ہوتا ہے تو وہ بھی مغایر حقیقی ہوتا ہے غرض یہ تینوں مفہوم ایک مصداق میں مجتمع نہیں ہو سکتے اور ان تینوں میں استحالہ متصور نہیں سو قرینہ غیبت ربکم خود اس پر شاہد ہے۔ کہ خداوند کریم باعتبار مخاطب متکلم نہیں اس صورت میں ظاہر ہے کہ سوارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کا احتمال نہیں۔ کیونکہ ادھر تعین غیر پر نہ کوئی دلیل ہے نہ کوئی قرینہ اور ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیامبر ہونا اس بات کے لیے خواستگار کہ بعد خداوند کریم باعتبار مخاطب اس کلام کے متکلم در حالت عدم قرینہ اگر ہو سکتے ہیں تو حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہو سکتے ہیں مگر یہی بات بعینہ جملہ یُوَصِّیْکُمُ اللّٰهُ میں سمجھ لیجئے اس جملہ میں بھی یُوَصِّیْ صیغہ غائب اللہ کے لیے ہے اور پھر قرینہ دوام حیات اور عدم زوال علاقہ فیما بین روح و جسم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے لیے عمدہ دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خطاب میں داخل نہیں اور جب آپ مخاطب نہیں ادھر خدا غائب معنی مقابل متکلم و مخاطب۔ تو متکلم سوارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کون ہوگا غرض وجہ ظاہرہ اس بات پر گواہ ہیں کہ باعتبار مخاطب یہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے خدا تعالیٰ کا کلام نہیں۔



(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک اور ارواح امت میں متحدہ اور باعتبار اصل کمنہ کے  
وجہ تفاوت کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان احکام کے مخاطب نہیں) دیکھئے تو حضرت خاتم المرسلین

صلی اللہ علیہ وسلم ان احکام کے مخاطب ہو بھی نہیں سکتے۔ میراث کا حال تو معلوم ہی ہو گیا نکاح کی بات  
سنئے وہاں بھی وہی دوام حیات مانع ورود خطاب ہے۔ یعنی جب آپ منبع فیض روحانیت و حیات  
ہوتے اور امت کی ارواح کے لیے آپ کی روح پر فتوح صلی اللہ علیہ وسلم منشأ انتزاع اور علت اور  
موثر ہوئی اور ارواح امت فیض اور انتزاعیات اور معلول اور اثر ٹھہرے۔ تو پھر آپ کی روح کو امت  
کی ارواح میں وہ نسبت تجانس نہ ہوگی جو فیما بین ارواح امت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ افراد جنس واحد اگر  
باہم مساوی نہ ہوں تو بعد کمی و بیشی تعداد یا اوزان یا مساحت جو کچھ وہاں بن پڑے تساوی حاصل کر سکتے  
ہیں۔ پر فیوض و انتزاعیات و آثار و محمولات کو منبع فیض اور منشأ انتزاع اور موثر اور علت کے  
برابر کسی طرح نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً ایک دھوپ دوسری دھوپ کے برابر نہ ہو تو بعد تسویر ہر دو میدان  
اور رفع موانع آمد نور وغیرہ کے دونوں برابر نہ کر سکتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس بڑی سطح سے چھوٹی سطح کے برابر  
قطع کر سکتے ہیں اور چھوٹی سطح کو بعد اضافہ حجم بڑی سطح کے برابر بنا سکتے ہیں۔ مگر سب جانتے ہیں کہ سارے  
جہاں کی دھوپیں ایک نور آفتاب کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ علیٰ ہذا القیاس وجود تمام کائنات ایک وجود  
خالق عالم کے برابر نہیں ہو سکتا۔ جب تساوی کا حال معلوم ہو گیا کہ کہاں ہو سکتی ہے کہاں نہیں ہو سکتی تو آگے  
(باعتبار لغت بھی زوجیت طرفین مفہوم زوجیت و ازدواج باعتبار لغت بھی انقسام مبتدایین کو  
کے تساوی کو چاہتا ہے) مقتضی ہے اور باعتبار شرع بھی تساوی طرفین کا خواستگار۔

چنانچہ آیت وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ اس پر شاہد ہے اور ادھر دیکھا تو نکاح و ازدواج  
سے حسن معاشرت مطلوب۔ چنانچہ آیت  
وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ  
أَزْوَاجًا لَتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ  
مَوَدَّةً وَرَحْمَةً (پ ۲ روم ۳۷)

(اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ تم کو بنایا مٹی سے  
پھر اب تم انسان ہونے میں میں پھیلے پڑے اور اس کی نشانیوں  
سے ہے یہ کہ بنا دیے، تمہارے واسطے تمہاری قسم کے جوڑ  
کہ چین سے رہوان کے پاس نور دکھا تمہارے بیچ میں پیار



سے اہل فہم کو یہ بات عیاں ہے۔ آخر حسن معاشرت میں بجز انس یا بھی جو حاصل سکون مٹا رہا ہے اور مورد ذکر ہے اور کیا ہوتا ہے۔

(نکاح میں مطلوب حسن معاشرت ہے) | مگر مزاج کا حسن معاشرت دیکھا تو اخلاق کی طرف ہے اور اخلاق جو کمالات علمی اور عملی کا نتیجہ ہے) حاصل ضرب قوت علمیہ اور قوت عملیہ کا نام ہے۔ اس لیے کہ اخلاق کے تحلیل کرنے سے سوا اس کے اور کیا نکلتا ہے۔ رحمت و غضب کو دیکھیے تو بجز اس کے کیا ہے کہ کسی کی شکستہ حالی یا مخالفت کے علم کے باعث ادھر سے عمل داد و دہش یا ضرب و سرزنش ہوتا ہے۔ اس لیے مساوات مٹا رہا ہے جو مقتضائے زوجیت و ازواج تھا باعتبار حاصل ضرب قوت علمیہ و قوت عملیہ ہوگا۔

یا اس مضمون کو یوں تعبیر کیجئے کہ مساوات جسمانی تو مراد ہی نہیں باعتبار وزن ہو یا باعتبار پیمائش۔ اگر مراد ہے تو باعتبار روحانیت مراد ہے اور ظاہر ہے کہ کمالات روحانی یا علمی ہیں یا عملی یا ان دونوں سے مرکب اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مقصود وہ حاصل ترکیب ہر دو کمال ہے نہ علم خالی از عمل مطلوب ہے ورنہ حسن معاشرت اور اعمال عبادات وغیرہ کے کیا معنی تھے اور نہ فقط عمل خالی از علم جیسے افعال لایعنی اور حرکت کا بے معنی یا اعمال منافقین و اہل تمسخر ہوتے ہیں۔ کیونکہ علم عظمت خداوندی وغیرہ ان اعمال کے ساتھ مضموم نہیں ہوتا ورنہ اس قسم کے اعمال مکروہ یا مردود نہ ہو کرتے۔ لیکن حاصل کمالات علمی و کمالات عملی اخلاق ہوں یا ارادہ و نیت ہو یا اعمال ظاہرہ جو بشرط اخلاص صادر ہوئے ہوں۔ سب کے سب حاصل جمع کمالات مذکورہ تو نہیں ہو سکتے اس لیے کہ حاصل جمع عین مجموعہ اجزاء ہوا کرتا ہے اور یہاں ظاہر ہے کہ یہ سب امور مذکورہ غیر ہیں نہ عین اس صورت میں بجز اس کے کہ حاصل ضرب کیئے اور کیا کیئے۔ کیونکہ دو زیادہ سے ملا کر اگر کچھ حاصل کرتے ہیں تو اس کی یہی دو صورتیں جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو آگے چلئے۔

(کمالات علمی و عملی مردوں میں بدرجہ اتم اور) | مخدوم من! کمالات علمی ہوں یا عملی بہر حال مردوں غور توں میں اس کا نصف پائے جاتے ہیں) کا حصہ دو نا ہے اور غور توں کا (مردوں سے)

آدھا ہے۔ دلیل اس دعویٰ کی اول تو یہی آیت ہے۔ لِّلَّذِكُمْ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ۔ کیونکہ یہ آیت اگرچہ بیان میراث میں نازل ہوئی ہے۔ کچھ میراث کی تخصیص نہیں فرمائی عموم الفاظ پر نظر چاہئے خصوص شان نزول پر خیال نہ چاہئے۔ چنانچہ اہل علم خوب جانتے ہیں اور عوام اگر نہیں جانتے تو ان کے



یہ اتنا اشارہ کافی ہے کہ اگر دو آدمیوں میں دس بیس گاؤں مشترک ہوں اور سب میں ایک ہی ساہر ایک کا حصہ ہو تو اس صورت میں اگر ایک گاؤں میں سے کچھ غلہ آئے تو کارکن بوجہ ناواقفیت مقدار حصص اگر کسی واقف سے ہر ایک کے حصہ کی مقدار پوچھے تاکہ اس کے موافق تقسیم غلہ میں کار بند ہے۔ تو اس صورت میں اگر وہ شخص ہر ایک کا حصہ بتلائے گا تو اس کا یہ بتلانا ہر دفعہ کے لیے اور ہر ایک گاؤں کی آمدنی کے لیے کافی ہوگا اور فقط اسی دفعہ کے لیے نہ سمجھا جائے گا۔

رأیت میں مرد و عورت کے جسم کی مقدار سے بحث نہیں بلکہ ان کے حصص سے بحث اور ذکر و انشی کا اطلاق روح و جسم دونوں پر ہوتا ہے)

باقی کوئی صاحب اگر مقدار جسم زن و مرد میں اس حساب کو درست نہ پائیں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ گفتگو دربارہ خط و ذکر و خط انشی ہے خود ذکر و انشی میں یہ حساب نہیں اور ظاہر ہے کہ اطلاق ذکر و انشی جیسا روح پر کیا جاتا ہے ایسا ہی جسم پر بھی یہ اطلاق کیا جاتا ہے چنانچہ احکام روحانی و جسمانی اور افعال و احوال روحانی و جسمانی میں یکساں فرق صیغہ مذکر و مؤنث ملحوظ رہتا ہے۔ قَامَتْ اور قَعِدَتْ اور فَرِحَتْ اور حَزِنَتْ یا عَلِمَتْ اور ارَادَتْ اگر عورت کے لیے بولتے ہیں تو قَامَ، قَعَدَ، فَرِحَ، حَزَنَ یا عَلِمَ اور ارَادَ مرد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ مگر کون نہیں جانتا کہ قیام و قعود، احکام و افعال و احوال جسمانی میں سے ہیں۔ اور فرخ و خزن اور علم و ارادہ، و احکام و احوال و افعال روحانی میں سے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اطلاق ذکر و انشی روح و جسم دونوں پر برابر شائع ہے۔ اس لیے ان دونوں کو اس حساب علیحدہ رکھ کر ان کے حقوق میں گفتگو کرنی چاہیے۔ اور اسے بھی جانے دیجئے خاص علم و عمل میں عورتوں کا مردوں سے کم ہونا عقل و نقل دونوں سے سب کے نزدیک مسلم۔ یہاں تک کہ عورتوں کا ناقص العقل اور ناقص الدین ہونا حدیثوں میں مصرح اور زبانوں پر جاری۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتٍ عَقِلٍ وَدِينٍ أَذْهَبَ لِلرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ أَحَدِكُنَّ۔

(بخاری ج ۱ - مسلم ص ۶۱)

اور دوسرے بارہ شہادت کلام اللہ میں یہ ارشاد ہے۔

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ

اور دو مردوں سے پھر اگر



فَإِنْ لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتٌ  
مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ  
إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى

(پک، بقرہ ۴۳۹)

(کو وہ دوسری)

سو اس سے بھی یہی نقصان عقل بقدر نصف ثابت ہوتا ہے کیونکہ ضلالت اصل میں صفت عقلی ہے  
علیٰ ہذا القیاس تذکرہ بھی صفات علمیہ اور عقلیہ میں سے ہے اس صورت میں حاصل یہ ہوا کہ نقصان عقل  
کے باعث عورت کی گواہی مرد کی گواہی سے آدھی رکھی گئی۔ چنانچہ اسی بنا پر یہ صورت پیش آئی کہ جب  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مسطور بالا یعنی مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلِ وَدِينِ الْخَوَسِ كَرَّ عَوْرَتِیْنَ  
نے یہ عرض کیا۔

مَا نَقَصَانِ عَقْلِنَا وَدِينِنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ  
فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
أَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ نِصْفُ شَهَادَةِ  
الرَّجُلِ۔ (بخاری ص ۴۴۲ مسلم ص ۳۱۱)

(ہماری عقل اور دین میں اے رسول اللہ کیا کمی ہے؟  
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کیا  
تمہیں معلوم نہیں کہ عورتوں کی گواہی مرد کی گواہی  
سے آدھی ہے)

اس پر عورتوں نے اقرار کیا تو پھر یہ فرمایا فذلک من نقصان عقلہا۔ یعنی یہ گواہی کا آدھا  
ہونا نقصان عقل ہی کے سبب ہے۔ الغرض آیت مذکورہ اور حدیث مسطورہ کو ملائیے تو یہ بات بوسیکہ  
حدیث اسی آیت سے نکل آتی ہے کہ عورتوں کی عقل مردوں کی عقل سے آدھی ہے اور جب عقل یعنی  
کمالات علمی میں تناصف تو کمالات عملی میں آپ تناصف ہوگا۔

(افعال اختیار یہ علم و عقل سے پیدا ہوتے ہیں) وجہ اس کی یہ ہے کہ اعمال اختیار یہ کا صدور یا  
بوجہ شوق و محبت ہوتا ہے یا باعث نفرت و خوف یعنی عاقل جب کوئی حرکت با اختیار خود کرتا ہے تو  
اس میں یا کوئی نفع سوچ لیتا ہے یا کوئی اندیشہ اس کے پیش نظر ہوتا ہے۔ سو اس کا حاصل وہی شوق  
اور محبت و نفرت ہے۔ سو ان دو صورتوں کے عاقل کے افعال کے لیے اور کوئی صورت نہیں مگر شوق  
و خوف اور محبت و نفرت بقدر علم نافع و مضار ہونا ظاہر ہے کہ مرد دانا شیر اور سانپ سے ڈرتے ہیں  
اطفال شیر خوار نہیں ڈرتے وجہ اس کی بجز اس کے اور کیا ہے کہ وہاں علم و عقل ہے یہاں نہیں چنانچہ



إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (الٹہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں جن کو

(سمجھ ہے)

(پا ۲۲ فاطر ع ۴)

سے بھی اس کا پتہ لگتا ہے کہ خوف بقدر علم ہوتا ہے۔

(تناصف عقل تناصف عمل کو لازم ہے) | الغرض بعد تسلیم تناصف فی العقل اقرار تناصف

فی العمل آپ لازم ہے اور کلام اللہ میں یہ ارشاد ہے۔

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (پا ۲۵ زخرف ع ۷) ان کاموں کے جو کرتے تھے۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ مدار کار حصول جنت عمل پر ہے اور حدیثوں سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہر مرد جنتی کے پاس دنیا کی دو عورتیں بطور ازواج و نکاح ہوں گی۔ غرض جہاں ایک مرد ہوگا وہاں دو عورتیں ہوں گی اس سے بھی یہی بات نکلتی ہے کہ دو عورتیں مل کر عمل میں ایک مرد کے برابر ہوں گی۔ بہر حال تناصف فی العقل اور تناصف فی العمل واجب التسلیم ہے۔

(بعض عورتوں کا بعض مردوں پر علم و عمل میں فوقیت رہی یہ بات کہ بعض مرد کم عقل ہوتے ہیں رکھنا اسباب خارجہ کی بنا پر ہوتا ہے) اور بعض عورتیں عاقلہ ہوتی ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس

بعض مرد فاسق اور بعض عورتیں دیندار ہوتی ہیں اس قاعدہ میں رخنہ گر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اسباب و موانع خارجہ سے اگر ظہور آثار ماہیت میں کمی بیشی آئی تو مراتب ماہیت اور قدر و قیمت ماہیت میں تبدیل نہیں آسکتا۔ مثلاً اگر کسی آئینہ میں گرد و غبار واقع ہو اور کوئی چینی کی رکابی طشتری صاف مصفی ہو اور اس وجہ سے ظہور نور آفتاب بہ نسبت آئینہ مشرق الیہ رکابی مذکور میں زیادہ ہو۔ تو صفائی میں رکابی آئینہ سے زیادہ نہ سمجھی جائے گی۔ بالجلہ نقصان عقل زمان مقتضاء مادہ الوشت ہے اور زیادتی عقل مردال اقتضاء مادہ مذکورہ (ذکورہ) ہے۔ چنانچہ الف لام کا للذکر مثل حظ الانثیین میں لام جنس ہونا بھی اس پر شاہد ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دین کا قصہ سمجھئے سو اگر بالفرض والتقدیر کسی فرد ذکر میں کمی اور کسی فرد انثی میں زیادتی نظر آئے تو قاعدہ مذکور کے کلیہ ہونے میں اس سے کچھ رخنہ نہیں پڑتا۔



(چار عورتوں کا ایک مرد کے حق میں نزع) | ان سب مراتب کے طے ہو جانے کے بعد یہ گزارش ہے کہ  
کامل قرار پانے کی حکمت ) جب عقل و عمل میں عورتیں مردوں سے آدمی ہیں اور پھر

مرد عورت میں ان دونوں کمالوں کا حاصل ضرب مطلوب ہے خود یہ دونوں کمالات مذکورہ زنان بہ نسبت  
حاصل ضرب کمالات مذکورہ مرداں بقدر ربع ہے کیونکہ نصف کو نصف سے صرف دو بجے تو یہی ربع (رہم)  
عادل ہوتا ہے۔ اس لیے ایک عورت ایک مرد سے (نکاح میں) بقدر ربع سمجھی گئی اور چار عورتیں مل کر  
اس کے حق میں زوج کامل قرار پائیں۔ مگر چونکہ ہر کسی کو اپنے حق کے نہ لینے یا اپنے حق کے چھوڑ دینے  
کا اختیار ہوتا ہے اور اپنے حق سے زیادہ لینے کا اختیار نہیں ہوتا۔ اس لیے مرد نکاح نہ کرنے اور  
چار سے کم نکاح کرنے کا مجاز اور مختار رہا۔ پر چار سے زیادہ اختیار اس کو نہ ملا۔

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امت کی عورتوں کی نسبت مقدار علم و عمل | لیکن یہ بات بھی یاد ہوگی کہ امت  
میں بمنزلہ مصدر اور صادر، منشاء اور وصف انتزاعی کے ہیں) کی چار عورتیں مل کر اگر امت کے

ایک مرد کے مساوی ہو جاتی ہیں تو وجہ اس کی یہ ہے کہ باہم اصل مرد و زن امت میں تجانس تھا۔ اگر فرق  
تھا تو فرق مقدار تھا جس کے رفع کرنے کے لیے عورتوں کی جانب عدد اربع کی ضرورت پڑتی اور ذات پاک شہ  
لولاک صلی اللہ علیہ وسلم اور زنان امت میں اس قسم کا فرق نہ تھا جس کو مقدار زنان کا کم و بیش کر دینا رفع کر  
سکے بلکہ وہ فرق تھا جو مصدر اور صادر اور علت اور معلول اور منشاء انتزاع اور وصف انتزاعی میں ہو کرتا  
ہے اور تجانس بھی وہی تجانس تھا جو حقائق مذکورہ میں باہم ہوا کرتا ہے یعنی وہ تجانس ازدواج اور زوجیت

کے لیے ضرور ہے چنانچہ مفہوم زوجیت ہی اس پر شاہد ہے از قسم تجانس مرداں و زنان امت نہ تھا بلکہ نہ  
قسم تجانس علت و معلول وغیرہ تھا۔ غرض وجہ فرق فیما بین حضرت شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم اور مرداں امت  
مرحومہ دربارہ تعدد ازدواج یہ ہے کہ وہاں اور طرح کا تجانس ہے یہاں اور طرح کا تجانس ہے۔ یہاں تعدد  
زنان کی کمی بیشی موجب تساوی ایک مرد چار زن ہو سکتی ہے اور وہاں اس سے کام نہیں چل سکتا۔ کیونکہ  
ایک علت اور ایک منشاء انتزاع کے مقابلے میں سارے معلول اور تمام انتزاعیات بھی درجہ تساوی  
نہیں رکھتے۔ ایک آفتاب کے آگے سارے جہاں کی دھوپیں گر دہیں۔ ہاں یوں کہیے کہ آفتاب یا گرہ  
شعاعی کا جوڑا اگر مل سکے ہے تو دو سو پلوں سے مل سکے ہے چاند کی چاندنیوں اور آگ کی گرمیوں سمجھیں بل سنا غرض اگر علت  
اور منشاء انتزاع کا نکاح اور ازدواج ہو سکتا ہے تو بشرط قابلیت اپنے معلولات اور انتزاعیات ہی



سے ہو سکتا ہے اور کسی علت یا اس کی معطلات یا اور کسی غشاء انتزاع یا اس کی انتزاعیات یا کسی اور مصدر اور اس کی صادرات سے نہیں ہو سکتا۔

مگر جیسے اس صورت میں یہ فرق فیما بین حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور مردمان امت مرحومہ معلوم ہوا ایسے ہی فرق دوام حیات حضرت سید الکائنات علیہ وعلی آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم وعدم دوام حیات ہے۔ کیونکہ دربارہ کمالات روحانی آپ کا علت اور غشاء انتزاع اور مصدر ہونا جیسا اس بات کو مقتضی ہے کہ آپ کو دربارہ نکلج حد اربع میں محدود و مقید نہ رکھیں۔ ایسے ہی آپ کا علت اور غشاء انتزاع اور مصدر ہونا اس بات کو مقتضی ہے۔ آپ کی حیات روحانی اور حیات جسمانی دونوں قائم دائم رہیں کبھی انفکاک و زوال کی نوبت نہ آئے۔

(حاصل کلام) | اس صورت میں خطاب فَاَنْكِحُوْا اور خطاب يُوْصِيْكُمْ اللّٰهُ اِنْكِحُوْا بطور سابق خارج لکھنا اور ان احکام میں تفاوت معلوم کا ہونا ایک ہی وجہ پر مبنی اور متفرع ہیں۔ مگر چونکہ نکلج حاجات حیات اور میراث اتفاقات ممات میں سے ہے اس لیے اول کو اول رکھا اور دوم کو دوم ذکر کیا۔ اس تقریر سے بطلان مقدمہ ثانی منجملہ مقدمات ثانی بھی۔ بعد تنقیح میراث کے لیے کہ اول ان کا ثابت ہونا ضروری تھا۔ روشن ہو گیا۔ یعنی یہ بات بخوبی معلوم ہو گئی کہ خطاب يُوْصِيْكُمْ اللّٰهُ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں اور جب آپ اس خطاب میں داخل ہی نہیں تو پھر شیعوں کو طعن میراث کی کیا گنجائش ہے جو اہل سنت کو فکر جواب ہو۔

(بنام میراث کی تیسری شرط کا فقدان) | مگر ہاں مقدمہ ثالثہ ہنوز قابل تحقیق ہے۔ اس لیے کسی قدر اور تکلیف تحریر کی حاجت ہے۔

(فدک مال فئے تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص ملکیت تھا) | یعنی اب اس بات کی تیفیع ضروری ہے کہ مال متنازع فیہ یعنی فدک مملوک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھا یا نہ تھا۔ سو ہم سے پوچھئے مگر گوش ہوش سے سنئے اور پنبہ غفلت سے اور چرک تعصب گوش عقل کو اول پاک کر لیجئے۔ بشادت کُتب فریقین قریب فدک منجملہ فئے تھا۔ منجملہ غنیمت نہ تھا اور بشادت قرآنی زمین فئے منجملہ اموال غیر مملوکہ ہوتی ہے کسی کی ملک اس کے ساتھ متعلق نہیں ہو سکتی۔ سینوں کے لیے نووی شرح مسلم کی عبارت اور شیعوں کے لیے کلینی کی روایت اس کے ہونے کے لیے کافی ہے۔



اول اہلسنت وجماعت کو شاد کام کرتا ہوں۔ پھر شیعوں کی آنکھیں کھولی جائیں گی۔

(فدک مال فتنے ہے اہلسنت سے اس کا ثبوت) علامہ نووی جلد ثانی شرح مسلم کے باب حکم الفی

میں یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

قال القاضي عياض في تفسير صدقات  
النبي صلى الله عليه وسلم المذكورة  
في هذه الأحاديث قال صارت اليه بثلة  
حقوق أحدها ما وهب له صلى الله عليه  
وسلم وذلك وصية مخيريق اليهودي  
له عند إسلامه يوم أحد وكانت سبع  
حوائط في بني النضير وما أعطاه النصار  
من أرضهم وهو ما لا يبلغه الماء وكان  
هذا ملكا له صلى الله عليه وسلم  
الثاني حقه من الفئ من أرض بني النضير  
حين أجلهم كانت له خاصة  
لأنهم لم يوجف عليها المسلمون  
بجنيد ولا نكاب وأما منقولات  
أموال بني النضير فحملوا منها  
ما حملته الأبل غير السلاح  
كما صالحوهم ثم قسم صلى  
الله عليه وسلم الباقي بين المسلمين  
وكانت الأرض لنفسه ويخرجها في  
نواصب المسلمين وكذلك نصف  
أرض فدك صالح أهلها بعد فتح

(قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ احادیث میں مذکور حضور علیہ  
الصلوة والسلام کے صدقات کی تین قسمیں ہیں ایک وہ  
جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کئے گئے جیسے مخیریق (سابق)  
یہودی نے احد کے دن اسلام لاتے وقت جائیداد کے  
ہبہ کی وصیت کر دی تھی وہ بنو نضیر میں سات بارغ  
تھے۔ اور جو کچھ انصار نے پانی سے سیراب نہ ہو سکے  
والی زمین آپ کو ہبہ کر دی تھیں اور یہ آپ کی ملکیت  
تھیں۔ آپ کے حق کی دوسری قسم بنو نضیر کا وہ مال  
فے (جائیداد) ہے جب ان کو جلاوطن کیا تھا یہ آپ  
کا خاص تھا کیونکہ مسلمانوں نے ان پر گھوڑے نہیں دوڑائے  
اور نہ شکر کشی کی تھی۔ ثلث بنو نضیر کے اموال منقولہ تو ہتھیار  
کے علاوہ بنو نضیر نے انٹوں پر لاوا۔ جتنی مقدار اونٹ اٹھا  
سکتے تھے اور اپنے ساتھ لے گئے۔ جیسا کہ حضور  
صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے صلح کی تھی۔

اور باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں  
تقسیم کر دیا۔ اور زمین اپنے قبضے میں رکھی۔ اور آپ  
اس کی پیداوار کو مسلمانوں کی مشکلات میں خرچ کرتے  
تھے۔ اسی طرح خیبر کی فتح کے بعد فدک والوں نے ادھی  
زمین بطور صلح دے دی وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
کے خالص قبضے میں تھی اسی طرح وادی قریٰ کلمتانی



خبیر علی نصف ارضہا وکان خالصاً لہ  
صلی اللہ علیہ وسلم وكذلك ثلث  
ارض وادی القرى اخذه فی الصلح حین  
صلح اهلہا الیہود وکذلك حصان  
من حصون خبیر وها الوطین و اسلام  
اخذہا صلحاً الثالث سہمہ من خمسہ  
خبیر وما افتتح عنوة ۱۰ انتہی مقام الحاجۃ

(نوی شرح مسلم ص ۹۲)

اس عبارت سے صاف روشن ہے کہ مال متنازع فیہ یعنی زمین فدک منجملہ اموال وارضی فیہ تھی  
خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خریدی ہوئی یا کسی کی ہبہ کی ہوئی نہ تھی اور ہماری غرض اس وقت اتنی  
ہے کہ زمین فدک منجملہ اراضی فیہ ہے مگر چونکہ اس بات کا ثابت کرنا کہ فدک منجملہ فیہ تھی اس غرض سے  
تھا کہ فدک کو مملوک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے جو میراث کا احتمال ہو یا ہبہ کا کسی کو خیال ہو  
پہنچانے انشاء اللہ عنقریب ہی یہ عقدہ حل ہوا چاہتا ہے تو بہ نسبت حقوق خمس بھی اب کسی کو خیال  
ملک کی گنجائش نہ رہیگی کیونکہ مصارف خمس اور مصارف فیہ ایک ہی ہیں اور انداز بیان ایک ہے۔

آخر عبارت یہ ہے

لہ فکانت ہذہ کلہا ملک الرسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃً لاحق فیہا احد غیرہ  
لکنہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یتاثر بہا بل ینفقہا  
علی اہلہ والمسلمین وللمصلح العامۃ وکل  
ہذہ صدقات محرمات التملک بعدہ۔

واللہ اعلم (شرح مسلم ص ۹۲)

یہ سب اموال وارضی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص ملکیت  
تھیں کہ ان میں کسی کا حق نہ تھا لیکن حضور علیہ السلام علی الخصوص  
خود خرچ نہ کرتے تھے بلکہ اپنے عیال پر اور مسلمانوں پر اور  
ضروریات عامہ میں خرچ کرتے تھے یہ کل صدقات وہ  
ہیں کہ حضور علیہ السلام کے بعد کسی کا (بطور وارث ووصی) مل  
مالک بننا جائز ہے۔

عبارت کے آخری الفاظ محرمات التملک بعدہ مدعی پر واضح دلیل ہیں اور یہ کہ ملکیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم  
سے مراد خصوصی حق تصرف ہے۔ ۱۲۔ www.jmmpak.tk



فے میں اگر تین لام (داخل مستحقین) تھے تو یہاں بھی وہی تین لام آیت میں موجود ہیں۔ دیکھ لیجئے۔  
 وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَإِنَّ  
 لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ  
 وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ۔

محتاجوں اور مسافروں کے واسطے۔ م

(پٹ انفال ۵۷)

غرض وہ دلائل جن سے فتنے کا غیر مملوک ہونا ثابت ہوگا انہیں دلائل سے غس کا غیر مملوک ہونا  
 نکلتا ہے۔ ہاں بہ نسبت اموال موہوبہ البتہ یہ خیال بجا ہے لیکن اول تو بعد ثبوت حیات جسمانی حضرت  
 رسول الثقلین و ظہور خصوص خطاب یُوصِّیْکُمُ اللّٰهُ بنسبت امت مرحومہ مملوکیت اموال موہوبہ وغیرہ  
 شیعوں کو کچھ مفید نہیں۔ بایں ہمہ ہم سے ظاہر ہیں اگر اسے ہی ملک و محل میراث سمجھیں تو سمجھیں یہ حضرات  
 انبیاء علیہم السلام خصوصاً سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ایسی ملک کو اولاً وبالذات اپنی ملک نہیں سمجھ سکتے  
 ورنہ ان کی وہ حقیقت شناسی پھر کس دن کے لیے ہوگی۔

دوبجہ کمال عقل انبیاء علیہم السلام اپنے مقبوضہ اموال کو مال مستعار | اول تو یہ بات کہ ملک خداوندی اور ملک  
 سمجھتے ہیں اور مال مستعار میں میراث جاری نہیں ہوتی | عباد میں وہ نسبت ہے جو ملک مالک  
 اصل اور قبضہ مستعیر میں ہوتی ہے دیکھنے والوں کو ان اوراق سے عیاں ہو جائے گی۔ اور ظاہر ہے کہ  
 یہ بات انبیاء پر خاص کہ سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم و علیہم وآلہ اجمعین پر اسی طرح واضح تھی جیسے  
 آفتاب نیمروز۔ پھر وہ کس طرح اموال مقبوضہ کو اپنا مال سمجھیں جو حقوق ورثہ کی اس میں گنجائش نظر آئے۔  
 یہ بات اپنے مال میں ہوتی ہے مال مستعار میں نہیں ہوتی۔ ہاں امتیوں کی نظر ایسی تیز نہیں ہوتی جو  
 ایسے حقائق دقیقہ کو سمجھیں وہ اس بات میں مثل اطفال خوردسال ہوتے ہیں کہ کسی بڑے بیگانے کی چیز  
 بھی ہاں آتی ہے تو آپ کے دینا تو کجا مالک چیز بھی اگر لینا چاہے تو وہ گریہ زاری کریں جس سے  
 مالک ہی کو پشم پوشی اور نرک طلب کرنی پڑے۔

بالجگہ وجہ کو تاہ نظر فی امت۔ خداوند کریم چشم پوشی فرماتے ہیں اور میراث کے جاری ہونے  
 سے منع نہیں فرماتے۔ ہاں انبیاء کو بوجہ کمال عقل ایسی مہٹوں کی گنجائش نہیں جو ان کے لراحق ملک پہنچے  
 علاوہ بریں بہہ مخیر لقی یہودی بوجہ اعتقاد رسالت تھا۔ اس صورت میں یہ بہہ حقیقت میں نظر خداوندی



ہو اور وہی حاصل نکل آیا جو بر نسبت اموال سے بشارہ کلمہ فلیثہ معروض ہو چکا ہے۔ الغرض جیسے یہ طفل خور و سال کو ان کے والدین کی وجہ سے اگر کچھ ہبہ کیا جاتا ہے تو ان کے والدین ہی کی ملک سمجھا جاتا ہے ایسے ہی ہبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وجہ اعتقاد مذکور نذر خداوندی سمجھا جائے گا۔

(فدک مال سے ہے۔ شیعہ سے اس کا ثبوت)۔ خیر یہ بات تو ہو چکی اب عبارت کلینی بھی دیکھئے جس سے فدک کلمہ ہونا شیعوں کو اپنے اعتقاد کے موافق بھی ظاہر ہو جائے تو دفع الزام شیعہ کے لیے اہل سنت کو اپنی ہی روایات کافی نہیں اور قبل ثبوت غلطی روایات محدثان و مؤرخان اہل سنت پھر شیعوں کو گنجائش دہرنی نہ تھی۔ کلینی کے باب الفی والانفال و تفسیر الخمس و حدودہ میں یہ روایت ہے۔

(شیعہ سند سے روایت ہے کہ امام موسیٰ کاظم ہمدی کے پاس یہ دعویٰ لے کر آئے کہ امیر المؤمنین ہمارا حق ہمیں کیوں نہیں دیا جاتا؟ ہمدی نے کہا وہ کیا ہے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ہاتھ پر جب فدک اور اس کے مضافات کو فتح کیا جس پر مسلمانوں نے شکر کشی نہیں کی تھی تو اللہ نے یہ آیت اپنے نبی پر اتاری کہ رشتہ دار کو اس کا حق دو (حالانکہ یہ آیات ملکی ہیں) تو حضور علیہ السلام نہ جان سکے کہ وہ رشتہ دار کون ہیں۔ پس مراجعت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں جبریل علیہ السلام سے جبریل علیہ السلام نے اللہ سے جا کر پوچھا تو اللہ نے وحی بھیجی کہ یہ فاطمہ کو دے دو تو حضور علیہ السلام نے حضرت فاطمہ کو بلایا اور فرمایا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فدک تجھے دے دوں حضرت فاطمہ نے کہا کہ میں نے اللہ اور آپ کی طرف سے قبول کر لیا۔ حضور کی زندگی میں حضرت فاطمہؓ کے وکیل قابض ہے۔ جب ابو بکر خلیفہ ہوئے تو

عن علی بن محمد بن عبد اللہ عن بعض اصحابنا و اظنہ السیادی عن علی بن اسباط قال لما ورد ابو الحسن موسیٰ علیہ السلام علی المہدی راہ یرد المظالم فقال یا امیر المؤمنین ما بال مظالم لا ترد فقال له و ما ذاک یا ابا الحسن قال ان اللہ تبارک و تعالیٰ لما فتح علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم فدک و ماوالہا لم یوجف علیہ بنیل و لا رکاب فانزل اللہ علی نبیہ و آت ذالقربی حقہ فلم یدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ہم فراجع فی ذلک جبریل علیہ السلام و راجع جبریل ربه فاوحی اللہ الیہ ان ادفع فدک الی فاطمة علیہا السلام فدعاها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فثب ال



لَهَا يَا فاطمة ان الله امرني ان ادفع اليك  
 فذك فقتالت قد قبلت يا رسول الله  
 من الله ومنك فلم يزل وكلاهما  
 فيها حياة رسول الله صلى الله عليه وسلم  
 فلما ولي ابو بكر اخرج عنها وكلاهما  
 فاسته فسألته ان يردّها عليها  
 فقال ائيتني باسود واحمر يشهد لك  
 بذلك فجات يا امير المؤمنين عليه  
 السلام وام ايمن فشهدا لها فكتب  
 لها بترك العرض فخرجت و  
 الكتاب معها فلقبها عمر فقال  
 لها ما هذا معك يا بنت محمد  
 قالت كتاب كتبه لي ابن ابي قحافة  
 قال اربنيه فابت فانترعه من  
 يدها ونظر فيه ثم تفل  
 فيه ومحاه وخرقه فقال لها  
 هذا لم يوجف عليه ابو بكر جليل  
 ولا ركب فضعى الحبال في رقابتها  
 فقال له المهدى يا ابا الحسن حدها  
 لي فقال حد منها جبل احد  
 وحد منها عرش مصر وحد منها  
 سيف البحر وحد منها دومة  
 الجندل فقال له كل هذا قال

ان دکیوں کو بے دخل کر دیا۔ حضرت فاطمہؓ واپس لوٹ گئیں  
 حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئیں تو انہوں نے کہا کہ  
 کالا اور گورا گواہ لاؤ۔ آپ امیر المؤمنین اور ام ایمن  
 کو لائیں انہوں نے گواہی دی ابو بکر صدیقؓ نے لکھ  
 دیا کہ فاطمہؓ سے فدک کے معاملے میں نزاع نہ کیا جائے  
 آپ خط لے آ رہی تھیں تو عمرؓ نے کہا کہ یہ کیسے؟  
 فرمایا ابن ابی قحافہؓ نے لکھ کر دیا ہے عمرؓ نے کہا مجھے  
 تو دکھاؤ آپؓ نے انکار کیا تب حضرت عمرؓ نے چھین  
 لیا اور دیکھ کر اس میں تھوک دیا اور نوشتہ مٹا کر بھاڑ  
 دیا اور کہا یہ وہ جائداد ہے کہ اس پر آپؐ کے والد بزرگوار  
 نے شکر کشی نہیں کی تھی تو ہماری گردن میں رسی ڈال  
 دے تو مہدیؑ نے کہا اے ابو الحسن! مجھے فدک  
 کی مہندی بتائیں تو امامؑ نے فرمایا ایک سزا اُحد  
 کا پہاڑ ہے دوسرا مصر کا عرش ہے ایک کنارہ  
 رسیف البحر ہے اور دوسرا کنارہ دومة الجندل  
 ہے (یعنی سلطنت عباسی کا تقریباً سارا قبضہ)  
 مہدیؑ نے کہا یہ سب؟ امامؑ نے فرمایا ہاں اے امیر المؤمنین  
 یہ سب وہ ہے جس پر رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 کوئی شکر کشی نہیں کی تھی مہدیؑ نے کہا یہ تو بہت  
 ہے اچھا غور کروں گا (انتہی)



نعم يا امير المؤمنين ان هذا كله  
مما لم يوجف على اهل رسول الله  
صلى الله عليه وسلم بخيل ولا ركاب

فقال كثير النظر فيه - انتهى - (کافی کلینی ص ۵۴۲ مطبوعہ تہران)

اس روایت بے سروپا سے اگرچہ بطور مشتے نمونہ از خروار سے حسن و خوبی دیگر روایات شیعہ عیاں ہے۔  
اہل بیت کا فقر، دم و فات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک ایسا (مخفی) نہیں جو کوئی نہ جانتا ہو۔ پھر اس پر دعویٰ  
بحدود مذکورہ کرنا عمدہ سلطنت کا اس وقت اقرار کرنا ہے مگر ہم کوشیعوں کی تغلیط سے اس وقت کچھ ہاتھ  
نہیں آتا جو یوں کہیں کجا فذک کجا کجا یہ حدود؟ کجا اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کجا یہ ثروت؟  
اس وقت ان کی ہم تصدیق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لاریب فذک منجملہ فے اور از قسم میثاکہ  
یُوجَفُ عَلَيْهِ بَخِيلٌ ہے۔

داراضی فے کسی کی مملوکہ نہیں بلکہ حرب ارشاد | لیکن جب قریہ فذک کا منجملہ اموال فے ہونا بشادات  
خداوندی اس کی آمدنی قابل ملک ہے | کتب فریقین ثابت ہو گیا تو اب اس بات کا اثبات  
باقی رہا کہ اراضی فے قابل تعلق ملک نہیں۔ البتہ مثل اوقاف ان کی آمدنی قابل تعلق ملک ہے اس لیے  
یہ گزارش ہے کہ خداوند کریم اپنے کلام صادق میں یہ ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا  
أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ  
وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَيِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ  
يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ  
وَمَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ  
الْقُرْبَىٰ فَلِللَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ

اور جو مال کہ لوٹا دیا اللہ اپنے رسول پر ان سے ہو  
تم نے نہیں دوڑائے اس پر گھوڑے اور نہ اونٹ  
ولیکن اللہ غلبہ دیتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر  
چاہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔  
جو مال لوٹایا اللہ نے اپنے رسول پر بستیوں والوں سے سو اللہ  
کے واسطے اور رسول کے اور قرابت والے کے اور قبیلوں کے اور محتاجوں

لے شیعہ کی روایت مذکورہ اگرچہ بے سروپا ہے لیکن ہمارے لیے مفید مطلب ہے۔ کیونکہ خلفاء راشدین کی حدود  
مملکت کی وسعت اور عہدگی پر دلالت کرتی ہے۔ ۱۲۔ محمد عیسیٰ گورمانی۔  
www.jmmpak.tk



وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ ۚ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ لَكَ لَا يَكُونُ  
دَوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ وَمَا اتَّكُمُ  
الرَّسُولُ فُخْذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا  
وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ  
لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أَخْرَجُوا مِنْ  
دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يُبْتَغُونَ فَضْلًا  
مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيُنصِرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ  
أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۚ وَالَّذِينَ  
تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ  
مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي  
صُلُوبِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا  
وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ  
بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُوْثِقْ شَيْخَ  
نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ  
وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ  
رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ  
سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي  
قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ  
رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ (١٦ حشر)

(مَا أَفَاءَ اللَّهُ فِيكُمْ مِمَّا سَبَقَ)

جائید اور غیر منقولہ مراد ہے)

نہیں کیونکہ ما ایک کلمہ مبہم ہے۔ بغیر زوی العقول میں عام سے عام اور خاص سے خاص پر بول سکتے ہیں۔

اگرچہ باعتبار مفہوم کلمہ ما مع صلہ اس خاص کو کلی ہی کہیں مگر جیسے انحصار فی فرد واحد کلیت مفہوم

کے اور مسافر کے تاکہ نہ آئے لینے دینے میں دولت  
مذول کے تم میں سے اور جو تم کو رسول سولہ  
اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو اور ڈرتے رہو  
اللہ سے بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔ واسطے  
ان مفسول و ظن چھوڑنے والوں کے جو نکالے ہوئے  
آئے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے ڈھونڈتے  
آئے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا مندی اور  
مدد کرنے کو اللہ کی اور اس کے رسول کی وہ لوگ  
وہی ہیں سچے۔ اور جو لوگ جگہ پر ٹپے ہیں اس گھر میں  
اور ایمان میں ان سے پہلے وہ محبت کرتے ہیں اس  
سے جو وطن چھوڑ کر آئے ان کے پاس اور نہیں پاتے  
اپنے دل میں تنگی اس چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے  
اور مقدمہ کہتے ہیں ان کو اپنی جان سے، اور اگرچہ  
ہو اپنے اور پر فاقہ اور جو کوئی بچا یا گیا اپنے جی کے  
لاٹچ سے سو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے اور واسطے  
ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد کہتے ہوئے اسے  
رب بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے  
داخل ہوئے ایمان میں اور نہ رکھ ہماری دلوں میں  
بیر ایمان والوں کا ہے رب تو ہی ہے نرمی والا مہربان)

جو لوگ کہ سیاق و سباق آیات مسطورہ سے واقف ہیں وہ خوب

جانتے ہیں کہ مَا أَفَاءَ اللَّهُ سے مراد اراضی ہیں۔ احوال منقولہ



کے مخالف نہیں ایسے ہی مخصوص مصداق کلمہ اس کے مفہوم کے عموم کے مخالف نہیں۔ بہر حال یہ کلمہ نہایت مبہم ہے اس لیے صلہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر اگر صلہ سے بھی بوجہ تمام رفع ابہام نہ ہو سکے اور نہیں ہو اگر تا تو یقین تمام کے لیے اور قرآن کی ضرورت ہوگی اگر کوئی کسی کو روپیہ دے کر کہا اَعْطَيْتُكَ فَانْفِقْهُ عَلَى عِيَالِكَ مثلاً کے تو صلہ مذکور سے یہ معلوم ہوگا کہ روپیہ دیا یا کچھ اور۔ ہاں قرآن خارجہ سے البتہ یہ بات معلوم ہوگی سو یہاں بھی صلہ آفاء سے تعین حقیقت و ماہیت معلوم نہیں ہوتی البتہ آیت۔

هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ (پہا حشر ۱۶)  
 (روپیہ جس نے نکال دیا ان کو جو منکر ہیں کتاب والوں میں ان کے گھروں سے)  
 اور آیت يُخْرِجُونَ بيوْتَهُمْ  
 (اور اگر نہ ہوتی یہ بات کہ لکھ دیا تھا اللہ نے ان پر جلا وطن ہونا)  
 اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ لفظی مراد میں اموال منقولہ مراد نہیں۔

مال غنیمت اور مال فے میں فرق) اس کے بعد یہ عرض ہے کہ آیت اولیٰ میں جو یہ ارشاد ہے مَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ أَوْ اَهْلٍ فَهُمْ كَمَا اس سے اتنا معلوم ہو گیا ہوگا کہ مساجرین و انصار وغیرہ کا اس میں کچھ حق نہیں۔ یعنی جیسے لشکر کشی کی صورت میں بذور لشکر چھڑ میں مال وغیرہ ہاتھ آتا ہے اور اس وجہ سے غانمیں اور غانیوں کا اس میں استحقاق ثابت ہو جاتا ہے ایسی طرح اموال فے کو نہ سمجھنا چاہیئے۔

القصة علت ملک یعنی قبضہ اگر بذور بازوے لشکر حاصل ہو تو لشکر مال مقبوض میں شریک ہوگا۔ اور اگر لشکر کو نوبت جدوجہد نہیں آئی بلکہ فقط فضل خداوندی قدر یہ کفیل قبض ہو گیا ہے تو پھر ملک خدا ہی کا ہے گا کسی اور کی ملک نہ سمجھا جائے گا۔ اور اس وجہ سے انہی لوگوں کو اس کی آمدنی دینا ضرور ہوگا جو خدا کے نام پر بیٹھے ہیں اور اس کے نام لگے ہوتے ہیں۔

(فے میں مصارف کی تفصیل) | چنانچہ آیت ثانیہ میں جو مصارف اموال فے کی تفصیل بیان فرمائی تو بعینہ یہ بات اس سے نکلتی ہے فرماتے ہیں۔

مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِلَّذِينَ آمَنُوا



چونکہ خداوند کریم کھانے پینے کا محتاج نہیں۔ اور کوئی خاص مصرف مصارف خیر میں سے ایسا نہیں کہ اسی کو خدا کا مصرف کہہ سکیں اور سوا اس کے اور مصارف خیر کو نہ کہہ سکیں اس لیے کلمہ فلنہ فقط اسی جانب مشیر ہوگا کہ اموال فے ملک خاص خداوندی ہے یعنی باعتبار ظاہر جیسے اور اموال کو جو بیع شرار وغیرہ اسباب ملک سے حاصل ہوں باوجود مملوکیّت خداوندی اور ول کا مملوک بھی کہتے ہیں اس طرح اموال فے میں سوا خداوند مالک الملک اور ونکی طرف انتساب درست نہیں ہاں اگر خداوند پاک نعوذ باللہ منہ خور و نوش کا محتاج ہوتا یا مصارف خیر میں یہ تفریق ہوتی کہ یہ خدا کا مصرف ہے اور یہ نہیں تو البتہ پھر مثل اصناف باقیہ خداوند کریم بھی حصہ ششم کا شریک ہوتا مگر جیسے خدائے پاک کا خور و نوش سے پاک ہونا ظاہر باہر ہے ایسے ہی عدم تخصیص بھی کسی مصرف کے لیے سب کے نزدیک مسلم اگر نیت اچھی ہے تو جیسے مسجد کا بنانا مثلاً خدا کا کام ہے۔ ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ اصناف باقیہ کو بھی بشرط نیت خیر کھلانا پلانا خدا ہی کا کام ہے۔ اس صورت میں مفاد کلمہ فلنہ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ خانہ مالکیّت میں باعتبار ظاہر بھی خدا ہی کا نام لکھا جائے۔

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مال فے میں جو متوسط اس کے بعد فرماتے ہیں وَلِلّٰہِ سُّؤْلٌ وَلِیْہِ حَاصِل ہے یعنی آپ متولی بھی ہیں اور مصرف بھی) الْقُدُّیُّ اِلَّا غَرَضٌ لِّعْدَلَامِ فَلْنِہِ دَوْلَمِ اور موجود ہیں جن سے اہل فہم کو بعد مرتبہ مالکیّت دو اور مرتبوں کی خبر ملی جس میں سے مرتبہ استحقاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرتبہ استحقاق خداوندی سے کم اور مرتبہ استحقاق ذوی القربیٰ وغیرہم سے زیادہ ہونا چاہیے سوا ایسا مرتبہ جو متوسط بین المرتبتین اور بمقتضائے توسط ذوجہتیں ہو وہ تو مرتبہ تولیت مع مصرفیت ہے کیونکہ بلحاظ تولیت تو مرتبہ فوقانی یعنی مرتبہ مالکیّت سے جو مشابہ ہے خداوند مالک الملک ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور بلحاظ مصرفیت مرتبہ استحقاق اعتیاج کے ساتھ مشابہ ہے جو ذوی القربیٰ وغیرہم کے کے ساتھ مشابہ ہے اور یہ مرتبہ متوسط شان رسالت کو مناسب بھی ہے۔ اس لیے کہ کلمہ رسول ایک تو معنی خلافت و نیابت خداوندی پر دلالت کرتا ہے جس کے لیے تولیت کا ہونا بجائے خود ہے اس کے لیے شاید کی ضرورت ہے تو سینے کہ

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تولیت کی مثال) مسجد خدا کے لیے مخصوص ہے بایں ہمہ لوجہ خلافت حضرت آدم علیہ السلام مسجد بن گئے اگرچہ ان کا مسجد ہونا البتہ عیسا اب خانہ کعبہ مسجد (جہت سجدہ) ہے۔



یعنی جیسا کسی نے کہا ہے ع قبلہ کو اہل نظر قبلہ نہا کتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام مثل دیوار کعبہ مکرمہ قبلہ جہت وتوجہ الی اللہ ہیں۔ بالذات خود سجد نہیں بغرض جیسے حضرت آدم علیہ السلام قائم مقام اور خلیفہ علیم وعلّام ہوئے اور اس وجہ سے آداب عبودیت باعتبار ظاہر ان کے لیے ایسی طرح تجویز کئے گئے ہیں جیسے قائم مقام حاکم بالادست کے لیے آداب مند بالادست تجویز کیے جاتے ہیں۔ اگرچہ قائم مقام حال کسی عہدہ ماتحت سے برائے چندے اس عہدے پر آیا ہو ایسا ہی قائم مقام خدائے مالک الملک کے لیے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مرتبہ تولیت اموال خاص مملوکہ خداوندی جو خلافت مالکیت ہے مقرر ہوا اور آداب مرتبہ مالکیت یعنی مضمون جملہ۔

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ (اور جو تم کو رسول سولے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو)

جس سے آپ کا (قائم مقام ہونے کی وجہ سے بطور نیابت) ہر طرح مختار ہونا اور باختیار خود تصرف کرنا اور اوروں کا آپ کے سامنے راند غنیمت اور وصولی احکام میں دست نگر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ آپ کے لیے تجویز کیا گیا۔ اور ظاہر ہے کہ آداب مالکیت یہی دست نگر ہی اور چوں وچرا کا اس کے سامنے نہ کرنا ہے۔ باقی یہ فرق کہ یہاں قائم مقامی لمجاظ مالکیت ہے اس کے لیے یہی قرینہ بہت ہے کہ اموال کی نسبت فلیتشرایا ہے۔

(آیت اطاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت اور علم میں نیابت خلافت پر دلالت کرتی ہے) | اگرچہ آپ کا قائم مقام ہونا لمجاظ اور صفات بھی اور موافق قرآنی میں مصرح ہے چنانچہ جملہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (پس اللہ اور اس کے رسول اور اس کے امراء کی اطاعت کرو) مانور رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں) اس نیابت و خلافت خاص کر خلافت علم پر دلالت کرتا ہے۔ حکومت کی خلافت کا ہونا تو خود ظاہر ہے۔ ہاں خلافت علم شاید اس آیت سے سمجھ میں نہ آئی ہو اس لیے یہ عرض ہے کہ منشاء حکومت و امر وہی خود بھی علم مصالح اور مضار مامور ہوتا ہے چنانچہ طبیب کی اطاعت اسی وجہ سے سر دھرتے ہیں۔ اس لیے جو حاکم کہ مصالح و مضار رعیت سے واقف نہ ہو۔ اور اگر واقف ہو تو علم مصالح و مضار کے موافق امر وہی نہ فرمائے ہر کس و نا کس اس کو قابل عزل سمجھتا ہے اور بوجہ ظلم اس کی حکومت کے کوئی راضی نہیں ہوتا۔



(اس امت کے لیے سجدہ تعظیمی) ہاں جیسے بیمار کو بخیاں صنعت و ناتوانی بوجہ اندیشہ مضرت و ازدیاد مرض ممنوع ہونے کی حکمت) اس کے پیر و استاد اور ماں باپ وغیرہ محذوران ذومی الاحترام اپنی تعظیم و توقیر سے منع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ایام صحت میں کبھی منع نہ کیا تھا ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت کا روزگار اور امت مرحومہ کو بوجہ صنعت عقول اپنی اس تعظیم سے جس کو سجدہ کہتے اور بدوئے انصاف بوجہ خلافت تامہ حضرت آدم علیہ السلام سے زیادہ آپ اس کے مستحق تھے منع فرمایا تاکہ یہ تعظیم انجام کار موجب شرک نہ ہو جائے جو امراض روحانی اور قلبی میں سب سے بڑا مرض ہے۔

بایں ہمہ آداب عمدہ اگر کسی وجہ سے کسی زمانہ میں وہ نہ رہیں جو اول مقرر تھے تو کچھ عرج نہیں خود عمدہ اور اس کی کارگزاری چاہیے خاص کر جب کہ عمدہ دار خلافت و نیابت دولی عمدہ خود آداب مسند کو بایں لحاظ موقوف کر دے کہ کوئی مجھ کو بادشاہ سمجھ لے۔ تو اس صورت میں یہ بات تو نظر بادشاہ میں موجب مزید رفعت و اعزاز و خلیفہ و نائب ہوگی کو ظاہر بینان کم فہم کیفیت ظاہرہ کو دیکھ کر کچھ اور سمجھ بیٹھیں۔ الغرض اگر بعض آداب مسند خلافت مفقود ہیں تو کچھ عرج نہیں کار عمدہ خلافت موجود ہے۔

(خلافت کے ساتھ تولیت ایک لازم شعبہ ہے) | ازاںجملہ تولیت ہے۔ کیونکہ مالکیت قبض و تصرف و اختیار و ادو و دہش ہوتا ہے تو تولیت میں یہ سب موجود ہے اس لیے باقتضا مفہوم رسالت جیسے اقرار خلافت ضروری ہے ایسے ہی تسلیم کار عمدہ خلافت یعنی تولیت بھی لازم ہے علاوہ بدیں بحیثیت خلافت، جیسے بحیثیت اور نذر تخت نشینی ہر رند بازار سے نہیں لی جاتی بلکہ اراکین سلطنت اور رؤسا بادشاہت سے لی جاتی ہے۔ ایسے ہی سجدہ خلافت ملائکہ سے لیا گیا جو ملائکہ درگاہ والا خداوندی تھے اوروں سے نہ لیا گیا۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کار رسالت ہی کے کام میں مصروف و مقید رہنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مال فح کے ذریعہ آپ کے مصارف کا انتظام فرمایا) مگر چونکہ تاکید سجدہ مذکور بایں وجہ زیادہ ہوئی کہ لبشادت جملہ محن و نسیب و محمّد و نفدّس لک خود ملائکہ منصب خلافت کے امیدوار تھے اور اس وجہ سے ان کا سجدہ اوروں کے رفع اشتباہ کے لیے کافی ہو گیا تو اب



اس کی بھی حاجت نہ رہی کہ اولاد بنی آدم کو ملائکہ سجدہ کریں کیونکہ وجہ تکرار خیال فضیلت نوع ملک مفضولیت نوع بشر تھا جب وہ خیال ہی نہ رہا۔ تو اب کیا حاجت ہے۔ نوع وہی کی وہی ہے۔ باپ ہو یا بیٹا ہو اس صورت میں یہ تکرار ایسا ہو گا جیسا فرض کریں اس شخص سے جس کی فضیلت اور لیاقت سلطنت میں کسی کو تامل ہو بعد تسلیم ہر روز وہ شخص بیعت کیا کرے بالجملہ رسالت و نیابت کے لیے بعد حضرت آدم علیہ السلام سجدہ کی حاجت نہیں۔ مگر جیسے رسالت کو خلافت لازم ہے اور کیوں نہ ہو اگر بادشاہ کسی شخص کو سفیر اچھام مقرر کرے تو اسی سفیر کی اطاعت بادشاہ ہی کی اطاعت ہوتی ہے۔ اور اسی کو خلافت کہتے ہیں ایسے ہی مفہوم رسالت اس بات کو مقتضی ہے کہ رسول اپنا کام تا اشتغال کار رسالت نہیں کر سکتا اور ظاہر ہے کہ مفہوم رسول ہر دم و ہر آن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بولا جاتا تھا۔ باقی رہا سونا کھانا پینا وغیرہ اگرچہ نظام ہر کار رسالت سے کچھ علاقہ نہ رکھتا ہو مگر بایں لحاظ کہ یہ نہ ہوں تو پھر کار رسالت ادا ہونا بھی معلوم۔ ان سب باتوں کو رسالت کا موقوف علیہ اور محتاج الیہ کہنا ضرور ہے اور کسب معیشت چونکہ مثل خواب و خورش و نوش و لازم بشریہ میں سے نہیں چنانچہ ہزاروں کو بے کھائی ملتا ہے اور اگر کھائی سے ملتا بھی ہے تو کسی کو نئی ڈھنگ کی کھائی سے ملتا ہے۔ اس لیے اس کو مجملہ مبادی و مقدمات کار گذاری رسالت نہیں کہہ سکتے اس لیے اس کا ترک کرنا ضرور پڑا اور موافق وعدہ صادقہ مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ لِلّٰهِ لَہٗ جِسْمٌ كِیْمٌ۔

اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سوا اپنی بندگی کو میں نہیں چاہتا ان سے روزیہ اور نہیں چاہتا کہ محمد کو کھلائیں۔ اللہ جو ہے وہی ہے روزی دینے والا زور آور مضبوط (۳)

بالمغ وجوہ مشیر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نان و نفقہ خدا تعالیٰ نے ذمہ ٹھہرا۔ اور کیوں نہ ہو یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جو کسی کے کام میں مجبوس رہتا ہے اس کا نان و نفقہ اسی کے ذمہ ہوتا ہے بی بی کا نان و نفقہ خاوند کے ذمہ اور غلام کا نان و نفقہ مولیٰ کے ذمہ اسی وجہ سے ہے۔ سو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے کام میں مصروف اور مجبوس ہوئے تو آپ کا نان و نفقہ خدا کے ذمہ کیوں نہ ہو اس تقریر سے جملہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ ذَرْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعَمُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّزَاقُذُ وَالْقُورُ الْمَتِينَ (پاک ذریت ۳)



الرِّزَاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ میں باہم ارتباط معلوم ہو گیا ہوگا۔ اور نیز یہ بات بھی اہل فہم سمجھ گئے ہوں گے کہ جیسی تولیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم رسالت کی اس اضافت کا پر تو ہے جو مرسل بصیغہ اسم فاعل یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ جس کے طفیل میں خلافت مشاء الیہ حاصل ہوئی۔ ایسے ہی اعتیاج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جس کے باعث نان و نفقہ کی ضرورت ہوتی اس اضافت کا پر تو ہے جو مرسل الیہ یعنی امت کی طرف ہونی چاہیے۔ جس کے باعث اشتغال مسطور لازم آیا۔ بالجملة حکم تو سطر متبہ رسالت اموال خاص خداوندی کی نسبت آپ متولی ہی ہے اور مصرف بھی مقرر ہوئے اور اس لیے باعتبار تلفظ بھی آپ کو بیچ ہی میں رکھا تاکہ اشعار شریعت مطابق اقتضای حقیقت ہے۔

اخراجات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قربت دار آپ کے تابع قرار پائے اس لیے ان کو دیگر اصناف سے مقدم کیا گیا

اس کے بعد ذوی القربیٰ کو بیان کیا کیونکہ مصرفیت ذوی القربیٰ یعنی اقربا رب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تابع مصرفیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر خاندان اور ہر خاندان میں کھانے والا وہ ہوا کرتا ہے جو سب میں لائق فائق ہو اور سوا اس کے سب اس کے دستِ نگر ہوا کرتے ہیں۔ سو خاندان نبوت میں سب میں افضل حضرت افضل المخلوقات ہی تھے جب ان کو کار خداوندی میں فرصت کسب معیشت نہ ملی تو یوں کہو تمام خاندان واسے نان و نفقہ کی طرف سے سرسیمہ ہوئے۔ اس لیے بعد آپ کے ان کا لحاظ کرنا پڑا اس کے بعد اصناف باقیہ میں مساکین اور انبار السبیل ایسے در ماندہ نہیں ہوا کرتے جیسے یتامی ہوا کرتے ہیں کیونکہ مساکین کا تو کہتے ہیں اور پھر مساکین بہ نسبت انبار السبیل زیادہ در ماندہ ہوتے ہیں۔ آخر انبار السبیل اپنے گھر سے تو خوش ہوتے ہیں ورنہ داخل زمرہ مساکین ہی سمجھے جاتے قسم علیحدہ نہ کی جاتی اس لیے بعد ذوی القربیٰ بہ ترتیب معلوم ان کو ذکر فرمایا اور کیف ما اتفق بیان نہ کیا۔

لے ذوی القربیٰ کی تفسیر و مصداق میں چند حوالجات ملاحظہ ہوں تفسیر روح المعانی ص ۲۸ پر ہے۔

والمراد بذی القربیٰ قرابتہ صلی اللہ علیہ وسلم والمراد بہم بنو ہاشم و بنو عبد المطلب لانہ صلی اللہ علیہ وسلم وضع السہم فیہم۔

ذوی القربیٰ سے مراد حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے رشتہ دار ہیں جو ہاشم کی اولاد سے ہوں اور عبد المطلب کی اولاد سے ہوں کیونکہ حضور علیہ السلام نے ان کو ہی خیر کا حصہ دیا ہے (باقی حاشیہ ص ۳۳ پر)



(ذوی القربیٰ میں القربیٰ کو بغیر) | بایں ہمہ اقرباء نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ساری ہی امت کے اقرباً  
 اضافت ذکر کرنے کی وجہ) میں چنانچہ تحقیق مسطور بالا دربارہ اولویت بمعنی اقربیت نبوی صلی اللہ  
 علیہ وسلم گذر چکی۔ جس میں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نسبت امت مرحومہ اقرب ہونا اور والد  
 روحانی ہونا ثابت ہو چکا ہے اس مضمون کے موید ہے اور شاید اس لیے ذی قربیٰ البنی صلی اللہ علیہ وسلم

بقیہ حاشیہ ۲: نیز کچھ آگے فرماتے ہیں: "ہم نے نزدیک ذوی القربیٰ بنی ہاشم کے ساتھ خاص ہے اور بنی مطلب  
 کے ساتھ کیونکہ یہ حدیث ہی ہے البتہ ان کو مستقل حصہ نہ ملے گا نہ مطلقاً (مہر مال میں) دیا جائیگا بلکہ ان کے مباکین۔ یتامی  
 اور مسافروں کو دیا جائے گا کیونکہ وہ ان الفاظ قرآنی میں شامل ہیں لیکن ان اقامت شدہ میں سے بنو ہاشم کو اولیت دی  
 جائے گی کیونکہ خلفاء ثلاثہ (ایسا ہی کرتے تھے اور) ان کا الگ حصہ نہ نکالتے تھے۔ ہاں وہ خمس تین حصوں میں بانٹتے۔  
 ایک حصہ یتیموں کا ایک مسکینوں کا ایک مسافروں کا اور حضرت علی کرم علی وجہہ نے اپنے دور خلافت میں ان خلفاء ثلاثہ  
 کی مخالفت نہیں کی حالانکہ بعض فروعی مسائل میں اختلاف رکھتے بھی تھے (ایضاً)

۳: شارح مسلم علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی تفسیری فائدہ میں رقمطراز ہیں: "و" یعنی حضرت کے قرابت والوں کے  
 چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ میں اس مال میں سے ان کو بھی دیتے تھے اور ان میں فقیر کی قید بھی نہیں تھی۔  
 اپنے چچا حضرت عباس کو جو دولت مند تھے آپ نے حصہ عطا فرمایا۔ اب آپ کے بعد حنفیہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے قرابت دار جو صاحب حاجت ہوں اہم کو چاہیے کہ انہیں دو سکر محتاجوں سے مقدم رکھے (قرآن پاک ترجمہ)

۴: مفتی اعظم پاکستان علامہ محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر معارف القرآن ص ۲۶۸ پر تحریر فرماتے ہیں:-  
 "پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حصہ اس مال میں رکھا گیا تھا وہ آپ کی وفات کے بعد ختم ہو گیا۔ ذوی القربیٰ  
 کو اس مال میں سے دینے کی دو وجہیں تھیں ایک نصرت رسول یعنی اسلامی کاموں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی  
 مدد کرنا اس لحاظ سے اغنیاء ذوی القربیٰ کو بھی اس میں سے حصہ دیا جاتا تھا۔ دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے ذوی القربیٰ پر مال صدقہ حرام کر دیا گیا ہے تو ان کے فقراء و مساکین کو صدقہ کے بدلے میں مال دینے  
 سے حصہ دیا جاتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد (آپ کی) نصرت و امداد کا سلسلہ ختم  
 ہو گیا البتہ فقراء ذوی القربیٰ کا حصہ بحیثیت فقر و احتیاج کے اس مال میں باقی رہا اور وہ اس مال میں دوسرے  
 فقراء و مساکین کے مقابلہ میں مقدم رکھے جاتے تھے (کنز فی البیاض) ۱۲ مہر محمد۔



باضافت نہ فرمایا بلکہ ذوی القربی فرمایا تاکہ اطلاق لفظ عموم قرابت پر دلالت کرے اور بہ نسبت اصناف  
باقیہ وجہ ترجیح اور علت تقدیم ہاتھ آئے۔ علاوہ بریں کار رسالت ایسا آسان نہیں کہ معین اور مددگار کی حاجت  
نہ ہو، ہزاروں سے مخالفت اور ہزاروں سے مقابلہ اور ایسے آڑے وقتوں میں اقربا رہا ساتھ دیا کرتے  
ہیں اور اس وجہ سے ان میں سے کسی کو اپنے کھانے کمانے کی فرصت میسر نہیں آیا کرتی۔ اس لیے  
ان کے نان و نفقہ کو بھی ایسا ہی سمجھو جیسا نان و نفقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اقربا بنوی صلی اللہ علیہ وسلم فریضہ رسالت میں معین و مددگار  
تھے اس لیے ایسے فنڈ سے ان کا وظیفہ مقرر کیا  
ہے جس میں غانمین کی سعی و عمل کا دخل نہیں)

معونت و مددگاری ظہور میں آئی۔ چنانچہ ناظران احادیث پر پوشیدہ نہ ہوگا لیکن جیسے آیت اولیٰ یعنی  
مَا آفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ  
يُسَيِّرُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ سے یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ اموال  
نے بعد اعزاز و قبض بھی خدا ہی کے ملک خاص میں ہیں اور بوجہ عدم اسباب مالکیت بشری اوروں کو  
اس سے کچھ تعلق نہیں آیت ثانیہ سے اول تو یہ بات روشن ہو گئی کہ وہ اموال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
علیہ وسلم کے لیے ملک نہیں ورنہ ذوی القربی اور یتامیٰ اور مساکین اور انبیا و پیغمبروں کو اس سے کیا  
علاقہ تھا۔

(سوال۔ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَيِّرُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ  
سے معلوم ہوتا ہے کہ فئے تسلط سے حاصل ہوا اور  
پیغمبر کا تسلط خلیفہ کا تسلط ہے اور بالتبع لشکر کا)

اللہ علیہ وسلم تو موجود ہے اور تسلط و قبض ہی موجب و علت حقیقی ملک ہے۔

چنانچہ حدوٹ ملک اول نباتات خورد و خورد اور حیوانات غیر پروردہ میں اگر ہوتا ہے تو اسی  
قبض سے ہوتا ہے اور بعد ازاں بیع و شرا و اجارہ و ہبہ میراث، وصیت سے اگر ملک حاصل ہوتی  
ہے تو بوجہ حصول قبض حاصل ہوتی ہے۔ غرض اگر قبضہ متبدل ہو جاتا ہے تو ملک بھی متبدل ہو جاتا ہے  
ان اسباب کو اسباب مستقلہ ملک نہیں کہہ سکتے ہاں کہیں کہ اپنا قبضہ ہوا وکیل عام یعنی خلیفہ و بادشاہ



عادل کا قبضہ ہو۔ یہ کچھ ضرور نہیں کہ اپنا ہی قبضہ ہو تو ملک ہو۔ نہیں تو نہیں۔

ہاں اگر خلیفہ وقت کا بھی قبضہ اٹھ جائے اور کفار تسلط ہو جائیں تو پھر ملک کے باقی رہنے کی کوئی صورت نہیں مگر تسلط نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اموال فے پر لہذا آیت فے ہی ثابت ہے۔ اس لیے آپ کی ملک کا اقرار بھی لازم ہے۔ غرض اس تسلط سے یہ دھوکہ نہ کھانا چاہیے کہ اموال مملوکہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ کیونکہ لہذا آیت جملہ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ يَهْدِي لِمَنْ يَشَاءُ نَهْدِي لِمَنْ يَشَاءُ تھا بلکہ تسلط و کالت و رسالت تھا۔

(جواب۔ یہ تسلط ذات نبوی کا نہیں بلکہ اور حاصل جواب اس صورت میں یہ ہوا کہ تسلط خدا تعالیٰ کی طرف سے نیابت کا تسلط ہے) کو یہ لازم نہیں کہ تسلط ذاتی ہو اگر تسلط من جانب الغیر ہو گا۔ جب بھی اس کا نام تسلط ہی ہو گا۔ اس صورت میں مفہوم تسلط، تسلط ذاتی اور تسلط و کالت دونوں سے عام ہوا ہاں ہمہ آیت ثانیہ بھی تسلط و کالت ہی پر دلالت کرتی چنانچہ یہ محروض مذکور جو ابھی لکھ کر فارغ ہوا ہوں اس پر شاہد ہے اور نیز مضامین آئندہ اس کی تائید کرتے ہیں۔ پھر اس تسلط کا موجب ملک (ذاتی) سمجھ لینا کمال خوش فہمی پر دلالت کرتا ہے۔

القصة اوّل تو جملہ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ ہی اس وہم کا جواب ہے۔ دوسرے آیت ثانیہ سے بھی معلوم ہوا کہ وہم مالکیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو جملہ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ سے ہی ہوتا تھا محض بے جا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالک ہوں تو پھر نہ فلان کے کوئی معنی ہیں اور نہ (مصارف باقیہ کے ذکر کرنے کی کوئی وجہ ہے۔ بلکہ یہ دونوں کلمے باعتبار معنی مفہوم غلط ہو جائیں گے۔

(جملہ اصناف مصارف از قسم استحقاق مصارف میں نہ کہ استحقاق ملک اور استحقاق منہ میں مستحق داد و فریاد نہیں کر سکتے اس لیے تعدد فقر آخر و رہنیں) معہذا آیت ثانیہ سے یہ بات ہی واضح ہو گئی کہ مصارف مذکور کو استحقاق دعویٰ ملکیت نہیں ہو سکتا۔ وجہ اس کی یہ ہے

کہ استحقاق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک استحقاق مالکیت۔ دوسرا استحقاق مصرفیت۔ استحقاق مالکیت میں توقیف یا مقتضیات قبض مثل بیع و شرا و غیرہ اسباب مذکورہ کا ہونا ضرور ہے اور اس وجہ سے جہاں قبض یا مقتضیات قبض ملتا آجاتی ہیں وہاں مستحق کو داد و فریاد کی گنجائش ہوتی ہے۔



اور استحقاق مصرفیت میں ناداری اور افلاس کافی خواہ وہ افلاس بوجہ عدم لیاقت ہو جیسے یتامی نہیں ہوتا ہے یا بوجہ عدم مساعداۃ اسباب جیسے مساکین اور انبیاۃ سبیل میں ہے یا بوجہ اشتغال بکار دیگر جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت عرض خدمت کر چکا ہوں اور نیز آپ کے اقرباء کی نسبت معلوم ہو چکا ہے۔

بہر حال مصارف مندرجہ آیت ہا افاء اللہ کا استحقاق از قسم استحقاق مصرفیت ہے از قسم استحقاق مالکیت نہیں۔ اور اس باب میں مصارف مندرجہ آیت نے اور مصارف مندرجہ آیت صدقات اعنی انما الصدقات للفقراء اور مصارف مندرجہ آیت خمس لعنی واعلموا انما غنمتم من شئ فان للہ خمسہ الخ سب کے سب باہم ہمدوش یکدگر ہیں۔ بالجمہ مصارف مندرجہ آیت صدقات کا استحقاق بالاتفاق از قسم استحقاق مصرفیت ہے از قسم استحقاق مالکیت نہیں اور اس وجہ فقر اور غیرہ مصارف صدقات کو تو انبیاء کی مالش کا اختیار نہیں اور اغنیاء کو کسی ایک فقیر کے لئے دینے کا اختیار۔ اس لئے ایک کاٹے دنیا بھی موجب سقوط فرض ہو جاتا ہے ورنہ جہان کے تمام فقر اور مساکین کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر دنیا باس وجہ کہ حد بشر ہی سے خارج ہے کسی سے ممکن نہ تھا اور اس قدر تکلیف دی جاتی تو پھر کسی صاحب زکوٰۃ کی نجات کی کوئی صورت نہ تھی مگر ایسے ہی مصارف مندرجہ آیت نے کو بھی مالش و فرباد وغیرہ لازم استحقاق و مالکیت کی گنجائش نہیں اور تولی کو عطاء مال نے نہیں صنف واحد کی تخصیص کا اختیار۔ کیونکہ بدالائت مضمومات عنوانات مصارف مندرجہ آیت نے ان کا استحقاق اگر ہے تو از قسم استحقاق مصرفیت ہے از قسم استحقاق مالکیت نہیں ہو سکتا چنانچہ بوجہ احسن معروض ہو چکا۔

اللہ رسول میں لام ملکیت کے تسلیم سے تمام اصناف میں اور اس کی تشریح کے لئے یہ اور معروض ملک کے لزوم کے علاوہ دو غریباں لازم آئیں گی حضور علیہ السلام ہے کہ اگر بالفرض لام للرسول اخبار تولیت نے بلا وجہ ایک جہاں کا مال دبائے رکھا یا اور یہ کہ تمام اصناف کے افراد کی ملک محروم متعین ہو

دالالت کرے تو اس صورت میں بالضرور لام لذی القربی بھی لازم ملک ہوگا اور مالکیت ذوی القربی اور نیز بحکم عطف مالکیت اصناف باقرہ بدالائت کے اس صورت میں اول تو جناب سید المعصومین



خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض لازم آئے گا کہ ایک جہاں کا حق مدت العمر تک وہاں رکھا۔ تقسیم کر کے اصل زمین کا دنیا تو درکنار آمدنی میں بھی یاد نہ کیا آخر کون کہہ دے گا کہ اموال فذک اور بنی النضیر کو ایسی طرح تقسیم کیا کہ کوئی مسکین اور یتیم اور ابن سبیل اور اقربا بنوہی صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی باقی نہ رہا ہو۔ دوسرے اس صورت میں اموال اور اراضی فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصناف باقیہ میں مشترک ہوں گے۔ اور مال مشترک میں ضرور ہے کہ سهام بقدر افراد اصناف شرکاء ہوں اگر فرض کر دے کسی مورث کے مال میں موافق مذہب اہل سنت کچھ ذوی الفروض اور کچھ عصباء شریک ہوں یا موافق مذہب فریقین یوں کیسے کہ اولاد پسری اور دخترہ شریک ہوں مثلاً۔ تو اس صورت میں سهام لمجاظ حصص و افراد شرکاء مقرر ہوں گے فقط لحاظ عدد اصناف نہ کیا جائے گا۔

القصة تعداد سهام میں افراد اصناف مندرجہ آیت مذکورہ پر نظر ہونی چاہیے مگر ذوی القربیٰ اور یتامیٰ اور مساکین اور ابن سبیل کے لیے کوئی عدد مقرر نہیں۔ اس لیے سهام مشترک کا کچھ تعین نہیں ہو سکتا اور اقرار ملک اصناف باقیہ کی کوئی صورت نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مالکیت اور ملک اموال فی میں ثابت ہو۔

(ہر صورت میں اہل تشیع مال فی سے ہمیشہ محروم رہیں گے | اس سے بھی بڑھ کر اور لیجے للفقراء کیونکہ جملہ اہل مصارف کا صحابہ کے حق میں دعاگو ہونا ضروری ہے) اَللّٰهُمَّ اجِبْنِیْ لِذِی الْقُرْبٰی سے

بدل واقع ہوا ہے۔ اور اس پر بطور عطف یہ ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔  
اور جو لوگ جگہ پکڑے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے)

اور نیز بطور عطف ہی پھر یہ ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيْمَانِ۔  
اور واسطے ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد کہتے ہوئے اے رب بخش ہم کو اور ہماری بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں)

اس لیے تابعین سے لے کر قیام قیامت تک جس قدر مسلمان پیدا ہوں اور صحابہ کے دعاگو ہوں ان سب کو اموال فی میں شریک ملک کرنا پڑے گا۔ مگر سب جانتے ہیں کہ اموال مملوکہ کے



یہ مالکوں کا بالفعل موجود ہونا ضروری ہے۔

جو لوگ ابھی ساحت وجود میں قدم رکھتے ہی نہیں پائے وہ کیوں کر مالک اموال مملوکہ بالفعل ہو سکیں ایسی بات کوئی نادان بھی نہیں کہہ سکتا تو اس پر شیعہ بے وجہ تکرار کرتے ہیں۔ اگر بالفرض اصناف مذکور مالک اموال و ارضی فے ہوتے بھی تو شیعوں کو کیا مل جاتا۔ کلام اللہ میں تو پہلے ہی ان کے محرم کرنے کے لیے یہ قید لگا دی ہے۔ **يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ** سو ان کی دعا کوئی بہ نسبت صحابہ کرامؓ (تبرازی) بھی کو معلوم ہے۔ مگر شاید اسی حلقہ میں طعن فذک میں یہ بے ہودہ سرائی ہے۔

دغنیاء میں گردش مال کی ممانعت ملکیت خالصہ کی نفی کرتی ہے | علاوہ بریں جملہ کئی لایکون **دَوْلَةٌ بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ** بھی اسی بات پر شاہد ہے کہ اموال فے اصناف مندرجہ آیت کی مملوک نہیں۔ بلکہ اگر یوں کہیے کہ یہ جملہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ارضی مذکورہ اصناف مسطورہ بالفعل تو کیا مملوک ہوتے۔ آئندہ بھی مملوک نہیں ہو سکتے تو بجایا ہے۔ اس لیے کہ در صورت تملیک اغنیاء میں متداول ہو جانا تو قریب الوقوع ہے۔ اس لیے کہ فقیروں کی اولاد بھی غنی ہو جاتی ہے۔ سو اگر فقرا کو مالک کہیے تو ان کی اولاد کا ان کے انتقال کے بعد ان اموال کا مالک ہو جانا بوجہ میراث لازم ہے اور متداول مذکور کا وقوع میں آنا ضرور۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات عموم الفاظ کے مخالفت ہے۔ اگرچہ بظاہر غرض اس جملہ سے فقط اتنی معلوم ہوتی ہے کہ خلیفہ وقت مثل سرداران زمانہ جاہلیت اس قسم کے اموال کو اپنا حق خاص نہ سمجھ لیں۔ ان تمام مضامین سے ارضی فے کا بالفعل غیر مملوک ہونا بلکہ بعض سے تو آئندہ کو بھی غیر مملوک ہونا ظاہر ہو چکا۔

اموال منقولہ میں انتفاع بغیر قبض تام ممکن نہیں | اب لازم یوں ہے کہ فرق اموال منقولہ وغیر منقولہ ظاہر کیا جائے تاکہ بعض شبہات محتملہ کسی کم فہم کو حیران نہ کریں اس لیے یہ معروض ہے کہ لام لدی القربی اور لام للرسول بلحاظ جہت ثانیہ یعنی جہت مصرفیت لام انتفاع ہے لام ملک نہیں۔ چنانچہ خود مضمون مصرفیت اس کے لیے شاہد ہے اور وجوہ مذکورہ بالا ان کے مالک نہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ مگر اموال منقولہ سے انتفاع اگر متصور ہے تو جیسا متصور ہے جب کہ اپنے ہاتھ میں آجائیں۔ روٹی کا کھانا اور کپڑے کا پہننا اور متداول سے مدافعت دشمن قبل قبض ممکن نہیں۔ پھر



جب اس بات کا لحاظ کیا جائے کہ اموال نے بشاراتِ فلشہ مملوک خداوندی مالک ملک ہیں اور اہل مصرف کے نفع کے لیے مقرر۔ پھر بایں ہمہ قبض اہل مصرف مستحق ہو گیا تو اس صورت میں اموال نے اور مافی الارض میں کیا فرق رہ گیا۔ وہ بھی بشاراتِ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور بشاراتِ وَلِلّٰہِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ خدا ہی کی ملک تھی اور پھر بشاراتِ خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ہی آدم کے نفع کے لیے مخلوق۔ اس لیے کہ لَام لَکُمْ لام نفع و انتفاع ہے۔ لام ملک نہیں۔ چنانچہ بدیہی ہے۔ وہاں جیسے علت تامہ ملک عباد قبض تام مستحکم تھا۔ یہاں بھی قبض تام مستحکم موجب ملک ہو گا مگر قبض تام یہی ہے کہ پہلے کسی اور کا قبضہ نہ ہو چکا ہو اور ہو چکا ہو تو معاوضہ قبض ہو چکا ہو جیسے بیع و شراء وغیرہ میں ہوا کرتا ہے ورنہ پھر وہ قبضہ یا تو قبضہ امانت ہو گا یا قبضہ غصب۔ سو قبضہ امانت تو قبضہ مالک ہی کا پر تو ہے۔ قبضہ تام اگر کہیے تو اس کے قبضہ کو کہیے کیونکہ مالک کو امین کے قبضہ کے اٹھانے کا اختیار ہے۔ امین کو قبضہ مالک کے اٹھانے کا اختیار نہیں۔ اور قبضہ غاصب گو قبضہ مالک کا پر تو نہیں پر قابض ولایت یعنی خلیفہ وقت کے قبضہ میں ہوتا ہے اور خلیفہ وقت حمایت مالک کے لیے مقرر ہوتا ہے حامی غاصب نہیں ہوتا۔ ایسے قبضہ غصب بھی قبضہ تام اور قبضہ مستحکم نہیں۔

(اموال غیر منقولہ میں غیر کی تولیت بھی انتفاع ہو سکتی ہے) مگر قبضہ اہل مصرف اموال نے پرچونکہ ایسا ہے جیسا قبضہ بنی آدم مافی الارض پر کیونکہ یہ نہ قبضہ امانت ہے نہ قبضہ غصب۔ تو بالضروریہ قبضہ موجب ملک ہو گا اور کیوں نہ ہو۔ حیوانات صحرائی اور نباتات خورد و پیدہ اگر ملک میں آتی ہیں۔ تو بوسیلہ قبض ملک میں آتی ہیں اور ملک سے نکلتی ہیں تو بوسیلہ زوال قبض ملک سے نکلتی ہیں۔ ہاں زمین سے انتفاع اہل مصرف قبل قبض اور بعد قبض دونوں طرح متصور ہے اگر زمین نے قبضہ متولی میں ہے اور اس کی آمدنی کو متولی اہل مصرف میں تقسیم کرتا ہے تب بھی غرض اصلی حاصل ہے اور خود اہل مصرف کے تصرف میں ہے اور وہ بطور خود اس کا انتظام کر کے اس کی آمدنی کو اپنے مصرف میں لاویں تب بھی متصور ہے۔ بہر حال قبضہ اہل مصرف ضروریات انتفاع میں سے نہیں جو خواہ مخواہ اس کی ضروریات ہو اور جب قبضہ ضروریات انتفاع میں سے نہ ہو تو بشارہ لام اور انتفاع اسکی خواستگاری نہیں ہو سکتی۔ بغرض تولیت انتفاع تصرف متولی ہو تو ہو۔



(مال فے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ  
کاقبضہ بطور متولی بحث)

اور ظاہر ہے کہ لام للرسول جو بوجہ توسط تولیت پر دلالت کرتا  
ہے تو بحقیقت تولیت نیابت و امانت مالک حقیقی پر دلالت کرتا

ہے۔ ملک پر دلالت نہیں کرتا۔ مگر آپ جیسے متولی تھے ایسے ہی مصرف بھی تھے چنانچہ توسط مذکور اس  
پر بھی شاہد ہے اس لیے زمین فے اگر اہل مصرف کے قبضہ میں بھی آجائے گی تو قبضہ امانت یا تولیت  
ہوگا قبضہ اتقاع و ملک نہ ہوگا۔

(اراضی فے کے لیے متولی کا ہونا لازمی ہے مصرف کے کسی ایک  
فرد یا ایک سے زائد افراد پر پیداوار تقسیم کرنا کافی ہے۔)

مصارف بلکہ جملہ افراد جملہ اصناف کو اگر بن پڑے تو بانٹ دیا کرے۔ چاہے ایک صنف کو یا ایک  
فرد کو دے دیا کرے بشرطیکہ قدر عطا محطی کی مایحتاج سے بادی النظر میں زائد نہ معلوم ہو۔ کیونکہ استحقاق  
مصرفیت میں اگر دو شخص برابر بھی ہوں تو یہ ضرور نہیں کہ عطا میں بھی متساوی رہا کریں ورنہ اسی طرح کا  
انصاف اس قسم کے مستحقوں میں جہاں ہی سے خارج ہے۔

آیت صدقات یعنی إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ الْخ اور آیت خمس یعنی  
وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ الْخ اور آیت فے یعنی  
يَهِي مَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ الْخ کے مصارف  
کو دیکھئے تو شرق و غرب و جنوب و شمال میں پھیلے ہوئے ہیں متولی کس کس کو ڈھونڈتا پھر کرے۔  
خاص کر جب کہ مال مقسوم قدر قلیل ہو۔ اس لیے اموال زکوٰۃ اور خمس اور فے کا ہر ہر فرد کو دینا کسی  
کے نزدیک ضرور نہیں۔

(حاصل بحث) اس صورت میں قبضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قریب فدک پر یا قبضہ مرتضوی رضی اللہ عنہ  
برایم خلافت خلیفہ ثانی میں حاصل تھا۔ موجب ملک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یا موجب ملک مرتضوی  
رضی اللہ عنہ نہیں ہو سکتا۔

علیٰ ہذا القیاس بعض قرئی فے کا خرچ خانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص ہونا  
عاقلاً کے نزدیک دلیل ملک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہو سکتا۔



(فدک کی بعض آبادیوں کی نسبت حضرت عمرؓ کا فرمان  
كَانَتْ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَرَّ بِمَرْغَبٍ  
پہر دلالت کرتا ہے۔ اگر حق ملکیت ہوتا تو وارثوں کو  
اور حق مندرجہ نشینی ہوتا تو یہ آپؐ کے بعد خلفاء کو منتقل ہوتا۔)  
علیؑ نہ القیاس حضرت عمرؓ کا بعض قرنی  
کی نسبت یہ کہنا کہ كَانَتْ لِرَسُولِ اللَّهِ  
صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃً اَوْ  
کما قال۔ اختصاص ملک پر دلالت

نہیں کرتا بلکہ اس اختصاص مصرفیت پر دلالت کرتا ہے اور بعض مواقع میں یہ غرض ہے کہ حصہ  
نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اموال خمس و فے میں حق مند و سجادہ نہیں جو آپ کے جانشین اور پھر آپ کے  
جانشینوں کے جانشین ہمیشہ اس کے مستحق رہیں۔ اور نہ حق ملکیت ہے جو بغرض محال اگر موت جسمانی  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس قسم کی فرض کیجئے جیسے ہمارے لیے مقرر ہے تو وارثوں  
کو امید حصہ کشی فرائض ہو۔ بلکہ حق منصب رسالت ہے اس لیے آپ ہی کی ذات بابرکات علیہ و  
علی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے ساتھ خاص رہا۔ وارثوں کو بطور ملک دیا گیا نہ خلفاء کو اس میں کچھ دعویٰ  
ہوا۔ اور اگر بالفرض اس مال میں سے بوجہ تعلق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو کچھ نہ ملتا بھی تو خلفاء کو  
ملتا۔ اقرباء کو نہ ملتا۔

(خلفاء راشدین بھی مال فے پر بطور متولی  
کے قابض تھے ورنہ خود استعمال کرتے) | کیونکہ اول تو ذی القربی کے لیے خداوند عادل نے پہلے  
حق منصب رسالت و نبوت ہوا تو جو خلفاء کا نبوت ہوں انہیں کو ملنا چاہیے اور ظاہر ہے کسی کا  
خلیفہ وہی کام کیا کرتا ہے جس میں وہ خلیفہ ہوتا ہے۔ اس صورت میں اگر مستحق ہوتے تو خلفاء راشدین رضوان  
اللہ علیہم اجمعین ہوتے۔ اقرباء نہ ہوتے۔ مگر انصاف اسے کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے  
استحقاق کی ایسی نفی کر دی کہ پھر کسی خلیفہ کو ہوس سہم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہے۔ ورنہ خود کر ذکاں زمانہ  
جاہلیت اور افسانہ خوانان دورہ فترت آگے پیچھے اس قسم کی تاویلات شریعہ سے اس سہم کو دبا بیٹھتے  
لیکن قدر شناسی بھی اسے ہی کہتے ہیں کہ حضرات شیعہ نے نہ عقل کی مانی نہ نقل کی سنی۔ اس انصاف پر  
سننے کے بدلے خلفاء راشدینؓ کے حق میں گستاخیاں کر کے اپنی عاقبت خراب کی۔

سوا اس کے آیت اولیٰ یعنی آیت فَمَا أُوجِفْتُمْ کو پڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد  
کہ هٰذِهِ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاصَّةً اور آیت ثانیہ یعنی فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ



وَلِذِي الْقُرْبَىٰ كَوَيْهٍ يُرْجَىٰ كَمَا هِيَ ۚ لَهَا مِنْكُمْ رُحَمَاءُ مُشِيرِينَ ۚ إِنَّكُمْ بِأَعْيُنِنَا ۚ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ نهارًا وَلاَيلًا وَاسْتَغْفِرْ لَهُ ۚ إِنَّكَ كَانَتْ تَتَذَكَّرُ ۚ  
 مَسْطُوحَيْنِ ۚ وَبِزَخٍّ مِّنَ الْمَلِكِ الْحَقِيقِيِّ وَالْمَلِكِ الْمُسْتَعَارِ نَامُ ۚ رَكْعَتَيْنِ فَقَطَّرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ كَيْهٍ  
 هِيَ ۚ بِعَيْنِي جَيْهٍ ۚ مَلِكِ حَقِيقِيِّ خَدَاوَنَدِ مَلِكِ الْمَلِكِ كَوَيْهٍ ۚ جَيْهٍ ۚ عَطَا كَرِي ۚ جَيْهٍ ۚ جَيْهٍ ۚ كَيْهٍ ۚ  
 بِوَجْهِ خِلَافَتِ خَدَاوَنَدِي ۚ بِرُحْمَتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَوَيْهٍ ۚ جَيْهٍ ۚ خَلَا ۚ أَيْتِ ۚ هِيَ ۚ أَيْتِ ۚ هِيَ ۚ أَيْتِ ۚ هِيَ ۚ  
 مَا أَنْتُمْ إِلَّا كَمَا الرُّسُولُ فَخُذُوا ۚ وَمَا أَنْتُمْ إِلَّا كَمَا الرُّسُولُ فَخُذُوا ۚ وَمَا أَنْتُمْ إِلَّا كَمَا الرُّسُولُ فَخُذُوا ۚ وَمَا أَنْتُمْ إِلَّا كَمَا الرُّسُولُ فَخُذُوا ۚ  
 عَنْهُ فَانْتَهَوْا ۚ

(اور جوئے تم کو رسول سولے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو)

اسی مضمون کی تصریح اور اسی اجمال کی تفصیل ہے۔

(افاضہ وجود و کمالات کا خزانہ اگرچہ خداوند کریم ہی ہے | اور بہتر اس میں یہ ہے کہ افاضہ وجود  
 لیکن یہ بواسطہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوتا ہے) | کمالات، وجود مخلوقات کی جانب  
 اگرچہ خزانہ خداوندی ہی سے ہوتا ہے۔ مگر بشارات آیت النَّبِيِّ أُولَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ اور آیت  
 خاتم النبیین۔ چنانچہ تقریرات مرقومہ بالا سے واضح ہو چکا اور نیز بشارات دیگر آیات و تائید تحقیقات  
 ارباب مکاشفات وہ سب افاضہ بواسطہ حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح ہوتا ہے۔  
 جیسے شب کو بواسطہ قمر افاضہ نور آفتاب ہو کر رہتا ہے اس لیے تولیت حقیقی جس کا حاصل رہی خلافت  
 تقسیم ہے آپ ہی کو عطا ہوئی۔ ہاں بطور کار گزاران پیٹس دست آپ کے بعد خلفاء راشدین و اس  
 کام کو کرتے ہیں۔ سو جیسے سلاطین زمان اگر کسی کو کچھ دیتے ہیں تو بواسطہ خدام و ملازمان سلطنت دلا  
 دیتے ہیں اور پھر خدام و ملازمان کا دینا سلاطین ہی کا دینا سمجھا جاتا ہے ایسے ہی خلفاء راشدین رضی کی  
 داود و ہش اموال نے میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی داود و ہش سمجھو ان کا دینا کوئی امر عبثانہ  
 نہیں جو ان کے لیے بھی تولیت مستقل ثابت کی جاتی۔ ادھر آیت اولیٰ کے بعد حضرت عمر رضی کا یہ کتنا  
 ھذہ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃً غلط ہو جائے۔

راستحاق کی تین قسمیں اور قوی | الحاصل زمین نے میں تین استحقاق ایک دوسرے کم و زیادہ  
 کا ضعیف کو متضمن ہونا) | ہوتے ہیں۔ اول درجہ کا استحقاق جس کو استحقاق ملک و مالکانہ کیے  
 وہ خداوند مالک الملک کے لیے ہے۔ اور دوسرے درجہ کا استحقاق جس کو تولیت اور استحقاق تصرف  
 و اختیار تقسیم کیے وہ اصناف باقی کے لیے ہے۔



مگر چونکہ قوی ضعیف کو متضمن و مشتمل ہوا کرتا ہے اس لیے جیسے استحقاق اول استحقاق ثانی کو متضمن اور مشتمل ہے ایسے ہی استحقاق ثانی بوجہ قابلیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جس کو احتیاج کیے استحقاق ثالث کو متضمن اور مشتمل ہوگا۔ اگرچہ بوجہ توسط آپ کا ذوجبتین ہونا بھی دونوں استحقاقوں کا بقدر قابلیت خواستگار تھا۔ مگر استحقاق اول اعنی استحقاق خداوندی قابل (زوال) نہیں ہے ایسا ہی استحقاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی استحقاق تولیت کسی وقت قابل زوال نہیں چنانچہ مَا أَفَاءَ اللَّهُ لِلرَّسُولِ کا جملہ اسمیہ ہونا ہی اس پر شاہد ہے ہاں اس طرح دوام استحقاق مصرفیت بھی ثابت ہوگا لیکن دوام استحقاق مصرفیت نہ اس بات کا مقتضی ہے کہ مستحق کو حق ملنا ضرور ہے اور نہ در صورت اخذ غیر وہ استحقاق زائل۔ موجب۔

(ملک خداوندی تمام استحقاقات ملک تولیت اور ملک مصرف کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے لیکن مرتبہ تولیت ملک مصرف کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا) جب یہ بات روشن ہوگئی تو اتنا اور سُن لیجئے کہ اگر مرتبہ توسط یعنی مرتبہ تولیت اراضی فے میں نہ ہوتا تو پھر دیکھ اراضی ان کی مملوک ہو جانے میں کہ وقت نہ بھتی کیونکہ اس صورت میں دو مرتبے ہوتے اور ظاہر ہے کہ مرتبہ اول یعنی خداوندی اور دوسری ملک کے ساتھ مجتمع ہو سکتا ہے اور کیوں نہ ہو اوروں کی ملک خدا ہی کی ملک کا پیر تو ہے وہ نہ ہو تو یہ کہوں کہ ہو۔ ہاں مرتبہ تولیت اہل مصرف کے ساتھ مجتمع نہیں ہو سکتا کیونکہ ملک بشرطیکہ موانع تصرف مرتفع ہو جائیں تصرفات مالکانہ کی خواستگار (ہے) اور تولیت کے ساتھ سوا امتولی اور کا اختیار متصور نہیں۔ بالجملہ مواقع مختلفہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور نیز بعض صحابہؓ سے اظہار اختصاص نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بہ نسبت اموال فے اکثر ثابت ہوا ہے تو علی حسب الاختلاف یہ معانی ثلاثہ مراد ہیں۔ مگر کم فہمی کو کیا کیجئے۔ جیسے بھوکے کو دو اور دوسے چار روٹیاں ہی سمجھ میں آتی ہیں۔ حضرات شیعہ کو کسی قسم کا اختصاص کیوں نہ ہو ملک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سمجھ میں آتی ہے۔ ان تمام مضامین کے دیکھنے والوں کو نہ دربارہ فدک دارضی بنی نضیر الثا لث مشبہ مالکیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم باقی ہے گا۔ اور نہ دربارہ حصہ خمس یہ وہم دل میں ہے گا۔ کیونکہ مصرف خمس بھی وہی مصارف فے ہیں اور انداز بیان بھی وہی ہے جو انداز بیان مصارف فے ہے۔ وہاں اگر

لے یعنی مرتبہ ذوجبتین اس کا متقاضی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں استحقاق تولیت کی طرح استحقاق مالکیت بھی پایا جاتا۔ ذی جبتین میں توسط جانبین سے نسبت رکھتا ہے اور جانبین سے متعلق ہوتا ہے۔ ۱۲۔ محمد علی رضی اللہ عنہ،



مَیْنِ لَامِ فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِی الْقُرْبٰی مَصْرُوْمَاتٌ ثَلَاثَةٌ پُر دَاخِلِ ہُوئے ہیں یہاں بھی وہی تین لَام انہیں مَصْرُوْمَاتٌ ثَلَاثَةٌ پُر وارڈ ہیں۔

(مخبرِ حق یہودی کے ہیبہ کے شبہ کے جوابات) ہاں احتمالِ تردّد ہے تو بہ نسبتِ اموالِ موہوبہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے مگر یہ تردّد اہل سنت کو اس وقت مضر تھا کہ سوا انکارِ مالکیت اور کوئی صورتِ جواب نہ ہوتی در صورتِ کہ دوامِ حیاتِ جہانی ثابت ہو چکا ہو۔ اور خصوصِ خطابِ یُؤْصِیْکُمُ اللّٰهُ ظاہر ہو گیا ہو۔ تو پھر ایک مملوکیت سے کیا ہوتا ہے۔

(اشیائے موہوبہ باعتبار رسالت تھیں اور منصبِ بایں جہہ اموالِ موہوبہ کی ملک بھی اگر غور سے رسالت وہی منصبِ خلافت و نیابت ہے) دیکھئے تو وہی ملک نیابت ہے۔ ہیبہِ مخبرِ حق

یہودی بوجہ اعتقادِ رسالت تھا اور ظاہر ہے کہ منصبِ رسالت وہ منصبِ خلافت و نیابتِ خداوندی ہے۔ اس لیے مقتضائے حقیقت شناسی و حقیقت سنجی یہ ہے کہ ایسے ہدایا کو داخلِ خزانہ خداوندی

سمجھئے اور سوا کارِ سرکاری اور کسی کام میں صرف نہ کیجئے۔ مگر کارِ سرکاری وہی تبلیغِ احکامِ خداوندی یا اعلیٰ کلمۃ اللہ ہے جس کے لیے رُسل بھیجے جاتے ہیں غرض کارِ رسالت و جہاد میں جو کچھ صرف ہو

فہما ورنہ باقی کو بخسنہ محفوظ رکھنا چاہیئے تاکہ آئندہ کو بھی اسی کام میں صرف ہوتا ہے۔ ہاں صرف فدوی القریٰ اور یتامیٰ اور مساکین اور انباء السبیل کو بھی منجملہ اعلیٰ کلمۃ اللہ سمجھنا چاہیئے کیونکہ اگر یہ نہ ہو

تو پھر تعمیلِ احکام ان اقسام سے معلوم اور ظاہر ہے کہ اعلیٰ کلمۃ اللہ بے تعمیلِ احکامِ ملکِ عِسلام متصور نہیں اور اگر فرض کیجئے یہ صرف منجملہ صرف اعلیٰ کلمۃ اللہ نہیں تو پیشِ بیس نیست مصارفِ سرکاری

ضرورتِ ادارہ رسالت اور ضرورتِ اعلیٰ کلمۃ اللہ میں منحصر نہ ہو۔ یہ چار قسمیں اور سی۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ اصنافِ مذکورہ کی خبر گیری بھی منجملہ مصارفِ خداوندی ہے جیسے خرچِ مہمت صرفِ سرکاری شمار

کیا جاتا ہے۔ ایسے ہی خرچِ خیرات بھی جو سرکار کی طرف سے ہوا کرتا ہے منجملہ مصارفِ سرکار سمجھا جاتا ہے۔ (خلیفہ کا ہیبہ سرکاری ملک ہوتا ہے) ابہر حال ہیبہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حق سرکاری ہے چنانچہ قواعد

فقہیہ بھی اس کے موید ہیں اور دستورِ سلطنت بھی اس پر گواہ ہے اطفالِ خودِ خود سال کو مثلاً اگر بلحاظ والدین کوئی کچھ دیتا ہے تو وہ حق والدین ہی تھا مگر کے نزدیک سمجھا جاتا ہے۔ اور دربارِ گورنری کا تذکرہ خزانہ

سرکاری میں جمع کیا جاتا ہے اور گورنر کو نہیں دیا جاتا



(خصوصاً انبیاء علیہم السلام اپنی ملک کو ملک مستعار سمجھتے ہیں اس لیے ان کے مال میں میراث نہیں)

علاوہ بریں مالک حقیقی وہ خداوند مالک الملک ہے اور وہی ملک اس کی ملک کے سامنے حکم قبضہ عاریت رکھتی ہے۔ ہاں جیسے اطفال خورد سال کو یہ تمیز نہیں ہوتی کہ مال مستعار اور مملوک میں کیا فرق ہے اور اگر ان کو کوئی شخص برائے چندے کوئی کپڑا پہنائے یا کوئی چیز برائے چندے لائے تو یہ نہیں سمجھتے کہ یہ کس نے دی ہے اور وہ کون ہے ایسے ہی سوا انبیاء علیہم السلام اور کسی کو یہ تمیز پوری پوری نہیں ہوتی۔ اگر ہوتی ہے تو انبیاء علیہم السلام کے بتلانے ہی سے ہوتی ہے خود ان کی عقل اس کے ادراک کے لیے کافی نہیں ہوتی۔ ہاں انبیاء کرام علیہم السلام کے واسطے اس قبضہ اقتدار خداوندی سے واقف ہوتے ہیں جو علت ملک ہوتی ہے۔ اس لیے وہ اپنے اس قبضہ اقتدار خداوندی کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ کَانَ تَمَّ يَكُنْ؟ (گویا کہ نہیں) سمجھتے ہیں اور اس لیے قابل میراث نہیں سمجھتے۔ کیونکہ مال مستعار میں میراث جاری نہیں ہو سکتی۔

اور ظاہر ہے کہ ملک عباد بہ نسبت ملک خداوند مالک الملک بمنزلہ اختصاص استعارہ ہے ہاں امتیوں کو اپنا ہی قبضہ نظر آتا ہے۔ اس لیے بوجہ چشم پوشی اسباب میں واگذاشت مناسب سمجھی تاکہ مثل اطفال بے تمیز جو وقت استمداد عاریت علیٰ محبا کرتے ہیں شور برپا نہ کریں۔

(حضرت فاطمۃ الزہراءؑ پر خوارج کی طرف سے اعتراض) بالجملہ مال انبیاء کرام علیہم السلام کسی طرح قابل میراث نہیں ان اوراق کے دیکھنے والوں کو بشرط فہم اس بات میں تو الٹا۔ اللہ شہد باقی نہ ہے گا۔ کہ مقدمات ثلاثہ جن پر بنا دعویٰ میراث ہے۔ یقینوں کے یقینوں غلط۔ اور ان کے نقائص اور ضعف صحیح۔

پر شاید غلجان باقی ہے تو یہ ہے کہ اگر یہ ہی تھا تو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا خلیفہ اول سے طالب میراث کیوں ہوئیں اور ہونا ہی تھا تو اس تازہ صدمہ میں کہ عالم میں کوئی صدمہ کسی پر ایسا نہ ہوا ہوگا۔ ایسی متاع قلیل کا سوال کیوں کیا اور کیا ہی تھا تو بعد استماع ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم لَا تُورِثُ مَا تَرَکْنَا صَدَقَہٗ مَسْرُومٌ غم کھاتا تھا نہ یہ کہ برسرِ پُرفاش خلیفہ اول ہو کر اُلٹے ترک کلام و سلام کر دیا۔ الغرض ردّ و افاض کی طرح مدافعت خوارج بھی ضرور ہے تاکہ کوئی یوں نہ کہے۔ اس طرح سے مطالبہ بے جا اس ترک دنیا پر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا سے نہایت ہی مستبعد ہے اس لیے کچھ اور قلم گھسانے کی ضرورت ہے۔ سنئے۔



اس شبہ کو تحلیل کیجئے تو تین اعتراض نکلتے ہیں۔ ایک تو مطالبہ ہے جا۔ دوسرے ایسے وقت میں یہ شور ماسرا۔ تیسرے عدم تسلیم ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو بروئے انصاف بعد استماع تقریرات گذشتہ دونوں کی جواب دہی اگر ہے تو فریقین کے ذمہ ہے اور اگر کسی کو بوجہ کم فہمی امید جواب رسالہ ہذا ہو تو شبہ ثانی بالیقین دونوں طرف وارد ہے مگر ہماری نیاز مذہبی دیکھئے کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا پر کسی کی حرف گیری گوارا نہیں۔ ورنہ ہماری طرف سے بطور الزام شیخہ۔ جواب میں ہی یہ بات بے جا نہ تھی۔ در صورتیکہ خلیفہ اول رضی اللہ عنہ بچالے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ایک بات بیان کرتے ہوں اور پھر بات بھی ایسی ہو جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت اجمعی علیت اور منشائیت انتزاع اور مصدریت ثابت ہوتی ہو۔ اور دوام حیات روحانی و جسمانی پر وہ بات شاہد ہو اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا مطالبہ میراث مستنزم عدم افضلیت اور عدم دوام حیات جسمانی ہو تو اس صورت میں اگر اعتراض ہے تو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا پر ہے حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ پر کیا اعتراض۔

(خوارج کے اعتراضات کے جوابات) | بہر حال یہ غلام خاندان نبوت سگ کو چہ اہل بیت بقا اعتقاد دونوں دبارہ مدافعت اعتراض مثلاً الیہ یہ عرض پر درز ہے کہ دوام حیات جسمانی کا حاصل بجز طول حیات دنیا اور کیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں کوئی فضیلت نہیں۔ ورنہ ایک جہان کا جہان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہو جاتا۔ مگر ہاں شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ طول حیات یا دوام حیات جسمانی لاریب موجب افضلیت ہے مگر کچھ ضرور نہیں کہ وہ طول حیات یا دوام حیات بالارزئے زمین ہو۔ داخل قبر بھی اگر حیات جسمانی ہو تو اور دنیا کو بوجہ طول حیات آپؐ افضل سیر کہہ سکے مگر اس میں کیا تاویل کریں گے کہ اولیائے گے لیے حیات جسمانی اگر میسر ہے تو فقط عالم شہادت ہی میں میسر ہے۔ قبر میں ان کو حیات جسمانی میسر نہیں۔ اور شیطان کو بالیقین طول حیات جسمانی (میسر ہے) علیٰ ہذا القیاس بہت سے کفار فجار کو (دنیا میں) ان سے زیادہ عطا ہوئی۔

الغرض اگر عقل ہو تو نفس حیات جسمانی یا طول حیات جسمانی فضائل و کمالات محمودہ میں سے نہیں بایں ہمہ یہ بات کچھ ایسی بدیہی نہیں کہ کوئی کہے یا نہ کہے خود بخود اس کی خبر ہو جائے۔ جب بدیہیات میں لبا اوقات عقل کو تنبیہ کی ضرورت ہو اور بعض کم عقل بے تنبیہ مطلع ہو جائیں اور اس وجہ سے عاقل جاہل اور کم عقل عاقل نہ سمجھے جائیں۔ چنانچہ سوئی لبا اوقات عاقلان تیز نظر کو بے تنبیہ نظر نہیں آتی اور کم عقل کی نظر بے اشارہ غنی اس پر ٹپکتی ہے تو اسی طرح قبل تنبیہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم



حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو اس کی اطلاع نہ ہوئی ہو اور بعد استماع اشارہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اعنی  
 لَا نُؤْثِرُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةً آپ کی حیات جہانی کی حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی ہو۔  
 (فائدہ) اور اس تنبیہ کے بعد آپ کو یا کسی اور کو اشارت النبی اُولیٰ بالمؤمنین وَاٰتِیَہُ  
 النبیین سے بعد ضم مقدمات معروضہ اس کی اطلاع ہو گئی ہو تو کیا بعید ہے۔ بلکہ اگر حضرت زہرا  
 رضی اللہ عنہا کو اس ارشاد کی خبر نہ ہوتی اور ہم جیسے کم عقل و کم فہم باشارہ تنبیہ مشار الیہ یوں سمجھ کر کہ  
 کلام اللہ تَبَیَّنَا لَکَ شَیْءٌ ہے اس میں ضرور اس کی طرف اشارہ ہو گا۔ آیت النبی اُولیٰ  
 بالمؤمنین اُم سے آپ کی حیات روحانی سے مطلع ہو جاتے اور پھر بایں لحاظ کہ تعلق روح نبوی  
 صلی اللہ علیہ وسلم و جسم اطہر محض تعلق فاعلیٰ ہے کوئی شائبہ انفعال نہیں چنانچہ معروض ہو چکا۔ آپ  
 کی حیات جہانی کی بقا کے قائل ہو جاتے تو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی شان میں کچھ نقصان نہ آ جاتا۔ اور  
 ہماری شان کچھ اتنی سی بات سے عالی نہ ہو جاتی۔ کیونکہ یہ علم کچھ اس سے زیادہ نہیں کہ نور کا تعلق  
 جسم آفتاب کے ساتھ کس قسم کا ہے۔ اور جسم قمر و آئینہ کے ساتھ کس قسم کا۔ اور ظاہر ہے کہ (ایا)  
 علم خداوند معبود کے یہاں موجب قرب و درجہات نہیں جو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے لیے اسکا ہونا ضرور ہو۔  
 (اعتراف حدیث لا نُؤْثِرُ سننے کے بعد) یہ بات قبل اطلاع ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تو مطالبہ  
 حضرت سیدۃ کے غم و غصہ کے کیا معنی؟ میراث اس طور پہ کچھ بے جا نہ ہو گا یہ بعد استماع ارشاد  
 فیض بنیاد لَا نُؤْثِرُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةً غم و غصہ کس لیے تھا بجائے تسلیم یہ کیا برعکس ہے۔  
 (جواب۔ بخاری کی اس روایت کا راوی گوسچا ہے لیکن اصل اس کا جواب یہ ہے کہ روایت  
 معاملے کو سمجھنے میں اس سے غلطی ہو گئی عدم کلام کو ناراضگی پر حمل کر لیا) کی صحت کا مقتضاء فقط اتنا ہے

کہ راوی قابل اعتماد ہو یہ نہیں کہ علم حقائق و قائل اور انتزاع اصولی و اسباب، واقعات میں بھی  
 اس سے غلطی نہ ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ سفر کو دیکھئے۔ حضرت خضر  
 علیہ السلام کشتی کو توڑنا اور لڑکے کو مار ڈالنے کا نہ تھا چنانچہ کلام ربانی خود شاہد ہے اُس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام  
 اخَذَ قَهْرًا لَتَغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ  
 جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا۔ (پہا، کہف ۱۹)  
 اور اَقْتُلْ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ  
 رکھا تو نے اس کو بھاڑ ڈالا کہ ڈبا جسے اس کے لوگوں  
 کو البتہ تو نے کی ایک چیز بھاری۔  
 رکھا تو نے مار ڈالی ایک جان ستمری بغیر عوض کسی جان



لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكَرًا (پاکہفت ۱۰) کے بے شک تو نے کی ایک چیز نامعقول

فرمایا۔ حالانکہ خدا تعالیٰ سے کمال علم حضری کی تعریف سن کر بغرض طلب مزید علم شائق ملاقات ہو کر گئے تھے سو جب خدا تعالیٰ تو حضرت خضر کی شان میں۔

اَتَيْنَهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَاهُ لَدُنَّا عِلْمًا (پاکہفت ۹۷) (دی ہتی ہم نے رحمت اپنے پاس سے اور سکھایا تھا اپنے پاس سے علم)

فرمائے اور پھر حضرت خضر علیہ السلام کی طرف سے باوجود اصرار موسیٰ۔ اس وجہ سے انکار ہو کہ تم سے صبر نہ ہو سکے گا اور پھر آخر کار بعد اصرار بسیار (نہ) بولنے کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عہد کر کر ساتھ لیا ہو۔ تیسرے حضرت موسیٰ علیہ السلام مخالف واقعہ۔ حضرت خضر علیہ السلام کے افعال ثبات کو ناشائستگی پر حمل کر بیٹھے ہوں اور ظلم و ستم کو نظر بظاہر ان کے افعال سے انتزاع کر لیا ہو جیسے ہی اگر راوی واقعہ طلب میراث نے بعد مطالبہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا اور ان کا خلیفہ اول سے اس ترک آمد و شد کو جو ربط و ضبط قدیمی بوجہ عدم جانگزا واقعہ جائگاہ رحلت سرور علم صلی اللہ علیہ وسلم پیش آیا تھا۔ غم و غصہ پر محمول کر لیا ہو اور اس معاملہ میں پھر کلام نہ کرنے کو بعد اس مطالبہ اور انتزاع کے اگر بوجہ رنج ترک کلام پر محمول کر لیا ہو تو نہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا کچھ قصور نکلے گا اور نہ روایت کی صحت میں بطور قواعد محدثین کچھ نقصان آئے گا اور اگر بغرض محال حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے ذمہ کوئی دشمن دین بے اعتباری خلیفہ اول کی تہمت لگا کر اس رنج و غم کو صحیح بنا دے تو پھر کیا حضرت آدم علیہ السلام باوجود ارشاد خداوندی

لَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ (پاکہ اعراف ۲۰) (پاس مت جانا اس درخت کے پھر تم ہو جاؤ گے ظالم)

اور اطلاع وہی خداوندی یعنی۔

يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ (پاکہ طہ ۷) (اے آدم یہ دشمن تیرا ہے اور تیرے جوڑے کا)  
موافق بیان قرآنی قال مَا نَهَكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَائِكِينَ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ فَدَلَّهُمَا بِغُدُورٍ (پاکہ اعراف ۲۰)  
(بولاکہ تم کو نہیں روکا تمہارے رب نے اس درخت سے مگر اسی لیے کہ کبھی تم ہو جاؤ فرشتے یا ہو جاؤ جہنم سہنے والے اور ان کے آگے قسم کھائی کہ میں البتہ تمہارا دوست ہوں پھر مائل کر لیا ان کو فریب سے)



شیطان کی قسموں میں آگے سوچیے بحسب ظاہر حضرت آدم علیہ السلام نے خدا کا اعتبار نہ کیا یعنی لا تقرباً  
 ھذہ الشجرۃ اور اِنّ ھذا عدوُّک کا کچھ خیال نہ کیا ایسے ہی اگر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے  
 حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اعتبار نہ کیا ہو تو کیا زیادہ ہوا۔ اگر یوں کہو ارشاد لا تقربا اور ارشاد اِنّ ھذا عدوُّک  
 وَلِذُوْجِدْکَ کو بہت عرصہ ہو چکا تھا۔ اس لیے یاد نہ رہا ہو۔ ایسے ہی فضائل خلیفہ اول کو بھی سنے ہوئے بہت  
 دن ہو گئے ہوں گے اس لیے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا بھول گئی ہوں۔

اور یہ سہی حضرت ہارون کی نبوت حضرت موسیٰ علیہما السلام کی دعا سے ہوئی جس قدر ان کو اس  
 کا علم تھا ہمیں تمہیں نہیں ہو سکتا۔ علیٰ ہذا القیاس ان کے لوازم نبوت یعنی معصومیت ہارونی کو قتنا وہ سنتے  
 تھے ہم نہیں جان سکتے۔ باہم قصہ سامری کو سن کر جو غم و غصہ چڑھا تو حضرت ہارون علیہ السلام کی  
 طرف سے بھی بدگمان ہو گئے اور نبوت اور معصومیت کا کچھ خیال نہ رہا۔ سروریش کے بال بچہ کرکھینے  
 کی نوبت تک آئی۔ ایسے ہی اگر غم رحلت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو فضائل  
 خلیفہ اول پر کچھ نظر نہ رہی ہو اور متلاک و مهاجرت تک نوبت پہنچی ہو تو کیا زیادہ ہے۔

مگر اصل بات وہی ہے کہ ان ترس و لرز میں بوجہ مذکور غلطی ہوئی ورنہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا  
 سے بجز تسلیم ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم لا نورث ما ترکنا صدقہ اور کچھ طور میں نہیں آیا۔  
 بہر حال مطالبہ میراث بوجہ عدم علم دوام حیات جہانی رسول ربانی صلی اللہ علیہ وسلم تھا اس صورت میں اگر  
 خطاب یُوصیکُمُ اللہ کو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا عام سمجھ گئی ہوں تو کیا حرج ہے۔ کیونکہ وجہ  
 خصوص خطاب یُوصیکُمُ اللہ بھی یہی حیات جہانی تھی۔

رفدک وغیرہ اموال فے کو حضرت سیدہ نے رہا مقدمہ ثالثہ یعنی فدک کا غیر مملوک ہونا وہ بھی اگر  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبض تمام اور اختیار عام آپ کو نہ معلوم ہو تو کیا خرابی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام  
 کے پیش نظر ملک نبوی سمجھ لیا ہو تو کیا بعید ہے) نے خرق سفینہ اور قتل طفل کو جو حضرت خضر کو کرتے

دیکھا تو فقط اسی وجہ سے ظلم پر محمول کیا کہ خرق و قتل اصل میں ظلم و فساد ہی کی اقسام میں سے ہے۔  
 ہاں جیسے شگاف جراح کو بوجہ درد و ذلیل محسوس کیا ہے۔ ایسے ہی قتل و خرق بھی کہیں کہیں محسوس ہو جاتے ہیں۔  
 اسی طرح حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے بذریعہ قبض و تصرف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو بہ نسبت فدک  
 مشہور و معروف عام و خاص تھا۔ اگر ملک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ لیا تو کیا زیادہ کیا آخر تصرف



وقبض تمام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم وہ بھی اس قدر کہ جس کو چاہنا چاہیں دیں اور جس کو نہ چاہیں نہ دیں۔ چنانچہ  
 وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ بھی اس پر شاہد ہے ملک ہی  
 کے لیے موضوع ہوا ہے۔ تولیت اس کی نسبت اسی طرح ایک امر شافذ و ناوہ ہے۔ جیسا خیر خواہی  
 مساکین یعنی مالکان سفینہ بہ نسبت غرق سفینہ اور خیر خواہی والدین بہ نسبت قتل اولاد۔ غرض جیسے خرق  
 سفینہ بغرض خیر خواہی مالک سفینہ اور قتل فرزند بغرض خیر خواہی والدین قلیل الوقوع اور دور از فہم ہے  
 ایسے ہی امانت داری اور پھر تصرف عام قلیل الوقوع اور دور از فہم ہے۔ اور ظاہر ہے کہ تولیت میں  
 قبضہ امانت و نیابت ہی ہوتا ہے۔

(جیسے حضرت علیہ السلام کے اعمال میں موسیٰ علیہ السلام کو دھوکہ ہوا ایسے ہی | سو جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو  
 حضرت سیدہ خاتون کو اموال فے میں ملک خاص کا دھوکہ ہو گیا تو کیا تعجب ہے) | وہاں بوجہ قلت وقوع و بعد فہم  
 دھوکہ ہوا یہاں حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو اسی وجہ سے دھوکہ ہو گیا تو کیا اعتراض کی بات ہے جو  
 کوئی خارجی ان پر اعتراض کرے اب سنے اعتراضات خوارج کی مدافعت کے لیے یہ تقریر انشاء اللہ  
 بوجہ احسن کافی ہے۔

(جواب اعتراض)۔ اگر حضرت سیدہ خاتون پر متاع قلیل | ہاں اور استبعاد طلب متاع قلیل ایسے زمانہ  
 کی طلب کا شبہ ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ رزق | صدقات میں ایسے تارکان دنیا سے باقی رہا۔  
 حلال کی طلب تارکان دنیا ہی سے متصو ہے) | سو اس کے لیے اول تو یہ گزارش ہے کہ

رزق حلال منجملہ ضروریات دینی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ طلب رزق حلال اور اس کا اہتمام و انتظام  
 اگرچہ مقتضی مطلق دینداری ہے۔ مگر منظور ہے تو دین داروں میں سے تارکان دنیا ہی سے منظور  
 ہے کیونکہ جس کے پاس کوئی چیز نہیں ہوتی وہی اس کی طلب کیا کرتا ہے سو ایسے دیندار جن کے پاس  
 رزق حلال بھی نہ ہو بجز تارکان دنیا اور کون ہوں گے۔ ادھر مترکہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ  
 احتمال ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی وجہ مکروہ یا حرام سے آپ کے پاس آیا ہو۔

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مترکہ حضرت سیدہ | رہا انتقال ملک بوجہ میراث اس میں بھی فساد  
 کے لیے نشانی اور تسکین خاطر کا باعث تھا۔) | و بطان کی گنجائش نہیں جو کراہت یا حرمت  
 کا احتمال ہو مترکہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی نشانی اور آپ کا تبرک جس کی ضرورت اہل صمدہ



کو زیادہ ہوتی ہے سو ایسے نازک وقت میں اگر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے مطالبہ میراث کیا تو عین مقتضائے ترک دنیا اور اقتضائے جوشش رنج و الم تھا۔ یعنی آپ نے یہ سمجھا کہ تاحیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تو تو ہم کو رزق حلال کا کچھ فکر نہ تھا اب اس کی بھی ضرورت ہوئی اور آپ کی نشانی اور تبرکات سے دل کے ہسلانے کی بھی حاجت ہوئی سو ایسی چیز جس میں دونوں باتیں ہوں اراضی ترکہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نظر آئیں اس خیال سے بخیاں زوال حیات جسمانی وطن مالکیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مذک کو طلب فرمایا کہ بے فکر ہو کہ عمر چند روزہ کو اسی طرح بسر کیجے کہ غم فراق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی سے کچھ علاقہ ہی نہ ہے۔ یا د خدا ہو یا رسول صل اللہ علیہ وسلم۔ بہر حال یہ بات قابل مدح ہے نہ لائق اعتراض و عتاب رنج و الم ہے نہ گواہ سنگدلی۔ ترک دنیا کی طرف مصرح ہے حب دنیا کی طرف مشیر نہیں۔ تاکیدات رزق حلال کی مثال پر دال۔ اور تحریکات رزق حرام کی تسلیم پر شاہد۔ محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانی اور ترک دنیا کی دلیل ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ  
خاتم النبیین والہ وازواجہ وذریئہ واهل بیتہ اجمعین





ان (مندرجہ ذیل) پانچ جوابوں کے سوال گم ہو گئے پھر بھی یہ جوابات خالی نفع سے نہیں۔ اس لیے ان کو بھی نذر ناظرین کرنا مناسب سمجھا اور سوالات کا اندازہ بھی ان جوابات سے سمجھ میں آتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمین الرحمن الرحیم مالک يوم الدين والصلوة والسلام

علی سید الانبیاء والمرسلین وآلہ وصحبہ اجمعین۔ امّا بعد

ہر چند تحریر سوالات سے سائل کی لیاقت اور حسن فہم ایسا آشکارا ہے جیسے کالے توڑے میں سے چاندنا۔ مگر بایں نظر کہ اگر ایسے سوالات کا جواب نہیں دیا جاتا اور یوں سمجھ کر کہ جواب جاہلاں باشد خموشی "اگر ایسی خرافات کے جواب میں سکوت کیا جاتا ہے تو جاہلوں کو اور بھی حیرت ہو جاتی ہے اور باطل کو اور بھی حق سمجھنے لگتے ہیں اس لیے مختصر جواب سوالات مرقوم ہیں وباللہ التوفیق۔

سوال (اول)

(اہل سنت و جماعت جو مرثیہ خوانی کو راگ گانے کو برکتے ہیں حالانکہ ہم یہ سوز میں سنتے ہیں خلیفہ اول نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دف سننے کا اعتراض کیا تھا اس لیے اہل سنت کا عداوتی شیعہ پر طعن کرنا حجت نہیں، ملخصاً)

(جواب سوال اول) | اہل سنت و جماعت جو مرثیہ خوانی کو منع کرتے ہیں تو نہ (صرف) بایں وجہ منع کرتے ہیں کہ یہ اقسام راگ سے ہے اور راگ ممنوع ہے اگر یہ وجہ ہوتی تو سائل کا یہ کہنا بجا تھا کہ ہم مرثیہ سوز میں سنتے ہیں اور جس کو گٹکری کہتے ہیں وہ نہیں سنتے۔ بلکہ وجہ ممانعت یہ ہے کہ مرثیہ خوانی، اور مرثیہ خوانی پر ہی کیا تقرر ہے۔ تعزیر داری علم برداری سینہ زنی وغیرہ بدعات شیعہ شیعہ سب ایجا و بندگان ہوا و ہو س

لے مصحح عرض کرتا ہے کہ ان پانچ گشتہ سوالوں کی تقریر کو ہم نے جوابات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے فہم کے مطابق مرتب کر کے ہر جواب کے شروع میں لکھ دیا ہے۔ ۱۲ مہر محمد۔



ہیں نہ خدائے تعالیٰ نے اس قسم کی باتوں کے لیے ارشاد فرمایا نہ جناب سرور کائنات علیہ وآلہ افضل الصلوٰت والتسلیٰات نے یہ راہ بتایا ہاں کلام اللہ ہی میں تو یہ ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (پہلے بقرہ ع ۲۹) اور نیز یہ بھی ارشاد ہے۔ اَتَتَّبِعُوا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ اَوْلِيَاءَ (پہلے اعراف ع ۱)

جس کے یہ معنی ہیں۔ کہ جو لوگ حدود خداوندی سے آگے بڑھ جاویں وہی لوگ میں ظالم۔ جس کے یہ معنی ہیں اے لوگوں! بجا داری کرو اس چیز کی جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور نہ پیروی کرو سوا اللہ کے اوروں کی۔

اور صریح حدیث شریف میں تو یہ ارشاد ہے۔

مَنْ اَحَدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (بخاری ص ۱۲۲ م ص ۱۲۲)

جس کے یہ معنی ہیں کہ جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات نکالی وہ مردود ہے۔

اور سب اہل اسلام یہاں تک کہ شیعہ بھی اس بات کے معترف ہیں کہ مرثیہ خوانی تعزیر داری علم برداری سینہ زنی سیاہ پوشی وغیرہ بدعات معمولہ شیعہ کا پتہ نہ کلام اللہ میں ہے نہ حدیث میں نہ خدائے تعالیٰ نے ان کاموں کے لیے فرمایا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ راہ بتایا۔ پھر اس طرح ان کاموں کا معتقد ہونا اور ان واہیات پر ثواب عظیم کا امیدوار رہنا حدود اللہ سے آگے نکل جانا ہے کہ نہیں؟ اور دین میں نئی بات کا نکالنا ہے یا نہیں؟

بالجملہ شیعہ موافق ارشاد آیت وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ کے ظالم ہیں اور موافق ایماء نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی یہ ساری باتیں مردود ہیں اور اس لیے اہل سنت و جماعت ان پر معترض ہیں۔ نہ بوجہ راگ ہونے کے فقط مرثیہ کو منع کرتے ہیں۔ اب لازم یوں ہے کہ شیعہ انصاف فرمائیں اور راہ پر آئیں۔ ورنہ تو وہ جانیں خدا سے معاملہ پڑنا ہے نیک بد کا حساب اس کے ہاتھ ہے اور دربارہ وجہ ممانعت تسکین خاطر نہ ہو اور خدا کے ارشاد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان سے دل کی گلجھڑی نہ کھلے تو ایک مثال عرض کرتا ہوں اس کو غور کریں گے تو میری یہ عرض مان ہی لیں گے۔ انشاء اللہ۔

(بدعات کی تمثیل) جیسے ہمارے تمہارے وجود میں آنکھ، ناک، ہاتھ، پاؤں چند اجزاء ہیں اور ہر ایک کی ایک مقدار ہے آنکھیں دو، ناک ایک، انگلیاں پانچ، اعلیٰٰ ہذا القیاس دین میں بھی بہت سے رکن ہیں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور پھر ہر ایک کی ایک مقدار اور تعارض سے نمازیں رات دن میں پانچ ہیں تو



روزے برس دن (پورے سال) میں تیس ہیں۔

علیٰ ہذا القیاس زکوٰۃ ہر سال ہے تو حج عمر بھر میں ایک بار مگر جیسے آنکھ، ناک اپنی مقدار معین اور تعداد معلوم سے کم ہوں جب بڑی بڑی معلوم ہوتی ہیں (نیلودہ ہوں تب بھی بڑی بڑی معلوم ہوتی ہیں) جیسے ایک ناک کی باد و ناکیں اور دو آنکھوں کی جگہ تین یا چار آنکھیں فیہ ہی بڑی معلوم ہوتی ہیں۔ جیسے فرض کیجئے کسی کی اصل سے ناک، آنکھ نہ ہوں یا ہوں تو ناک آدمی اور آنکھ ایک ہو۔ بالجملہ جیسے ہمارے وجود میں کمی بیشی اپنے اندازہ سے بڑی معلوم ہوتی ہے۔ ایسے ہی دین میں بھی کمی بیشی اندازہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بری اور ناموزوں ہوگی۔ اس مثال کے سن لینے کے بعد اہل انصاف تو انشاء اللہ انصاف ہی فرمائیں گے اور راہ پر آئیں گے اور جن کو خدائے تعالیٰ نے چشم انصاف ہی عنایت نہیں کی۔ وہ ہماری تو کیا خدا اور رسول کی بھی نہیں مانتے۔

(حضرت ابو بکرؓ پر طعن کا جواب) | باقی جو کچھ سائل نے حضرت خلیفہ اولؓ پر طعن فرمایا ہے اس کا جواب بطور تحقیق تو اتنا ہی بہت ہے کہ ابو بکر صدیقؓ اہل سنت کے نزدیک نبی نہیں امام (معصوم) نہیں جو سارے احکام ان کو معلوم ہوں مزامیر کی برائی سنی سنائی ہوئی تھی۔ یہ تفصیل یہ معلوم نہ تھی کہ دفن تو عید کے دن جائز ہے اور باقی مزامیر حرام۔ سو اپنے اُسی خیال کے موافق منع فرمایا۔

باقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیدار ہونا ان کو بالیقین معلوم ہوتا تو پھر اس اعتراض کی گنجائش تھی کہ ابو بکر صدیقؓ اس کو مزار شیطانی سمجھتے تھے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مزار شیطانی کا سننے والا سمجھا اور معصوم نہ سمجھا۔

علاوہ بریں اعتراض اسے کہتے ہیں کہ جس پر اعتراض کیا جائے اس کی ان باتوں کو توڑے جو ان کے نزدیک مسلم ہوں اور اگر اس کے نزدیک ایک بات مسلم ہی نہیں تو اس کا توڑنا اس کو کیا ضرر ہے؟ مثلاً اہل اسلام پر اعتراض اسے کہتے ہیں کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نعوذ باللہ نبی نہ ہونا کا کہنا، ساحر، دنیا پرست ہونا ثابت کرے۔ اور ابو جہل کا کفر یا اس کی دنیا پرستی اور برائی کا ثبوت اہل اسلام کو کیا ضرر ہے۔ سو اہل سنت و جماعت کے نزدیک مباحات جیسے امتیوں کو مباح ہوتی ہیں انبیاء کو بھی مباح ہوتی ہیں ہاں اتنا فرق ہے کہ بہت سی مباحات امتیوں کے حق میں کسی قدر مکروہ ہوں تحریمی نہ سہی تنزیہی سہی۔ پر انبیاء کے حق میں وہی مباحات بائیں وجہ کہ ان کے فعل سے حکم اباحت



معلوم ہو جاتا ہے موجب ثواب ہو جاتی ہیں۔

ظاہر کی باتوں میں اس کی ایسی مثال ہے جیسے غذائے قوی ضعیف المعده کے حق میں موجب نقصان ہو اور قوی معده کے حق میں باعث قوت۔ لیکن ظاہر ہے کہ امور مکروہ میں اشتراک (دوسرے) شیطانی ضرور ہوتا ہے بہت نہیں تھوڑا ہی سہی، باعث عذاب نہ ہو۔ سبب کراہیت ہی سہی۔ سو اگر فرض کیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہی تھے اور ابو بکر صدیقؓ کو آپ کی بیداری کی اطلاع بھی تھی اور ادھر یہ امر مباح بوجہ کراہیت خالی از شر شیطانی نہ ہونے کی بیش بریں نیست کہ بوجہ مذکور انہوں نے اس کو مزمار شیطانی کہا ہو گا مگر اس سے یہ کہاں سے لازم آیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی یہ اس کا سننا بوجہ اغوائے شیطانی ہو۔ ایک فعل ایک کے حق میں موجب ثواب اور دوسرے کے حق میں موجب عذاب ہوتا ہے۔ چونکہ سنی سنائی کا فوکر ہے تو میں بھی اس وضع کی مثال پیش کرتا ہوں۔ کلام اللہ کا سننا بعضوں کے لیے باعث ہدایت اور موجب ثواب اور بعض کے لیے موجب ضلالت اور باعث عذاب ہے میں نہیں کہتا کلام اللہ ہی میں ایسا دہے۔

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا (گمراہ کرتا ہے خدا تعالیٰ اس مثال سے بہتروں کو اور ہدایت کرتا ہے اس سے بہتروں کو۔)

(پا بقرہ ۳۷)

اب دیکھئے ثواب عذاب میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ایک فعل میں جب دونوں مجتمع ہوں تو اباحت اور کراہیت تو نیچے ہی کے درجہ میں ہیں۔ یہ دونوں اگر بہ نسبت دو شخصوں کے ایک فعل میں مجتمع ہو جائیں تو اتنا رنج کیوں ہے۔ یا حضرت خلیفہ اولؓ ہی سے صند ہے کہ وہ سیدھی کہیں تب بھی الٹی سمجھیں یہاں تک تو بطور تحقیق جواب تھا۔

(صدیق اکبرؓ پر حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) اب بطور الزام سنئے۔ ہماری نہیں مانتے تو خدا کے واقعے سے اعتراض کا الزامی جواب کی تو مانتے۔ خداوند علیم نے حضرت ہارون علیہ السلام

کو اپنے کلام پاک میں نبی فرمایا ہے۔ کبھی بھولے چوکے کلام اللہ کو دیکھا ہو گا تو شیعوں نے سورت مریم میں یہ آیت بھی دیکھی ہوگی۔

وَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا (پا مریم ۴) جس کے یہ معنی ہیں کہ دیا ہم نے موسیٰ کو اپنی رحمت سے اس کا بھائی ہارون نبی۔



اور اپنی برادرِ نبیہ گوار کے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بشہادتِ کلامِ اللہ سر کے بال پکڑ کر کھینچے۔ چنانچہ کلامِ اللہ پڑھا ہوگا تو سورۃ اعراف میں یہ بھی دیکھا ہوگا۔

وَ اخْذْ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَحْدُوهُ إِلَيْهِ (اور پکڑ اس کے سر پہ بھائی کا لگا کھینچنے اس کو اپنی طرف)

جس کا عامل بعینہ یہی ہے جو معرض ہوا اور سورۃ طہ میں ہے۔

وَ اجْعَلْ لِي وَ ذِيَّ مِنْ أَهْلِي هَرُونَ (اور میں تجھ کو ایک کام بٹائیو الا میرے گھر کا ہارون میرا بھائی اس سے مضبوط کر میری کمر اور شریک

امری۔ (پا طہ ۲۴) کہ اس کو میرے کام میں۔)

اور سورت قصص میں جملہ فارسل (الی ہرون) بھی دیکھا ہوگا جس کو اپنے ماقبل اور مابعد کے ساتھ ملانے سے یہ بات نکلتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے لیے نبوت کی استدعا اسی وقت کی ہے جس وقت ان کو خلعتِ انبوک عنایت ہوئی۔

غرض فرعون کی طرف جانے سے پہلے حضرت ہارون علیہ السلام کی نبوت کے خواستگار ہوئے اور پھر قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَمُوسَى (پا طہ ۱۰) (ملاحظہ کو تیرا سوال اے موسیٰ) سورۃ طہ میں اور كَلَّا فَادْهَبْ بِآيَاتِنَا إِنَّا مَعَكُمْ مُسْتَمِعُونَ (کبھی نہیں تم دونوں جاؤ گے کہ ہماری نشانیاں ہم ساتھ تمہارے سنتے ہیں) سورۃ شعراء (۲۴ پا ۱) میں موجود ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ

دعا اور استدعا فرعون کی طرف جانے سے پہلے ہی مقبول ہوئی۔ یہ سارے حوالے اس لیے دیے ہیں کہ کوئی جھٹیلا امتی (یعنی رافضی جو امت نبی کہلانے پر فخر نہیں کرتا بلکہ شیعہ علی اور ملت جعفریہ کہلاتا ہے) بے وجہ تکرار نہ کرے اگرچہ شیعہ اپنی ہٹ دھرمی سے اب بھی شاید باز نہ آئیں کلامِ اللہ ہی کو بیاصل عثمانی کہنے لگیں کلامِ ربانی نہ کہیں چنانچہ کہتے ہیں۔ اور اسی لیے علماء اہل سنت نے اور نیز اس ہجند ان نے ہر شیعہ میں اس کے جواب دندان شکن لکھے ہیں۔ اور ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اگر شیعہ اصل سے

کلامِ اللہ ہی کو نہ مانیں تو ہمارا اور بھی حساب اور ان کا لیکھا ہے ادھر نہیں۔ تو ادھر ہی سے ان کو بچھاریں گے۔ آخر شیعہ، سنی حدیثِ ثقلین کے تو بھی قائل ہیں۔ اس حدیث کا ماحصل یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک کتاب اللہ دوسری اپنی عمرت جب تک تم ان دونوں کو پکڑے رہو گے جب تک گمراہ نہ ہو گے۔ اور ظاہر ہے



کہ کلام اللہ کسی کے پاس ہو اور نہ پچڑے یعنی اس پر عمل نہ کرے یا پاس ہی نہ ہو کوئی چھین لے جائے یا جلائے جیسا حضرات شیعہ یہ نسبت حضرت عثمان غنیؓ کا کرتے ہیں۔ کلام اللہ پر عمل کرنا دونوں صورتوں میں مستحکم نہیں اتنا فرق ہے کہ پہلی صورت میں مثل کفار زمانہ حضرت سید ابراہیمؑ احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے دوسری صورت میں مثل کفار زمانہ جاہلیت،

(حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے نزاع کی حقیقت) | بالجلہ کلام اللہ کے عالموں، حافظوں پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام فرعون کے پاس جانے سے پہلے ہی نبی ہو چکے تھے۔ اور علیٰ مذاق قیاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تورات کے لیے کوہ طور پر جانا اور حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنا جانا اور پھر سامری کا بنی اسرائیل کو گمراہ کر دینا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ میں لوٹ کر حضرت ہارون کے سر کے بال پکڑ کر کھینچ کر یہ کہنا۔ اَفْعَصَيْتَ اَمْرِي جس کے یہ معنی ہیں تو نے میرے حکم کی نافرمانی کی۔ یہ سب باتیں فرعون کے غرق ہونے کے بعد کی ہیں۔ چنانچہ سورۃ اعراف سورہ طہ سورۃ شعراء کے سیاق و سباق اور نیز اتفاق شیعہ و سنی ثابت ہے۔ اب حضرات شیعہ کی خدمت میں اس غلامِ خاندان اہل بیت کی یہ گزارش ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اگر حضرت ہارون علیہ السلام کو وہی حکم کیا تھا جو حکم خدا ہے اور انہوں نے اس کی نافرمانی کی جس کی نسبت یہ فرمایا اَفْعَصَيْتَ اَمْرِي تب تو حضرت ہارون علیہ السلام کی عصمت کچھ کیونکر تھامے گا اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی نے کوئی امر خلاف شرع ارشاد فرمایا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معصومیت کو نحوذ باللہ داغ لگے گا۔ اور اگر وہ حکم نہ موافق شرع تھا نہ مخالف شرع یونہی مباحات دنیوی میں سے تھا تو حضرت ہارون علیہ السلام کا قصور ہی کیا تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی ہتک عزت کی نہ ان کی نبوت کا لحاظ کیا نہ بزرگی اور بڑائی کا لحاظ کیا قطع نظر نبوت کے حضرت ہارون بڑے بھائی بھی تو تھے تو بڑا بھائی بچانے باپ ہوتا ہے۔ بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ حرکت (بظاہر نبوت سے قطع نظر) از قسم معصیت تھی جس سے عصمت کو داغ تو کیا لگے بالکل سیاہی بن جائے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی عصمت باوجود اس دست و گریبان ہونے کے بھی (باتفاق سنی شیعہ) نہیں جاتی اور ہارون علیہ السلام کو عاصی سمجھنے سے چنانچہ آیت اَفْعَصَيْتَ اَمْرِي شاہد ہے ان کی عصمت کو داغ نہیں لگتا تو حضرت ابو جبر صدیقؓ نے اگر وہ نہ شاہد طانی سمجھ کر منع کیا تو کیا بے جا کیا۔ اس میں



اور اس میں تو زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہ قصہ کلام اللہ میں ہے جس کے انکار سے آدمی کافر ہو جاتا ہے یہ قصہ حدیث واحد میں ہے جس کے انکار سے کفر عام نہ نہیں ہوتا۔ وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام جو نبی ہیں اور نبی بھی کیسے نبی۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو عاصی سمجھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ نبی کا فہم کیا ہوتا ہے یہاں اگر دقت کو ہمارا شیطانی سمجھا تو ابو بکر صدیقؓ نے سمجھا جو ان کے معتقدوں کے نزدیک نبی نہیں (بزرگ) امتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم ہیں۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے بدرجہا کمتر ہیں ان کی غلط فہمی سے سینچوں کو کچھ خیب نہیں لگتا۔ کیونکہ ان کے یہاں سوائے نبی کے کوئی معصوم ہی نہیں اور شیعوں کے اصول کے موافق نبی تو نبی امام بھی معصوم ہے۔ پھر سنی تو اعمال ہی میں معصوم کہتے ہیں جسے معصوم کہتے ہیں۔ شیعہ معصوموں کو فہم میں بھی معصوم سمجھتے ہیں جیسے اعمال میں معصوم ہوتے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ گناہ ان سے صادر نہیں ہوتا ویسے ہی غلط فہمی سے معصوم ہوتے ہیں۔

(حضرت ابو بکر صدیقؓ کی غلط فہمی اہل سنت کو مضر نہیں) | سو اگر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے غلطی سے دقت کو (بظاہر کثرت استعمال درلود) کی وجہ سے جیسے (ریڈیو) مزار شیطانی کہہ دیا تو کیا گناہ کیا۔ ایک غلط فہمی جس سے نہ ولایت میں نقصان ہے۔ شیعوں کے نزدیک نہ خلافت میں بلکہ ان کے نزدیک نبی سے بھی (جیسے کہ قصہ حضرت موسیٰ علیہما السلام) غلط فہمی ممکن ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شیعوں کے نزدیک غلط فہمی ممکن ہی نہیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو جو انہوں نے عاصی سمجھا تو شیعوں کے نزدیک نعوذ باللہ صحیح ہی سمجھا ہوگا۔ علاوہ بریں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اگر شیطان کی طرف نسبت کیا تو بجانے والوں کے فعل کو نسبت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت نہیں کیا بلکہ آپ ہی کی خاطر ان کو جھڑکا۔ یعنی جیسے اور کافروں فاسقوں سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب نہیں کرتے تھے لڑتے جھگڑتے تھے یہاں بھی مقتضائے ادب و محبت نبویؐ غصہ ہونے اور منع کیا۔ اور جیسے اور کفار فجار کے اعمال کے دیکھنے کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے یوں خیال نہیں کیا کہ آپ برضا و رغبت دیکھتے ہیں۔ ایسے ہی یہاں بھی بشرطِ علم بیداری یہ نہ سمجھا تھا کہ آپ برضا و رغبت سنتے ہیں بلکہ سیاق کلام سے یہ بات فہم ہو تو یہ بات صاف روشن ہے کہ ابو بکر صدیقؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہی خیال کیا کہ آپ کو فعل برا معلوم



ہوتا ہوگا۔ پر آپ شاید ایسے چپ ہوں جیسے بعض بزرگ بوجہ کمالِ علم چھوٹوں کی بہت سی بد لحاظیوں پر سکوت کرتے ہیں۔ غرض ابوبکر صدیقؓ کے حمان میں یہ آیا کہ آپ کو (یہ دف بجانا) لاریب بڑا معلوم ہوتا ہے مگر چونکہ مکروہات تنزیہی سے آپ منع نہیں فرماتے اس لیے آپ نے کچھ ارشاد نہ فرمایا۔ سو ابوبکر صدیقؓ کو بوجہ کمالِ ادب اتنی بات بھی بُدی معلوم ہوئی اور یہ قصہ ایسا ہے کہ اپنے بزرگ کے سامنے کوئی لڑکا حقہ پینے لگے اور وہ بوجہ دانشمندی خود تو کچھ نہ کہیں پر ان کے خادم لوں کہیں کہ میں ایسی بے ادبی بزرگوں کے سامنے۔

لیکن تحریرِ ملاحظہ قصہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے خوب روشن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود حضرت ہارون علیہ السلام ہی کو عہی سمجھا۔ اور اسے بھی جانے دیجے عصیان اور منہا شیطانی میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے۔ منہا شیطانی کہنے سے تو فقط اتنی بات معلوم ہوئی کہ شیطانی کو اس فعل میں دخل ہے یا شیطانی اس سے خوش ہوتا ہے۔ یہ نہیں ثابت ہوتا کہ شرک ہے یا کفر ہے یا گناہ کبیرہ یا صغیر یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی۔ غرض ایک گول بات ہے کہ جس کے بیس پہلو ہیں اور ظاہر ہے کہ شیطانی کو ان سب باتوں میں دخل ہے۔ بلکہ طولِ اہل اور حدیثِ نفس (دوسو) تک بھی شیطانی ہی سے ہوتے ہیں۔ شیطانی کا دوسوہ کاملین کی شان میں عیب نہیں اور ادر حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت منہا شیطانی سے آدم کی طرف دوسوہ شیطانی کی نسبت (دوسوہ) شیطانی کی دوسوہ اندازی خود کلام اللہ ہی میں مذکور ہے۔

فَوَسَّوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ (پھر بکایا ان کو شیطانی نے) سورہ اعراف (۱۶) میں اور  
 قَاَزَلَهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَاخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ (پ) (بقدرہ ۴۷)  
 (پھر ملا دیا ان کو شیطانی نے اس جگہ سے پھر نکالا ان کو اس عزت و راحت سے کہ جس میں تھے۔)  
 کبھی دیکھا سنا ہوگا۔ ادر سورت حج میں۔  
 وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ وَلَا نَبِيٍّ اِلَّا اِذَا تَمَتَّيْنَا اِلَى الشَّيْطَانِ فِيْ اُمْنِيَّتِهِ  
 (اور جو رسول بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے یا نبی سو جب لگا خیال باندھنے شیطانی نے ملا دیا اس کے خیال میں) (پک حج ۷۷)

موجود ہے۔ ان سب آیتوں کے ترجمے دیکھئے اور انصاف کیجئے کہ دوسوہ اور القار شیطانی کی



اصناف مزار شیطانی کی اصناف سے کس بات میں کم ہے۔ مگر عصیان نافرمانی کو کہتے ہیں جس سے انبیاء بالیقین معصوم ہیں۔

اب حضرات شیعہ برائے خدا انصاف فرمائیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے مزار الشیطان کہنے اور سمجھنے سے عصمت کو ہٹا لگتا ہے یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اَفْعَصِیْتَ اَمْرَیٰ کہنے سے۔ صاحبو! یہ ساری خرابی کلام اللہ کے یاد نہ ہونے اور کلام اللہ پر تمسک اور عمل نہ کرنے کی ہے اگر حضرات شیعہ کو کلام اللہ کی طرف توجہ ہوتی تو اس اعتراض کو تو منہ پر ہی نہ لاتے۔

خیر خداوند کریم ہمیں انہیں کلام اللہ کی پیروی کی توفیق دے۔ بالجلہ حضرات شیعہ کی خدمت میں اب ہماری یہ عرض ہے کہ ابو بکر صدیقؓ نہ بمقتضائے تقریبے قصور نکلے یہ آپ صاحبوں کو ہمارے اس اعتراض کا جواب دینا چاہیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باوجودیکہ حضرت ہارون علیہ السلام کی نبوت اور عصمت کے سب سے زیادہ واقف تھے کیوں کہ آپ ہی کی استدعال سے ان کو نبوت کی نوبت پہنچی۔ پھر کیوں ان کو عاصی سمجھا اور پھر سمجھے بھی تو اس درجہ کو کہ شک کا بھی احتمال نہیں۔ ہر طرح سے یقین کا یقین ہے ورنہ سر کے بال اور دھڑکی کے بال پکڑنے اور کھینچنے کی نوبت نہ آتی بلکہ آیت۔  
لَا تَسْمِعُ رَبِّیْ اِلَّا عِدَّاءَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِیْنَ (پہ اعراف ص ۱۸)  
گنہگار لوگوں میں) (معاذ اللہ) سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو زمرہ ظالمین سے سمجھا (معاذ اللہ)

## (سوال دوم)

حضرت علیؓ ثنات و کمالات میں حضرت ابو بکرؓ سے افضل تھے مگر ابو بکرؓ نے حضرت علیؓ کا حق دبا لیا مصلیٰ اور خلافت کے وارث بن بیٹھے۔ تو ابو بکرؓ کیسے خلیفہ عادل ہوئے

لے خلاصہ جواب یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کا دفن کو شیطان کے کھیل کا آلہ کتنا کمال اتباع نبوی اور آرام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر تھا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھائی سے یہ نامناسب سلوک غلط فہمی اور جوش توحید کی بنا پر تھا۔ دونوں قصور میں کوئی اعتراض کا سہلو نہیں۔ ۱۲ مہر محمد۔



جواب سوال دوم

(شیعہ کی پیش کردہ حدیث کا کوئی پایہ نہیں)

اس سوال سے کچھ معلوم نہ ہوا کہ غرض سائل کیا ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ افضلیت حضرت رابع الخلفاء سید

آل عبا امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ مد نظر ہے اور بایں وجہ درپہ وہ خلفاء ثلاثہ کے عدم استحقاق کا منظر ہے

سو اس کا جواب اول تو یہی ہے کہ حدیث مسطور سنیوں کے نزدیک احادیث معتبرہ میں سے

نہیں صحاح ستہ میں ہے نہ مشکوٰۃ میں نہ کسی اور حدیث کی کتاب میں۔ باقی صواعق محرقة اول تو حدیث

کی کتاب نہیں۔ رد رواض میں ایک کتاب ہے۔ اور اگر فرض کیجئے اس میں کسی حدیث کا ہونا بھی سنیوں

کے الزام کھانے کو ویسا ہی ہے جیسے حدیث کی کتابوں میں کسی حدیث کا ہونا تو پھر کیا، اہل سنت و جماعت

اپنی کتابوں میں صحیح ضعیف، معتبر، غیر معتبر ہر قسم کی حدیثیں لکھتے ہیں۔ مگر اس کی تین صورتیں ہیں۔

(اہل سنت کی کتب حدیث کے چار درجے) ایک تو یہ کہ مصنف کتاب یہ التزام کرے کہ اپنی

کتاب میں صحیح حدیث کے سوا اور کسی قسم کی حدیث بیان نہ کرے گا جیسے بخاری شریف صحیح مسلم وغیرہ

اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے نسخہ طبیب کہ اس میں جو ہے بیمار (خاص) کے لیے مفید ہی مفید ہے۔

اور ایک صورت یہ ہے کہ صحیح ضعیف ہر قسم کی حدیثیں لاتے ہیں پر صحیح کو جدا بتلا دیتے ہیں اور

ضعیف کو جدا ضعیف کہہ جاتے ہیں۔ جیسے ترمذی شریف کہ اس میں کسی حدیث کو کھول کر لکھتے ہیں

کہ یہ حدیث صحیح ہے اور کسی حدیث کو کھول کر کہہ جاتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی ایسی

مثال ہے کہ جیسے اکثر کتب طب میں ادویہ مضرہ مرکبہ نافعہ مضرہ اور اغذیہ نافعہ مضرہ سب لکھتے ہیں

پراس کے ساتھ یہ لکھ دیتے ہیں کہ یہ دوا یا غذا نافع ہے اور یہ دوا یا غذا مضر ہے۔ سو کتب طب میں

کسی مضر چیز کو دیکھ کر جیسے کوئی نادان بھی یہ نہیں کہہ پڑتا کہ فلانی دوا یا غذا طب کی کتاب میں ہے اور

اس کو استعمال کرے۔ ایسے ہی احادیث ضعیفہ کو کتب احادیث میں دیکھ کر استدلال میں استعمال

کرنے کا خیال بھی کسی عاقل کو نہیں آ سکتا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ مصنف اپنی کتاب میں فقط موضوعات یا احادیث ضعیفہ ہی کو

جمع کرے اور غرض التزام سے یہ ہو کہ دینداران سادہ لوح کے لیے یہ کتاب ایسی رہے جیسے

طبیب پر ہیز کی چیزوں کی تفصیل لکھ کر حوالہ کر دے تاکہ کل کو کوئی دہو کہ نہ کھائے۔ موضوعات ابن

جو زی وغیرہ سب اسی قسم کی ہیں سو ایسی کتابوں سے سنیوں کے التزام کے لیے کوئی حدیث نقل کی



کی جائے تو بڑی ہی شونخ چٹمی ہے۔

یہ چوتھی صورت یہ ہے کہ بطور بیاض کسی نے ایک مجموعہ اکٹھا کیا اور طب و یا بس سب اس میں بھر لیں تاکہ وقت فرصت تحقیق کر کے صحیح کو پہنے دیں گے اور ضعیف نکال دیں گے اور پھر اتفاق سے یہ اتفاق نہ ہوا یا ہوا تو وہ اصل بیاض کسی کے ہاتھ لگ گیا۔ اس صورت میں بھی عاقل کا یہ کام نہیں کہ اس سے استدلال کرے اکثر غیر مشہور کتابیں حدیث کی اسی قسم کی ہیں۔ سو غیر مشہور کتابوں سے حدیثوں کا بیان کرنا جب تک مفید مطلب نہیں کہ کسی محقق نے اس کی تصحیح نہ کی ہو چنانچہ ظاہر ہے۔ سو اس حدیث کی کسی محقق اہل سنت نے آج تک تصحیح نہیں کی جو حضرات شیعہ کو گنجائش استدلال ہو۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہؓ اور ان سب کو جانے دیجئے۔  
اور امت میں افضل ہیں)

حضرت علی رضی اللہ عنہ میں ہے۔ اس سے زیادہ فضیلتیں خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم میں موجود ہیں۔ کتابیں معتبر بھرنی ہوتی ہیں۔ لکھنے کی کچھ حاجت نہیں اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ”اگر میں کسی کو سوا خدا کے دوست اور خلیل بناتا تو ابو بکرؓ کو بناتا“ اس سے صفا ظاہر ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل سمجھتے تھے۔ علیؓ انہما القیاس اور بہت سے فضائل ہیں۔ حضرت علیؓ کی اس فضیلت سے جو حدیث مذکور سے مستنبط ہے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ وہ سب افضل ہیں۔ ہاں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی فضیلت مذکورہ سے ان (ابو بکرؓ) کی فضیلت واضح ہے۔

(صدیق اکبرؓ نے حضرت علیؓ کو خلافت و بکری سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی ہے) اور اس کو بھی

لے نوٹ :- اس مقام میں اصل نسخہ میں تین سطریں غائب ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبارت چھوٹ گئی ہے لہذا اصل کے مطابق یہاں تین سطروں کی مقدار ماضی رہنے دو لگایا ہے۔ ۱۲۔ محمد عیشی گورمانی۔



جانبے کیجئے ہم پوچھتے ہیں کہ حدیث مذکور اگر صحیح ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علیؓ افضل ہوں گے یا نہ ہوں گے؟ اگر آپؐ سے بھی افضل ہوں گے تو ہمیں بھی کچھ شکایت نہیں مگر جیسے باوجود فضیلت حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکومت نہ دی اپنے ہی تحت تصرف میں رکھی ایسے ہی حضرت ابو بکر صدیقؓ سے بھی ہو گیا۔ اتنا فرق ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اتباع نبوی کیا کہ حق کو نہ پہنچا یا اور اسی وجہ سے مصیب بصواب ہی ہوں گے انشاء اللہ۔ کیوں کہ اتباع سنت تو بہر حال موجب ثواب ہی ہوتا ہے شیعہ بھی اس کے قائل ہیں۔ اور سنی بھی اس کے معترف اور اگر باوجود ان فضائل کے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں تو یہ مطلب ہو گا کہ یہ فضائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی فضائل ہوں گے یا ان فضائل کے مقابل میں اور فضائل ہوں گے تو سنیوں کی بھی یہی گزارش ہے کہ ابو بکر صدیقؓ میں بھی یہ فضائل ہوں گے یا ان کے مقابل میں اور فضائل ہوں گے۔ بالکل بدستور حدیث مذکور اگر حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ ابو بکر صدیقؓ سے افضل تھے تو اسی حدیث کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل تھے کیونکہ یہ فضائل تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس حدیث کے موافق نصیب نہیں ہوئے اور وہ بھی حضرات شیعہ کے طور پر کیونکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ان کی فضیلت اسی وجہ سے ثابت ہو گی۔ کہ اس حدیث کے سیاق سے حضرت امیرؓ ہی کا اختصاص ان اوصاف کے ساتھ معلوم ہوتا ہے پھر جب بوجہ اختصاص ایک افضل ہوئے ویسے ہی سارے جہان سے افضل ہوں گے اس میں سید الانبیاءؑ ہو یا سید الصدیقینؑ ہو اس صورت میں ابو بکر صدیقؓ کو تو خلافت کے دبا لینے کے لیے یہی حجت کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود فضیلت حضرت امیرؓ ان کو حکومت نہ دی آپؐ ہی قابض و متصرف ہے۔ مجھ کو لازم ہے کہ میں بھی اسی طرح حضرت امیرؓ کو حکومت نہ دوں تاکہ حق کے نہ مینے میں رسول اللہ کی پیروی ہاتھ سے نہ جائے۔

علاوہ بریں وقت وفات اہم مسجد  
**وقت وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدیق اکبرؓ**  
 کیا تو ابو بکر کو کیا جس سے  
**کو امام بنانا ان کو خلیفہ بنانے کے مترادف ہے**  
 ہر عام و خاص نے یہی سمجھا کہ جو دین کا  
 پیشوا وہی دنیا کا پیشوا یعنی جیسے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین کے پیشوا تھے اور امام نماز تھے اس لیے



دنیا کے بھی امام یعنی حاکم تھے ایسے ہی ابو بکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا امام بنایا جو سب دین کی باتوں میں افضل ہے لاریب دین میں یہ سب سے زیادہ ہوں گے سوائے انہیں کو دنیا کا بھی امام بنانا چاہیے۔ علیؓ نہ القیاس خود ابو بکرؓ کے ذہن میں (بالضرر) یہی آیا ہو کہ جب مجھے دین کا امام بنایا دنیا کا بھی میں ہی امام ہوں گا۔

(خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے) لیکن حضرات شیعہ اس کا کیا جواب دیں گے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ حضرت علیؓ کو ان کا حق نہ دیا) علیہ وسلم نے جو حضرت امیرؓ کا حق نہ دیا اور آپ دہلے رکھا پھر وقت وفات بھی کیا تو وہ کیا جس سے سب عام و خاص الٹا سمجھ گئے۔ تو آپؐ کی پیروی کی خدا کا حکم تو یہی ہے کہ حاکم ہو تو افضل ہو ورنہ پھر شیعوں کو سنیوں پر کیا اعتراض ہے گا۔ سو اس صورت میں لازم یوں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاکم حضرت امیرؓ کو بناتے آپ محکوم بنتے۔

(جب خدا کے ذمہ عدل واجب تو خدا نے) اور اسے بھی جانے دیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کا حق ان کو کیوں نہ پہنچایا) بشرت تھے کچھ خوف ہوا ہو گا ابو بکرؓ کا عمرؓ سے خود باللہ ڈر گئے ہوں گے خود خداوند کریم بایں ہمہ دعویٰ عدل و انصاف جس کے معنی شیعوں کے نزدیک ہیں کہ خدا کے ذمہ پر عدل واجب ہے خلافت انصاف وہ کوئی بات کہہ ہی نہیں سکتا حضرت امیرؓ کا حامی اور طرفدار کیوں نہ ہو یا توں کہئے کہ خدا کے ذمہ حق کا پہنچانا واجب نہیں تب تو سنیوں کا مذہب برحق نکلا کہ خدا کے ذمہ عدل واجب نہیں اس کو اختیار ہے جو چاہے سو کرے۔ چنانچہ خود ہی فرماتا ہے۔

لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ (پکا انبیاء ع ۲)  
(اس سے پوچھا نہ جائے جو وہ کرے اور ان سے پوچھا جائے)۔

اور کیونکر اختیار نہ ہو وہ سب کا مالک ہے ظلم تو جب ہو جب کسی غیر کی چیز میں بے موقع تصرف کرے اگر کوئی شخص اپنی سلطنت اور ریاست یا خزانہ یا کوئی اور چیز کسی کمر کو ہبہ کرے اور افضل کو ہبہ نہ کرے تو اس کو کوئی نادان بھی ظلم نہیں کہہ سکتا۔

(در حقیقت صدیق اکبرؓ کی خلافت بوجہ آپؐ کی) یا یوں کہو خدا پر عدل تو واجب ہے پر انصاف ہی تھا کہ حضرت ابو بکرؓ خلیفہ ہوں کیوں کہ وہ



سب افضل تھے تب اہل سنت کا بالاجتہاد۔

دکھائی گئے اور معاذ اللہ | یا یوں کہو عدل بھی واجب تھا اور حق بھی حضرت  
خدا تعالیٰ ان سے مغلوب ہو گیا | علی کا تھا پر نعوذ باللہ نعوذ باللہ البکرہ اور عمرؓ

کے سامنے خدا کی کچھ نہ چلی نہ بردستی یہ دونوں علیؓ کا حق دبا بیٹھے۔ تب سنیوں ہی کا بول بالا رہا۔

جن کے ایسے پیشوا کہ نعوذ باللہ خدا کی بھی ان کے سامنے نہ چلے ان کو حضرت کی پیروی کی کیا پروا اور  
ان کی ناخوشی کا اندیشہ؟

حضرات شیعہ یا تو ان باتوں کا معقول جواب دیں ورنہ فکر آخرت کریں اور توبہ توبہ کریں۔ ان

سب صاحبوں کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ اس طرح کے کلمات کے زبان پر لانے سے واللہ

جی ڈرتا ہے خدا کی شان کے آگے البکرہ اور عمرؓ تو کیا چیز ہیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جو

افضل مخلوقات ہیں اور محبوب ذات پاک ہیں ایک بندہ ہی ہیں ایک ذرہ ہلانے کی طاقت نہیں

رکھتے پر کیا کیجئے۔ نقل کفر نہ باشد حضرات شیعہ کی خرافات کو بنا چاری نقل کرنا پڑا۔

### (سوال سوم)

حضرت علیؓ خلیفہ برحق تھے اور محمد بن ابی بکر حضرت علیؓ کی جماعت میں تھا اور جب وہ

معاویہؓ کے آدمیوں کے ہاتھوں مارا گیا تو ان پر حضرت عائشہؓ روئیں اور پھر امیر معاویہؓ نے حضرت

امیرؓ سے جنگ کی اور حضرت عائشہؓ نے بھی ان سے جنگ کی حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان

کو حَدُّبُكَ حَدُّیْ فرمایا ہے۔ تو اہل سنت کے یہ بزرگ عھدیت کے لائق کیسے ہوئے۔

جواب سوال سوم | اس سوال کے دیکھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جناب سائل وقت سوال کچھ

بھنگ بھی نوش جان کئے ہوئے ہیں۔ اہل فہم کو بھی نہیں معلوم ہوتا کہ وہ سنیوں پر اعتراض کرتے ہیں

یا شیعوں پر یا دونوں پر یا یوں ہی ایک غمزہ بے جا اور عشوہ بے محل ہے۔

واقعی معتبر مؤرخ نہیں | صاحبو! اول تو واقعی اہل سنت کے نزدیک مؤرخ معتبر نہیں مجمع البحار

کے آخر میں دیکھ لیجئے۔ واقعی کی شان میں کیا لکھا ہے۔



(حضرت علیؑ نے حضرت عائشہؓ کی صحابیت و زوجیت کا خیال کیوں نہ کیا۔) مگر اس بات کو تو ناظران اوراق عقیب گزاری پر محمول کر دیں گے اور یہ کہیں گے کہ ساری باتوں کو محض اوراق غلط بتانے لگا۔ اور صاحب سوال۔ جناب محترم کو کوئی یوں نہ کہے گا کہ حضرت نے جو بات لکھی ہے۔ طوفان شیطانی ہی لکھا ہے۔ کوئی اہل علم تو بتائے کہ حضرت نے سوا ایک بات کون سی بات سچی لکھی ہے۔ اس لیے یہ عرض ہے کہ ہم نے آپ کی خاطر اس روایت کو مانا۔ حضرت عائشہؓ کے رونے کی اگر شکایت ہے تو حضرت امیرؓ بھی لبہادت سوال محمد بن ابی بکر کو روئے اگر حضرت سیدہ عائشہؓ نے اس بات کا دھیان نہ کیا کہ کل اُس نے میری صحابیت اور زوجیت کا کچھ لحاظ نہیں کیا تھا تو حضرت امیرؓ نے بھی اس کا کچھ دھیان نہ فرمایا کہ کل اس (محمد بن ابی بکر) نے حضرت عائشہؓ کا روبرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت اور صحابیت کا دھیان نہیں کیا تھا۔ مجھ کو اس کے غم میں رونا مناسب نہیں۔ بلکہ یوں کہو حضرت امیرؓ نے بھی جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ کی زوجیت اور صحابیت کا لحاظ نہیں کیا۔ اگر اس بات کا لحاظ نہ کرنا بڑا بُرا تھا اور اس وجہ سے ان کا غم مناسب نہ تھا تو یہ فرمایے حضرت امیرؓ نے ایسا بڑا کام کیوں کیا۔

اور اگر یہ مدعا ہے کہ حضرت امیرؓ جنگ جمل میں حق پر تھے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ محمد بن ابی بکر صدیقؓ نے اپنی بہن کا کچھ لحاظ نہ کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر سب حضرت امیرؓ برحق تھے۔ ہم وہ نہیں کہ مثل شیعہ حق بات کو ہضم نہ جائیں پر اس کہنے سے کیا فائدہ محمد بن ابی بکر سنیوں کے کون سے مقتدار اور پیشوا اور اہم وقت تھے جن کا فعل سنیوں کے نزدیک مستند ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ان کا فعل سند بھی ہو تو حاجت سندی کیا ہے۔

اہل سنت حضرت علیؑ کی خلافت حقہ کے اسی اہل سنت حضرت امیرؓ کی خلافت کے وقت ان کے خلیفہ برحق ہونے کے لیے ہی قائل ہیں جیسے خلفاء ثلاثہؓ کی خلافت کے

اہل سنت حضرت علیؑ کی خلافت کی حقیقت کے ان کے ایام خلافت کے قائل ہیں۔ سند کی تو اس وقت ضرورت ہوتی جب اہل سنت حضرت امیرؓ کے برحق ہونے کے منکر ہوتے پر اس پر وہ سرائی سے کیا فائدہ تو اس پر حضرت عائشہؓ رضہ اور حضرت امیرؓ کے رونے سے آپ کو کیا ہاتھ آیا۔ یہ تو فرمایئے یہ کونسی دلیل ہے اسے کلام اللہ کی آیت کہتے باحیث کی دلالت کہتے اس دیوانوں کی سیڑھاگ



سے اس بحث میں کیا ہاتھ آیا۔ خلافت حضرت امیر اس سے ہاتھ آگئی یا آپ کی امامت کا تمسک اور قبالہ سے اس درست ہو گیا نقل مشہور ہے بیاہ میں بیچ کا لیکھا تھا کجا امامت حضرت امیر کجا یہ محل تقریر از مقصود دلی وہی اظہار خبیث باطن بہ نسبت ذوجہ طہر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہے اور اس پردہ میں حضرت عائشہ پر طعن نہ نظر ہے تو موافق مصرع مشہور: کلونج انداز را پاداش سنگ است مناسب تو یوں تھا کہ انتقام ام المؤمنین محبوبہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں ہم بھی اپنے دل کے پھپھو لے پھوڑتے پر ایسے نابکاروں کو برا کہا تو کیا ہوا۔ شیطان کو برا کہنے کی حاجت ہی کیا ہے اور اس کی بجو و مذمت کی ضرورت ہی کیا ہے جیسے ان کی خوبی اور بزرگی معلوم ہے۔ حضرات روافض کی شان میں یہی مشہور ہے۔ ع۔ الرافضی فوارۃ اللعنة از دومی خیزد و بدومی ریزد

بالجملہ رافضیوں کے برا کہنے کی حاجت نہیں۔ ہاں جواب اعتراض چاہیے۔

(تحقیقی جواب۔ جنگ جمل خطا را اجتہادی کی بنا پر | صاحبو! تحقیقی جواب تو اس کا یہ ہے کہ ہوئی اور خطا را اجتہادی قابل مواخذہ نہیں) لاریب اپنے ایام خلافت میں حضرت امیر افضل بشر تھے اور بے شک وہ برحق تھے اور حضرت عائشہ خطا پر تھیں لیکن بوجہ خطا و نیاں انسان مجاہد نہیں۔ ورنہ روزہ میں بھول کر پانی پینا، کھانا کھانا بوجہ خطا جیسے وضو کرتے ہیں کبھی پانی حلق میں اتر جاتا ہے۔ ایسے امور کا مرتکب ہونا موجب عذاب و وجوب کفارہ ہوا کرتا ہے علیٰ ہذا القیاس بوجہ غلطی اگر کوئی حرکت ناسزا ہو جائے تو اس پر بھی خدا کے یہاں سے گرفت نہیں ورنہ ابوہ کے روزہ قریب غروب آفتاب کہ ابھی آفتاب غروب نہ ہوا ہو اگر کوئی شخص بوجہ غلطی یوں سمجھ لے کہ آفتاب غروب ہو گیا اور یہ سمجھ کر روزہ کھول لے اور پھر آفتاب نمودار ہو جائے چنانچہ اکثر ہو جاتا ہے تو لازم یوں ہے کہ ایسا شخص معذب ہوا کرے حالانکہ باتفاق شیعہ سنی ایسے افعال پر خدا کے یہاں مواخذہ نہیں۔ ایسے ہی مشاجرات صحابہ اور مخالفت اصحاب جو باہم پیش آئے یا منازعات انبیاء جسے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا قصہ گذرا سب بوجہ غلطی ہوتے ہیں حبان بوجہ کر نہیں ہوتے جو ان پر اعتراض کیا جائے۔

(حضرت علیؑ کی قصاص لینے میں تاخیر | باقی رہی یہ بات کہ وجہ غلطی کیا ہوئی اس کا جواب کیوجہ بلوائیوں کا غلبہ اور زور تھا) | اقول تو یہ ہے کہ ہم کو اس سے کیا بحث حضرت موسیٰ



علیہ السلام اور حضرت یاروں علیہ السلام کی طرح دونوں کو بزرگ سمجھنا چاہیے اور تحقیق یہ نظر ہے تو سنئے  
 حضرت عثمانؓ کے قاتل حضرت امیرؓ کے ساتھ ہوئے تھے۔ سو حضرت امیرؓ اول تو بایں وجہ قصاص کے  
 لینے میں دیر کر رہے تھے کہ ان شورہ پشتوں نے بنی بنائی بڑے زور کی خلافت کو جب ایسا زبردست کر دیا  
 تو میری خلافت تو مجھے ہی نہیں پائی۔ میرے قابو کیونکر آئیں گے۔

(حضرت معاویہؓ نے محمد بن ابی بکر | دوسرے بلوی کی بات ہے تحقیق کے بعد قاتل غیر قاتل کو  
 کو قاتلین عثمانؓ میں سمجھ کر مارا) پہچان کر قصاص لیا جائے گا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت  
 زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ وغیرہ یہ سمجھے کہ حضرت امیرؓ ان ظالموں کے طرفدار ہیں چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ  
 نے یہ جو محمد بن ابی بکر کو مارا تو اس کی وجہ بھی یہی ہوئی کہ ان کو منجملہ مشیران قاتلین سمجھتے تھے یہ بات جدا  
 رہی کہ یہ (مشیر) تھے یا نہ تھے۔

(جنگ جمل میں ہوا یوں کا ہوا تھا) | تو اس پر حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ  
 کا خود ارادہ قتال بھی نہ تھا حضرت عثمانؓ کے قاتل جو ان لوگوں کو ڈراتے تھے تو اپنی جان بچانے کو  
 بصرہ کو جاتے تھے۔ حضرت امیرؓ نے تعاقب کیا۔ انجام کار بایں وجہ کہ قاتلان مذکور نے بغرض فساد  
 دو گروہ ہو کر دونوں لشکروں پر شب خون مارا ہر ایک کی دعا بھیجی اور لڑ لڑا کر قصہ تمام کیا۔  
 (اس طرح کی خطا کا صدور قصہ موسیٰ | مگر بشادت کلام اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت  
 اور خضر علیہما السلام میں موجود ہے۔) خضر علیہ السلام پرستی توڑ ڈالنے اور لڑکے کو مار ڈالنے کے مقدمہ

میں اعتراض کیا چنانچہ سورہ کہف میں یہ قصہ مفصل مذکور ہے۔ جسے شوق ہو سولہویں سیپاے کے شروع  
 سے پہلے ایک رکوع نکال کر دیکھنا شروع کرے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان کے پاس جانا اور دوبارہ  
 تسلیم عہد و پیمان کرنا پھر بایں سب اعتراض کرنا اور نیز حضرت خضر علیہ السلام کا ان باتوں میں بے قصور ہونا  
 سب بخوبی واضح ہو جائے گا۔ اور نیز یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غلطی بھی کھائی  
 پر بے بتلائے کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ اب میری یہ عرض ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام  
 کے پاس آپ نہیں گئے خدا کے بھیجے ہوئے گئے۔ خدا نے ان کے علم اور ہندگی کی ان سے تعریف  
 کی پھر انہوں نے یہ کہہ لیا کہ تم سے میری باتوں پر صبر نہ ہو سکے گا۔ تم میرے ساتھ نہ ہو۔ خود حضرت  
 موسیٰ علیہ السلام نے اقرار کر لیا کہ میں کچھ تکرار نہ کروں گا۔ اس عہد نور نبوت و محال عقل الیا کہ کیسی ہی



باریک بات کیوں نہ ہو اسے سمجھ جائیں پر اس پر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ سمجھے اور نہ سمجھنا تو درکنار یوں (بھی) نہ سمجھے کہ اس میں کوئی کچھ بھید ہوگا۔ صبر کرنا چاہیے اور پھر نہ سمجھنے کی نوبت یہاں تک آئی کہ بے تلافی نہ سمجھے اگر ہم جیسے اور تم جیسے مسان دنیا کم عقل کم فہم ان قصوں کی حقیقت کو نہ سمجھیں جن میں مراتب مذکورہ میں سے ایک بات بھی مجھ نہیں تو کیا بعید ہے بلکہ لازم یوں ہے کہ نہ سمجھیں ہاں یہ سمجھ کر کہ ہماری سمجھ کا قصوب ہے ان بزرگواروں کا قصور نہیں ان پر اعتراض نہ کریں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہم کو اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں۔

(مشاجرات صحابہ میں کف لسانی واجب ہے) | اس تقریر سے حضرت معاویہؓ پر بابت قتل محمد بن ابی بکر اگر اعتراض ہے یا نسبت محاربات حضرت امیرؓ کچھ طعن ہے وہ بھی مندرج ہو گیا۔ بالجملة اہل سنت و جماعت کے نزدیک یہ محاربات بوجہ غلطی واقع ہوئے طرفین میں سے قصور کسی کا نہ تھا جیسے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے دست و گھمبیاں ہونے اور ہاتھ پائی میں قصور دونوں میں سے کسی کا نہ تھا۔ (جملہ حَدِّكَ حَدِّیْ کے باقیہ جملہ حربی اس کے یہ معنی ہیں کہ جان بوجھ کر نہ بوجہ غلط فہمی جو تم مفہوم مفصل بحث سے لڑے گا تو گویا وہ مجھ ہی سے لڑے گا یہ نہیں کہ جس طرح سے کوئی تم سے لڑے عدا لڑے یا خطا بوجہ غلطی لڑے یا بوجہ غلط فہمی وہ سب میری ہی لڑائی کے برابر ہے۔ در نہ آیت۔

فَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا (لَا خَطَاً) (پہ نساء ع ۱۳) (اور مسلمان کا کام نہیں کہ قتل کرے مسلمان کو مگر غلطی سے)

جس کے معنوں سے صاف یہ بات روشن ہے کہ قتل خطا میں کچھ گناہ نہیں غلط ہو جائیگی اور یہ بھی نہ سہی اگر حدیث مذکور عام ہے تو اس وجہ سے عام ہوگی کہ ظاہر الفاظ عموم پر دلالت کرتے ہیں مگر جیسے مفہوم حَدِّكَ کو عام لیتے ہو مفہوم حَدِّیْ کو بھی عام لیجئے اور پھر بہدایت فہم تقابل ملحوظ رکھئے۔ یعنی یوں کیسے تم سے عدا لڑنا تو مجھ سے عدا لڑائی کے برابر ہے اور تم سے خطا لڑنا مجھ سے خطا لڑنے کے برابر ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عدا لڑنا اور آپ کی جان بوجھ کر تکذیب کرنی بری ہے اور غلطی بے خبری میں اگر کسی سے یہ حرکت ہو جائے اور بعد علم متنبہ ہو کر ثمر الخطا آداب بجالائے تو عقل نقل کی رو سے قابل عتاب نہیں عقل کی گواہی کی تو حاجت نہیں اہل عقل کے



نزدیک بدیسی ہے۔ نقل کی بات پوچھتے تو کلام اللہ موجود ہے بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ اور مِنْ بَعْدِ  
مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ اور لَفْظُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ سے صاف ظاہر ہے کہ عتاب اسی وجہ  
سے کہ وہ جان بوجھ کر ایسی حرکتیں کرتے ہیں بلکہ آیت

وَلَكِنْ اتَّبَعَتْ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي  
جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ  
وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ (پا بقرہ ۱۲۷)  
اور اگر بالفرض تو تابعداری کرے انکی خواہشوں کی  
بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا تو تیرا کوئی نہیں اللہ کے ہاتھ  
سے حمایت کرنے والا اور نہ مددگار

سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بوجہ بے خبری اگر کچھ خلاف مرضی خداوندی  
کر جائیں تو کچھ عجز نہیں (جیسے اساری بدر سے فدیہ اور تبوک میں بے عذر منافقوں کو چھٹی وغیرہ) بالجلہ  
خدا کی مخالفت بوجہ غلطی جب مفسر نہ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت بدرجہ اولیٰ مفسر نہ ہوگی۔  
پھر حضرت علیؓ کی مخالفت اگر بوجہ غلطی ہو تو اس کا تو کچھ ذکر ہی نہیں۔ اور یہ بھی نہ سی لفظ حر مکتب عام اور  
لفظ حر پلٰی شیعوں کی زبردستی سے خاص ہے مگر جیسے حدیث مذکور میں پہلا لفظ عام ہے۔

آیت وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَحَدِّثْ  
جَهَنَّمَ خُلْدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا (پا انشاء ۱۳)  
(اور جو کوئی قتل کرے مسلمان کو جان کر تو اس کی سزا دوزخ ہے  
پڑا ہے گا اسی میں اور اللہ کا اس پر غضب ہوا اور اس کو  
لعنت کی اور اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب)

بھی باعتبار الفاظ عام ہے باغنی زانی قطع الطریق اس میں سب آگئے اب فرمائیے کہ خود رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم نے زانی کو قتل کیا حضرت امیرؓ نے سینکڑوں باغیوں کو تیغ کیا ادھر اب تک یہ آیت  
سب کی معمول بہانہ مجتہدان شیعہ اس سے انکار کر سکیں نہ علماء اہل سنت۔ پھر یہ انصاف ہے کہ ایک حدیث  
کے بھروسے جس میں کسی قدر ضعف ہے اس پر بھی احتمال ہے کہ غلط ہو۔ اتنا غل و شور ہے کہ العظمتہ اللہ

لے یہ حدیث حربی یا انارحہ لمن عارتہم بالکل ضعیف اور ناقابل احتجاج ہے۔ انارحہ لمن عارتہم کے الفاظ باب مناقب  
فاطمہؓ ترمذی میں ہیں امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث غریبہ صرف یہی سند میں ملی ہے امام سلمہ کے مولیٰ صبیح معروف نہیں  
۲۔ مسلسل تین راوی شیعہ کثیر الخطا۔ اور غریب الروایہ ہیں۔ تقریب التہذیب کے ان کا حال یہ ہے ما علی بن مادم  
خزاعی کو فی صدوق اور شیعہ ہیں۔ ابو نصر ہمدانی کثیر الخطا صدوق اور غریب حدیثیں بیان کرتے ہیں۔

۳۔ ابو محمد سدی کو فی تشیع سے متہم ہیں صدوق و صحیح ہیں امام محمد  
www.jmmpak.tk



آیت کو نہیں دیکھتے کہ اس میں شتم بھی باقی نہیں چھوڑا تو اس پر غلطی اور کذب رواۃ کا احتمال نہیں پھر اس کے باعث کہاں کہاں یہ اعتراض پڑتا ہے۔

(الزانی جواب۔ ازواج مطہرات تمام مومنوں کی مائیں ہیں | اور جواب الزانی یہ ہے کہ حضرت امیرؓ تو پھر حضرت علیؓ نے اپنی والدہ عائشہؓ سے مقابلہ کیوں کیا) کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے حرب حربی فرمایا ہے تو ازواج مطہرات کے حق میں۔

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ  
وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ (پ ۲۱ احزاب ع ۱)  
(بنی سے لگاؤ ہے ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے  
اور اس کی عورتیں ان کی مائیں ہیں۔)

اور عام والدین کے حق میں۔

لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا  
(پ ۱۰۴ بقرہ ع ۱)  
(عبادت نہ کرنا مگر اللہ کی اور ماں باپ سے سلوک  
نیک کرنا)

فرمایا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج جو اموات المؤمنین ہیں ان کے حق میں تو اس سے بھی زیادہ تاکید ہوگی۔ اب میری یہ عرض ہے کہ حضرت علیؓ کے ایمان کیا۔ کمال ایمان میں بھی شک کی گنجائش نہیں جو یوں کیسے کہ اوروں کی والدہ تھیں ان کی زلفیں پھر کیا یہی احسان تھا کہ ایسی والدہ کا یوں مقابلہ کرتے اور اگر یہ خیال ہے کہ خطا پر تھیں۔ تو یہ بات کس منہ سے کہنی مناسب سنی کہہ لیں تو کہہ لیں شیعوں کو اس کے کہنے کی مجال نہیں کیونکہ آیت

إِنَّمَا يَرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ  
الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ  
تَطْهِيرًا (پ ۲۲ الاحزاب ع ۴)  
(اللہ یہی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندی باتیں  
بنی کے گھر والوں اور ستھر کرے تم کو ایک ستھرائی سے)

ان کے نزدیک عصمت پر دلالت کرتی ہے۔

(آیت تطہیر کا شان نزول) | اور پھر یہ آیت دیکھ لیجئے کس کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ ازواج مطہرات کی یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی؟ کلام اللہ موجود ہے دیکھ لو ازواج کا ذکر ہے یا حضرت امیرؓ کا اور اگر حدیث عبا پر کو دتے ہو تو اس سے صاف یہی بات نکلتی ہے کہ یہ آیت ان کی شان میں نازل نہیں ہوئی ورنہ اس دعا کی کیا حاجت تھی کہ عبا پر تیج تن کو شامل کر کے یہ فرمایا۔ اللَّهُمَّ هُوَ الَّذِي



اَهْلُ بَيْتِي بِالْجَمْلَةِ دعا کرتے سے جیسے دخول پنج تن زمرہ اہل بیت میں معلوم ہوتا ہے ایسے ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ان کی شان میں نازل نہیں ہاں یہ دعا قبل نزول آیت ہوتی تو یہ بھی احتمال تھا کہ دعا ہی باعث نزول ہوئی ہے مگر اس میں سنی ہی نہیں شیعہ بھی اس طرف ہیں کہ آیت پہلے نازل ہوئی۔ دعا پیچھے ہوئی۔

(آل عبا کو اہل بیت کہنے کا مطلب) | باقی پنج تن کو پہلے سے اہل بیت فرمایا یہ نہ فرمایا کہ ان کو اہل بیت میں داخل کر دے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے بیگانے اور بیگانے اپنے نہیں ہو سکتے۔ جس کی جو قرابت ہے وہی رہتی ہے۔ کوئی غیر آدمی کی نسبت یہ دعا تو کر ہی نہیں سکتا کہ الہی یہ شخص میرا حقیقی بیٹا ہی جائے ہاں جس سے محبت شدید ہوتی ہے اس کو خود بیٹا کہہ دیا کرتے ہیں اگرچہ بیگانہ ہی کیوں نہ ہو۔ لے پالک کو عرف میں بیٹا کہتے ہیں لیکن حقیقی بیٹا ہونا اس کا ممکن نہیں اسی طرح جو اہل بیت نہ ہوں۔ ان کا اہل بیت ہو جانا ممکن نہیں جو اس کی دعا کیجاتی کہ الہی ان کو اہل بیت حقیقی بنائے ہاں ان کے ساتھ بھی معاملہ اہل بیت ہی کا سا تھا۔ اس لیے آپ نے فرمایا الہی یہ بھی میرے اہل بیت ہیں تو اپنا وعدہ ان کے ساتھ پورا کر اور اگر یوں کہتے کہ اہل بیت تو پہلے ہی سے تھے پھر دعا کے وقت ان کو اس لقب سے یاد کر لیا تھا سو یہ بات غور سے دیکھیے تو گوز شتر سے کم نہیں۔ جناب باری تعالیٰ کو یہ معلوم نہ تھا کہ اہل بیت نبوی کون ہیں جو آپ کے بتلانے اور جتلانے کی ضرورت ہوئی۔ جب خداوند کریم نے وعدہ تطہیر کر لیا تھا آپ پورا کرتا پھر دعا کی کیا حاجت تھی۔

(آیت تطہیر ازواج کی شان میں ہے) | بالجملة بروئے انصاف شیعوں کے جی میں بھی یہی ہوگا کہ آیت تو ازواج مطہرات ہی کی شان میں ہے ہاں جیسے کوئی بادشاہ کسی امیر سے وعدہ کرے کہ تمہارے گھر کے لوگوں کو میں انعام دوں گا اور وہ امیر وقت تقسیم انعام اپنی دختر اور داماد اور نواسوں کو بھی لے جائے اور یہ کہے کہ اپنے میرے گھر کے لوگوں کے لیے وعدہ انعام کیا تھا یہ بھی میرے گھر کے لوگ ہیں۔ کچھ اجنبی نہیں تو وہ بادشاہ باوجودیکہ جانتا ہے کہ بیٹی دوں گا گھر کا چاندنا ہے گھر کے لوگوں میں داخل نہیں۔ نواسے اور داماد تو درکنار۔ گھر کے لوگ اگر ہیں تو بی بی ہے چنانچہ اہل بیت کا ترجمہ ہی اہل خانہ ہے یا فرزند وغیرہ جو اس کے گھر بستے ہیں مگر بوجہ عموم کرم و مزید قدر شناسی امیر مذکور ان کو بھی انعام دے تو کچھ بعید نہیں ایسے ہی یہاں بھی سمجھنا چاہیے کہ پنج تن باوجودیکہ شیعہ گونا گوں رکھتے ہیں پر اصل سے اہل بیت میں سے نہ



تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ماوراء النہر الخاضعہ کے لیے پایاں العام اہل بیت میں بھی شریک ہو گئے۔ چنانچہ قرینہ دعا اس پر عمدہ شاہد ہے اور بہت ہاتھ پاؤں مائیے تو یہ بات بن پڑتی ہے کہ لقب اہل بیت تو اول سے ازواج اور پنج تن دونوں کو شامل ہے خطاب خاص ازواج ہی کے ساتھ ہے گو وعدہ مذکورہ سب ہی کے ساتھ ہو۔ جیسے کوئی بادشاہ اپنے نوکروں میں سے کسی ایک نوکر کو بلا کر یوں کہے کہ ہمارا کل کو ارادہ ہے کہ اپنے نوکر اول کو انعام دیں سو یہ خطاب گو اس ایک ہی کے ساتھ خاص ہے پر وعدہ سب ہی نوکروں کے لیے ہے۔

پنج تن کے اہل بیت میں | بالحد پنج تن کے اہل بیت میں داخل ہونے کی دو صورتیں ہیں ورنہ اہل داخل ہونے کی وجہ سے یہ آیت ازواج ہی کے حق میں ہے۔ ان کے خارج اہل بیت ہونے کا کوئی احتمال نہیں اگر احتمال ہے تو اہل بیت کے خارج ہونے کا احتمال ہے اگرچہ غلط ہو۔

کیونکہ باتفاق اہل سنت وہ بھی اس فضیلت میں شریک ہیں۔ اول سے ہی یا پیچھے ہو گئے پھر جب آیت مذکورہ عصمت پر دلالت کرے۔ چنانچہ شیعہ پنج تن کی عصمت اس سے ثابت کرتے ہیں تو ازواج مطہرات بدرجہ اولیٰ معصوم ہوں گی۔ انہوں نے جو کچھ حضرت امیر کے ساتھ کیا بجا ہو گا۔ پھر کیا وجہ ہوئی کہ حضرت امیر المؤمنینؑ نے ان کے ام المؤمنین ہونے کا لحاظ نہ کیا۔ فرزند کو والدین کی اطاعت چاہیے والدین کو فرزند کی اطاعت کی حاجت نہیں یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت امیرؑ کے ذمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہوئی کیونکہ وہ حضرت امیرؑ کے حق میں بمنزلہ والد کے تھے یہ نہ ہوتا تو ازواج مطہرات ام المؤمنین ہی کیوں ہوتیں پھر جب حضرت امیرؑ نے باوجودیکہ موافق عقیدہ شیعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ حدیث مندرجہ سوال دوم سے واضح ہے اور نیز حال فال شیعہ سے ٹپکا پڑے ہے (یعنی عملاً امیرؑ کو افضل جانتے ہیں) زبان سے کہیں یا نہ کہیں۔ بایں وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اختیار رکھی کہ وہ بمنزلہ والد تھے۔ تو حضرت عائشہؓ ان کے حق میں بمنزلہ والدہ تھیں۔ اور بھر والدہ بھی کیسی معصوم۔ ان کی اطاعت اور فرمانبرداری بھی ان کو ضرور تھی۔ سواب حضرات شیعہ کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ اپنے اعتراضات کا جواب تو دندان شکن لے چکے ہمارے ان اعتراضات کا جواب بھی چاہیے۔

باقی رہا یہ قصہ کہ حضرت ام جلیلہؑ نے گو سفند بھون کر حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا اور ان کے



بھائی کی نسبت کچھ کھلا بھیجا اور حضرت عائشہؓ نے گوسفند کا کھانا چھوڑ دیا۔ اول تو قصہ بے سزا اور اگر ہو بھی تو اس کا ذکر کرنا اور مباحثہ کو ایسے مضامین سے طول دینا خود جنگ آزمانا ہے۔ صاحبو! مباحثہ ہے۔ کو سنا پڑنا نہیں۔ جو حضرات شیعہ عورتوں کی طرح ایسی باتیں گاتے ہیں۔ اس کے جواب میں فقط یہ شعر کافی ہے۔ ع

الجھنے کو بلا میں آپ تو کچھ خیر ہے صاحب لگایا ہاتھ کس نے آپ کی زلف پریشان کو  
غرض ایسی باتوں سے دین شیعہ مستحکم نہیں ہوتا حقانیت کی سند ہاتھ نہیں آتی۔ پھر کیا فائدہ  
دیوانوں کی طرح جاہلوں کے دل میں شبہ شک ڈالتے ہیں۔

### سوال چہارم

اہل سنت و جماعت اہم جعفر صادقؑ وغیرہ اہل بیت کو نہیں مانتے مگر اہم ابو حنیفہؑ اور اہم شافعی  
کو مانتے ہیں جو معصوم نہ تھے۔ پھر ابو حنیفہؑ نے تو شراب کو حلال کیا ہے۔ اور اہم شافعی نے ولد الزنا  
لڑکی سے زانی کا نکاح جائز کہا ہے۔

جواب سوال چہارم  
اہم ابو حنیفہؑ اور اہم شافعی رحمۃ اللہ علیہما اول ہمارے  
(اہل سنت ائمہ مجتہدین کو معصوم نہیں سمجھتے) نزدیک ایسے اہم نہیں جیسا کہ بات خدا اور رسول صلی اللہ  
علیہ وسلم کی بات کے برابر ہو۔ ایک مجتہد میں اگر ان کی بات کوئی بھی ہو جس پر اعتراض کی گنجائش ہو  
تو کیا ہوا ہمارے نزدیک نہ اسے نزدیک دونوں کے نزدیک مجتہد سے خطا ممکن ہے پھر وہ بھی فروع  
میں اور فروع میں بھی ایسی بات جو خواہ مخواہ ظاہر نہیں۔

(شیعہ کے ائمہ معصومین کے نزدیک مگر سقم تو یہ ہے کہ حضرات شیعہ اماموں سے جن کی عصمت  
عاریت و فروع حلال ہے) کے مثل انبیاء معتقد میں ایسی روایتیں کرتے ہیں جو صاف

کلام اللہ کے مخالف ہیں "ارشاد" میں جو تصنیف علامہ علیؑ ہے موجود ہے کہ اپنی باندی کو دوسروں  
پر حلال کرے تو اس کو اس سے صحبت جائز ہے۔ پھر باندیوں میں بھی کسی کی تخصیص نہیں جس سے



اس کی اولاد ہو اس کا حلال کر دینا بھی جائز ہے۔ اور غیروں کو عاریت سے دینا درکنار وقف کر دینا شیعوں میں جائز ہے۔

بلکہ ابن ابیہ تو حضرت ام مہدی کے نام سے ایک واقعہ ایسا روایت کرتا ہے جس کے سننے سے مسلمانوں کا بدن کانپتا ہے۔ حاصل کلام اس کا یہ ہے کہ مہمانوں اور دوستوں کے لیے باندیوں اور حرموں کی شرمگاہ کی عاریت دینے میں بڑا ثواب ہے۔ اور عمدہ عبادات میں سے ہے۔

(شیعہ کے نزدیک متعہ بہت ادا صحر متعہ کا آوازہ اور اس کے فضائل کا شور تو بھی نے سنا ہوگا یہی بڑا کار ثواب ہے) یہی وجہ ہے کہ سینکڑوں سنی شیعہ ہوئے چلے جاتے ہیں اور کیوں نہ

بقیہ حاشیہ : ۱۔ عن الحسن العطار قال سألت ابا عبد الله عليه السلام عن عاریة الفرج قال لا بأس (استبصار ص ۳۸) ۲۔ عن عبد الكريم عن ابی جعفر عليه السلام قال قلت له الرجل یحل لآخیه فرج جاریتہ قال نعم له ما احل له منها۔ (کافی ص ۴۶۸ تنبیہ الحاکم ص ۲۴۲ استبصار ص ۱۳۶)

حسن عطار کہتے ہیں میں نے ام جعفر صادق علیہ السلام سے شرمگاہوں کو عاریت دینے کے بارے میں پوچھا انہوں نے کہا کچھ صریح نہیں۔

عبد الکرم کہتے ہیں میں نے ابو جعفر علیہ السلام سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا جو اپنی باندی کی شرمگاہ اپنے کسی بھائی کے لیے حلال کر دے تو فرمایا وہ اس کے لیے حلال ہے جو اس نے حلال کیا۔

۳۔ عن الفضیل بن یسار قال قلت لابی عبد الله عليه السلام جعلت فداک ان بعض اصحابنا قد روی عنک انک قلت اذا احل الرجل لآخیه جاریتہ فہی له حلال؟ فقال نعم قلت له فما تقول فی رجل عنده جاریة نفیسة وہی بکرا حل لآخیه ما دون فرجھا الہ ان یقتضھا؟

فضیل بن یسار کہتے ہیں میں نے ام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا آپ پر میری جان قربان ہو ہمارے بعض اصحاب نے آپ سے روایت کی ہے کہ آپ نے کہا ہے جب کوئی آدمی اپنے کسی بھائی کے لیے اپنی لونڈی حلال کر دے وہ اس کے لیے حلال ہے تو انہوں نے کہا ہاں میں نے کہا تمہیں نے کہا آپ اس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس کے پاس ایک خوبصورت لونڈی ہو اور باکرہ (کنواری) ہو اس لونڈی کو اپنے کسی بھائی کے لیے فرج کے علاوہ حلال کر دے (باقی حاشیہ ص ۲۴۴ پر)



ہوں جیسے جی یہ مزے اور مرنے کے بعد وہ مرتبہ کہ حضرات ائمہ کامرتبہ نصیب ہو۔ قطرات غسل سے فرشتے پیدا ہوں۔ الیادین اور الیایا ایمان تو قسمت ہی سے ملتا ہے۔ اعتبار نہ ہو تو تفسیر میر فتح اللہ شیرازی میں اس آیت **فَمَا اسْتَعْتَمُ بِهِ مِنْهُنَّ فَاتَوْهُنَّ اَجُودَھنَّ** (پس ع ۱) کی تفسیر میں دیکھ لیں میں نے تو کچھ بھی نہیں لکھا۔ انہوں نے تو وہ فضائل نقل کئے ہیں کہ جن کے سننے کے بعد رمضان کی طرف سے جداجی ٹھنڈا ہوا جاتا ہے۔ جہاد کی قدر جڑا ہی جی سے نکل جاتی ہے بلکہ کوئی عبادت متعہ کے سامنے آنکھوں میں نہیں جھپتی۔ غرض ایسی ایسی لذتوں کی بدولت اس مذہب کی رونق ہوئی ورنہ جہاد و اجتہاد ائمہ تو معلوم جس سے یہ فروغ ہوتا اور کہہ سکتے کہ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جہادوں سے اسلام کو فروغ ہوا۔ اماموں کے جہادوں سے مذہب شیعہ کو ترقی ہوئی۔

(بقیہ حاشیہ)

قال لا یس لہ الا ما احل لہ منہا لو  
احل لہ قبلہ منہا لم یحل لہ ما سوی  
ذلك، قلت ارایت ان احل لہ ما دون  
الفرج فغلبتہ الشهوة فاقترضھا قال  
لا ینبغی لہ ذلك قلت فان فعل ا یكون  
زانیاً؟ قال لا ولکن یکون خائناً  
(کافی ص ۶۸ طبع تہران)

کیا وہ اس کی بکارت زائل کر سکتا ہے؟ فرمایا نہیں یہ  
اس کے لیے روا نہیں سوائے اس کے جو اس نے حلال  
کر دیا فضیل کہتے ہیں میں نے کہا آپ کیا فرماتے ہیں۔  
اگر اس کے لیے فرج کے علاوہ حلال کیا تو اس آدمی  
پر شہوت نے غلبہ کیا اور اس نے اس لوٹڈی کی  
بکارت زائل کر دی اہم نے کہا یہ اس کے لیے مناسب نہیں  
ہیں نے کہا اگر اس نے ایسا کیا تو کیا زانی ہوگا؟ اہم نے کہا  
نہیں خائن ہوگا۔

(۴) عن ابی عبد اللہ علیہ السلام اذا احل  
الرجل للرجل من جاریتہ قبلۃ لم یحل  
لہ غیرھا فان احل لہ منہا دون الفرج  
لم یحل لہ غیرہ وان احل لہ الفرج  
حل لہ جمیعہا۔ (کافی ص ۶۸ طبع تہران)

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ  
جب کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کے لیے اپنی لونڈی کا بوسہ حلال  
کرے تو اس کے لیے سوا بوسہ کے اور کچھ حلال نہیں اگر شر مگاہ  
کے علاوہ حلال کرے تو اس کے لیے اس کے علاوہ کچھ حلال  
نہیں اگر شر مگاہ حلال کرے تو اس کا تمام بدن حلال ہے۔



(سورۃ مومنون اور سورۃ معارج کی آیات میں صرف منکوحہ اور لونڈی حلال ہیں لیکن متعہ والی عورت کسی قسم میں داخل نہیں) لیکن بایں ہمہ صاف کلام اللہ کے مخالف (پ) سورۃ مومنون (۱۴) اور سورۃ معارج (۴) دیکھیں یوں فرماتے ہیں۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِأُفُوجِهِمْ حَفِظُونَ  
إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ  
فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ فَمَنْ ابْتَغَىٰ  
وَدَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ

(اور جو اپنی شوہر کی جگہ کو تھامتے ہیں مگر اپنی عورت پر اپنے ہاتھ کے مال باندیوں پر سوال پر نہیں کچھ الزام پھر جو کوئی دھونڈے اس کے سوا سو وہی ہیں حد سے بڑھنے والے۔)

جس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ بی بی اور باندی کے سوا اور کسی سے صحبت کریں تو وہ لوگ حد سے نکل جانے والے ہیں اور ظاہر ہے کہ متعہ کی عورت نہ بی بی ہے نہ باندی۔ بی بی تو اس لیے نہیں کہ لہذا آیت فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنً وَثُلثٌ وَرُبْعٌ نکاح چار (عورتوں) سے زیادہ نہیں اور متعہ میں شمول کے نزدیک یہ قید نہیں۔

اور لفظ نکاح سے زوجیت ثابت نہیں ہوتی تو اس ہٹ دھرمی کا کیا علاج ہے کہ سورت نسا کے دو سر رکوع میں فرماتے ہیں وَلَهُنَّ النِّسَاءُ مِمَّا تَرَكَتُمْ (اور عورتوں کے لیے جو تمہاری مال ہے اس میں سے جو چھوڑ دو تم) اور لہُنَّ کی ضمیر انوکھا کی طرف راجع ہے جو پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اور ازواج سب جانتے ہیں کہ بی بی کو کہتے ہیں۔ غرض جو لفظ ازواج سورۃ مومنون اور سورۃ معارج میں ہے وہی سورۃ نسا میں ہے۔ سورۃ نسا میں ازواج کی نسبت میراث میں در صورتیکہ اولاد نہ ہو رُبْع، اور اولاد ہو تو ثَمْن، فرماتے ہیں۔

سو متعہ کی عورت اگر ازواج میں داخل ہوتی تو اس کو میراث بقدر مذکور ملا کرتی۔ حالانکہ باتفاق شیعہ، متعہ کی عورت وارث نہیں ہوتی۔ علیٰ ہذا القیاس اور احکام مثل عدت طلاق وغیرہ کی جو بہ نسبت ازواج کلام اللہ میں مذکور ہیں متعہ کی عورت کی نسبت شیعہ تجویز نہیں کرتے اگر اندیشہ تطویل نہ ہوتا تو میں ہی سب کو بتلاتا۔ مگر یوں سمجھ کر کہ کلام اللہ موجود ہے پڑھنے والے خود دیکھ لیں گے اسی پر اکتفا کی جاتی۔ بالجلہ زن متعہ داخل ازواج تو نہیں چنانچہ خود شیعہ بھی اپنی کتابوں میں زن متعہ کو ازواج میں شمار نہیں کرتے۔



باقی رہا باندی ہونا اس کے ابطال کی کچھ حاجت نہیں۔ خود ظاہر ہے کون کسے گا کہ زن متعہ باندی ہے  
 ورنہ بیع، اشراء، ہبہ، عتق وغیرہ سب احکام جاری ہوتے۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ زن متعہ زوجہ ہے  
 نہ باندی تو متعہ کرنے والے منجملہ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ہوئے یا نہ ہوئے، یعنی منجملہ ظالمین جو  
 بمعنی عادیں ہے۔ اب غور فرمائیے کہ یہ مسئلہ باتفاق (شیعہ) منجملہ عبادات ہے سبحان اللہ مسنیوں پر  
 ان باتوں پر طعن جو ان کے ہاں اگر ہیں تو منجملہ مباحات ہیں نہ عبادات۔ پھر وہ بھی اختلافی نہ اتفاقی اور  
 وہ بھی اجتہاد ہے نہ یہ کہ بحوالہ نصوص قرآنی یا نصوص احادیث۔ پھر ان میں بھی کوئی بات خلاف عقل  
 و نقل نہیں بلکہ عقل و نقل دونوں اس کے مؤید ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ انشاء اللہ عنقریب ہی واضح ہو جاتا  
 ہے۔ اور اپنی خبر نہیں لیتے کہ صریح زنا مخالف قرآن شریف پھر اس کو یہ بھی نہیں کہ مباح کہہ کر چپ ہو  
 رہیں بروایت ائمہ اس کے فضائل بھی بیان کریں۔ پھر فضائل بھی ایسے ویسے نہیں کہ انسان گرفتار ہو  
 ہو اس تو درکنار فرشتہ بھی تو ان فضائل کو سن کر لوٹ پوٹ ہو جائے اور متعہ کرنے کو تیار ہو آدمی دوسرے  
 پر طعن کرے تو اپنی خبر لے لے۔

(شاید متعہ کسی بھی مذہب و | حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر آج تک اس فحش صریح  
 ملت میں جائز نہ ہوا ہو) | کا یہ اہتمام کسی مذہب کسی ملت کسی دین کسی آئین میں نہ ہوا ہو گا۔  
 پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ بعض روایتوں سے تو اجازت عام معلوم ہوتی ہے کہ کنواریاں اور رانڑیں  
 ہی نہیں خاوند والیاں بھی اس عیش و نشاط سے اپنا جی ٹھنڈا کر لیں۔ پھر وہ بھی ایک ہی سے نہیں۔  
 پانچ دس مردوں سے اختیار ہے چنانچہ علی بن احمد بیہی جو شیعوں میں بڑے جلیل القدر عالم تھے۔  
 اس پر فتوے دے مرے کہ متعہ دور یہ یعنی ایک عورت کئی مردوں سے متعہ کر لے جائز ہے اور وہی  
 کیا اور بھی بڑے بڑے عالم اُن کے ہم زبان ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اصح علمائے شیعہ کے نزدیک یہی ہے  
 کہ خاوند والیوں کو بھی متعہ جائز ہے۔ اور اگر یہ بات شیعانِ زمانہ بروئے نقل بالفرض تسلیم نہ کریں تو  
 بروئے عقل تو قابلِ تسلیم ہی ہے۔ اگر مجتہدین اولین کے خیال میں اس قسم کے متعہ کی اباحت نہیں آئی۔  
 تو مجتہد العصر کو تجدید دین فرمانی چاہئے۔ وجہ اباحت اگر ذہن میں نہ آئی ہو تو یہ خاکِ عرض پر داز ہے۔  
 پھر شکوانہ احسان ضروری ہے۔



نکاح معاملات کے قبل سے ہے اور متعہ عبادات سے اس لیے متعہ میں تعدد و جمعہ نہیں)

نکاح میں جو عورت کے لیے تعدد و ازدواج جائز نہیں تو یہ وجہ ہے کہ نکاح از قسم معاملات ہے۔ بیع شرعی

کی طرح جس سے معاملہ ہو گیا ہو گیا۔ مجملہ عبادات میں نہیں جو ثواب کی امید ہو اور تائید ثواب کے لیے دس پانچ سے کیا جائے اور ترویج دین کے لیے خاوند و الہوں کو اجازت دی جائے ہاں بحمد اللہ نعوذ باللہ متعہ میں ماشاء اللہ نعوذ باللہ یہ فضائل ہیں کہ نہ پوچھتے ایک متعہ میں حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ کا دوسرے میں حضرت سبط اکبر رضی اللہ عنہ کا تیسرے میں حضرت امیر کا چوتھے میں خود مقام سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوتا ہے اور غور کیجئے تو بقیاس صائب پانچویں مرتہ میں خدائی کی امید۔ وہ وعدہ نہ سہی پر قطرات غسل سے ملائک کا تولد کس قدر موجب برکات ہو گا۔ وہ ملائک اس احسان کے بدلے کیا کچھ عرق ریزیاں دعا و استغفار میں کریں گے اور ان کی تسبیحات کا ثواب بے پایاں کیا حلو و بدلے و دوسری طرح مفت ہاتھ آئے گا۔ سند مطلوب ہے تو تفسیر میر فتح اللہ شیرازی ملاحظہ فرمائیں الغرض یہ فضائل متعہ اس بات کو تقضی ہیں کہ جس قدر ہو سکے دریغ نہ کیجئے۔ عورت کی طرف دیکھئے تو اس کے حق میں متعہ کا کرنامہ دوں کے حق میں بڑی فیض رسانی ہے۔ اگر وہ نہ کریں تو مردوں کو یہ فضائل کیوں کر میسر آئیں۔ علیٰ ہذا القیاس مردوں کی طرف دیکھئے تو ان کا متعہ کرنا عورتوں کے لئے فیض کا کام ہے۔ سو اس فیض کو طرفین میں عام ہی رکھنا چاہیے۔

(متعہ کو نکاح پر قیاس کرنا باطل ہے اور نکاح پر قیاس نہ فرمائیں کیونکہ وہاں مقصود بالذات کیونکہ عورتیں بمنزلہ کھیتی کے ہیں اور متعہ کی صورت میں تقسیم اولاد ممکن نہیں)

خود حضرت خداوند تعالیٰ بھی یہی ارشاد فرماتا ہے إناؤمکھ حدت لکھ۔ سو اس زمین میں اگر دس پانچ کا اشتراک ہو گا تو اس کی پیداوار بھی اعنی اولاد بھی مشترک ہوگی اور بایں نظر کہ مقصود بالذات اس زمین سے جسے بی بی کیئے۔ یہ پیداوار ہے جسے اولاد کیئے سو جسے زمین اصلی سے اس کی پیداوار مقصود ہوتی ہے یہاں بھی ہر کوئی اس پیداوار کا خواستگار ہے۔ فضائل متعہ الشیخ ذکرہ حوالے ص ۲۲۸ پر تفصیلاً مع اصل عبارات و صفحہ نمبر درج کر دیے ہیں۔



ہوگا اور نیز خواہش طبعی تولد اولاد بھی اسی کو مقتضی ہے پھر بوجہ محبت طبعی یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔  
 اس کو لیجئے اس کو نہ لیجئے جو سب میں یوں تقسیم ہو جائے کہ در صورت تعدد اولاد ایک بچہ ایک لے  
 لے اور دوسرا بچہ دوسرا لے۔ اور نہ یہ ہو سکے کہ ہر بچہ کو کانت پچانٹ کر گوشت کی طرح تقسیم  
 کر لیں جیسے در صورتیکہ ایک ہی بچہ ہو صورت تقسیم ہی نظر آتی ہے اس لیے چار و ناچار نکاح میں  
 مردوں کا تعدد تو ممکن نہ ہوا ہاں عورتوں کے تعدد میں کچھ غرابی نہ تھی۔ پر متعہ میں مقصود بالذات  
 اولاد ہوتی ہی نہیں بلکہ قضاء حاجت اور تحصیل ثواب یا دوسرے کی حاجت کا رو کر دینا اور  
 ثواب کا کام کر دینا (ہوتا ہے) بلکہ بعض صورتوں میں تحصیل اولاد ممکن ہی نہیں۔ جیسے ایک ایک دو  
 دوشب کے لیے کوئی عورت روز متعہ کرتی ہے، اس لیے کہ ایسی صورت میں اول تو بوجہ کثرت  
 مجامعت جیسے رنڈیوں کی اولاد بہت کم ہوتی ہے اولاد ہی کیوں ہوگی اور اگر ہوگی بھی تو بھی کی ہو  
 گی۔ کسی ایک کی کینچل کہہ دیجئے جو اس کے حوالہ کر دیجئے پھر اولاد مقصود نہ ہوئی تو وہی قضا حاجت  
 و تحصیل و ثواب یا دوسرے کی حاجت روائی اور تائید کا ثواب باقی رہ گئے۔

سو اس کی ممانعت قرین عقل و نقل پر نہ نہیں فیض اور ثواب کا کام ہے جس قدر ہو سکے عنایت  
 ہے ایک سے کرنے میں ایک کا فیض اور ایک کا ثواب ہوگا تو دوسرے اور دس پانچ سے کرنے  
 میں زیادہ ہی فیض اور زیادہ ہی ثواب ہوگا۔

(خاوند والی عورت کے متعہ میں اشتباہ | علیٰ ہذا القیاس خاوند والیوں اور ان کے خاوندوں  
 اولاد مقصود نہیں کیونکہ الولد للفراش) کے حق میں متعہ میں مضرت مفقود اور منفعت موجود  
 ہے عورت کے حق میں اپنی قضا حاجت جدا دوسرے کی حاجت روائی جدا اپنا ثواب جدا دوسرے  
 کے ثواب میں شریک ہو جانا جدا۔ پھر خاوند کے لیے بے محنت بچوں کی امید بے بوائے جوتے کھینچتی  
 ہکی پکائی ہاتھ آئی اس سے زیادہ اور کیا نفع ہوگا غرض جو وجہ ممانعت تعدد ازواج عورت کے  
 حق میں نکاح میں تھی یہاں اصلاً نہیں پھر تجدید دین کو کیوں ہاتھ سے دیجئے اور کا ہے کو اس فتویٰ  
 فیض سے احتراز کیجئے۔ بالکل اپنے گھر کا تو یہ حال پھر شیعہ امام ابو حنیفہؒ اور  
 اہم شافعیؒ پر طعن کریں تو یہ کریں کہ ایک نے تو شراب کو حلال فرمایا دوسرے نے اولاد الزنا  
 کو (نکاح میں) حلال بتایا۔



(امام عظیم ابو حنیفہؒ نے شراب کو حلال نہیں کہا) | صاحبو! امام ابو حنیفہؒ نے اگر شراب کو حلال کہا ہے تو مطلق شراب کو حلال نہیں کہا ہے۔ حالت اضطرار میں حلال کہا ہے جس میں خود خداوند کریم نے مردار وغیرہ محرمات کو حلال کہا ہے اعتباراً آئے تو سورہ مائدہ کے پہلے رکوع کی آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ سَلَامَتُهَا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ تک تلاوت فرمائیں۔ آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ سَلَامَتُهَا اگر مردار وغیرہ محرمات کا حکم ہونا معلوم ہو گا تو آیت۔

فَمَنْ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرِ مُتَجَانِفٍ لِآثِمِهِ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (پ مائدہ ۶۷) (پھر جو کوئی لاچار ہو جاوے بھوک میں لیکن گناہ پر مائل نہ ہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے)

سے انہی محرمات کا حالت اضطرار میں جواز معلوم ہو جائے گا۔ سو حضرات شیعہ ہی انصاف فرمائیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے ایسے وقت میں اگر شراب کو حلال فرمایا تو خدا ہی کے اشاروں پر چلے کچھ خدا کی مخالفت تو نہیں کی جو اس قدر رنج و ملال ہے مگر ہاں شاید حضرات روافض کو خود جناب احکم الحاکمین پر اعتراض ہو اور نہیں تب اب کریں گے۔ خیر اگر یہ ہے تو ہمیں بھی شکایت نہیں اور جواب کی کچھ حاجت نہیں فقط اس وقت یہ ایک شعر کافی ہے۔

تادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی گوشت خاک ماہم بر باد رفتہ باشد  
بایں ہمہ امام ہمام نے بوقت مذکور اگر کہا ہے تو حلال ہی کہا ہے۔ فرض، واجب، سنت، مستحب تو نہیں کہا جائز ہی فرمایا ہے۔ مستوجب حصول درجاتِ ائمہ اطہار و سید ابراہیم علیہ السلام و اصحابہ اجمعین تو نہیں فرمایا۔ متعہ کے برابر کر دیتے تو جائزے اعتراض تھی کہ ایسی ناپاک چیز کو ایسے پاک کام کے برابر کر دیا فقط جواز پر اس قدر ترش رو ہونا مناسب نہیں۔

(امام شافعیؒ کی طرف سے) | رہے امام شافعیؒ انہوں نے اگر اولاد الزنا کا نکاح جائز فرمایا۔ تو بایں نظر فرمایا حرمیت مصاہرہ کا جواب) کہ زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا چنانچہ میراث کا نہ ملنا اس کی دلیل ہے پھر حرمیت نسب و مصاہرہ ثابت کیوں ہوگی۔ اور میں جانتا ہوں انہوں نے کچھ بے جا نہیں کہا۔

قطع نظر اس کے کہ نسب جیسی نعمت جس کے نعمت ہونے پر ادھر اپنا وجدان، دوسری آیت قرآن واقعہ سورہ فرقان۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَاقْرَابًا (پ مائدہ ۷۵) (اور وہی ہے جس نے بنایا پانی سے آدمی پھر ٹھہرایا اس



کے لیے جد اور سرال اور تیرا رب سب کچھ کر سکتا ہے۔

دو شاہ عادل گواہ ہیں، ایسے فعل قبیح سے جسے زنا کہتے ہیں کیونکہ ثابت ہو ورنہ زنا بھی منجملہ انعامات ہو محرمات نہ ہو۔ مستح کو دیکھا کہ باوجود کثرت فضائل و فوہر محامد عظمت ثواب مثبت نسب نہیں۔ چنانچہ اولاد مستح کو میراث نہیں پہنچتی، پھر جب شیعوں کے نزدیک مستح مثبت نسب نہ ہوا۔ اہم شافعی اس پر قیاس کر کے زنا کو مثبت نہ سمجھیں تو خفا ہونے کی بات نہیں۔ شیعوں کو تو آفرین و تحنیں کرنی چاہیے۔ ہاں یہ شکایت ہو تو بجا ہے کہ زنا مستح کے ساتھ زنا مشہور کی اتنی برابری میں بھی بے ادبی ہے زنا مستح کجا زنا مشہور کجا۔ پھر زنا معلوم کو ایسے زنا کے ساتھ جو عبادت ہوتا بھی مشابہ نہ رکھنا چاہیے مگر یہ شکایت اور یہ اعتراض ہے تو اہل سنت کے پاس اس کا جواب نہیں اور ہے تو یہ ہے۔

”جواب جاہلان باشد خموشی“

لیکن شیعہ انصاف کریں تو جائے شکایت نہیں۔ ہاں زنا معلوم کو فضائل میں زنا مستح کے برابر کر دیتے تو بے جا تھا۔ اب کیا ہے ابھی زمین و آسمان کا فرق باقی ہے اور ان سب باتوں کو جاننے دیجئے اہم ابو حنیفہؒ اور اہم شافعیؒ شیعوں کے نزدیک شیعوں کے سے اہم نہیں جو ان کی غلطی سے سنہوں کا کوئی رکن مذہب ڈھ جائے۔

(شیعہ مذہب کے اصول بھی علاوہ بریں مسائل مذکور کچھ اصول احکام مذہب اہل سنت اور مسائل متفق قرآن پاک سے ٹکراتے ہیں) علیہ میں سے نہیں پھر ان کی حلت حرمت بھی ایسی زبان زد عام نہیں ہاں ائمہ شیعہ کی روایت سے ثابت۔ جن کی طرف بطور شیعہ احتمال خطا ممکن نہیں۔ پھر مسائل متفق علیہا اور اصول مذہب میں سے اگر کوئی اس مسئلہ کو نہ مانے تو شیعہ ہی نہیں تو اس پر اس کا حال اور اس کی حلت ایسی واضح کہ کسی پر غنی نہیں۔ اب لازم یوں ہے کہ ہمارے اس اعتراض کا جواب دیجئے ورنہ یہ شرط انصاف نہیں کہ دوسروں سے تقاضا کریں اور اپنے آپ آئیں غائیں بتلائیں۔ باقی فروع کو بھی اسی پر قیاس کیجئے تو قیاس کُن زنگستان من بہار مرا۔

سبہ اصول سوا اصول کی کچھ نہ پوچھئے ائمہ کو ان کے اعتقاد کے موافق علم ازل وابد اور اپنی موت و حیات کا اختیار جس کے بطلان پر بیسیوں آیتیں کلام اللہ کی گواہ۔ زیادہ کی فرصت نہیں ایک ایک آیت دونوں کے بطلان کے لیے پیش کش ہے۔ اول کے لیے۔



قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبُ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَتَّبِعُونَ إِلَّا أَنْوَاعَ الظُّلُمَاتِ يَنْبَغُونَ

دو کہ خبر نہیں رکھتا جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں جیسی ہوئی چیز کی سزا اللہ اور ان کو خبر نہیں کہ جی اٹھیں گے

جو (پٹ) سورہ نمل (خ ۵) میں واقع ہے اور دوسرے مسئلہ کے ابطال کے لیے

إِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ فَلَا يَتَأَخَّرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ (پ یونس ۵۴) جب آپہنچے گا ان کا وعدہ پھر نہ پیچھے سرک سکیں گے ایک گھڑی اور نہ آگے سرک سکیں گے۔

جو کئی بالفاظ فار کی تقدیم و تاخیر کے ساتھ واقع ہے۔ سو اس کے اور کچھ حاجت نہیں مشتے نمونہ خروارے۔ ہاں اگر اس بات کا اعتبار نہ ہو کہ شیعہ کا یہ مذہب اور یہ اعتقاد ہے یا نہیں تو کلینی کو ملاحظہ فرمائیں اور پھر یہ فرمائیے کہ سفیوں کو تو ذرا سی مخالفت کلام الشریعہ اتنے طعنے پھر وہ مخالفت جی موافق

لہ شیعہ محدث کلینی اب قائم کرتے ہیں "ان الاثمة عليهم السلام يعلمون متى يموتون وانهم لا يموتون الا باختيار منهم" یعنی ائمہ اپنی موت کے وقت سے باخبر ہوتے ہیں اور وہ اپنے اختیار سے ہی مرتے ہیں۔ اسی باب کے نیچے روایت نقل کی ہے۔

قال ابو عبد الله عليه السلام اى الامام لا يعلم ما يصيبه والى ما يصير فليس ذلك بحجة الله على خلقه (کافی ص ۲۵۸ طبع تہران) امام جعفر صادق نے فرمایا جو امام اپنے آئندہ پیش آنے والے حالات و واقعات سے باخبر نہ ہو وہ اللہ کی طرف سے اس کی مخلوق پر حجت نہیں۔

اسی طرح کلینی نے دوسرا باب قائم کیا ہے "باب: ان الاثمة عليهم السلام يعلمون ما كان وما يكون وان الله لا يخفى عليهم الشئ صلوات الله عليهم" یعنی ائمہ ازل سے ابد تک کا علم جانتے ہیں اور ان پر کوئی چیز مخفی نہیں رہتی۔ اس باب کے نیچے کلینی اپنی سند کے ساتھ روایت نقل کرتے ہیں۔

ملہ عن سيف التمار قال كنا مع ابي عبد الله عليه السلام جماعة من الشيعة في الحقل قال علينا عين؟ فالتفتنا يمنة ويسرة فلم نراها فقلنا ليس علينا عين فقال و رب الكعبة ورب البنية ثلاث مرات۔ سيف تمار کہتے ہیں امام جعفر صادق شیعہ کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے تھے تو انہوں نے کہا کہ ہماری کوئی جاسوسی کر رہا ہے پس ہم نے دائیں بائیں توجہ کی تو ہم نے کسی کو بھی نہ دیکھا۔ ہم نے کہا ہماری کوئی بھی جاسوسی نہیں کر رہا تو امام نے کہا کعبہ کے رب عمارت



مصرع مومن سے میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا۔

اپنے ہی قصور فہم سے مخالفت معلوم ہوتی ہے اور اپنی خبر نہیں لیتے کہ اصول سے فروغ تک جتنے سنے ہیں سب کے سب کلام اللہ کے مخالف اور پھر مخالفت بھی کیسی کچھ کہ الہی پناہ! موافقت کے لیے دوسرا ہی کلام اللہ (اہم غار والا) چاہیے اس کلام کی موافقت تو معلوم واللہ اعلم۔

## سوال پنجم

حضرات اہل سنت شیعوں کی عزاداری اہم حسین رضی اللہ عنہ میں سیرہ پوشی اور سینہ زنی پر مستحسن ہے ہیں۔ حالانکہ خانہ کعبہ کا خلاف کالا ہے۔ اور جلال الدین سیوطی کے فتویٰ سے خلفاء عباسیہ شاہانہ سیاہ لباس استعمال کرتے تھے۔

## بقیہ حاشیہ

لو كنت بين موسى والخضر لاخبرتهما  
الى اعلم منهما ولا تبثهما بما ليس في  
ايديهما۔ لان موسى والخضر عليهما السلام  
اعطيا علم ما كان ولم يعطيا علم  
ما يكون وما هو كائن حتى تقوم الساعة  
وقد وثقنا من رسول الله صلى الله عليه  
وسلم وراثته۔ (اصول کافی ص ۲۶ طبع تہران)

کعبہ کے رب کی قسم یہ انہوں نے تین مرتبہ کہا اگر میں  
موسیٰ اور خضر کے پاس ہوتا تو انہیں خبر دیتا کہ میں ان  
دونوں سے زیادہ جانتا ہوں اور انہیں وہ چیز بتاتا  
جو ان کے پاس نہ تھی اس لیے کہ موسیٰ اور خضر علیہما السلام  
کو جو کچھ ہو چکا اس کا علم تو دریا گیا اور قیامت تک ہونے  
والے امور کا علم انہیں نہیں دیا گیا اور ہم نے یہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم وراثت پائی ہے۔

ط سمعوا ابا عبد الله يقول اني لاعلم  
ما في السموات وما في الارض واعلم  
ما في الجنة واعلم ما في  
النار واعلم ما كان وما يكون  
(کافی ص ۲۶ طبع تہران)

امام جعفر صادق سے بہت سے شیعوں کو نقل کرتے  
ہیں کہ امام نے کہا بے شک میں جانتا ہوں جو کچھ آسمانوں  
میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور میں جانتا ہوں  
جو کچھ جنت میں ہے اور میں جانتا ہوں جو کچھ ہو چکا یا  
جو کچھ ہونے والا ہے۔ ۱۲۔ محمد اشرف۔



**جواب سوال پنجم** | اس سوال کا کیا جواب لکھئے جیسے اپنے مذہب اور اہل مذہب کی درمندی باعث تحریر جواب ہے ایلے ہی حضرات شیعہ کی خوش فہمی پر افسوس موجب ہیج و تاب ہے۔ علماء شیعہ کو اگر اعتراض کرنا نہیں آیا تھا تو اہل سنت ہی سے سیکھ لیتے جہاں کلام اللہ کا (ان کو) استاد بنایا تھا۔ کہ اگر وہ نہ ہوتے تو پھر کلام اللہ بھی جہاں میں نہ ہوتا۔ فہم مطالب میں بھی ان ہی کی جوتیاں سیدھی کرتے۔

**(دعویٰ و دلیل میں مطابقت نہیں)** | دلیل کیا ہے مدلول کیا ہے۔ کجا خانہ کعبہ اور خلفاء عباسیہ

کی سیر پوشی۔ کجا حضرت سید الشہداءؑ کے ماتم کی سیر پوشی ہے۔ غم میں اور فرحت میں ہے فرق زمین و آسمان کا۔ کھول کر آنکھیں تو دیکھو وہ کہاں اور یہ کہاں اجی حضرات کچھ انصاف فرمائیے خانہ کعبہ پر نوحہ کرنے والوں کو کیوں کر قیاس کریں وہ خدا کا گھر یہ خدا سے بے خبر اگر خدا یاد ہوتا تو یہ گریہ و زاری اور یہ نوحہ و بے قراری نہ ہوتی خدا تو فرمائے۔  
وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (پاک افغان) (اور صبر کرو بیشک اللہ ساتھ ہے صبر والوں کے) یہاں اٹھے رونے دھونے سے کار خدا تو فرمائے۔ وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ (پاک عمران ع) (اور اللہ محبت کرتا ہے ثابت قدم رہنے والوں سے) یہاں اور برعکس دونی زار و زار ہے۔ اجی صاحب حضرت سید الشہداءؑ سے صدمہ ہے تو صبر کیجئے خدا کی اطاعت کو ہاتھ سے نہ دیجئے اور رنج و صدمہ نہیں اور یہی سچ ہے تو دونوں نہ کیجئے اور کالے کپڑوں اور جھوٹے آنسوؤں سے دعویٰ محبت نہ کیجئے۔ اگر یہی دین و آئین ہے تو منافقین زمانہ نبوی بدرجہ اولیٰ دیندار اور سچی کرامت پروردگار ہوں گے۔ آپ اگر اظہار محبت سید الشہداءؑ کرتے ہیں تو وہ اظہار محبت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے ان کے اگر جی میں (محبت) نہ تھی تو محبت تو آپ کے جی میں نہیں۔

**(گریہ و زاری دلیل ایمان و محبت نہیں)** | باقی رہا سوز خوانی اور تصویر واقعہ کربلا سے اگر رونا آتا ہے تو اس میں آپ ہی کا کیا کمال ہوا۔ مجوس، ہنود و نصاریٰ یہود بھی اگر اس کیفیت کو سنیں تو روتا ہٹیں۔ کیفیات مصائب کو سن کر تو اجنبیوں کو بھی رونا آ جاتا ہے اس کو محبت نہیں کہتے چنانچہ ظاہر ہے۔ اور اسے بھی جانے دیجئے اگر یہی قیاس ہے تو کل کو بوجہ مقبولیت غم اہم رضی اللہ عنہ سیر پوشان محرم الحرام دعوتے مسجودیت کریں گے۔



وہی خانہ کعبہ جس کی سیاہ پوشی دستاویز ہے

یہ پوشی محرم ہے قبلہ نماز اور مٹا  
عشق جانگداز ہے۔ جب سیاہ پوشی وہاں سے اڑائی تو قبلہ و کعبہ بننے کے لیے کون مانع ہے حضرت  
قبلہ و کعبہ مجتہد العصر تو برائے نام ہی قبلہ و کعبہ ہیں۔ پر نوحہ کمال سیاہ پوشی محرم واقعی قبلہ  
و کعبہ بنیں گے۔ اور حضرت قبلہ و کعبہ مجتہد العصر بھی ناچار ان کی جانب جھکیں گے۔ آخر ہم سنتے  
ہیں کہ حضرت مجتہد العصر دربارہ سیاہ پوشی و سینہ زنی و تعزیر داری و مرثیہ خوانی ان اہتمام اور ان  
امور خیر میں جو شعر و محبت ہیں مثل عوام کوشش و اجتہاد نہیں فرماتے۔ علیٰ ہذا القیاس مجتہدان گذشتہ کا حال  
بھی ایسا ہی سنتے چلے آتے ہیں۔ بالحد قیاس کرنے کو کوئی مشابہت بھی چاہیے۔ لباس خانہ کعبہ پر  
لباس نوحہ گراں بے صبر کو قیاس نہ کرنا چاہیے۔ وہ اور قسم کی چیز منظر ان غم اور قسم ابیں ہمہ ایک قسم ہیں  
میں بھی ایک حال کا لحاظ ضرور ہے۔ بیمار کو صحیح تندرستوں پر قیاس کر کے بد پرہیزی کی چیزیں نہ کھلانی  
چاہئیں اگرچہ دونوں ایک ہی قسم کی چیز ہیں۔ سو جیسے صحیح تندرستوں کو پلاؤ زردہ شیر مال باقر خانی عمدہ غذا  
کھانے میں کوئی عرج نہیں اور بیمار کھائے تو خیر نہیں۔ ایسے ہی خانہ کعبہ کے لیے سیاہ پوشی جائز ہو اور  
نوحہ گروں کے لیے جائز نہ ہو تو کیا مضائقہ ہے ہاں اگر سیاہ پوشی زین کے مقدمہ میں ایسی ہوتی جیسے زینا  
بنی آدم کے لیے نہ صحیح تندرست کو کھانا چاہیے نہ بیمار کو اس وقت اس اعتراض کا موقع تھا ہم بھی  
کہتے کہ جو چیز اصل سے بُری ہے وہ سب کے لیے بُری ہے اور سب کے لیے بُری ہے۔ مگر لباس سیاہ  
کسی کے نزدیک کسی مذہب میں اصل سے بُرا نہیں جو یوں کہنے کہ خانہ کعبہ کے لیے بھی بُرا ہے اور خلع  
عباسیہ کے لیے بھی بُرا ہے۔ اس میں اگر بُرائی ہے تو اسی وجہ سے بُرائی ہے جو درباب مرثیہ خوانی جواب  
سوال اول میں مرقوم ہو چکی۔ اسی بایں وجہ کہ یہ کام شیعوں کے نزدیک ان کاموں میں سے ہے جس پر ثواب  
کی امید ہے پھر بایں ہمہ نہ کلام اللہ میں اس کا پتہ نہ حدیث شریف میں اس کا نشان۔ کلام اللہ کا حال  
تو ظاہر ہے بلکہ کلام اللہ میں اگر ہے تو صبر کی تاکید ہے نہ یہ کہ جزع و فزع کیا کرو و اتفاق کی ممانعت ہے  
نہ یہ کہ غم کی صورت بنا کر سب کو جتلیا کر دو۔ چنانچہ اوپر مذکور ہو چکا۔

ابن عزاہری کی قرآن کی طرح احادیث میں بھی تائید نہیں رہی احادیث نبوی و کلام اللہ کے موافق اور کیوں نہ ہو  
موافق آیت شریف وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَبْيِينًا لِّكُلِّ شَيْءٍ جس کے یہ معنی ہیں کہ اناری  
ہم نے تجھ پر کتاب جس میں سب چیز کا بیان ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ احادیث میں بجز تفصیل اجمال



کلام اللہ اور شرح مشکلات قرآن اور کچھ نہ ہوگا۔ ورنہ احادیث میں سوائے کلام اللہ اگر اور بھی ایسے احکام ہوں جن کا کلام اللہ میں صراحت ذکر نہ ہو اشارۃً۔ تو پھر اس کی کیا صورت ہوگی کہ کلام اللہ میں سب چیز کا بیان ہے۔ سو بایں نظر کہ کلام اللہ میں صاف صاف صبر کی تاکیدیں اور نفاق کی ممانعتیں ہیں۔ اور اس قسم کے خرافات کا اصلاً ذکر نہیں جو حضرات شیعہ محرم و غیر محرم میں کرتے ہیں۔ تو اہل فہم کو یقین ہو گیا ہوگا کہ احادیث میں جو ہوگا وہ اس کے موافق ہوگا مخالف نہ ہوگا۔ اس صورت میں اس قسم کی واہیات موافق آیت مطوّر

إِتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ (پہ اعراف ۱) (چلو اسی پر جو اتر آتم پر تمہارے رب کی طرف سے اور نہ چلو اس کے سوا اور رفیقوں کے پیچھے)

سب ممنوع ہوں گے اور پھر موافق آیت۔  
وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (پہ بقرہ ۲۹) (سو وہی لوگ ہیں ظالم)

ان کاموں کے کر لے والے داخل زمرہ ظالمان ہوں گے۔  
(بدعت کی تعریف اور مسئلہ سے اس کی نفی) | ہاں اگر مثل خلفاء عباسیہ اور لباس خانہ کعبہ سیاہ پوشی

موجب ثواب نہ سمجھتے جیسے بہت سے اہل شوق سیاہ پہناؤ و غیرہ الوان کے کپڑے پہنتے ہیں اور کچھ موجب ثواب نہیں سمجھتے تو یہ کام ممنوع نہ ہوتا۔ بالجملہ موافق آیات مذکورہ اور نیز موافق حدیث مشہور و مذکور۔  
مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (بخاری ص ۱۱۲ مسلم ص ۲۷)

اور نیز موافق حدیث كُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (مسلم ص ۲۸۵) (ہر بدعت گمراہی ہے) جو باتیں کلام اللہ اور احادیث سے ثابت نہ ہوں پھر ان کو بے ضرورت شرعیہ ثواب سمجھ کر کرے تو وہ باتیں سب منجملہ بدعتا ہوں گی باقی وہ کیا چیزیں ہیں جو بوجہ ضرورت شرعیہ باوجودیکہ کلام اللہ اور حدیث میں نہیں ہوتیں موجب ثواب ہوتیں ہیں۔ تفصیل تو ان کی ممکن نہیں ہاں کوئی ایک نظیرہ نظر ہو تو بغور سنئے۔

منجملہ ان کے توپ بندوق وغیرہ سے جہاد کا کرنا۔ دین کی کتابوں کا تصنیف کرنا ہے یعنی یہ چیزیں ہر چند کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں مگر ان کی مثال ایسی ہے جیسے طبیب نسخہ میں دو تولہ شربت بنفشہ مثلاً لکھے اور بیمار کسی سے شربت بنفشہ کی ترکیب دریافت کر کے دوا میں جمع کرے مٹھائی لائے جو لہا بنائے آگ جلانے تو ام پکائے شربت بنفشہ بنائے ہر چند اتنے



بکھیلنے کی نسبت نسخہ میں تصریح نہ تھی مگر بایں نظر کہ شربت بنفشہ بے اس بکھیلنے کے حاصل نہیں ہو سکتا،  
 لاچار کرنا پڑے گا اور اس بکھیلنے کا کرنا امثال امیر طبیب سمجھا جائے گا موجب خوشنودی طبیب ہوگا۔  
 سو جیسے طبیب نے نسخہ میں فقط دو تولہ شربت بنفشہ ہی لکھا تھا اور اس جھگڑے کا اصلاً مذکور نہ تھا اور  
 پھر بایں ہمہ اس کا کرنا موجب ناخوشی نہیں بلکہ اگر شربت بنفشہ تیار نہ ملے تو اس جھگڑے کا نہ کرنا البتہ  
 موجب ناخوشی ہوگا ایسا ہی تصنیف کتب اور آلات مذکورہ کی ہر چند کتاب اللہ اور احادیث نبوی میں  
 کہیں تصریح نہیں اپر بایں نظر کہ جہاد اور علم اس زمانہ میں دونوں پر موقوف ہیں تو ان کا کرنا موجب  
 ناخوشی نہ ہوگا بلکہ نہ کرنا موجب نارضا مندی خداوند ذوالجلال اور رسول باکمال صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا۔

(بدعت کی حسی مثال) ہاں اگر ایسی کئی بیشی ہو جیسے طبیب نے دو دوائیں لکھیں تھیں۔ یہ اس میں  
 اپنی رائے سے ایک دو بڑھا دے یا گھٹا دے یا اذان اور یہ میں اپنی رائے سے کئی بیشی کر دے جیسے طبیب  
 ایسے تصرفات ناخوش ہوتا ہے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسے تصرفات سے ناخوش ہوں گے  
 ان کی مثال ایسی ہے جیسے فرائض خمسہ کو چار کر دے یا چھ کر لیجے یا اعداد رکعات میں تصرف کر کے دخل  
 دے مگر چونکہ معمولات شیعہ کا نہ کلام اللہ و حدیث میں کہیں پتہ ہے نہ کوئی حکم احکام شرعیہ ضروریہ  
 میں سے اس پر موقوف بلکہ معمولات مذکورہ کے باعث صبر جو احکام ضروریہ شرعیہ میں سے ہے ہاتھ سے  
 جاتا رہتا ہے تو لاریب حسب ہدایت مثال مذکور سب موجب ناخوشی خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا۔

اب سنئے کہ جیسے کلام اللہ اور احادیث اہل سنت میں ان معمولات کا کہیں پتہ نہیں احادیث  
 اہل تشیع بھی ان کے بیان سے خالی ہیں اس لیے علماء شیعہ جو متقی بھی ہوتے ہیں ایسی باتوں سے احترازی  
 کرتے ہیں اور اگر فرض کیجئے احادیث شیعہ میں کہیں اس قسم کا مذکور بھی ہو تو قطع نظر اس سے کہ شیعوں  
 کے نزدیک وہ حدیثیں معتبر بھی ہیں یا نہیں۔ ان حدیثوں میں ہونا اہلسنت کے اعتراض کا دافع نہیں  
 ہو سکتا شیعوں کی معتبر حدیثوں کو بھی اہلسنت معتبر نہیں سمجھتے جو ان میں ہونا ان کے لیے حجت ہو۔ ہاں  
 اگر حضرت سائل یہ پوشی خانہ کعبہ اور سیہ پوشی خلفاء عباسیہ پر قیاس فرما کر اہل سنت پر الزام نہ رکھتے  
 اور قصد اثبات سیہ پوشی قواعد اہل سنت سے نہ کرتے تو خیر یہی کہتے کہ وہ بائیں اور ان کا کام جانے  
 مگر ستم تو یہ ہے کہ بے وجہ اہل سنت کے جیتے کرتے ہیں مصرع مشہور ہے ع



(لباس خلفاء عباسیہ سے یہ پوشی پر استدلال صحیح نہیں) | اب گزارش دیجیے یہ ہے کہ لباس خلفاء عباسیہ اگر بوجہ تمام داری حضرت سید الشہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ القیاس استرخانہ کعبہ بخرض مذکور سیاہ مقرر ہوا تب تو خلفاء عباسیہ کی وارثیت اور اہلسنت کی فریاد نہ کیجئے اور اگر بوجہ عزاداری حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ بوجہ زیب و زینت و آرائش ہے تو آپ کو کیا زیبا ہے کہ ایسے غم میں یہ خوشی۔ پھر وہ بھی باقتدار خلفاء عباسیہ جس سے ائمہ اہل بیتؑ نے کیا کیا رنج اٹھائے اور کیا کیا داغ کھائے اور کوئی اور وجہ ہے تو پہلے اس کی تعین فرمائیے پھر قیاس و طریقے مگر دل میں تو آپ بھی جانتے ہیں کہ یہ لباس خلفاء عباسیہ نے بوجہ آرائش اختیار کیا تھا کوئی صدمہ باعث سیاہ پوشی نہیں ہوا۔ علیٰ ہذا القیاس خانہ کعبہ کا غلاف کسی تعزیر میں سیاہ نہیں ہو گیا آرائش خانہ معظمہ مقصود ہے کوئی تعزیرت مقصود نہیں۔ شیعیہ حضرات کو بھی اس واقعہ پر اظہار سرور و نظر ہو گا جو لباس زینت اختیار کیا۔ اور شاید کہیں یقینی کہئے۔ تاشہ، سرفہ (باجا، طبلہ، ڈھول، نصیری، روشنی، گانا، بجانا، کون سی بات شادی کی چھوڑ دی، فقط ایک آنکھوں کو کھٹوک لگا کر زور سے چلانا اور سینہ پر ہاتھ مار کر محفل کو سر پر اٹھانا غم میں شمار کر لیجئے یا بھانڈوں کا تماشہ قرار دے لیجئے۔ مگر غم کا کوئی سامان ہی نہیں۔ ہے تو شادی ہی کا سامان ہے۔ سو جیسے بوجہ شہادت سامان عیش و نشاط وقت شادی بھانڈوں کی کسی مصیبت کی نقل میں چھینے کو غم پر کوئی محمول نہیں کرتا یہاں بھی وہی سارا سامان موجود ہے۔ غم نہ سمجھئے شادی شیعہ سمجھئے۔

(شیعوں کے اصل پیشوا کون ہیں) | اور کیونکر نہ سمجھئے شیعوں کی اصل کو ٹٹولیے تو ان کے پیشوا وہی ہیں۔ جنہوں نے اول حضرت سید الشہداء (کر بلا) رضی اللہ عنہ کو بلایا پھر دغا مے کر عبید اللہ بن زیاد کے ساتھ ہو کر حضرت کو قتل کروایا۔ سو ان کو اور ان کی امت کو خوشی نہ ہوگی تو اور کیا ہو گا۔ اور اسے بھی ایک طرف رکھیے۔ ہم پوچھتے ہیں حضرت سید الشہداء کا اظہار غم ہی چاہیے۔ مثل اہلسنت صبر کر کے اس غم میں دل کو نہ جلائیے۔ پر یہ تو بتائیے کہ یہ قاعدہ اظہار غم کا کہاں سے اڑایا۔ اللہ تعالیٰ نے مثل قواعد دین اس کے لیے کوئی قاعدہ نہیں بنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم نہیں فرمایا۔ بجز اس کے کہ نصائی سے یہ بات اڑائی ہو اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ نصرائیوں میں اظہار غم کے لیے اس قسم کے احکام صادر ہوئے ہیں۔ مگر اہل دانش جانتے ہوں گے کہ مور صاحب کے ماتے جانے میں جو حکم سیاہ پوشی ہر عام خلاص



کو ہوا تھا تو ان کے دل میں اس بات سے غم نہیں گھس گیا تھا بلکہ فقط ایک نفاق ہی نفاق تھا خیر یہ تو بھی جانتے ہیں کہ ان باتوں سے دل میں غم نہیں آجاتا۔

(حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت علیؑ کی [اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ جو رسول اللہ ﷺ] مشابہت اور دو گمراہ فسوقوں کا ظہور) صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ

کو فرمایا تھا کہ مثل حضرت عیسیٰ علیہ السلام و علی بنی الصلوٰۃ والسلام ایک قوم تمہاری محبت میں ہلاک ہوگی اور ایک قوم تمہاری عداوت میں (منہم من لا یأمن) و خوارج نے سچ کر دکھایا یعنی اگر خوارج نے دوبارہ عداوت حضرت امیر رضی اللہ عنہ یہود کی پیروی اختیار کی تھی۔ حضرات شیعہ دوبارہ افراط محبت نصاریٰ کے قدم لقدم چلے۔ تفسیر یہ ہے تو صاف صاف حضرت امیرؑ کی خدائی کا اقرار کیا۔ اور اثنا عشریہ نے گو اس طرح بے پردہ اقرار نہ کیا پر بوجہ اثبات علم غیب وغیرہ پردہ میں خدائی کا اقرار کیا۔ کیونکہ علم غیب بمشادہت کلام اللہ چنانچہ مذکور ہو چکا خدائی کو ایسی طرح لازم ہیں جیسے آفتاب کو دھوپ۔ سو جیسے دھوپ سوا آفتاب اور کسی چیز میں نہیں الے ہی علم غیب سوائے خداوند علیم کسی اور میں نہ سمجھنا چاہیے اور کوئی سمجھے تو یوں سمجھو کہ یہ شخص اس کو خدا سمجھتا ہے۔

(شیعہ فرقہ کی حضرت امام حسینؑ سے محبت عیسائی فرقہ انصاری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سولی پر چڑھنے کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ محبت کے مشابہت ہے) کو اپنے گناہوں کے لیے کفارہ سمجھتے ہیں۔

حضرات شیعہ حضرت سید الشہداءؑ کے خون کا خون بھائیوں کی مغفرت خیال کرتے ہیں اور ان کے یہاں حضرت مسیح کی حاضری ہوتی ہے۔ جس میں نان و شراب کو بلفظ گوشت و خون مسیح علیہ السلام تعبیر کر کے نوش کرتے ہیں۔ یہاں باحتمال اختلاط خون سید الشہداءؑ خاک کر بلا کو پانی شربت میں مخل کر حضرت کا خون پیتے ہیں اور کیوں نہ ہیں حضرت کے خون کے پیاسے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اور چال ڈھال کو خیال کیجئے تو بالکل وہی نسبت ہے جو کہا کرتے ہیں یہ سگ زرد برادر شحال۔ فرصت نہیں ورنہ میں ہی تفصیل کر دیتا۔ ایک اظہار غم کے لیے سیہ پوشی رہ گئی تھی سو وہ بھی امام ہمام رضی اللہ عنہ کے غم کے بہانہ کہ دکھائی۔

(جلال الدین سیوطیؒ پر طعن کا جواب) [بایں ہمہ یہ تو فرمائیے کہ امام جلال الدین پر یہ اعتراض تو کیا پر نشان کتاب کیوں نہ بتایا۔ مصرعہ۔ انکار ہے صاف اس نے اسے اقرار سے ظاہر۔



اور ہم کہتے ہیں کہ جلال الدین سیوطی نے خلفاء عباسیہ کے لیے فتویٰ سیر پوشی ہی دیا پر یہ فرماتے مثل  
سیر پوشی محرم موجب ثواب تو نہیں فرمایا جو آپ کو گنجائش قیاس ہو۔ اس کے سوا آپ نے جو بھاگتے ہوئے  
اور ایک پشتنگ مارا اور یہ فرمایا کہ جلال الدین سیوطی نے خلفاء عباسیہ کو اولوال الامر قرار دیا اس کی کیا حجت  
تھی اگر احتیاد باعتبار ظاہر لیتے ہو تو اس میں کچھ کلام ہی نہیں آپ بھی جانتے ہیں کہ وہ خلیفہ تھے۔ آپ نے  
سوال ہی میں ان کو بلقب خلفاء عباسیہ یاد کیا ہے پھر ام جلال الدین نے اگر ان کو اولی الامر کہہ دیا  
تو کیا گناہ ہے اور اگر باعتبار وجہ استحقاق لیجئے۔ یعنی، قریشیت، صلاحیت تقویٰ وغیرہ جن کی  
فراہمی سے خلیفہ وقت، خلیفہ راشد کہلاتا ہے۔ تو اس کو آپ بھی جانتے ہیں کہ اہل سنت و جماعت  
میں سے کوئی بھی ان کو خلیفہ راشد نہیں کہتا بلکہ اکثر لوگ جہلین سے سمجھتے ہیں خلفاء راشدین  
پورے پورے قرآن کے نزدیک پانچ ہی ہیں چار یار (جن کی خلافت موعودہ علیٰ منہاج النبوة تھی) اور  
ایک امام حسن رضی اللہ عنہم مگر ان کے خلیفہ راشد ہونے اور اوروں کے نہ ہونے کے یہ معنی نہیں  
کہ اور سب ظالم ہی تھے اس کی ایسی مثال ہے جیسے شیعوں کہتے ہیں کہ ولی حضرت امیر ہی ہیں۔ مگر  
اس کے یہ معنی نہیں کہ گیارہ امام باقی نعوذ باللہ گنہگار ہیں۔ رہا خلفاء عباسیہ کا مصداق۔

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ  
مِنْكُمْ رِثَاسَ ۸۷

کا مصداق ہو کہ واجب الطاعت ہونا سو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک خلیفہ کا مقرر  
کرنا بایں غرض کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کرے یعنی ضروریات دین کو جاری کرے اور  
بدعات اور سیئات اور کفریات کو مٹانے چنانچہ لفظ اولوال الامر بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔ سو اگر  
وہ اقامت دین قائم کرے تب اس کی اطاعت کرے ورنہ گناہ کے مقدمہ میں کسی کی اطاعت  
نہیں۔ بالجلد جب وہ کار مذکور نہ کرے تب وہ اولی الامر ہی نہیں اگر بالکل برعکس کرتا ہے تو بالکل  
نہیں۔ اور اگر کسی قدر وہ اقامت دین بھی کرتا ہے تو اسی قدر وہ اولوال الامر بھی ہے اتنی ہی باتوں  
میں اس کی اطاعت واجب ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اگر وہ اقامت دین نہ کرے تو کیا کیجئے  
اگر صبر و تحمل اپنے اندر نظر آئے تو مثل سید الشہداء رضی اللہ عنہ اپنی جان پر کھیل جائے۔ ورنہ مثل دیگر  
امر صبر کرے اور چوں و چہرہ نہ کرے۔



اس کے بعد کچھ ارشاد ہے اس کی تشبیہیں حیران ہوں۔ بوا سیر خر لیئے یا گوز شتر لکھئے بئرل  
اس میں تو آپ نے اسی عورت کا کام کیا ہے جو آپ گوز مار کر اوروں کے ذمہ لگایا کرتی تھی۔ خیر  
اس سے تو شاید آپ بڑا مانیں گوز بڑا ماننے کا موقع نہیں بدایت آپ کی طرف سے ہے اور یہ  
سنا ہی ہو گا۔ ”کلوخ انداز را پاداش سنگ است“ مگر پھر ہم در گذر کرتے ہیں اور دوسرا شعر  
آپ کی مجرا میں نقل کرتے ہیں۔ ۷

کازلف تست مشک افشانی اما عاشقاں | مخدوم من ایسے کیوں بھولے بن گئے ہو۔ لطف حریر کے مسئلے کی شہرت  
(فقہ جعفریہ کے فحش مسائل) | مخدوم من ایسے کیوں بھولے بن گئے ہو۔ لطف حریر کے مسئلے کی شہرت  
تو شرق سے غرب تک پہنچ گئی۔ سنیوں سے تو تب چھپراٹھانی تھی جیب مذہب شیعہ پر تہم کر لیتے  
اور ہماری طرف سے پیشش باد سن لیتے۔ مگر آپ نے کچھ تو خدا کا خوف کیا ہوتا حضور مرنا بھی ہے  
اس طوفان بے تمیزی کے لچھن بھی دیکھنے میں ہمیں پر تہمت لگائیں پھر ہمیں سے آنکھیں ملائیں یہ  
چہ دلاور است دزدے کہ بکھ چرخ دارد

بحر الرائق مثل کتب شیعہ ہمارا وجود نہیں۔ کہیں اول سے آخر تک یہ بات نکل آئے کہ اس  
قسم کے افعال (مذکور در سوال گمشدہ) جائز ہیں تو ہم آپ کو سلام کہ جائیں۔ ہاں اہل فقہ ہر قسم کے احتمالات  
لکھ کر ان کے احکام لکھ دیا کرتے ہیں۔ مثلاً شیعوں کے یہاں روزہ میں اگر کوئی شخص اپنی ماں کا بوسہ  
دے لے تو اس کے ذمہ کفارہ نہیں آتا۔ یا بیٹی سے زنا کرے اور حضرت امہ سے اعتقاد باقی ہے  
تو کافر نہیں ہو جاتا۔ سو جیسے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بیٹی سے زنا اور ماں کا بوسہ لینا جائز ہے  
یہی اگر کسی سنی نے ایسی ہی (صورت فرض کر کے) کوئی بات لکھ دی تو اس سے اس کا جواز ثابت  
نہیں ہوتا۔ اہل سنت و جماعت اور شیعہ میں یہ بات متفق علیہ ہے کہ روزہ رکھنا ناقض نماز نہیں  
اور نماز کا نہ پڑھنا ناقض صوم نہیں۔ مگر اہل فہم کے نزدیک اس کے یہ معنی نہیں کہ روزہ کا نہ رکھنا اور  
نماز کا نہ پڑھنا جائز ہے۔ ہاں شیعوں کے فہم میں اگر ایسی عبارات سے ایسے معنی سمجھ میں آجائیں تو  
کیا بعید ہے کہ انہیں اللہ نے فہم نہیں دیا۔ مگر انہیں فہم نہیں تو ہماری بھی ان سے کلام نہیں  
اہل فہم سے کلام ہے بالجمہ حضرات شیعہ کی قدیمی عادات ہے کہ اپنا عیب دوسروں کے ذریعے لگاتے  
ہیں ۸



یہ مزید فہم و فراست شاید اعلیٰ زمان سے ہی میسر آیا ہے جیسا کہ اس فہم میں سارے جہان سے ممتاز ہیں یہ چیز اور سب کے یہاں حرام ہے ہاں حضرات شیعہ البتہ اس دولت بے زوال سے کامیاب ہیں یہ عقل اور یہ مضامین وہیں سے نکالے ہوں گے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر اس زمانہ تک جتنے انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں ان کے دین میں یہ بات کبھی جائز نہیں ہوئی۔ جو لوگ پابند دین نہیں اپنے کسی آئین کے پابند ہیں ان میں سے کسی نے آج تک یہ بات تجویز نہیں فرمائی۔ ہاں علماء شیعہ نے زن منکوحہ اور باندی سے اعلیٰ کرنا حلال طیب رکھا ہے چنانچہ ”ارشاد“ میں علامہ حلی ارشاد فرماتے ہیں۔

والوطی فی الدبر کالوطی فی القبل  
فی جمیع الاحکام حتی فی تعلق  
النسب۔  
(اور دُبر (جائے براز) میں جماع کرنا اسی طرح جیسے قبل  
(جائے پیشاب) میں جماع کرنا۔ تمام احکام میں حتی کہ  
نسب (بچہ) ثابت ہونے میں بھی)

جس کے (عند الشیعہ) یہ معنی ہیں کہ اعلیٰ کلام اللہ میں تبصریح مذکور ہے (معاذ اللہ۔ کیونکہ) نسائکم  
کُم حرث لکم جس کے کھلے ہوئے یہ معنی ہیں کہ تمہاری عورتیں تمہارے کھیت ہیں اور سب

۱۔ وطی فی الدبر یعنی عورت سے اعلیٰ عند الشیعہ جائز ہونے کے اس کے علاوہ بھی دوسری متعدد معتبر  
کتب شیعہ سے ثبوت موجود ہیں۔ شیعہ کی مشہور کتاب استبصار میں تو ایک مستقل باب بھی اس سلسلے میں موجود  
ہے ”باب اتیان النساء فی ما دون الفرج“ اور پھر اس باب کے نیچے مختلف سندوں کے ساتھ متعدد روایات  
جمع کی ہیں۔ چند درج ذیل ہیں۔

۱۔ عن عبد اللہ بن ابی یعفور قال سألت  
ابا عبد اللہ علیہ السلام عن الرجل  
یاتی المرأة فی دبرها قال لا بأس اذا رضیت  
(استبصار ص ۲۴۲ و تہذیب الاحکام ص ۲۴۱)

عبد اللہ بن ابی یعفور کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق  
سے اس آدمی کے بارے میں سوال کیا جو عورت سے  
اس کی جائے براز میں وطی کرتا ہے منکر یا واجب  
وہ راضی ہو تو کچھ حرج نہیں۔

۲۔ عن ابی الحسن الرضا علیہ السلام عن  
اتیان الرجل المرأة من خلفها فی دبرها  
الواحد رضا علیہ السلام سے کسی نے سوال کیا جو آدمی  
عورت کے ساتھ جائے براز میں وطی کرے تو انہوں  
(باقی حاشیہ ص ۳۹ پر)



جانتے ہیں کہ کھیت بغرض زراعت ہوتا ہے سو وہ زراعت جو اس کھیت سے مقصود ہے اور وہ پیداوار اس زمین میں ہوتی ہے یہی اولاد ہے جو بطریق محمود ہے عورت کی مباشرت سے مقصود ہے۔ اعلیٰ سے متصور نہیں ہاں کوئی افنون یا طلسم (جادو) حضرات شیعہ کے پاس شاید ایسا ہو مثل بازی گروں کے کہیں ڈالیں اور کہیں سے نکالیں۔ شعر

نہیں میں غون سے مٹرگان تر یہ خار و لہشیں نکلے جنوں یہ نیشتر کیسی کہیں ڈوبے کہیں نکلے  
قربان جلیے اس مذہب کے جس میں دنیا میں یہ عیش و نشاط، اور آخرت میں وہ درجات۔ اور  
بھی کچھ نہ ہو تو اس مذہب کی افضلیت کے لیے متو کے فضائل اور حمول اور اہمات الاولاد کی  
بغرض صحبت و اعلیٰ عاریت مینے کے ثواب اور درجات اور اعلیٰ کا جو از کافی ہے سبحان اللہ  
اہل سنت پر آوازہ پھینکتے ہیں اور اپنے آپ کو نہیں دیکھتے مگر یوں کہے کہ اس اسرار کی برکات  
کی اہانت کو خیر نہیں۔ شعر۔

مادر پیالہ عکس رخ یار ویدہ ایم لے بے خبر ز لذت شراب مدام ما  
اب فرمایئے کہ لذت کی باتوں کو خدا و رسول کے نام پر لگا کر شیعوں نے دین آئین بنا رکھا ہے

### بقیہ حاشیہ

فقال احلتها آية من كتاب الله تعالى  
قول لوط عليه السلام (هوذا بناتي هن  
اطهر لكم) (استبصار ص ۲۳۲ و تہذیب الاحکام ص ۱۵۶)

۲۔ عن صفوان يقول قلت للرضا عليه السلام  
ان رجلاً من موالیک امرنی ان اسألك عن  
مسئلة فهابک واستحیا منک ان یسألك قال  
ما هی قال قلت للرجل ان یاتی امرأتہ فی  
دبرها قال نعم ذلک له۔

(استبصار ص ۲۳۲ و تہذیب الاحکام ص ۱۵۶)  
نہ کہتا ہوں کہ اس کے لیے درست ہے۔ ۱۲۔ محمد شرف۔



یا اہل سنت نے؟

اب لازم یوں ہے کہ بس کچھ مگر یوں عرض کرتے ہیں کہ ایسی باتوں کا سننا (سننا) شیعہ نہیں پر موافق جبر و اسیتہ سیتہ مثلاً کے ہم کو بھی دوسرے (لجہ) میں جواب دینا پڑا۔  
سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ اور  
صحبت محمود کے احکام سارے ایک ہیں یہاں تک کہ ثبوت نسب بھی ہے۔ کیا مزے کی بات  
ہے۔ کتاب (ارشاد) سے اعلان کرنا جائز تھا وہ کیا انہوں ہو گا۔ جس سے بچ بھی دُبر کی راہ سے  
آجائے۔ بہر حال حضرات شیعہ کے مذہب میں بڑا لطف ہے کہ متعہ تھا ہی اعلان بھی ہے۔  
وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى حَبِيبِهِ خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَخُلَفَائِهِ  
وَأَصْحَابِهِ وَأَزْوَاجِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ وَجَمِيعِ أُمَّتِهِ أَجْمَعِينَ۔





# مولانا عبید اللہ سندھی کے علوم و افکار

از: حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی، بانی مدرسہ نصرۃ العلوم و خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ

برصغیر کے نامور عالم دین، انتہائی ذہین، فہم مستقیم، ذہن ثاقب، فطانت و سمجھ میں قوت قدسیہ کے مالک، قرآن کریم کے دورِ حاضر میں بے بدل مغسر، حدیث کی مشکلات پر کما حقہ نگاہ رکھنے والے، فقر اور دیگر علوم فنون عقلیات و نقلیات میں کمال درجہ کی مہارت تامہ رکھنے والے۔ اقتصادیات، معاشیات، تاریخ اور قدیم و جدید فلسفہ کے امام، سیاسیات و پولیٹیکل معاملات سے کما حقہ باخبر و دقیق سے دقیق مشکل کو اپنے عمل و تدبیر سے حل کرنے والے، انجمنی ہوئی جمعیوں کو سلجھانے والے، عظیم سونے باعمل عالم، قرآنی انقلاب کی روح سے منور، شیطانی اور فاساد خود ساختہ نظاموں کو درہم برہم کرنے والے، راسخ العقیدہ، پرورشِ مسلم، مرتبی علماء و محسن انسانیت، معلم قرآن، فلسفہ ولی اللہی کے ماہر استاد اور صبیح اسلامی انقلاب کے علمدار، سلف صالحین بالخصوص امام ابوحنیفہؒ کے مکتب فکر کے عظیم ترجمان، علمائے دیوبند کے تربیت یافتہ، انتہائی درجہ کے متقی پرہیزگار، خدا پرست عالم حضرت مولانا عبید اللہ سندھی جن کی لہجوں نے ناقدری کی اور بیگانوں نے کبھی تو اتحاد و اشتراکیت کا اہتمام، کبھی تشدد و عنصیت کا الزام لگایا اور کبھی تجدد و مغربیت کی طرف نسبت کی۔

مولانا کی طرف منسوب غلط باتیں، افکار و خیالات میں انکی غلط ترجمانی، تعصب کی وجہ سے مولانا کی شخصیت کو مجروح کرنے کی ناکام کوشش، تلامذہ و معاصرین کی مولانا کے صحیح افکار پیش کرنے میں کوتاہی اور دیگر غلط فہمیوں کے ازالہ کے ساتھ ساتھ اس مختصر کتاب سے مولانا کی شخصیت انکے مقام اور کام کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

علاوہ ازیں مولانا کا پورا ذہنی پس منظر استعدادات، اعمال، تعلیم و تربیت، خاندانی حالات، راسخ العقیدہ بزرگوں سے تربیت پانے اور سلاسل طیبہ میں بیعت اور اشتغالات، آزادی ملک و وطن کیلئے بے پناہ قربانیوں اور صعوبتوں کو برداشت کرنے، انگریز کی جبروں کو برصغیر سے اکھاڑنے، مسلمانوں کو ان کے اصل مقام کی طرف لانے، علماء کو ان کا صحیح مقام دلانے کے سلسلہ میں مولانا کی کوششوں کا اجمالاً یا تفصیلاً خاکہ آپ کو زیر نظر کتاب میں ملے گا۔ جو پڑھنے سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ قیمت: ۵۱ روپے

ناشر، ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ



# نمازِ مسنونہ کلاں

تالیف

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی

دَامَتْ بَرَکَاتُہُمْ

نمازِ مسنونہ فرد کے بعد نمازِ مسنونہ کلاں ایک ایسی مفید اور نماز کے موضوع پر جامع کتاب ہے جو نماز کے تمام ضروری مسائل مع قوی دلائل از کتاب و سنت، احادیث صحیحہ، تعامل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کے مضبوط اقوال سے مزین ہے جس میں طہارت، اذان، اوقات نماز، فرائض، سنن و مستحبات، مکروہات و مفسدت کا پورا بیان ہے۔ ارکان، واجبات و سنن کی پوری حکمت اور ضروری مباحث درج ہیں۔ جمعہ و عیدین، نماز جنازہ اور نوافل وغیرہ کے جملہ اہم مباحث اور اس کے ساتھ اذکار و دعوات اور خطبات کا ایک بہترین نصاب درج ہے۔ عام قارئین کے علاوہ علماء کرام، اساتذہ عظام اور خصوصاً طلباء علم دین کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے جس کا انداز بیان اور زبان نہایت سادہ اور عام فہم ہے۔ عمدہ کاغذ، بہترین کتابت و طباعت، معیاری جلد بندی، قیمت :- ۱۴۰ روپے

ناشر

مکتبہ دروس القرآن

محلہ فاروق گنج، گوجرانوالہ

ملنے کے پتے

۱۔ ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۲۔ مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ



# عقیدۃ الطحاوی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متفقہ علیہ عقائد کا مستند ترین مجموعہ جس کو پڑھ کر تمام مسلمان اپنے دین و اسلام کو محفوظ کر سکتے ہیں، اصل عربی عبارت نہایت خوشخط ایک کالم میں نہایت آسان سلیس اردو ترجمہ ہے جسے خواص و عام سب پڑھ کر اپنے عقائد کی اصلاح کر سکتے۔ ابتدا میں عقیدہ کی اہمیت اور ضرورت پر اودام طحاوی کی مختصر سوانح حیات پر ایک ایمان افروز اور مفید ترین مقدمہ بھی ہے۔ قیمت - ۹/- روپے

ناشر

ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر گو جرانوالہ

البيان الاذہر

ترجمہ: فقہ اکبر

عقائد کے بیان پر مشتمل یہ مختصر سراسر سالہ جس کے مصنف حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ ہیں۔ گمراہ نظریات اور گمراہ فرقوں کی کج روی سے اپنے دین و ایمان کو بچانے کی ہر دوش میں اہمیت رہی ہے اور آج کے کج اندیش اور گمراہیوں سے پردہ میں اسکی ضرورت سب سے زیادہ ہے ہر خورد و کلاں اس بزرگ نام کے اس کتابچہ کو پڑھ کر اپنے ایمان و عقیدہ کی اصلاح اور اپنے اہل و عیال کے ایمان و اعتقاد کی حفاظت کر سکتا ہے۔ قیمت - ۵/- روپے

ناشر: ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر گو جرانوالہ